اہل السنۃ پبلی کیشنز دینہ ضلع جہلم

نام کتاب	تحفہ حسینیہ (جلد اول)
مصنف	شیخ الحدیث علامہ محمد اشرف سیالوی
تزئین و اہتمام	محمد ناصر الہاشمی
اشاعت	نومبر 2007ء
تعداد	1100
قیمت	200 روپے
ناشر	اہل السنہ پبلی کیشنز دینہ (جہلم)

ملنے کے پتے

فہرست مضامین تحفہ حسینیہ جلد اول

کلمۃ التقدیم

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم وعلی آلہ وصحبہ اجمعین۔

اما بعد!

فأعوذ باللہ من الشیطان الرجیم۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

رسول مکرم نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دنیائے فانی سے عالم جاودانی کی طرف انتقال فرماتے وقت اپنے غلاموں کے لئے راہ نجات وفلاح اور صراط مستقیم اور طریق رشد بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

انی تارک فیکم ما ان تمسکتم بہ لن تضلوا بعدی احدھما اعظم من الآخر کتاب اللہ حبل ممدود من السماء إلی الأرض وعترتی اھل بیتی ولن یتفرقا حتی یردا علی الحوض فانظروا کیف تخلفونی فیھما۔

(ترمذی باب مناقب اہل بیت جلد ثانی ص ۲۱۹ وکذا فی التفسیر الصافی ص ۱ مقدمہ میں تم میں دو ایسے قیمتی اثاثے چھوڑ کر جا رہا ہوں کہ جب تک تم ان کے ساتھ وابستہ رہو گے ہرگز گمراہ نہیں ہوگے ان میں سے ایک دوسرے سے عظیم تر ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی کتاب جو آسمان سے زمین کی طرف لٹکائی ہوئی رسی کی مانند) ہے اور دوسرا قیمتی اثاثہ) میری عترت اور اہل بیت ہے۔ اور وہ دونوں ہرگز جدا نہیں ہوں گے۔ یہاں تک کہ مجھ پر روز قیامت آوارد ہوں گے۔ پس خیال رکھنا کہ تم ان دونوں میں کس طرح میرا حق نیابت وخلافت ادا کرتے ہو۔

یہ روایت انہی الفاظ کے ساتھ بھی اور قدرے اختلاف الفاظ کے باوجود

معنوی اور مفہومی اتحاد و موافقت کے ساتھ اہل السنت اور اہل التشیع دونوں کی مستند کتابوں میں مروی و منقول بھی ہے اور مسلم و مقبول بھی۔ جس سے راہ ہدایت اور صراط مستقیم واضح ہوگیا کہ وہ مسلک اور مذہب، عقیدہ و نظریہ درست ہے جس پر کتاب اللہ اور اہل بیت کی مہر تصدیق ہو اور ہر وہ راہ و روش اور فکر و نتیجہ غلط اور باطل ہے جو اس تصدیق و تائید سے محروم ہو۔ لہٰذا متلاشیان حق و صداقت کے لیے اس امر کی تفتیش و جستجو اور تحقیق و تدقیق از بس ضروری تھی کہ اسلامی فرقوں میں سے کون سا فرقہ اس معیار صداقت پر پورا اترتا ہے اور کون سا فرقہ اس معیار پر پورا نہیں اترتا۔

حضرت شیخ الاسلام خواجہ محمد قمر الحق والملۃ والدین قدس سرہ العزیز نے بھی اسی فرمان صداقت نشان کو مدنظر رکھتے ہوئے اور اہل اسلام کی خیر خواہی اور بھلائی کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہ رسالہ "مذہب شیعہ" تالیف فرمایا اور اس میں رشد و ہدایت اور فوز و فلاح کی ضامن اور گمراہی و ضلالت سے تحفظ اور سلامتی کی متکفل صورت ان کے سامنے رکھی اور اہل اسلام کے اختلاف و نزاع کو کم کرتے بلکہ ان میں باہمی اتحاد و اتفاق پیدا کرنے کی سعی جمیل فرمائی اور شیعہ سنی کی صدیوں پرانی آویزش اور جنگ و جدال کو ختم کرنے کے لیے گویا ایک مصالحتی فارمولا فریقین کے سامنے رکھا اور اس آئینہ میں ہر ایک کو اپنے نظریہ کی حقیقی صورت دیکھنے کی دعوت دی۔

اس رسالہ کے مطالعہ سے قارئین کو معلوم ہو جاتا ہے کہ قرآن مجید اور اہل بیت کرام کا متفق علیہ راستہ کونسا ہے۔ اور یہ حقیقت روز روشن کی طرح کھل کر سامنے آجاتی ہے۔ کہ اہل بیت کی طرف منسوب نظریات و عقائد میں سے صحیح اور برحق نظریہ و عقیدہ وہی ہو سکتا ہے جس کو قرآن مجید کی تائید اور موافقت حاصل ہے۔ اور جو قرآن مجید کے برخلاف اور برعکس ہے وہ ان پر بہتان ہے اور افتراء محض، نیز جس طرح قرآن ظاہر و باہر ہے اور ہر ایک کے سامنے کھلا ہوا ہے اسی طرح اہلبیت کا حقیقی مذہب بھی وہی ہو سکتا ہے جو انہوں نے اعلیٰ رؤس الخلائق برملا بیان فرمایا جس کا محراب و مسجد اور منبر و مسند پر درس دیا اور ضرورت پڑنے پر جس کو تلواروں کی چھاؤں، تیروں کی بارش اور نیزوں کی نکیلی نوکوں کے سامنے بھی پوری جرأت و بیباکی کے ساتھ

بیان فرمایا جس کو ہر مدعی اسلام نے بھی سنا اور اغیار نے بھی، جو کسی ایک فرقہ کے ذریعے نہیں بلکہ جملہ اہل اسلام کے تواتر کے ساتھ۔

ان سے مروی و منقول ہے اور جو

آئین جواں مردان حق گوئی و بے باکی

اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

کی مکمل تفسیر اور عملی نمونہ ہے اور ان مقدس ہستیوں کی شان والا اور مقام بالا کے عین مطابق جو لوگوں کو صداقت و راست بازی، حق گوئی و بے باکی، جرأت و بسالت اور حریت فکر کا درس دینے کے لیے پیدا کئے گئے اور حق و صداقت اور صدق و سچائی کی خاطر جان کی بازی لگا دینے اور جام شہادت نوش کرنے کا سبق دینے کے لیے دنیا میں ظاہر کئے گئے قال تعالیٰ: کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر۔ الآیہ۔

اس کے برعکس خفیہ ذرائع اور رازدارانہ انداز میں چند مخصوص افراد کی زبانی منقول ہونے والا اور ائمہ کرام کی طرف منسوب کیا جانے والا مذہب و مسلک جو اس متواتر قطعی الثبوت، علانیہ اور مہر نیم روز کی طرح روشن نظریہ و عقیدہ کے مخالف و معاکس ہو اور قرآن مجید اور فرقان حمید کے بھی سراسر خلاف ہو وہ قطعاً ان مردان حریت آموز اور جوانان سیادت پناہ کا مذہب و مسلک نہیں ہو سکتا اور نہ ان کے حق میں قابل قبول اور لائق اعتماد و اعتبار، علی الخصوص جب کہ اس عقیدہ و نظریہ کے داعی حضرات کی کتب رجال میں ہی ان راویوں اور ناقلین کے متعلق کذاب و مفتری دجال و ملعون اور یہود و مجوس بلکہ ان سے بھی بدتر ہونے کے فتاویٰ خود ائمہ کرام کی زبانی منقول ہوں اور ان لوگوں کے عقائد فاسدہ اور نظریات باطلہ سے ائمہ کرام براءت اور بیزاری کا اظہار کرتے نظر آئیں (جس کا مفصل بیان قارئین کی خدمت میں بعد میں پیش کیا جائے گا) تو پھر اس کو مذہب اہل بیت کہنا قطعاً درست نہیں ہو سکتا۔

الغرض حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ نے شیعی کتب معتبرہ سے باحوالہ اور دلکش و

دلپذیر اندازاور باوقار اسلوب بیان کے ساتھ انتہائی ناصحانہ اور مشفقانہ انداز میں۔
دل آزاری اور دلخراشی سے منزہ اور مبرا طرز نگارش کے ساتھ اہل بیت کرام کا اصلی اور
حقیقی مذہب اور قرآن مجید کے ساتھ متحد و متفق نظریہ سپرد قلم فرما کر ملت اسلامیہ پر احسان
عظیم فرمایا۔

ترتیب رسالہ "مذہب شیعہ" اور اس کے مضامین

حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز کا بنیادی مقصد اہل بیت کرام اور صحابہ کرام علیہم
الرضوان کے درمیان اخوت و محبت، ایک دوسرے کی تنظیم و تکریم، ادب و احترام اور
باہمی مروت و رواداری کا بیان ہے۔ اور علی الخصوص ائمہ اہل بیت کی زبانی صحابہ کرام
اور بالخصوص خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کی مدح و ثنا، تعریف و توصیف
اور ان کے فضائل و مناقب کو بیان کرنا ہے اور ان میں باہمی بغض و عناد، دینی مخالفت
مخاصمت اور نظریاتی اختلاف و نزاع کی لغویت اور بطلان کو ظاہر کرنا ہے۔ اور خلافت
خلفاء کی حقانیت و واقعیت کو ثابت کرنا اور خلافت مرتضویہ کی مخصوصیت اور اس کی ۔
وصایت وغیرہ کے دعاوی کو باطل کرنا ہے اور یہی امور اس رسالے کا بنیادی مقصد
اور اس کی روح رواں ہیں۔ ضمناً آپ نے ان امور کی حقیقت بھی واضح فرمادی جن
کو خلافت خلفاء کے منافی سمجھا جاتا تھا۔ مثلاً حدیث منزلت، حدیث غدیر وغیرہ اور
اسی ضمن میں مطاعن صحابہ میں سے اہم ذریعہ طعن و تشنیع فدک تھا۔ اس میں صدیق
موقف کی حقانیت کو اجاگر فرمایا جس کے بعد شکوک و شبہات کا گرد و غبار آفتاب
حقیقت کے چہرہ سے ہٹ گیا۔ اور اوہام و وساوس کی سیاہ گھٹائیں صداقت کے
مہرنیم روز کے آگے سے چھٹ گئیں اور کتاب اللہ اور عترت و اہل بیت کا اصلی
مذہب و مسلک اور متحدہ و متفقہ نظریہ و عقیدہ ہر ایک منصف مزاج اور سلیم العقل مسلمان
پر واضح اور روشن ہو گیا۔

تحریف القرآن

معیار حقانیت اور برہان صداقت جیسے کہ عرض کیا جا چکا ہے ثقلین ہیں ۔ یعنی کتاب اللہ اور عترت رسول واہل بیت اور ان کی تعلیمات بھی ظاہر اور واضح ہیں تو پھر اختلاف کیوں؟ اور شیعہ وسنی تفریق اور نزاع واختلاف کا مقصد کیا؟ یہ سوال ہر شخص کر سکتا ہے اور کیا بھی جاتا ہے ۔ اس لئے شیعہ صاحبان کو گلو خلاصی اور چھٹکارے کی صرف یہی صورت نظر آئی کہ جس قرآن کے متعلق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمسک کا حکم دیا تھا ۔ وہ قرآن ہی باقی نہ رہا اور اصحاب رسول علیہ السلام نے اس میں دل کھول کر رد وبدل اور تغییر وتحریف سے کام لیا اور اس دعویٰ کے اثبات میں بقول علامہ طبرسی نوری صاحب فصل الخطاب، دو ہزار سے زائد روایات اور نقول تیار کر لی گئیں ۔ اور یہ نظریہ ائمہ اہل بیت سے مستفیض بلکہ متواتر روایات سے منقول ہونے کا دعویٰ کر دیا گیا ۔ اور محدث متبحر نعمت اللہ الموسوی نے انوار النعمانیہ میں اس پر شیعہ کا اجماع نقل کیا اور ۱۱۱۲ھ تک صرف تین شیعی علماء کو مستثنیٰ کیا اور ان کے متعلق بھی بتلایا کہ انہوں نے انکار تحریف صرف زبانی از رو ئے تقیہ کیا ہے تاکہ سنی لوگ یہ طعن وتشنیع نہ کر سکیں کہ جب اس کو درست تسلیم نہیں کرتے تو اس کی نمازیں تلاوت کیوں کرتے ہو اور اس سے احکام کا استنباط کیوں کرتے ہو ورنہ درحقیقت وہ بھی تحریف کے قائل ہیں اور خود انہوں نے اپنی کتابوں میں تحریف پر دلالت کرنے والی روایات نقل کی ہیں ۔

الثالث ان تسليم تواترها عن الوحي الالهي وكون الكل قد نزل به الروح الامين يفضي الى طرح الاخبار المستفيضة بل المتواترة الدالة بصريحها على وقوع التحريف في القرآن كلاما ومادة واعرابا مع ان اصحابنا رضوان الله عليهم قد اطبقوا

علی صحتها والتصدیق بها، نعم قد خالف فیها المرتضی والصدوق والشیخ الطبرسی وحکموا بأن مابین دفتی هذا المصحف هو القرآن المنزل لاغیر (الی) والظاهران هذا القول انما صدر منهم لاجل مصالح کثیرة، منها سد باب الطعن علیها بانه اذا جاز هذا فی القرآن فکیف جاز العمل بقواعده واحکامه مع جواز لحوق التحریف لها وسیأتی الجواب عن هذا کیف وهؤلاء الاعلام رووا فی مؤلفاتهم اخبارا کثیرة تشتمل علی وقوع تلك الامور فی القرآن وان الایة هکذا انزلت ثم غیرت الی هذا. (انوار نعمانیہ جلد ثانی ص ۳۵۷)

اور علامہ نعمت اللہ صاحب نے خود اس اشکال کا حل یہ نکال لیا کہ اصل قرآن کے ظاہر ہونے تک حکم الٰہ کے تحت اسی سے کام چلانے کی اجازت ہے اور جب اصلی قرآن ظاہر ہو گیا۔ تو اس کو اٹھا لیا جائے گا اور اس پر عمل ممنوع ہو جائے گا۔

فان قلت کیف جاز القراءة فی هذا القرآن مع مالحقه من التغییر قلت قد روی فی الاخبار انهم علیهم السلام امروا شیعتهم بقراءة هذا الموجود من القرآن فی الصلوة وغیرها والعمل باحکامه حتی یظهر مولانا صاحب الزمان فیرتفع هذا القرآن من ایدی الناس الی السماء ویخرج القران الذی الفه امیر المؤمنین فیقرأ ویعمل باحکامه (انوار النعمانیہ جلد ثانی ص ۳۶۳)

الغرض اہل تشیع نے بحیثیت مجموعی موجودہ قرآن کو اصلی اور واجب العمل تسلیم کرنے اور اس کو معیار صداقت مدار ہدایت تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور اس طرح ثقل اکبر

کی پابندی سے اپنے آپ کو بری الذمہ قرار دے لیا۔ اس مناسبت سے حضرت شیخ الاسلام نے مبحث تحریف کو ابتدائی اوراق میں ذکر فرمایا اور اس کی نوبت اور بطلان کے اظہر من الشمس ہونے کی وجہ سے اس کے ابطال پر زیادہ زور نہ دیا۔

نظریہ تقیہ کی ایجاد

جب اہل تشیع نے دیکھا کہ ہم نے قرآن مجید کی اطاعت واتباع سے خلاصی اور چھٹکارے کی جو صورت نکالی ہے وہ بالکل بے سود اور غیر مفید ہے کیونکہ اہل بیت کرام کا مذہب ومسلک اور ان کے ارشادات اور بیانات سراسر ہمارے خلاف ہیں اور ان کے ہوتے ہوئے ہمارے اس نظریہ وعقیدہ کی ترویج واشاعت ممکن نہیں ہے تو اس کا حل تقیہ کی صورت میں نکال لیا گیا کہ اہل بیت کرام اور بالخصوص حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت امام محمد باقر اور حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہما خوف اعداء کی وجہ سے اصلی نظریہ وعقیدہ زبان پر نہیں لا سکتے تھے اور ہمیشہ تقیہ پر عمل پیرا رہے حتیٰ کہ حضرت امیر نے اپنے دور خلافت میں بھی برسر منبر حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے جو فضائل محامد ومدائح منقول ہیں وہ بھی اسی تقیہ پر مبنی ہیں اور اپنے حقیقی نظریہ کو چھپانے کے لیے ہے تاکہ مخالفین کو حقیقی نظریات کا پتہ چلنے پر لشکر میں افراتفری پیدا کرے اور اسے آپ سے جدا کرنے اور آپ کے اکیلا اور بے یار ومددگار رہنا دینے کا موقعہ نہ مل سکے، اس لیے ان کے اس قسم کے خطبات اور ارشادات کا قطعاً کوئی اعتبار نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ سیاسی چال تھی یا جان بچانے کی کوشش۔ اس لیے حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ نے اس نظریہ کو بھی بیان فرمایا اور شیعہ صاحبان کے راہ ثقلین سے عدول کا جواز پیدا کرنے کی مذموم چال اور گھناؤنی سازش کا انکشاف کر کے حضرت امام حسین شہید کربلا اور شہید راہ وفا کے عمل سے اس بہتان وافتراء کے بخیئے ادھیڑ کر رکھ دیئے بلکہ اس کی دھجیاں اڑا کر بکھیر دیں اور اہل بیت کے مقدس دامن سے اس گرد وغبار بلکہ غلاظت ونجاست کو صاف کر دیا۔

شیعہ مذہب کا بانی

جب مدار ہدایت قرآن مجید اور اہل بیت تھے اور ان دونوں کو ناقابل اعتبار ٹھہرا دیا گیا اور ان کے علاوہ سرچشمۂ ہدایت اصحاب رسول تھے جن کے متعلق سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم" میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں۔ ان میں سے جس کی بھی اقتداء و اتباع کرو گے ہدایت پالو گے (جس کو خود شیعی علماء نے بھی صحیح تسلیم کیا ہے۔ ملاحظہ ہو انوار نعمانیہ جلد اول صنا) مگر ان کو بھی صرف چار کے استثناء کے ساتھ مرتد کہہ دیا گیا۔ نعوذ باللہ اور ان چار کو بھی تقیہ باز تسلیم کیا گیا اور اس طرح اسلام کی بنیاد و اساس اور اس کی صداقت کے مدار و معیار کو۔ العیاذ باللہ منہدم اور معدوم کرنا لازم آگیا جس کی جرأت کوئی حقیقی مسلمان کیونکر کر سکتا تھا اس لیے یہ کھوج لگانا ضروری تھا کہ اہل اسلام میں ان غلط اور خلاف حقیقت لغو اور باطل نظریات کو داخل کرنے والا کون ہے؟ اور اہل بیت کی محبت و عقیدت کے دعووں کے پردہ میں پوشیدہ اور مستور پردگی کی حقیقت کیا ہے اس لیے حضرت شیخ الاسلام نے شیعی کتب سے ہی ثابت کیا کہ دراصل یہ یہودی سازش ہے اور عبداللہ بن سبا یہودی اس مکر و فریب کے جال کو بننے والا ہے اور آفتاب حقیقت کو اس عنکبوتی جالے سے چھپانے کی مذموم سعی کرنے والا ہے۔

قاتلان حسین کون ہیں؟

ہر دعوی کی صحت و واقعیت کا اصلی معیار مدعی کا عمل و کردار ہوا کرتا ہے اس لیے مدعیان محبت و قولی کے عمل و کردار کا اعلی نمونہ پیش کرنے کے لیے حضرت شیخ الاسلام نے بتلایا کہ امام مظلوم کو بلانے والے کون تھے اور پھر ان کے اور نونہالان گلستان زہرا کے خون سے ہاتھ رنگنے والے کون تھے تاکہ عمل و کردار کے آئینہ میں مدعی کا اصلی روپ اور حقیقی چہرہ سامنے آسکے اور عام اہل اسلام کو شکر چڑھے زہر سے بچانے کا اہتمام ہو سکے۔

بعض فروعی مسائل

جب اس فرقہ کی حقیقت و ماہیت واضح ہو گئی اور جامع تعریف و کامل تصویر کا حق ادا ہو گیا تو بعض فروعی مسائل جو وجود خارجی کے مشخصات کا کام دینے والے تھے اور تعریف ماہیت کے بعد بیان خواص کے زمرے میں آتے تھے ان کو بیان فرما کر رسالہ کو ختم فرمایا۔

علامہ محمد حسین ڈھکو

۱۹۵۷ء میں تصنیف ہونے والے اس مختصر سے رسالہ کا جواب ۱۹۷۶ء میں "تنزیہ الامامیہ" کے نام سے علامہ محمد حسین ڈھکو صاحب کی قلم سے منصۂ ظہور پر آیا جس کی تصنیف و تالیف پر سولہ سال صرف ہوئے۔ خیال تھا کہ علامہ موصوف نے خوب داد تحقیق دی ہوگی اور حضرت شیخ الاسلام کے ہر حوالہ بلکہ ہر جملہ کا مکمل تحقیقی جواب دیا ہوگا مگر جب اس رسالے کا مطالعہ کیا تو یہ خیال سراسر سراب ثابت ہوا اور علامہ موصوف کے حجۃ الاسلام ہونے اور مجتہد العصر ہونے کا بھانڈا چوراہے میں پھوٹ گیا۔

۱۔ حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز کی پیش کردہ آیات کو ہاتھ تک نہ لگایا۔

۲۔ نہج البلاغۃ اور اس کی شروح اور ان کے علاوہ اکثر حوالوں کو اس طرح ہضم کیا کہ ڈکار تک نہ لیا۔

۳۔ بعض حوالہ جات کے انتہائی واضح ہونے اور کتاب کے اسی صفحہ پر مرقوم ہونے کے باوجود بڑی بے باکی سے کہہ دیا کہ یہ حوالہ نہ ملنا تھا اور نہ ملا حالانکہ ہم نے صرف محولہ جگہ نہیں بلکہ دوسرے متعلقہ مقامات بھی چھان مارے مگر اس کا سراغ نہ ملا۔

(۴) پھر اپنی تحقیق و تدقیق بیان کرنے کی بجائے ایک جگہ حکیم امیر دین کا بے سروپا اور مہمل طویل مقالہ و رسالہ نقل کر دیا اور بعض جگہ دوسری مناظرانہ کتب کی عبارات نقل

کردیں اور کہیں اپنی دوسری کتابوں سے ربط و تعلق کا لحاظ کیے بغیر عبارات نقل کردیں اور یا یں ہمہ بشکل ۲ صفحات پر مشتمل رسالہ معرض وجود میں آیا جب کہ اس میں حضرت شیخ الاسلام کے رسالہ کے اقتباسات بھی ہیں تو اس سے آپ علامہ ڈھکو صاحب کے اس جوابی رسالہ کی حیثیت کو پوری طرح سمجھ سکتے ہیں۔

۵۔ علاوہ ازیں رسالہ میں علامہ موصوف نے صرف شاعرانہ تخیلات اور خیالی پرواز اور کھوکھلے دعاوی کے ساتھ ساتھ نہایت غلیظ، گندی اور اخلاق سے گری ہوئی زبان استعمال کی جو صرف بازاری گنواروں کو ہی زیب دیتی ہے اور علماء و فضلاء بلکہ عام شرفاء بھی اس سے کوسوں دور رہنے میں ہی عافیت سمجھتے ہیں جس سے صاف ظاہر ہے کہ دلائل کے جواب سے عجز و ناتوانی نے علامہ موصوف کو یہ حربہ اختیار کرنے پر مجبور کیا کہاں شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز کا وقار لب و لہجہ، ناصحانہ اور مشفقانہ انداز بیان اور سراسر خیر خواہی اور بھلائی پر مبنی درد مندانہ دعوت غور و فکر اور کہاں یہ گالی گلوچ اور سوقیانہ و بازاری انداز تکلم! سچ ہے ؎

مہ فشاند نور و سگ عو عو کند

علامہ موصوف کی اُمت محمدیہ میں افتراق و انتشار کی سعی مذموم

بعض منصف مزاج شیعی علماء نے کہا ہے کہ شیعی طرق و اسانید سے جو شکوے اور شکایات خلفاء ثلاثہ کے متعلق حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہیں اگر ان کا انکار بھی کر دیا جاوے تاکہ اہل اسلام میں صلح و آشتی پیدا ہو سکے اور ان سادات امت اور مقتدایان ملت کے متعلق باہمی اتحاد و اتفاق، رفق و مدارات اور احسان و مروت کے اثبات سے عوام اہل اسلام کے قلوب و اذہان میں اخوت اور بھائی چارے کے جذبات پیدا کئے جا سکیں تو یہ بہت اچھا مقصد اور مستحسن اقدام ہے۔ چنانچہ علامہ ابن میثم نے

شرح نہج البلاغہ میں اور صاحب درۃ نجفیہ نے بھی شرح نہج البلاغہ میں خطبہ شقشقیہ کے تحت انہیں خیالات کا ان الفاظ اظہار کیا ہے۔

أما المنكرون لوقوع هذا الكلام منه عليه السلام فيحتمل انكارهم وجهين: احدهما ان يقصدوا بذلك توطية العوام وتسكين خواطرهم عن اثارة الفتن والتعصبات الفاسدة ليستقيم امر الدين ويكون الكل على نهج واحد فيظهروا لهم انه لم يكن بين الصحابة الذين هم اشراف المسلمين وساداتهم خلاف ولا نزاع ليقتدى بحالهم من سمع ذلك وهذا مقصد حسن ونظر لطيف لو قصد (شرح ابن میثم جلد اول ص۲۵۱، درۃ نجفیہ ص۶۱)

لیکن جن لوگوں نے اس کلام موسوم بہ خطبہ شقشقیہ کے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے صادر اور سرزد ہونے کا انکار کیا ہے تو ان کا انکار دو وجوہ کا احتمال رکھتا ہے اول یہ کہ ان کا مقصد عوام کو مطمئن کرنا اور ان کے دلوں میں تسکین پیدا کرنا اور انہیں فتنہ انگیزیوں اور تعصبات فاسدہ سے باز رکھنا ہے تاکہ امر دین درست اور استحکام پذیر ہو اور سب اہل اسلام ایک راہ پر گامزن ہوں اس لیے ان کے سامنے یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان جو امت کے سردار ہیں اور ان میں سے اشراف ان میں باہمی اختلاف و نزاع نہیں تھا تاکہ سننے والے بھی ان کی اقتداء و اتباع کریں اور یہ اچھا مقصد، لطیف نظر اور پاکیزہ سوچ ہے کاش کہ اس کا قصد کیا جاتا ہے

ایک طرف شیعی اکابر امت سے اختلاف و نزاع کو دور کرنے اور ان کے درمیان سے شر و فساد اور تعصبات فاسدہ دور کرنے کے لیے بقول علماء شیعہ بطریق تواتر ثابت خطبہ میں ایسے الفاظ کے انکار کو مقصد حسن اور نظر لطیف قرار دے رہے ہیں جو موجب اختلاف امت ہوا اور باعث نزاع و انتشار مگر دوسری طرف علامہ ڈھکو صاحب

ہیں کہ صحیح اور مستند روایات اور ارشادات ائمہ سے ثابت شدہ فضائل خلفاء کا دن ـ دہاڑے سے انکار کر رہے ہیں اور پھر ایسا دلخراش انداز اور روح فرسا اسلوب بیان اور مقربان بارگاہ رسالت کے حق میں ایسی گستاخی و بے باکی کہ اس تحریر کو پڑھنے والا یہی محسوس کرتا ہے کہ یہ تحریر ان مقدس ہستیوں کے ہاتھوں گہرے زخم کھائے ہوئے کسی یہودی یا مجوسی کی ہے جو میدان کارزار میں ذلت آمیز شکست اٹھانے کے بعد زبانی سب وشتم کے ذریعے دل کی بھڑاس نکالنے پر تلا ہوا ہے نہ کہ کسی مدعی اسلام کی جو ان ہستیوں کی راہ خدا میں دی ہوئی قربانیوں سے واقف ہو اور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کے قریبی تعلق سے اور شجر اسلام کی آبیاری کر کے اسے اوج ثریا تک پہنچانے کا علم رکھتا ہو ـ

الغرض علامہ موصوف نے امت میں افتراق و انتشار کی خلیج وسیع تر کرنے کی ناپاک سعی کی ہے جب کہ حضرت شیخ الاسلام کے سامنے امت کے اتحاد و اتفاق کا مقصد رفیع اور اہل اسلام کی یکجہتی، بھائی چارہ تھا اور یہ نیک مقصد اور مستحسن اقدام ہر مدعی اسلام کے دل کی دھڑکن تھا اور ان کے قلب و روح کی آواز مگر برا ہو سبائی ذہنیت کا جو ہر ایسے اقدام اور تدبیر و اہتمام کو سبوتاژ کرنے پر ہر وقت کمربستہ ہے جو اہل اسلام میں وحدت فکر اور یگانگت پیدا کرنے کا موجب ہو اور سادات امت اور اشراف ملت کو اپنے خبث طینت سے مورد طعن و تشنیع بنا کر ابناء اسلام میں باہم سر پھٹول اور فتنہ و فساد کی آگ بھڑکانے کے درپے رہتی ہے ـ

تحفہ حسینیہ

رسال علامہ ڈھکو صاحب کی یہ جوابی کوشش صرف کھسیانی بلی کے کھمبا نوچنے کی ناکام کوشش تھی اور ان کا یہ رسالہ گالی گلوچ، سب و شتم، گستاخی و بے باکی اور ڈھٹائی و بے حیائی پر مشتمل پلندہ تھا اور قطعاً اس قابل نہیں تھا کہ اکابرین اہل السنت

اس کے جواب یا رد و قدح کی طرف التفات فرماتے چہ جائیکہ حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ،
لیکن اس بے التفاتی کا ایک دوسرا نقصان وہ پہلو بھی تھا کہ علامہ موصوف اس کو اپنی لاجواب
شاہکار تصنیف قرار دیتے اور جھوٹے دعوے کرتے اور شوخیوں و تعلیوں سے کام لیتے
پھر اس رسالہ مذہب شیعہ کی تصنیف و تالیف میں بندہ کا بھی اس قدر حصہ تھا کہ حضور شیخ الاسلام
بولتے جاتے تھے اور میں لکھتا جاتا تھا جب کہ دار العلوم ضیاء شمس الاسلام میں بحیثیت ایک
طالب علم حاضر تھا اس لیے میں نے اپنا حق خدمت دوبارہ ادا کرنے کے لیے ڈھکو صاحب
کے رسالہ کا رد لکھنے کا عزم مصمم کیا اور بحمدہ تعالیٰ مشائخ کرام اور اساتذہ کرام کی توجہات
قلبیہ کا صدقہ صرف دو ماہ سترہ دن کی قلیل مدت میں مبسوط کتاب لکھ کر تنزیہہ الامامیہ کے
اندر مندرج ہر کید و مکر کی پوری طرح قلعی کھول دی اور علامہ موصوف کی شوخیوں اور
تعلیوں کی حقیقت اور بلند بانگ دعاوی کی حیثیت ناظرین کے سامنے مہر نیمروز کی طرح
واضح کر دی ہے اور آفتاب نصف النہار کی مانند یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ ائمہ کرام
کا حقیقی مذہب جو ان سے اہل اسلام کے تواتر کے ساتھ ثابت ہے اور جس پر نقل اکبر
قرآن مجید شاہد صادق اور دلیل ناطق ہے وہ صرف اور صرف اہل السنت والجماعت
والا مذہب و عقیدہ ہی ہے جو کہ حضرت شیخ الاسلام کے رسالہ "مذہب شیعہ" کا حقیقی
مقصد اور اصلی مدعا تھا نہ وہ جو ذاکر صاحبان شکم پروری زر اندوزی اور عوامی جذبات مشتعل
کرنے کے لیے بیان کرتے ہیں یا ڈھکو صاحب جیسے شر انگیز حجۃ الاسلام!

وجہ تسمیہ

جونکہ شیعہ صاحبان کو تحریف قرآن اور تقیہ کا سہارا لیے بغیر اپنا مدعا و مقصد اور نظریہ و
عقیدہ ثابت کرنا ممکن نہیں ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ پر انہوں نے یہی بہتان باندھا کہ
اصلی قرآن آپ نے تالیف فرمایا مگر صحابہ نے اس کو قبول نہ کیا تو آپ نے اس کو غائب
کر دیا اور پھر دوران خلافت بھی وہ تقیہ برقرار رہا اور اسی تحریف شدہ قرآن پر عمل پیرا رہے،

اور اپنے ضمیر کی آواز بلند نہ کر سکے اور خلفاء ثلاثہ کی سنت اور سیرت پر عمل کر کے وقت گزارنے میں عافیت سمجھی جب امام حسین رضی اللہ عنہ نے میدان کربلا میں غریب الوطنی و مسافری بے سروسامانی بھوک و پیاس کی شدت، نونہالوں کی شہادت اور رفقاء و خدام کے قتل ہو جانے جیسے صبر آزما بلکہ دل دہلانے والے منظر کو دیکھتے ہوئے بھی تقیہ نہ کر کے اور زمانہ سازی سے کام نہ لے کر اور یزیدی قوت کے سامنے سر تسلیم خم نہ کر کے شیر خدا پر عائد کردہ اس افتراء و بہتان کو اپنی جوتی کی نوک سے ٹھکرا دیا اور یہ واضح کر دیا کہ ہم حق کی خاطر کٹ تو سکتے ہیں مگر باطل کے سامنے نہ جھک سکتے ہیں اور نہ ہی از راہ زمانہ سازی باطل کے ساتھ سازگاری اور موافقت ہی کر سکتے ہیں اور یہی سبق آپ نے اہل اسلام کو میدان کربلا میں اپنے خون سے رقم کردہ انمٹ تحریر سے دیا کہ ہمیں قطعاً بزدل، ڈرپوک اور تقیہ باز نہ سمجھنا اور یہ نہ تو میرے اسلاف کا مذہب ہے اور نہ ہی میرا مذہب ہے۔ اور انشاء اللہ العزیز میرے خاندان کے غیور افراد بھی اسی راہ پر گامزن ہوں گے جس طرح کہ میرے ساتھ والے میرے اعزہ اور گلستان زہراء کی مسکراتی کلیوں نے اور بستان نبوی کے مہکتے پھولوں نے بھی سر دھڑ کی بازی لگا دی مگر تقیہ نہ کیا اور زمانہ سازی سے کام نہ لیا اور آپ کا یہی عمل اور آپ کے ساتھیوں کا یہی کردار شیر خدا رضی اللہ عنہ اور دیگر ائمہ اہل بیت کے مذہب و مسلک اور نظریہ و عقیدہ کی تفسیر و تعبیر ہے اور یہی ہم اہل السنت کا مذہب ہے۔ اس سلسلے میں نے اپنی اس کتاب کو تحفہ حسینیہ کے نام سے موسوم کرنے کی سعادت حاصل کی ہے اور مدعیان محبت و تولّی کو شہید کربلا امام حسین کے کردار و عمل کا آئینہ دکھلایا ہے تاکہ ان کے قلب و جگر میں کہیں حقیقت پسندی اور حق بینی کا جوہر چھپا ہو تو وہ ظاہر و آشکار ہو جائے وما ذلک علی اللہ بعزیز۔ ان ارید الا الاصلاح وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب۔

اعتذار مؤلف

علامہ ڈسکوی صاحب کے دلخراش و دلسوز اور صبر آزما انداز تحریر کے باوجود بندہ نے

حتی المقدور اس قسم کے الفاظ استعمال کرنے سے گریز کیا ہے اور متانت و سنجیدگی کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے نہیں دیا اور جوابِ آں غزل کے انداز سے اجتناب کی مقدور بھر سعی کی ہے لیکن پھر بھی اگر کہیں شدت جذبات سے ایسا کوئی لفظ زبان قلم پر یا لبِ قرطاس پر آ گیا ہو تو میں علامہ موصوف سے معذرت خواہ ہوں کیونکہ میرے ضمیر اور خمیر کا تقاضا یہی ہے کہ دانستہ اور عمداً کسی دشمن کی بھی دل آزاری نہ کی جائے نیز ہماری مجبوری بھی ہے۔ کیونکہ صحابہ کرام اور بالخصوص خلفاء راشدین کی بھی بارگاہ میں کی جانے والی گستاخیوں اور بے ادبیوں کا ان مولوی صاحبان کو گالیاں دینے سے بدلہ پورا ہو نہیں سکتا اور جن کی طرف داری کے یہ دعویدار ہیں ان کی محبت و عقیدت ہمارا جزو دین اور رکن ایمان ہے بلکہ عین ایمان اور روح ایمان ہے ان کی گستاخی و بے ادبی کا ہم خواب میں بھی تصور اور خیال تک نہیں کر سکتے لہٰذا ہمارے لیے سوائے صبر و تحمل کے اور چارہ ہی کیا ہے۔ فافوض امری الی اللّٰہ واللّٰہ بصیر بالعباد!

تحفہ حسینیہ کا اسلوب بیان

سب سے پہلے حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ کے رسالے کا متعلقہ حصہ حرف بحرف نقل کیا گیا ہے تاکہ مکمل رسالہ بھی اس تحفہ میں شامل ہو کر اس میں خیر و برکت کا موجب ہو پھر جہاں ضرورت محسوس ہوئی ہے اپنی طرف سے بطور تتمہ و تکملہ مزید حوالہ جات اور دلائل و براہین ذکر کئے ہیں بعد ازاں علامہ ڈھکو صاحب کے رسالہ "تنزیہ الامامیہ" کا متعلقہ حصہ انہیں کے الفاظ میں نقل کیا ہے مگر اختصار کے ساتھ اور بعد ازاں اس کا شق وار رد کر کے یہ فیصلہ ناظرین و قارئین پر چھوڑ دیا ہے کہ وہ تحفہ حسینیہ کے مہر نیمروز کی تیز روشنی میں خود ہی بتلائیں کہ حق و صداقت کس طرف ہے اور دجل و فریب کس طرف۔

اظہار تشکر

میں ضیاء ملت حضرت قبلہ پیر محمد کرم شاہ صاحب مدظلہ العالی کا بہت ہی شکر گزار ہوں جنہوں نے ضیاء القرآن پبلیکیشنز جیسا عالی شان اور مفید ترین ادارہ قائم کر کے اہل السنت پر عظیم احسان فرمایا کہ جب بھی کوئی صاحب قلم کوئی کتاب اور رسالہ تالیف و تصنیف کرتا ہے تو اسے اس کی کتابت، طباعت اور اشاعت کے لیے فکرمند ہونے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں رہتی بلکہ یہ ادارہ اور اس کے ارکین اس بارگراں سے اس قلم کار کو سبکدوش کر دیتے ہیں بلکہ اس کی کاوش اور محنت کو اپنے حسن اہتمام سے چار چاند لگا کر افادہ عوام کیلئے مارکیٹ میں لے آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس ادارہ کے بانی اور سرپرست کو عمر خضر عطا فرمائے اور ان کے فیوض و برکات دائم و قائم رکھے اور اس ادارہ کو بھی دن دگنی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے اور اس کے معاونین، ارکین اور خدام کو جزائے جمیل اور اجر جزیل عطا فرمائے۔ آمین!

رسالہ مذہب شیعہ از حضرت شیخ الاسلام

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

نَحۡمَدُهٗ وَنُصَلِّيۡ عَلٰى رَسُوۡلِهٖ سَيِّدِ الۡمُرۡسَلِيۡنَ مُحَمَّدٍ وَعَلٰى
آلِهٖ وَاَصۡحَابِهٖ اَجۡمَعِيۡنَ۔ اَمَّابَعۡدُ

آج کل خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کی خلافت راشدہ کے انکار میں جس شور اور شر کے مظاہرے کیے جا رہے ہیں اور اُمت مرحومہ کی آخرت تباہ کرنے اور اس دنیا میں افتراق و انشقاق اور فتنہ و فساد کی آگ مشتعل کرنے میں جو ہنگامے برپا کیے جا رہے ہیں اور اس تمام فتنہ پردازی اور شر انگیزی پر پردہ ڈالنے کے لیے محبت و تولی اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین کا دعوٰی کیا جاتا ہے اور آئمہ معصومین صادقین رضوان اللہ علیہم اجمعین کی اقتداء اور پیروی کا دم بھرا جاتا ہے اگر اہل بصیرت فرقہ اہل تشیع کے نظریات کا بغور مطالعہ کریں اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی اور سلف صالحین کے ایمانی جذبات اور ان کی محیر العقول اسلامی خدمات کی انجام دہی اور ان کی عقل و ادراک سے بالاتر قربانیاں بھی مطالعہ کریں تو وہ حضرات نہایت آسانی کے ساتھ یہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اہل تشیع کا نظریہ اور شریعت اسلامیہ کے درمیان مکمل مخالفت اور منافقت کی نسبت ہے اور ان کا دعوٰی محبت اہل بیت کرام سراسر بلا دلیل ہے مذہب شیعہ کی ابتداء کیسے ہوئی اور کب ہوئی تو اس کے متعلق انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ صفحات میں عرض کیا جائے گا۔

سر دست یہ گذارش کرنا ہے کہ اہل تشیع نے اپنے مخصوص مذہب کی بنا ایسی روایات پر رکھی ہے جو انتہا درجہ محدود ہے کہ احادیث کے عینی شاہد یعنی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جن کی تعداد تاریخ عالم کی رُو سے ڈیڑھ لاکھ کے قریب ہے اور بجز اہل تشیع کے

باقی تمام اقوامِ عالم پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایمان لانے والوں کی تعداد اس سے کم نہیں بتاتے تو اس قدر تعداد میں سے صرف چار یا پانچ آدمی کی روایت قابلِ تسلیم اور باقی تمام کے تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی روایات ناقابلِ تسلیم یقین کرتے ہیں۔

دوسرا جن اصحاب سے اور اماموں سے روائتیں لینا جائز بتاتے ہیں ان کے متعلق اس ضروری عقیدہ کا دعویٰ کرتے ہیں کہ تقیہ اور کذب بیانی ان کا دین اور ایمان تھا (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ)

تقیہ کا ثبوت اہلِ تشیع کی کُتب سے

چنانچہ اہل تشیع کی انتہا درجہ معتبر کتاب "کافی" مصنفہ (اہلِ تشیع کے مجتہد اعظم) ابوجعفر محمد بن یعقوب کلینی میں مستقل باب تقیہ کے لیے مخصوص ہے اور اس کو اصولِ دین میں شمار کرتے ہیں۔ نمونہ کے طور پر ایک دو روایتیں امام ابوعبداللہ جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب پیش کرتا ہوں۔

۱۔ عن ابن أبي عمير الاعجمي قال قال لي ابوعبد الله عليه السلام يا أبا عمير أن تسعة اعشار الدين في التقيه ولا دين لمن لا تقية له۔

یعنی حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ایک خاص شیعہ ابن ابی عمیر الاعجمی سے فرمایا کہ دین میں نوّے فیصدی تقیہ اور جھوٹ بولنا ضروری ہے اور فرمایا کہ جو تقیہ (جھوٹ) نہیں کرتا وہ بے دین ہے (باقی دس کی کسر بھی نہ رہی)

دیکھو اصولِ کافی صفحہ ۴۸۲ اور صفحہ ۴۸۳ پر بھی کثرت کے ساتھ روایات ہیں جن میں سے دو تین نمونہ کے طور پر پیش کرتا ہوں

۲۔ عن ابی بصیر قال قال ابو عبد اللّٰہ علیہ السلام التقیۃ من دین اللّٰہ؟ قلت من دین اللّٰہ؟ قال ای واللّٰہ من دین اللّٰہ۔

یعنی ابو بصیر جو امام عالی مقام امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کا وزیر و مشیر تھا اور روایت میں اہل تشیع کا مرکز ہے کہتا ہے:

کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ تقیہ کرنا اللہ کا دین ہے میں نے عرض کیا کہ اللہ کا دین ہے؟ تو امام صاحب نے فرمایا: اللہ کی قسم ہاں تقیہ (جھوٹ) اللہ کا دین ہے۔

۳۔ عن عبد اللّٰہ ابن ابی یعفور عن ابی عبد اللّٰہ علیہ السلام قال اتقوا علی دینکم واحجبوہ بالتقیۃ فانہ لا ایمان لمن لا تقیۃ لہ۔

یعنی ابن ابی یعفور جو امام عالی مقام صادق علیہ السلام کا ہر وقت کا حاضر باش تھا وہ کہتا ہے کہ:

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: کہ تم اپنے مذہب پر خوف رکھو اور اس کو ہمیشہ جھوٹ اور تقیہ کے ساتھ چھپائے رکھو، کیونکہ جو تقیہ نہیں کرتا اس کا کوئی ایمان نہیں۔

اور صفحہ ۴۸۴ کی روایات میں سے بھی ایک دو روائتیں پیش کرتا ہوں

۴۔ عن معمر بن خلاد قال سئلت ابا الحسن علیہ السلام عن القیام للولاۃ فقال قال ابو جعفر علیہ السلام التقیۃ من دینی ودین آبائی ولا ایمان لمن لا تقیۃ لہ

یعنی حضرت امام موسیٰ کاظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خاص شیعہ معمر بن خلاد کہتا ہوں کہ میں نے امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ سے یہ مسئلہ دریافت کیا کہ ان کے امیروں اور حاکموں کے استقبال کے لیے کھڑا ہونا جائز ہے یا نہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ امام محمد باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے کہ تقیہ کرنا

میرا مذہب ہے اور میرے آباؤ اجداد کا دین ہے (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) اور جو تقیہ نہیں کرتا وہ بے دین ہے۔

اسی طرح اسی صفحہ پر محمد بن مروان اور ابن شہاب زہری کی روایتیں بھی قابل دید ہیں علیٰ ہذا القیاس صفحہ ۴۸۵، ۴۸۶ اور ۴۸۷ تمام کے تمام یہ صفحات تقیہ، مکر و فریب اور کذب بیانی پر مشتمل روایات سے مملو ہیں۔

۵۔ صفحہ ۴۸۶ پر معلی بن الخنیس کی ایک روایت بھی یاد رکھیں، وہ کہتے ہیں:

عن معلی بن خنیس قال قال ابو عبد اللہ علیہ السلام یا معلی اکتم امرنا ولا تذعہ فانہ من کتم أمرنا ولم یذعہ اعزہ اللہ بہ فی الدنیا وجعلہ نورا بین عینیہ فی الآخرۃ تقودہ الی الجنۃ یا معلّی من اذاع أمرنا ولم یکتمہ اذلّہ اللہ بہ فی الدنیا ونزع نورا من بین عینیہ فی الآخرۃ وجعلہ ظلمۃ تقودہ إلی النار یا معلی ان التقیۃ من دینی ودین آبائی ولا دین لمن لا تقیۃ لہ

یعنی امام جعفر صادق صاحب کا شیعہ خاص اور امام صاحب موصوف سے کثیر الروایات معلی بن خنیس کہتا ہے کہ:

امام صاحب نے مجھے فرمایا کہ ہماری باتوں کو چھپاؤ اور ان کو مت ظاہر کرو کیونکہ جو شخص ہمارے دین کو چھپاتا ہے اور اس کو ظاہر نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ چھپانے کے سبب سے اس کو دنیا میں عزت دے گا، اور قیامت میں اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان ایک نور پیدا کرے گا جو سیدھا جنت کی طرف اس کو لے جائے گا۔ اے معلی! جو شخص بھی ہماری باتوں کو ظاہر کرے گا اور ان کو نہ چھپائے گا تو دنیا میں اللہ تعالیٰ اس سبب سے اس کو ذلیل کرے گا اور آخرت میں اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان سے نور کو سلب کر لیگا اور اس کے بجائے ظلمت اور اندھیرا بھر دے گا۔

جو اس کو جہنم کی طرف لے جائے گا اے معلی تقیہ کرنا میرا دین ہے اور میرے آباؤ اجداد کا دین ہے۔ جو تقیہ نہیں کرتا وہ بے دین ہے۔

غرضیکہ ایک سے ایک بڑھ چڑھ کر روایتیں ہیں کس کس کو لکھیں اور اہلِ تشیع کی جس کتاب کو دیکھیں تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ آئمہ صادقین و معصومین کی طرف حق کو چھپانے اور تقیہ و کذب بیانی پر مشتمل روایات منسوب کرنے کی غرض سے یہ کتاب تصنیف فرمائی گئی ہے۔ چونکہ کتاب "کافی" کلینی اہلِ تشیع کی تمام کتابوں کا منبع اور ماخذ ہے اور تمام کتابوں سے ان کے نزدیک انتہا درجہ معتبر ہے حتیٰ کہ اس کتاب کے شروع میں اسکی وجہ تسمیہ میں جلی حروف سے یہ لکھا ہوا ہے:

"قال امام العصر وحجة اللّٰه المنتظر علیه سلام اللّٰه الملك الأكبر فی حقه هٰذا کاف لشیعتنا"

یعنی اس کتاب کے متعلق امام حجۃ اللہ المنتظر مہدی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ ہمارے شیعوں کے لیے یہی کتاب کافی ہے تو اسی لیے اس ضروری مسئلہ تقیہ و کتمانِ حق کے ثبوت میں اسی کافی کی روایات کو کافی سمجھتا ہوں دل تو یہی چاہتا ہے کہ ہر ایک کتاب سے بطور نمونہ ایک ایک روایت پیش کروں مگر طوالت کے خوف سے اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔

میں یہ کہہ رہا تھا کہ جن اصحاب سے روائتیں کرنا اہلِ تشیع جائز سمجھتے ہیں یا بتاتے ہیں ان کے متعلق کہتے ہیں کہ تقیہ اور کتمانِ حق ان کا عقیدہ تھا اب اس کا نتیجہ ظاہر ہے کہ ایک انتہا درجہ محب اور علمبردار تشیع جو نہی ان حضرات سے کوئی حدیث سنے گا اور کسی امر کا اظہار معلوم کریگا اس کے لیے یہ یقین کرنا ضروری ہے کہ صحیح اور حق بات قطعاً انھوں نے فرمائی ہی نہیں جو بھی ان سے روایت کی گئی ہے سراسر بے حقیقت اور واقعات کے خلاف ہے اور نفس الامر کے معاکس، وہ بھلا اپنا اور اپنے آباؤ اجداد کا دین کیسے چھوڑ سکتے ہیں یا ان کے وہ حاضر باش اور رات دن ان کے خدمت گذار جنت کو چھوڑ کر جہنم کا راستہ کیسے اختیار کر سکتے ہیں تو لہذا جو روایات بھی اہلِ تشیع کی کتابوں میں

لکھی گئی ہیں اور جلسوں اور محفلوں میں بلکہ آجکل تو لاؤڈ سپیکروں کے ذریعے بلند آہنگی کے ساتھ بیان کی جاتی ہیں سراسر کذب اور واقعات کے خلاف ہیں کون محب اہل بیت اور کون شیعہ آئمہ طاہرین کے صریح واضح اور غیر مبہم تاکیدی حکم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے بے دین و بے ایمان اور جہنمی اور ذلیل ہونا پسند کرے گا۔ اس مقدمہ کو اہل فکر کے غور و خوض کے سپرد کرتا ہوں اور گذارش یہ کرتا ہوں کہ بانیان مذہب تشیع نے اصل اور حقیقت پر مبنی دین اسلام کو ختم کرنے اور شریعت مقدسہ کو کلیتہً فنا کر دینے کے لیے یہ سیاسی چال چلی۔

کون شخص یہ نہیں سمجھ سکتا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہی اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق کے مابین جس طرح واسطہ ہیں اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قیامت تک آنے والی ساری امت کے درمیان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہی واسطہ ہیں انھی مقدس لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے کلام کی تفسیر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھی اور انھی مقدس لوگوں نے صاحب اسوۂ حسنہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات گرامیہ اور اعمال عالیہ اور سیرت مقدسہ کی دولت کو براہ راست حضور کی ذات سے حاصل کیا جس کو ان کے شاگردوں یعنی تابعین نے ان سے حاصل کیا۔ علیٰ ہذا القیاس وہ مقدس شریعت ہم تک پہنچی ہے اب جبکہ ابتدائی واسطہ یعنی صحابہ کرام کی ذات قدسی صفات ہی کو قابل اعتماد تسلیم نہ کیا جائے۔ یعنی تین چار کے بغیر ظاہری مخالفت کی بنا پر قابل اعتبار نہ رہیں اور یہ تین چار باوجود انتہائی دعوی محبت و تولی کے سخت ناقابل اعتماد ثابت کیے جائیں کہ جو بھی ان کی روایات ہوں گی یقیناً غلط اور خلاف واقعہ امر کی طرف رہنمائی کریں گی یا تو خود ان ہستیوں نے ہی تقیۃً و کتماناً للحق غلط اور خلاف واقعہ فرمایا اور یا ان کے مہمان خدمت گاران شیعوں نے بہ تعمیل آئمہ کذب، جھوٹ اور خلاف واقعہ روایت فرمائی بہرصورت ان روایات کو صحیح کہنا اپنی بے دینی اور بے ایمانی پر واضح دلیل پیش کرنا ہے۔

تنزیہیہ الامامیہ

از علامہ محمد حسین ڈھکو

باب اوّل ______ فصل اوّل

مسئلہ تقیہ اور اسلام

ببر سیالوی نے اپنے اسلاف کی تقلید (و تاسی) میں سب سے پہلے مسئلہ تقیہ پر طبع آزمائی فرمائی ہے اور اپنے نامہ اعمال کی طرح رسالہ کے قریباً آٹھ صفحات سیاہ کر ڈالے ہیں۔ اصل حقائق کو مسخ کر کے اور توڑ مروڑ کے پیش کیا ہے۔ مذہب حق کے خلاف دل کھول کر زہر اگلا ہے مگر افسوس کام کی کوئی ایک بات بھی نہیں کی (ص: ۱۰)

تحفہ حسینیہ ______ محمد اشرف سیالوی

ڈھکو صاحب بلا وجہ آتش زیر پا ہو گئے اور دریدہ دہنی پر اتر آئے ہیں اور پوری کتاب میں ان کے جواب کا دارو مدار اسی گالی گلوچ پر ہی ہے اور بقول سعدی شیرازی ؂

اذا ئیس الانسان طال لسانہ

جوابات سے عاجز آکر گندی زبان سے اس کمی و کوتاہی کو دور کرنے کی کوشش کی ہے۔

مقام غور ہے کہ روایات اہل تشیع کی کتاب ان کی جس پر امام منتظر کی تائید و تصدیق اور اس کے شیعہ کے لیے کافی ہونے کا مژدہ جانفزا اور اس سے منقول روایات

آئمہ کرام کی طرف منسوب پھر ایک عنوان قائم کر کے ان کو درج کیا گیا جس سے صاف ظاہر کہ عنوان دعوٰی ہے اور اس کے تحت مندرج روایات اس پر دلائل اور شواہد ہیں اندریں صورت اگر روایات پر از روئے اسنادات جرح و قدح کی گنجائش ہو تو بھی مذہب و مسلک اور عقیدہ تقیہ میں خلل پیدا نہیں ہو سکتا بلکہ دوسرے دلائل کی طرف رجوع کر لیا جائے گا کیونکہ مسلم قانون ہے کہ ایک دلیل کے بطلان سے دعوٰی کا بطلان لازم نہیں آتا۔

لہٰذا ڈھکو صاحب کا دعوٰی کہ اپنے نامہ اعمال کی طرح اوراق سیاہ کیے اور کام کی کوئی ایک بات بھی پیش نہیں کی۔ سراسر سینہ زوری ہے بلکہ منہ زوری۔ اور اپنی روایات کا مذاق اڑانے کے مترادف کیونکہ اگر وہ صحیح ہوتیں اور کسی کار خیر پر مشتمل تو ان کا ذکر کار آمد بات ہوتی اور موجب نورانیت نہ کہ نامہ اعمال کو سیاہ کرنے کے مترادف بلکہ اگر صرف لکھنے والا اور وہ بھی حقیقت حال کی طرف توجہ دلانے کے لیے اس تنزل کا شکار ہو جاتا ہے تو پھر اس پر عمل پیرا لوگوں کے اعمال نامہ اور قلب و روح کی سیاہی کا کیا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

تنزیہ الامامیہ علامہ محمد حسین ڈھکو صاحب

فصل دوم

تقیہ و نفاق کا باہمی فرق ..... ڈھکو صاحب

فاضل مؤلف نے تقیہ کو "منافقت" سے تعبیر کر کے کسی اچھی قابلیت کا مظاہرہ نہیں کیا۔ اس سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہنوز ان کو تقیہ اور نفاق کے درمیان جو نمایاں فرق ہے وہ بھی معلوم نہیں ہے حالانکہ اسلامی مبادیات پر نظر رکھنے والے حضرات پر یہ حقیقت پوشیدہ نہیں ہے کہ تقیہ "ابطان ایمان و اظہار خلاف ایمان" یعنی دل میں ایمان کو پوشیدہ رکھ کر عندالضرورت خلاف ایمان بات کے ظاہر کرنے کا دوسرا نام ہے اور نفاق اس کے برعکس ہے۔

عقلِ سلیم، طبع مستقیم اور شرع قدیم کا یہ قطعی فیصلہ ہے کہ جب انسان کے لیے دو ضرر موجود ہوں اور ان میں سے ایک کا برداشت کرنا ناگزیر ہو تو بڑے ضرر سے بچنے کے لیے تھوڑے ضرر کو برداشت کرنا چاہیے اور وہ شریعت سہلہ جو انسانی اقدار کی بلندی کے پیش نظر جان بچانے کی خاطر بھوک سے نڈھال اور قریب المرگ آدمی کے لیے مردار اور خنزیر کے گوشت کو بقدر ضرورت و سدرمق جائز قرار دیتی ہے

فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (پ۲۔س بقرہ ع ۵)

جو ناچار ہو جائے اور حد سے بڑھ جانے والا نہ ہو تو اس پر (ان چیزوں میں سے کسی چیز کے کھا لینے کا بھی) گناہ نہیں بے شک اللہ بخشنے والا اور مہربان ہے۔

(ترجمہ ڈپٹی نذیر احمد)

کیا وہی شریعت مقدسہ اس بات کو گوارا کر سکتی ہے کہ انسان کی گرانقدر جان تلف ہو جائے مگر خلافِ واقع بات کا منہ سے اظہار نہ کرے ؎

بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

یا تو انسان اس قدر بیش قیمت ہو کہ اس کی بقاء کی خاطر لحم الخنزیر کھانا روا ہو یا اس قدر بے قیمت اور ارزاں ہو جائے کہ اس کے تحفظ کے لیے خلافِ واقع بات کا اظہار بھی ناروا ہو۔ کجا آں شوریٰ! شوری و کجا ایں بے نمکی؟ خالق عقل و عقلا کی شریعتِ مقدسہ میں ہرگز یہ تضاد و تفاوت نہیں ہو سکتا" (ص ۱۲، ۱۴)

تحفہ حسینیہ — ابوالحسنات محمد اشرف سیالوی

تقیہ یا نفاق

مغالطہ آفرینی اور فریب کاری کا بدترین نمونہ

ڈھکو صاحب نے بڑی تعلّی کا مظاہرہ کرتے ہوئے حضرت شیخ الاسلام کو اسلامی مبادیات سے بے خبر کہنے کی جسارت کی ہے اور تقیہ اور نفاق میں فرق ثابت کرنے کی سعی لاحاصل کی ہے مگر سوچنے کی بات صرف اتنی ہے کہ اگر ایک سُنی یہ معمول بنا لے کہ بظاہر قول و فعل میں شیعہ کی موافقت کرتا رہے اور اپنی جان اور مال کے تحفظ کے لیے یہ حربہ اختیار کیے رکھے تو ڈھکو صاحب اس کو کیا کہیں گے؟ کیا یہ نفاق ہوگا اور مکر و فریب یا تقیہ اور ابطالِ ایمان و اظہارِ کفر۔ اگر یہ ڈھکو صاحب کے مذہب میں تقیہ نہیں اور نہ ابطالِ ایمان تو پھر حضرت شیخ الاسلام قدس سرہٗ کے مذہب و مسلک کی رُو سے شیعہ صاحبان کی یہ کارستانیاں بھی ابطالِ ایمان نہیں ہیں بلکہ نفاق کا بدترین نمونہ اور فریب کاری اور دسیسہ کاری کی گھٹیا چال۔

فرزندانِ اسلام کی ضربِ کاری سے ڈر کر جن لوگوں نے "وَاِذَا لَقُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا" کا وطیرہ بنا لیا تھا اور در حقیقت اپنے آباؤ اجداد اور اسلاف کے مذہب پر دل و جان سے فریفتہ تھے اور راسخ القدم۔ کیا ان کا یہ طریقہ بھی تقیہ کہلائے گا۔ حالانکہ وہ اپنے دھرم کی رُو سے دل میں ایمان چھپائے ہوئے تھے اور کفر کو ظاہر کر رہے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے ابدی کلام میں ان کو کہیں "وَمَا ھُمْ بِمُؤْمِنِیْنَ" فرمایا اور کہیں "اِذَا جَآءَکَ الْمُنٰفِقُوْنَ" سے تعبیر فرمایا اور ان کے اس عذر کو قطعًا قبول نہ کیا کہ ہم نے تو اپنے دھرم کی رُو سے دل میں ایمان چھپایا ہوا ہے اور کفر کا

بظاہر اظہار اور ارتکاب کیا ہے تو پھر شیخ الاسلام قدس سرہ کے نزدیک شیعہ صاحبان کا یہ عذر کیوں کر در خور اعتناء اور قابلِ التفات ہو سکتا ہے۔

تقیہ کی تعریف میں غلطی

ڈھکو صاحب نے تقیہ کا معنی بیان کیا ہے " ابطان ایمان واظہار خلاف ایمان " ایمان کو پوشیدہ رکھنا اور اس کے خلاف کو ظاہر کرنا یہ تعریف بھی درست نہیں کیونکہ یہ صرف عقائد میں تقیہ کرنے پر تو سچی آسکتی ہے اعمال میں دوسرے لوگوں کی موافقت پر سچی نہیں آسکتی مثلاً وضو سُنیوں کی طرح کرنا، نماز ہاتھ باندھ کر پڑھنا، تراویح بیس رکعت باجماعت ادا کرنا، تین طلاق کو تین سمجھنا، متعہ سے اجتناب کرنا وغیرہ حالانکہ شیعہ صاحبان نے آئمہ معصومین کی طرف ان امور میں بھی سواد اعظم کی ظاہری موافقت اور مطابقت کے باوجود حقیقت میں ان امور سے بیزار اور مخالف ثابت کرنے کی کوشش کی ہے لہذا یہ تعریف بھی سراسر ناقص اور نا تمام ہے اور علمی شیخی کے منہ پر زور دار تھپڑ۔

محلِ نزاع

ڈھکو صاحب نے اس اہم اور نازک اختلافی مسئلہ میں خواہ مخواہ تلبیس اور اشتباہ پیدا کرنے کی کوشش کی ہے اور بلا وجہ ورق پر ورق سیاہ کرتے چلے گئے ہیں۔ اور محل نزاع بیان کرنے سے کلی طور پر گریز اور اجتناب سے کام لیا ہے لہذا ہم پہلے اس مسئلہ میں اہل السنت والجماعت اور شیعہ صاحبان کے درمیان محلِ نزاع بیان کرتے ہیں اور پھر مذہبِ شیعہ میں شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز کی طرف سے ان کی نقل کردہ روایات میں غور و فکر اور ان کے مقاصد بلکہ مفاسد کی طرف اہل فکر اور ارباب دانش کو توجہ دلائیں گے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے تحفہ اثنا عشریہ میں اور علامہ سید محمود آلوسی حنفی بغدادی نے تفسیر روح المعانی میں اس مسئلہ پر سیر حاصل بحث کی ہے۔

ہم سردست علامہ آلوسی کی تحقیق کو اپنے الفاظ میں بیان کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں جبکہ دونوں حضرات کی تحقیق کا حاصل بالکل ایک ہے۔ فرماتے ہیں:

التقیۃ محافظۃ النفس أو العرض أو المال من شر الأعداء

یعنی تقیہ نام ہے نفس، عزت یا مال کو شر اعداء سے محفوظ کرنے کا اور اعداء دو قسم ہیں ایک قسم وہ جن کی عداوت اختلاف دین و مذہب پر مبنی ہو جیسے کفار اور اہل اسلام۔ دوسرا قسم وہ ہے جن کی عداوت دنیوی اغراض و مقاصد پر مبنی ہو مثلاً مال و متاع کا حاصل کرنا یا ملک اور امارت کا حاصل کرنا۔

اما القسم الاول۔ فالحکم الشرعی فیہ ان کل مؤمن وقع فی محل لا یمکن لہ ان یظہر دینہ لتعرض المخالفین وجب علیہ الہجرۃ الی محل یقدر فیہ علی اظہار دینہ ولا یجوز لہ اصلا ان یبقی ہناک ویخفی دینہ ویتشبث لعذر الاستضعاف فان ارض اللہ واسعۃ۔

قسم اول کا حکم شرعی یہ ہے کہ جو مومن بھی ایسی جگہ موجود ہو جہاں مخالفین کے تعرض اور چھیڑ چھاڑ کی وجہ سے اپنے دین کا اظہار نہ کر سکتا ہو تو اس پر ایسے مقام کیطرف ہجرت کرنا فرض و واجب ہے جہاں وہ اپنے دین کو ظاہر کر سکے اور علی الاعلان اس پر عمل پیرا ہو سکے اور اس کے لیے یہ بالکل جائز نہیں کہ وہیں قیام پذیر رہے اور اپنے دین و مذہب کو چھپائے رکھے۔ اور ضعف و ناتوانائی کو عذر بنائے رکھے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی زمین وسیع ہے۔

شرعی معذورین

ہاں البتہ جو ترک ہجرت میں از روئے شرع شریف معذور ہیں وہ اس حکم سے مستثنیٰ ہوں گے۔ مثلاً بچے، عورتیں، نابینا، محبوس اور قیدی یا جن کو ہجرت اور ترک وطن کی صورت میں مخالفین کی طرف سے قتل کی دھمکی دی گئی ہو اور گمان غالب بھی یہی ہو کہ

وہ اس دھمکی کو عملی جامہ پہنانے سے گریز نہیں کریں گے خواہ اس مہاجر کے قتل کی دھمکی ہو یا اس کی اولاد یا آباؤ امہات کے قتل کی اور یا اس کی روزی وغیرہ بند کرکے اس کو قید میں ڈال دینے کی دھمکی دی گئی ہو وغیرہ تو اس صورت میں مخالفین کے ہاں قیام اور ان کی موافقت بقدر ضرورت جائز ہے لیکن اس پر واجب و لازم ہے کہ وہ بھاگ نکلنے اور اپنے دین کو محفوظ کرنے کے لیے ہر وقت تدبیریں کرتا رہے۔ اور کوششیں بروئے کار لاتا رہے۔

لیکن اگر ایسا ڈراوا اور دھمکی دی گئی ہے جس میں مالی منفعت سے محروم ہونا پڑے یا قابلِ برداشت مشقت سے دوچار ہونا پڑے مثلاً ایسی قید اور حبس جس میں قوت اور روزی پر پابندی نہ ہو یا اتنا قدر مار پیٹ جس سے ہلاکت اور تباہی لازم نہ آتی ہو تو پھر انکی موافقت جائز نہیں اور جس صورت میں موافقت جائز ہے تو وہ بھی رخصت کے درجہ میں ہے اور اپنے دین و مذہب کا اظہار عزیمت ہے لہٰذا اگر بصورت اظہار اسے جان سے ہاتھ دھونے پڑیں تو وہ اعلیٰ درجہ کا شہید ہوگا۔ نہ کہ دین و ایمان سے محروم۔

نعم ان کان لهم عذر شرعی فی ترک الهجرة کالصبیان والنساء الی وفی صورة الجواز ایضا موافقتهم رخصة واظهار مذهبه عزیمة فلو تلفت نفسه لذلک فانه شهید قطعاً

مسیلمہ کذاب نے دو مسلمانوں کو پکڑ لیا اور اپنی رسالت کی گواہی دینے کا مطالبہ کیا تو ایک نے زبانی اقرار کر لیا اور دوسرے نے انکار کر دیا تو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اما هذا المقتول فقد مضی علی صدقه ویقینه واخذ بفضله فهنیاء له واما الاخر فقد رخصه الله تعالیٰ فلا تبعة علیه

اس مقتول نے اپنے صدق و یقین پر گامزن رہنا اختیار کیا اور افضل ترین صورت اختیار کی پس وہ مبارکباد کا مستحق ہے اور دوسرے نے رخصت پر عمل کیا لہٰذا اس پر مواخذہ اور عقاب و عذاب نہیں ہے۔

اما القسم الثانی فقد اختلف العلماء فی وجوب الهجرة وعدمه فیه فقال بعضهم تجب لقوله تعالٰی ولا تلقوا بایدیکم الی التهلکة وبدلیل النهی عن اضاعة المال وقال قوم لا تجب اذ الهجرة عن ذلک المقام مصلحة من المصالح الدنیویة ولا یعود من ترکها نقصان فی الدین لاتحاد الملة وعدوه القوی المومن لا یتعرض له بالسوء من حیث هو مؤمن وقال بعضهم الحق ان الهجرة ھٰھنا قد تجب ایضًا

(روح المعانی جلد ۳ صفحہ ۱۰۷)

لیکن دوسری قسم میں علماء کا اختلاف ہے کہ آیا اس شخص پر ہجرت واجب و لازم ہے یا نہیں؟ بعض نے وجوب و لزوم کا قول کیا کیونکہ اللہ تعالٰی کا فرمان ہے کہ اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو نیز اس لیے کہ مال کو ضائع کرنا شرعًا ممنوع ہے اور علماءِ اسلام کی ایک جماعت کا نظریہ یہ ہے کہ اس مقام سے ہجرت از روئے شرع واجب و لازم نہیں ہے کیونکہ ہجرت کا مقصد فقط دنیوی مصالح میں منحصر ہے جس کے ترک سے دنیوی نقصان تو ہو سکتا ہے لیکن دینی لحاظ سے کوئی نقصان لازم نہیں آتا کیونکہ مذہب و ملت میں اتحاد ہے اور دشمن قوی و توانا سہی مگر وہ اس کے ساتھ از روئے مومن ہونے کے تعرض اور چھیڑ چھاڑ نہیں کرتا لیکن علماءِ اسلام اعلام کی ایک جماعت نے فرمایا کہ حق اور صحیح یہی ہے کہ ان حالات میں بعض اوقات ہجرت واجب و لازم ہو جاتی ہے جبکہ اپنی جان کا خطرہ درپیش ہو یا اقارب کی جان کا یا ہتک حرمت و عزت کا لیکن اس صورت میں اس پر ثواب مترتب نہیں ہوگا۔

شیعی روایات تقاضائے شرع اور حقائق و واقعات کے خلاف ہیں

مندرجہ بالا تحقیق کو سامنے رکھیں اور پھر ان شیعی روایات پر غور فرمادیں تو آپ کو یہ حقیقت تسلیم کیے بغیر کوئی چارہ نظر نہیں آئیگا کہ اہل سنت عقلِ سلیم، طبع مستقیم اور شرع قویم کے

فیصلہ کو تو تسلیم کرتے ہیں لیکن شیعہ صاحبان نے اس میں جس افراط سے کام لیا ہے اور جس رخصت کو عین اسلام اور جانِ ایمان بنا کر پیش کیا ہے وہ کسی نیک نیتی پر مبنی نہیں ہے اور نہ حقائق اور واقعات کے پس منظر میں اس کی صحت اور درستگی تسلیم کی جا سکتی ہے۔ شیعی روایات کا لب لباب یہ ہے کہ نوے فیصد دین تقیہ میں ہے بلکہ جو تقیہ نہ کرے سرے سے وہ مومن ہی نہیں حالانکہ شرعی طور پر رخصت پر بعض اوقات عمل نہ کریں تو زیادہ سے زیادہ ارتکاب حرام اور فسق تو لازم آ سکتا ہے نہ کہ نوے فیصد دین ختم ہو جائے اور بالکل ایمان ہی رخصت ہو جائے۔ مثلاً بھوک سے جان بلب بقدر ضرورت خنزیر یا مردار کا گوشت نہ کھائے تو حرام فعل کا مرتکب ضرور ہوگا لیکن کافر تو نہیں ہوگا؟ اور بعض رخصتوں میں ارتکاب حرام بھی لازم نہیں آتا۔ مثلاً مسافر کے لیے از روئے قرآن روزہ فرض نہیں لیکن رکھ لے تو گنہگار بھی نہیں ہوگا اور یہ تو ہے بدن کی سہولت کا معاملہ لیکن جہاں تک عقیدہ و نظریہ کے تحفظ کا معاملہ ہے اور دین و ایمان پر ثبات اور راسخ القدمی تو اس کا معاملہ ہی سرے سے مختلف ہے۔

حضرت عمار کے والد گرامی اور والدہ ماجدہ کو کس قدر بے دردی سے قتل کیا گیا اور کس قدر ظلم و تشدد کا نشانہ بنایا گیا لیکن انھوں نے کبھی کلمہ کفر کو زبان پر لانا گوارا نہ کیا تو کیا ان کا نوے فیصد دین ختم ہو گیا اور ایمان بالکل زائل ہو گیا (نعوذ باللہ) حضرت امام حسین نے اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے میدان کربلاء میں اتر کر محیر العقول قربانی پیش کر دی اور یزیدی قوتوں کی موافقت گوارا نہ کی تو ان پر کیا فتویٰ لگایا جائے گا۔

الغرض ان شیعی روایات کو نہ عقلِ سلیم اور نہ طبع مستقیم کے تقاضوں سے ہم آہنگ قرار دیا جا سکتا ہے اور نہ ہی شرع قویم کے فیصلہ کے مطابق اہل سنت کی کتابوں سے عبارات پیش کر کے ان روایات کو درست یا ایسے تقیہ کو شرعاً جائز اور مسلم بین الفریقین قرار دینا سراسر تلبیس ہے اور فریب کاری و دھوکہ دہی کی بدترین مثال۔

بیش قیمت انسان

ڈھکو صاحب نے ایمان و اسلام کے تحفظ پر قربان ہونے والی جان کی قدر و قیمت کو بھوک مرتے انسان اور خنزیر و مردار کھا کر جی سکنے والے انسان پر قیاس کیا ہے اسے کون بتائے کہ مومن اور بندۂ خدا کی قدر و قیمت اس وقت بنتی ہے جبکہ اپنی جان کا نذرانہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں پیش کر دے اور بناء لا الہ بنے۔

سر داد نداد دست در دست یزید
حقا کہ بنائے لا الہ است حسین

انسان مردار اور خنزیر سے ضرور قیمتی ہے لیکن اسلام و ایمان اور اعلاءِ کلمۃ الحق سے قیمتی نہیں بلکہ اسی سے اس کی قیمت بنتی ہے اور یہی سبق ہمیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قربانیوں نے دیا ہے اور سید الشہداء امام حسین اور ان کے جانثاروں کی قربانیوں نے ؎

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

کیا خنزیر کا گوشت کھانا ترقی درجات کا ضامن ہے۔

علامہ ڈھکو صاحب نے کہا ہے

بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبیست

یا تو انسان اس قدر بیش قیمت ہو کہ اس کی بقاء کی خاطر لحم الخنزیر روا رکھا گیا ہے یا اس قدر بے قیمت اور ارزاں ہو جائے کہ اس کے تحفظ کے لیے خلافِ واقع بات کا اظہار بھی ناروا ہو (ص: ۱۲)

مگر سوال یہ ہے کہ آپ کا مذہب تو تقیہ کو دین کا ۹/۱۰ حصے یا نوے فیصد قرار دیتا ہے۔ کیا بھوکوں مرتا آدمی بقدر ضرورت لحم الخنزیر کھا کر ایک فیصدی اجر و ثواب بھی

حاصل کرسکتا ہے چہ جائیکہ نوّے فیصد ترقی درجات اس کو حاصل ہو تو پھر اس شور اشوری اور منہ زوری کا کیا جواز ہے ؟ امر متنازعہ فیہ کی طرف آئیں اور اس کا ثبوت بہم پہنچائیں ۔

کیا فربہ ہونے کے لیے لحم الخنزیر روا ہے ؟

بظاہر شیعہ صاحبان تقیہ کے جواز کو جبر و اکراہ اور سطوت و جبروت کا نتیجہ قرار دیتے ہیں اور خنزیر کے گوشت کی مانند مگر عملی طور پر وہ اس کو جلبِ منفعت اور اہم ملکی مناصب پر فائز ہونے کے لیے استعمال کرتے ہیں اور اہل السنّت کے مذہب میں رخنہ اندازی کے لیے گویا لحم الخنزیر کو فربہ ہونے کے لیے استعمال کرتے ہیں اس ضمن میں ایک حوالہ ہی مشتے نمونہ از خروارے کے طور پر حاضرِ خدمت ہے ورنہ حقیقت میں کتنے ہی ایسے تلبیس ابلیس کے شاہکار اس مذہب نے پیدا کیے جنھوں نے اہلِ اسلام کو فتنہ و فساد کی آگ میں جھونکا ۔

قاضی نور اللہ شوستری نے مغل اعظم شہنشاہ اکبر کے دورِ حکومت میں برصغیر پاک و ہند میں اسی تقیہ کے بل بوتے پر قاضی القضاۃ کا منصب سنبھالا اور بادشاہ سے کہا چونکہ میں خود مجتہد ہوں لہٰذا اہل سنت کے آئمہ اربعہ میں سے کسی ایک کا پابند نہیں رہوں گا بلکہ ان کے اقوال میں سے جو بھی وزنی معلوم ہوگا میں اس کے مطابق فیصلہ دوں گا چنانچہ بادشاہ نے اس شرط کو منظور کر لیا ۔ لیکن شوستری صاحب نے شیعہ مذہب کے مطابق فیصلے صادر کرنے اور فتوئی جاری کرنے شروع کر دیئے جب ان کے خلاف احتجاج کیا جاتا اور کہا جاتا کہ سازش کے تحت شیعہ مذہب کا پرچار ہو رہا ہے تو شوستری صاحب کسی نہ کسی طرح مذہب کے مجتہد کا قول پیش کر دیتے اور طے شدہ شرط کا حوالہ دے کر اس آواز کو دبوا دیتے ۔ جب شہنشاہ نور الدین جہانگیر کا دور آیا تو بھی قاضی صاحب اس منصب سے چمٹے رہے اور یہ احتجاج صدا بصحرا ثابت ہوتا رہا بالآخر علماءِ اہلِ سنت اس کی کتاب مجالس المومنین کا قلمی نسخہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے ۔

اور بادشاہ کو دکھلا کر صورتِ حال واقعی کا مشاہدہ کرادیا تو بادشاہ نے اس تلبیس ابلیس اور فریب کاری و مکاری کا سخت نوٹس لیتے ہوئے ایسے عبرت ناک سزا دے کر قتل کرادیا۔ مجالس المؤمنین کے مقدمہ میں سیّد احمد عبد منافی نے اس فریب کاری کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا۔

سید جلیل مذکور ہمیشہ مذہب خود را از مخالفین مخفی میداشتہ و طریق تقیہ کہ مذہب آباء کرام خود بودہ می پیمودہ و بمسائل فقیہہ مذاہب اربعہ اہل تسنن احاطہ تمام داشت بدینجہت سلطان اکبر شاہ و سائر مردم آنہا یارا اورا در عداد علماء و فقہاء اہل تسنن میدانستند (تا) مدتی بدین نحو قضاوت میفرمود و در پنہانی مشغول تالیف و تصنیف بود تا اینکہ سلطان اکبر شاہ پدر و دحیات گفت و پسرش جہانگیر شاہ بجائے او نشست و سید ہمچنان بمنصب قضاوت باقی بود تا آنکہ بعض از علماء مخالفین کہ بادربار آنروز مراودہ و قول آنہا نزد سلطان مسموع بود منتفطن تشیع او شدہ بنای سعایت را گذار دند و استشہاد بر تشیع سید نمودہ باینکہ او خود را ملزم بیکی از مذاہب اربعہ نمیداند و در تمام موارد بر طبق یکی از مذاہب کہ با فتوی امامیہ تطبیق مینماید حکم میکند (تا) کتاب مزبور را وسیلہ اثبات تشیع سید نمودہ تقاضای اجراء حد از سلطان نمودند، جہانگیر شاہ امر او را واگذار بآنہا نمود آں ناکسان سید را الضرب تازیانہ از پای در آوردہ و شہید نمودند۔ و گویند با چوب خاردار آنقدر براو زدند کہ بدنش قطعہ قطعہ شد۔

شوستری صاحب نے اپنے متعلق انکشاف کرتے ہوئے خود کہا

(مجالس المؤمنین جلد اول صفحہ ۲۵)

مؤلف گوید کہ ایں بیچارۂ مسکین نیز مدتی ببلای صبر گرفتار بودم و باغیار تقیہ و مدارا می نمودم و از بیصبری می ترسیدم و اخدا آنچہ میتر سیدم بآں رسیدم ماز میں بی صبری اینکتاب را در سلک تقریر کشیدم۔

لہذا واضح ہو گیا کہ اس خنزیرہ کو بقاء بدن کے لیے بقدر ضرورت استعمال نہیں کیا جاتا بلکہ اہل السنت کے مذہب و مسلک پر کاری ضرب لگانے کے لیے اور عوام

اہل السنت میں ذہنی انتشار اور تشویش پیدا کرنے کے لیے جیسے پولس یہودی نے بظاہر عیسائی مذہب اختیار کیا اور اندر ہی اندر اس مذہب کو بیخ و بن سے اکھاڑ کر رکھ دیا۔ اور عیسائیوں کو گمراہی کے بحرِ عمیق میں گرا دیا۔

پھر بزعم خویش اس تقیہ سے نوے فیصد درجات بھی حاصل کیے جاتے ہیں اور دنیا میں بھی مزے لوٹے جاتے ہیں کیا دنیا میں ایسے اسلام کی بھی گنجائش ہے اور کوئی عقل سلیم اور طبع مستقیم کا مالک اس اسلام کو خدا کا آخری دین اور تمام مذاہب و ادیان کا ناسخ تصور کر سکتا ہے؟ ؎

بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبیست

خالقِ عقل و عقلاء کی شریعت مقدسہ ہرگز ہرگز اس تلبیس اور مکر و فریب کی اجازت نہیں دے سکتی۔

فصل سوم ـــــــــــــ ڈھکو صاحب

تقیہ کا جواز قرآن کریم کی روشنی میں

پیر سیالوی نے تقیہ کو شریعت کے مخالف قرار دے کر علوم شرعیہ سے اپنی تہی دامنی کا ثبوت دیا ہے معمولی بصیرت رکھنے والوں پر یہ حقیقت مخفی نہیں ہے کہ قرآن کریم اور احادیث سید المرسلین میں جواز تقیہ کے ناقابل انکار و تاویل قطعی نصوص موجود ہیں اور کتب سیر و تواریخ میں نہ صرف سلف صالحین بلکہ انبیاء و مرسلین اور بڑے بڑے آئمہ دین کے تقیہ پر عمل درآمد کرنے کے متعدد واقعات مذکور ہیں۔

ارشاد قدرت ہے:

پہلی آیت: من کفر باللہ من بعد ایمانہ الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان ولکن من شرح بالکفر صدرا فعلیہم غضب من اللہ ولہم عذاب عظیم

(پ ۱۴ سورہ نحل ع ۲۰)

جو شخص (کفر پر) مجبور کیا جائے مگر اس کا دل ایمان کی طرف سے مطمئن ہو (اس سے کچھ مواخذہ نہیں) لیکن جو شخص ایمان لائے ہوئے پیچھے خدا کے ساتھ کفر کرے اور کفر بھی کرے تو دل کھول کر تو ایسے لوگوں پر خدا کا غضب اور ان کیلیے بڑا سخت عذاب ہے (ترجمہ نذیری)

اس آیت کے متعلق مفسرینِ اسلام کا اتفاق ہے کہ جناب عمار بن یاسر کے واقعہ کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ شان نزول یوں ہے۔

یعنی ایک بار مشرکین نے جناب عمار بن یاسر کو پکڑ لیا اور ان کو اپنے معبودانِ باطل کی تعریف اور پیغمبر اسلام پر سبّ و شتم کرنے پر مجبور کیا۔ حتیٰ کہ وہ ایسا کر گذرے۔ اس کے بعد جب وہ بارگاہِ نبویؐ میں حاضر ہوئے تو تمام ماجرا بیان کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اپنے دل کو کیسے پاتے ہو؟"

عرض کیا "وہ تو پوری طرح ایمان پر مطمئن ہے"

فرمایا "(پھر کوئی حرج نہیں) اگر کفار دوبارہ یہی کلمے کہلوائیں تو کہدینا تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

اِلَّا مَنْ اُکْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِیْمَانِ

(تفسیر درمنثور جلد ۴ ص ۱۳۲ وغیرہ)

تفسیر بیضاوی جلد ۱ ص ۴۵۳ طبع نولکشور پر مذکور ہے کہ جب جناب عمارؓ کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا تو بارگاہِ نبوی میں عرض کیا گیا:

"یارسول اللہ! عمار کافر ہو گیا ہے"!

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

"ایسا نہیں ہو سکتا عمار تو سر سے پاؤں تک ایمان سے بھر پور ہے اور اس کے گوشت پوست میں ایمان مخلوط ہے"۔

بعد ازاں جناب عمارؓ روتے ہوئے بزم نبویؐ میں حاضر ہوئے آنحضرتؐ نے ان کے آنسو صاف کرتے ہوئے فرمایا:

"تجھے کیا ہے؟ اگر کفار یہی کلمات دوبارہ کہلوانا چاہیں تو بے شک کہہ دینا"۔

یہ واقعہ لکھنے کے بعد قاضی بیضاوی رقمطراز ہیں:۔

"یہ آیت مبارکہ جبر واکراہ کے وقت کلمہ کفر کہنے کے جواز کی قطعی دلیل ہے
تفسیر جامع البیان، اکلیل اور معالم التنزیل میں اس آیت کے ذیل میں لکھا ہے
"جبر واکراہ کے وقت کلمہ کفر کہنے کے جواز پر پوری امت مسلمہ کا اجماع ہے"
(کذا فی تفسیر فتح البیان وتفسیر ابن کثیر وترجمان القرآن)

ان حقائق کی روشنی میں کم از کم کسی مسلمان کو تو تقیہ کے جواز میں کلام نہیں ہو سکتا کس قدر تعجب کا مقام ہے کہ صحابہ رسول تقیہ پر عمل کریں رسول مقبولؐ ان کو کامل الایمان ہونے کی سند عطا فرمائیں اور بوقت ضرورت دوبارہ تقیہ کرنے کا حکم دیں خداوند عالم اس کے جواز پر آیت نازل فرمائے علماء اہل سنت اس کے جواز پر پوری امت مرحومہ کا اجماع کا دعوای کریں اور تمام لوگ بوقت ضرورت اس پر عمل کریں مگر بدنام صرف شیعان حیدر کرار کو کیا جائے کہ وہ "تقیہ باز" ہیں۔

(صفحہ ۱۴، ۱۵، ۱۶)

تحفہ حسینیہ

محمد اشرف السیالوی

ہم نے پچھلے اوراق میں اس مسئلہ کے متعلق اہل سنت والجماعت کا موقف واضح کر دیا ہے لہذا اس کے متعلق محمد حسین ڈھکو صاحب کو اسقدر طوالت کی ضرورت کیا تھی انھیں یہ بیان کرنا چاہیے تھا کہ جنھوں نے تقیہ نہیں کیا ان کا حکم از روئے مذہب شیعہ کیا ہے؟ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا کفار ومشرکین کی اذیتیں برداشت کرنا اور اعلان توحید ورسالت سے باز نہ آنا۔ صحابہ کرام کا ہر مصیبت اور تکلیف کو سینہ سے لگانا اور ایمان واسلام کو مخفی نہ رکھنا کبھی حبشہ کی طرف ہجرت کرنا اور کبھی مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنا اور بعض کا اس ظلم وتشدد کی وجہ سے جاں بحق ہو جانا ایسے حقائق ہیں جن کا کوئی کافر بھی انکار نہیں کر سکتا اور میدان کربلا میں سید الشہداء کا روضہ مقدس اور ان کے جانثار ساتھیوں کے مزارات مقدسہ اعلان حق کی خاطر بے مثال قربانیوں کا ایسا ناقابل تردید ثبوت وبرہان ہیں جن کا کوئی منافق اور کاذب بھی

انکار نہیں کر سکتا۔

ایسی صورت میں شیعی مجتہد کا فرض ہے کہ وہ اس مخصوص تقیہ کا جواز ثابت کریں اور اسے عین اسلام وایمان ثابت کریں اور یا ان روایات کو جھوٹ اور کذب بیانی کا بدترین نمونہ تسلیم کریں۔ اِدھر اُدھر بھاگ دوڑ سے کیا فائدہ ہو سکتا ہے؟ اہل سنت اس کو خطرۂ جان وغیرہ کی صورت میں مباح سمجھتے ہیں مگر راہِ حق میں جان دینے والے کو شہید اعظم سمجھتے ہیں اور مباح بھی ہمیشہ کے لیے نہیں بلکہ فوری طور پر ہجرت اس شخص پر لازم اور ضروری سمجھتے ہیں اور باوجود قدرت کے نہ کرنے پر تارک فرض اور سخت مجرم وگناہ گار سمجھتے ہیں لیکن جس تقیہ پر شیعہ نے اپنے دین ومذہب کی عمارت تعمیر کی ہے اس میں نہ ہجرت لازم، نہ جان دینا مباح بلکہ رات دن اسی تقیہ کو اوڑھنا بچھونا بنانے کے باوجود نوّے فی صد درجات ایمان واسلام کی طرف ترقی کی ضمانت جس تقیہ نے مہیا کی ہے ہمارا کلام اس کے جواز اور عدم جواز میں ہے۔ مہربانی کر کے اس کی کوئی دلیل وحجت پیش کریں لیکن ڈھکو صاحب نے محلِ نزاع میں اپنی مکمل تہی دامنی کا ثبوت فراہم کیا ہے۔

حضرت علی مرتضیٰ شیرِ خدا رضی اللہ عنہ کے ارشادات اور شیعی تقیہ

شیعہ برادری نے اس نظریہ کو جاری کر کے دراصل آئمہ کرام کے لیے بالعموم اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے لیے بالخصوص خلفاء ثلاثہ اور دیگر اہل السنّت کے ساتھ موافقت وموالفت اور اخوت وبھائی چارہ کی توجیہ پیش کرنی چاہی ہے اور ان کے زندگی بھر کے معمول کو اپنے عقیدے ونظریئے پر ضرب کاری تصور کرتے ہوئے تقیہ کا لزوم۔ اس کی اہمیت اور اجر وثواب اور تقیہ نہ کرنے پر دعید وعقاب کی روایات وضع کیں تاکہ اہل السنت کے لیے ان آئمہ کرام اور مجسمہ ہائے صدق وصفا اور شہیدانِ مہر ووفا کے طرزِ عمل سے استدلال اور تمسک کی کوئی وجہ باقی نہ رہے اس لیے ضروری ہے کہ اس مفروضہ کی انھیں کے ارشادات اور اعمال کی روشنی میں جانچ پڑتال کی جائے۔

۱۔ انی واللہ لو لقیتھم واحدا وھم طلاع الارض کلھا ما بالیت ولا استوحشت وانی من ضلالھم الذی ھم فیہ والھدٰی الذی انا علیہ لعلی بصیرۃ من نفسی و یقین من ربی وانی الی لقاء اللہ وحسن ثوابہ لمنتظر راج ۔

(نہج البلاغۃ مصری جلد ثانی ص ۱۵۹)

ترجمہ: ۔ بےشک میں بخدا اگر ان کے ساتھ اکیلا میدان کارزار میں ملاقات کروں اور وہ تمام روئے زمین پر پھیلے ہوں تو مجھے قطعاً پرواہ نہیں ہوگی اور نہ ذرہ بھر وحشت و گھبراہٹ ۔ اور میں یقیناً ان کی ضلالت اور بے راہروی کے بارے میں جس میں وہ ہیں اور اس ہدایت اور صداقت و حقانیت کے متعلق جس میں کہ میں ہوں البتہ اپنے طور پر بصیرت اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے یقین پر ہوں اور بے شک میں اللہ تعالیٰ کی ملاقات اور اس کے اچھے ثواب کا منتظر ہوں اور امیدوار ۔

۲۔ واللہ لو تظاھرت العرب علی قتالی لما ولیت عنھا ولو امکنت الفرص من رقابھا لسارعت الیھا۔

(نہج البلاغہ جلد ثانی صفحہ ۹۶)

بخدا اگر تمام عرب میرے ساتھ حرب و قتال اور جنگ و جدال پر باہم متفق ہو جائیں اور ایک دوسرے کے معاون و مددگار تو میں ان سے قطعاً پیٹھ نہیں پھیروں گا اور اگر فرصت ملے تو ان کی گردنیں کاٹ ڈالنے اور سروں کو تنوں سے جدا کرنے میں لمحہ بھر کی تاخیر روا نہیں رکھوں گا ۔

۳۔ موتات الدنیا اھون من موتات الاخرۃ

(نہج البلاغہ جلد اول ص ۱۲۱)

دنیا کی موتیں آخرت کی موتوں سے زیادہ سہل اور آسان ہیں ۔

۴۔ واللہ لعلی بن ابی طالب آنس بالموت من الطفل بثدی امہ (نہج البلاغہ جلد اول ص ۴۷)

بخدا علی بن ابی طالب موت کے ساتھ اس سے زیادہ مانوس ہے جس قدر شیر خوار بچہ اپنی ماں کے پستان سے مانوس ہوتا ہے۔

۵۔ واللہ ما ابالی أدخلت الی الموت او خرج الموت الیّ (نہج البلاغہ جلد اول ص ۱۲۲)

بخدا مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے کہ میں موت کی طرف منتقل ہوا ہوں یا موت میری طرف بڑھی ہے۔

۶۔ لعمری ما علی من قتال من خالف الحق وخابط الغیّ من ادھان ولا ایھان (نہج البلاغہ جلد اول ص ۷۲)

مجھے اپنی زندگی کی قسم! میرے لیے ہر اس شخص کے خلاف لڑنے میں کسی قسم کی مداہنت اور مصلحت کوشی یا ضعف و ناتوانی پیش نہیں آسکتی جو حق کے خلاف ہو یا گمراہی اور بے راہروی میں حیران و سرگرداں

ان چند ارشادات کو جو نہج البلاغہ جیسی معتبر ترین اور انتہائی مستند کتاب میں منقول ہیں بنظرِ غائر دیکھیں اور سوچیں کہ اگر دین کا نوّے فی صد حصۂ تقیہ اور مخالفین کے ساتھ سازگاری اور موافقت میں ہے اور بصورت دیگر دین و ایمان سے ہی ہاتھ دھونے پڑتے ہیں تو حضرت علی المرتضیٰ معدن ولایت اور امام الائمہ کیوں اس قدر تقیہ کی مخالفت اور حق و صداقت کی خاطر جان پر کھیل جانے کے لیے تلے ہوئے نظر آتے ہیں اور بارہا قسمیں کھا کر اور حلفیں اٹھا کر زمانہ سازی اور اہلِ زمان کی موالفت و موافقت سے برادت و بیزاری کیوں ظاہر فرما رہے ہیں۔

امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور شیعی تقیہ

میدانِ کربلا میں آپ کی بظاہر بے سروسامانی اور آپ کے ساتھیوں کی قلتِ تعداد

اور مخالفین کی ساز و سامان سے لیس کثیر التعداد فوج کا کس کو علم نہیں؟ مگر اس کے باوجود حبیب آپ کو امان کی پیش کش کی جاتی ہے تو آپ کا ردِّ عمل کیا ہے؟ امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کی زبانی ملاحظہ کریں۔

ألا ان الدعی ابن الدعی قد خیرنا بین اثنتین السلة او الذلة وھیھات منا الذلة یابی اللہ ذلك لنا ورسوله والمومنون وحجور طابت وحجز طھرت وانوف حمیة ونفوس ابیه (شرح نہج البلاغہ لابن ابی الحدید جلد نمبر ۳ ص ۲۴۹)

ترجمہ:۔ عبید اللہ بن زیاد (جو خود بھی اور اس کا باپ بھی ثابت النسب نہیں اور بعد میں ان کو خاندان میں شامل کیا گیا تھا) نے ہمیں دو امر کے درمیان اختیار دیا ہے یعنی تلوار کے وار سہنے یا ذلت و رسوائی قبول کرنے (اور بیعت کرنے) کے درمیان اور پناہ بخدا کہ ہم ذلت برداشت کریں نہ اللہ تعالیٰ اس کو ہمارے لیے قابل قبول سمجھتا ہے نہ اس کا رسول اور نہ ہی مومنون اور نہ ہمیں تربیت دینے والی پاکیزہ گودیں اور سراسر طہارت پناہ و عصمت مآب مائیں اور حمیت و غیرت والے ناک اور باطل و ناحق اور ظلم و زیادتی کے سامنے سرنگوں ہونے سے انکاری نفوس اور ارواح مقدسہ اور جب موت کے سامنے سینہ سپر ہوئے اور اسے اپنے سروں پہ منڈلاتے ہوئے دیکھا تو آپ کا اور بعض خواص کا حال کیا تھا ملاحظہ ہو کتاب معانی الاخبار۔

عن ابی الحسین علیھما السلام لما اشتد الامر بحسین بن ابی طالب نظر الیه من کان معه (الی) فما الموت الا قنطرۃ تعبر بکم عن البؤس والضراء الی الجنان الواسعة والنعیم الدائمة فایکم یکرہ ان ینتقل من سجن الی قصر وما ھو لاعداءکم الا کمن ینتقل من قصر الی سجن وعذاب (الی) الدنیا سجن المومن وجنة الکافر والموت

جسر هولاء الی جناتهم و هولاء الی جحیم۔

(معانی الاخبار للشیخ ابوجعفر ابن بابویہ القمی صفحہ ۸۲)

خلاصہ مفہوم:۔ اس میدانِ کرب وبلا میں انتہائی ناساعد حالات میں گھرے ہونے کے باوجود جب آپ کے ساتھیوں نے آپ کی طرف دیکھا تو آپ کی حالت ان سے یکسر مختلف تھی ان کے تو رنگ اُڑے ہوئے تھے اور اعصاب پر کپکپی طاری تھی اور دلوں کی دھڑکنیں تیز ہو چکی تھیں جبکہ آپ اور بعض خواص (اہل بیت) کے چہرے چمک رہے تھے اور رنگت نکھری ہوئی تھی اعضاء وجوارح پُرسکون تھے اور دل مطمئن ساتھیوں نے آپس میں کہا دیکھو انھیں تو موت کی پرواہ ہی نہیں ہے تو امام موصوف نے فرمایا اے عزت وکرامت والی اولاد صبر سے کام لو موت تو صرف ایک پل ہے جو تنگیوں اور شدتوں سے وسیع جنات اور ابدی اور دائمی نعمتوں کی طرف تمھیں پہنچاتی ہے لہذا تم میں سے کون ہے جو قید خانہ سے عالی شان محل کی طرف منتقل ہونے کو پسند نہ کرے جبکہ وہ تمھارے اعداء کے لیے محلات سے قید خانہ اور عذاب کی طرف منتقل ہونے کا ذریعہ ہے مجھے میرے باپ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان بیان فرمایا ہے کہ دنیا مومن کے لیے قید خانہ ہے اور کافر کے لیے جنت اور موت اہلِ ایمان کے لیے نجات کی طرف جانے والا پُل ہے اور کفار کے لیے جہنم کی طرف جانے والا۔ نہ میں نے جھوٹ بولا نہ مجھ سے جھوٹ بولا گیا۔

۲۔ امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر کتاب نازل فرمائی جس میں آئمہ اور اولیاء کے لیے وصیتیں تھیں اور ہر وصیت پر سنہری مہر لگی ہوئی تھی چنانچہ ہر امام اپنی وصیت پر سے اپنے دور میں مہر کو اکھیڑتا اور اس کے مطابق عمل پیرا ہوتا جن میں امام حسین رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل شدہ وصیت یہ تھی۔

ففك خاتما فوجد فيه ان اخرج بقومك الى الشهادة فلا شهادة

لهم الا معك واشتر نفسك لله تعالى ففعل (اصول کافی ج ۱ ص ۲۸۱)

اپنی قوم کے ساتھ میدانِ شہادت کی طرف نکلو کیونکہ ان کی شہادت بھی تمھارے ساتھ ہونی ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے اپنے نفس کو خرید چنانچہ آپ نے اس وصیت کے مطابق عمل کیا۔

امام محمد باقر رضی اللہ عنہ اور امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ اور شیعی تقیہ

پھر کتاب وصیت حضرت امام محمد باقر تک پہنچی انھوں نے اپنی وصیت کی مہر جدا کر کے اس کو دیکھا تو اس میں یہ مرقوم تھا:

حدث الناس وافتهم وانشر علوم اهل بيتك وصدق اٰباءك الصالحين ولا تخافن احدا الا الله تعالیٰ فانه لا سبيل لاحد عليك

لوگوں کو احادیث بیان کرو، فتوے صادر فرماؤ اور اہل بیت کے علوم کو عام کرو اور اپنے آباء صالحین کی تصدیق کرو (اصول کافی ص ۲۸۱ ج ۱) اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہ ڈرنا کیونکہ کوئی بھی آپ پر دسترس اور غلبہ نہیں رکھتا۔

بعد ازاں کتاب وصیت امام جعفر صادق تک پہنچی تو ان کی وصیت یوں تھی:

حدث الناس وافتهم ولا تخافن الا الله وانشر علوم اهل بيتك وصدق اٰباءك الصالحين فانك في حرز وامان ففعل

اس عبارت کا مفہوم وہی ہے جو اوپر والی کا ہے اور معاذ نے امام ابو عبداللہ جعفر صادق سے جو روایت نقل کی ہے اس کے الفاظ یوں ہیں۔

قل الحق في الامن والخوف ولا تخش الا الله

امن وخوف ہر دو صورت میں حق بات زبان پر لائیے اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی سے خوفزدہ نہ ہونا۔

اس روایت سے بھی صاف ظاہر کہ ان قدسی نفوس نے تقیہ نہیں کیا تو پھر اسی امام کے قول و فعل میں تضاد اور عمل و روایت میں تضاد بھی لازم آرہا ہے اور ان کی بیان کردہ روایات کے مطابق نوّے فیصد دین کا فقدان بلکہ کلیۃ دین و ایمان سے محروم ہونا بھی ان کے حق میں لازم آرہا ہے شیعی مجتہد صاحب کو یہ تضاد اٹھانا لازم تھا اور ان نفوسِ قدسیہ کے حق میں لازم آنے والے اس عظیم مفسدہ کا جواب دینا چاہیے تھا، ادھر اُدھر کی ہانکنے سے تو بات بنتی نظر نہیں آتی۔

شیعی اصول و قواعد اور تقیہ

شیعی اصول اور قواعد و ضوابط کی رُو سے تقیہ قطعاً جائز ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ تقیہ صرف خوف کی صورت میں جائز ہے اور خوف دو قسم کا ہوتا ہے ایک جان کا خوف و خطر اور دوسرا مشقت و محنت اور تکالیف و شدائد کا خوف۔

پہلی صورت میں تقیہ کا جواز اس لیے نہیں ہو سکتا کہ آئمہ اپنی موت و حیات کے مختار ہوتے ہیں اور اپنی مرضی اور ارادہ کے بغیر ان پر موت وارد نہیں ہو سکتی جیسے کہ اصولِ کافی میں علامہ محمد بن یعقوب کلینی نے یہی عنوان قائم کر کے اس کے تحت آٹھ احادیث اور روایات درج کی ہیں۔

باب أن الائمة علیهم السلام یعلمون متی یموتون وانهم لا یموتون الا باختیار منهم (اصول ص ۲۵۸ تا ۲۶۰)

نیز وہ اپنی موت کے اوقات کو بھی تفصیلاً جانتے ہیں اور وقوع موت کی کیفیات کو بھی جیسے کہ باب سابق سے بھی ظاہر و واضح ہے اور الگ باب سے بھی۔

باب ان الائمة یعلمون علم ما کان وما یکون وانه لا یخفی علیهم صلوات الله علیهم شیئ

اس باب کے تحت کلینی نے چھ روایات بطور استشہاد و استدلال درج کی ہیں۔ (اصولِ کافی ص ۲۶۰ تا ۲۶۲)

الغرض جب وقت موت بھی متعین طور پر معلوم ہوا اور اس کی جملہ کیفیات بھی تو قبل از وقت تقیہ کرنے اور دین میں خلل انداز ہونے اور عوام اہلِ اسلام کو مغالطوں میں ڈالنے کی آخر کیا وجہ وجیہہ ہو سکتی ہے ؟

رہ گئی قسم ثانی جس میں بدنی تکلیف یا سب و شتم کا اندازہ ہوا کرتا ہے تو ہر دور کے علماء امت ایسی تکالیف برداشت کرتے ہی رہے ہیں اور سلاطینِ زمان کے جبر و استبداد کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے اعلانِ حق اور اظہار حقیقت کر کے افضل جہاد کا سہرا اپنے سر باندھتے ہی رہے ہیں اور اہلِ بیت نبوت اس قسم میں امامت اور قیادت کے زیادہ لائق اور مستحق ہیں بلکہ شہید کربلا نے تو قسم اول میں بھی امامت اور قیادت کا حق ادا کر دیا ہے ۔

تو اب میں علامہ ڈھکو صاحب کو انھیں کی زبان میں کیوں نہ کہہ دوں ؎

نے اصولت محکم آید و نے نزد ع　　　شرم بادیداز خدا و از رسُول

آپ نے دوسرے مذاہب کے اصول و قواعد سے تو کیا واقف ہونا تھا جبکہ خود اپنے قواعد و قوانین اور اصولِ مذہب کی خبر نہیں ہے اس لیے اِدھر اُدھر ہاتھ پاؤں مارنے کی کوشش کرتے ہیں مگر زبانِ حال پکار پکار کر کہہ رہی ہے ؎

کبھی گرتا ہوں مینا پہ کبھی جھکتا ہوں ساغر پر
میری بے ہوشیوں سے ہوش ساقی کے بکھرتے ہیں

تقیہ کا بُطلان از رُوئے قرآن

اللہ تعالیٰ کا انبیاء علیہم السلام والصلوٰۃ اور خلاصۂ نسل انسانی اور مقصد تخلیقِ کائنات ہستیوں کے متعلق حکم وارشاد ہے ۔

ا۔ الذین یبلغون رسالات اللہ ویخشونہ ولا یخشون احدا الا اللہ وکفی باللہ حسیبا ٥

(سورۃ الاحزاب آیت نمبر ۳۹)

جو ہستیاں اپنے اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے احکام کی تبلیغ کرتی ہیں اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اور سوائے اس کے دوسرے کسی شخص سے نہیں ڈرتے اور اللہ تعالیٰ کافی ہے محاسبہ کرنے والا۔

۲۔ سید المحبوبین اور سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا:

یٰاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ وَاللّٰهُ یَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ

(سورۃ المائدۃ آیت نمبر ۶۷)

اے میرے رسول! جو کچھ آپ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اس کی تبلیغ کرو اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو تم نے اللہ تعالیٰ کی رسالت کا حق ادا نہ کیا اور اللہ تمھیں کافروں سے محفوظ رکھے گا۔

۳۔ اِذْھَبَآ اِلٰی فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰی فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّیِّنًا لَّعَلَّهٗ یَتَذَكَّرُ اَوْ یَخْشٰی قَالَا رَبَّنَآ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ یَّفْرُطَ عَلَیْنَآ اَوْ اَنْ یَّطْغٰی قَالَ لَا تَخَافَآ اِنَّنِیْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰی (سورہ طٰہٰ ۔ سے موسیٰ و ہارون)

تم دونوں فرعون کی طرف جاؤ بیشک اس نے سرکشی سے کام لیا ہے اور اسے نرم انداز میں کہنا ہو سکتا ہے کہ وہ نصیحت حاصل کرے یا خوفزدہ ہو جائے۔ ان دونوں نے کہا: اے رب ہمارے بیشک ہم ڈرتے ہیں اس لیے کہ ہم پر زیادتی نہ کرے اور طغیان و سرکشی کا مظاہرہ نہ کرے فرمایا تم دونوں بالکل نہ ڈرو یقیناً میں تمھارے ساتھ ہوں سنتا ہوں اور دیکھتا ہوں۔

۴۔ عام اہلِ اسلام کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:۔

اِلَّا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا فَلَا تَخْشَوْھُمْ وَاخْشَوْنِیْ وَلِاُتِمَّ نِعْمَتِیْ عَلَیْكُمْ (سورۃ بقرہ)

مگر وہ لوگ جنھوں نے ظلم کیا پس ان ظالموں سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈ

اور تاکہ میں تم پر اپنی نعمت کامل کروں۔

۵۔ کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنھون عن المنکر۔

تم بہترین امت ہو جو لوگوں کی منفعت اور بھلائی کے لیے پیدا کی گئی ہے تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو۔

شیعہ صاحبان نے کہا کہ یہاں امت کا لفظ نہیں بلکہ آئمہ کا لفظ وارد ہے تو اس صورت میں امر بالمعروف بھی آئمہ کی شان ہوئی تو پھر تقیہ کا کیا مطلب؟

ان آیات مقدسہ اور اس قسم کی دوسری بے شمار آیات سے واضح ہو گیا کہ پیغمبران اسلام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے لے کر علماء کرام بلکہ عوام اہل اسلام کو بھی صرف اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور دوسرے لوگوں سے نہ ڈرنے کا پابند کیا گیا اور اعلان حق اور اعلاء کلمۃ الحق اللہ کے لیے تن من کی بازی لگانے کا پابند کیا گیا ہے۔ اگر تقیہ ضروری ہو اور اس کا ترک ایمان و دین کے خاتمہ کا موجب تو پھر ان آیات کا کیا معنی رہ جائے گا اور اگر نوے فیصد دین کا ترک لازم آتا ہو تو بھی آیات کا کوئی معنی نہیں ہوگا ماسوائے اتنے ثواب سے محروم کرنے کے۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔

سنت انبیاء و رسل علیہم السلام بھی شیعی تقیہ کو باطل ٹھہراتی ہے

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے حیرت انگیز واقعات نے اور حق گوئی و بیباکی کی عظیم مثالوں نے یہ واضح کر دیا کہ تقیہ شیوہ پیغمبران نہیں ہے کبھی نمرودیوں کے بت توڑ کر کبھی ستاروں اور چاند و سورج کی عبادت کو دلائل و براہین کے ساتھ باطل ٹھہرا کر اور کبھی نار نمرود میں چھلانگ لگا کر بتلا دیا۔ ؎

ایں جوانمرداں حق گوئی و بیباکی   اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

حضرت موسیٰ کلیم اور حضرت ہارون علیہما السلام کا فرعون کے دربار میں جا کر بے سروسامانی اور لشکر و سپاہ کی مدد و اعانت کے بغیر کلمہ حق ادا کرنا اور سید عالم صلی اللہ

علیہ وسلم کا پوری دنیائے عرب کی دشمنی کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے اعلانِ توحید و رسالت فرمانا اور بتوں کی مذمت اور بت پرستی کی قباحت بیان کرنا ایسی حقیقت ہے کہ کوئی مشرک بھی اس کا انکار نہیں کر سکتا لہٰذا واضح ہو گیا کہ تقیہ مفروضہ کی سنت انبیاء علیہم السلام میں قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے۔

اجماعِ اہلِ اسلام سے شیعی تقیہ کا ابطال

دعوتِ محمدی پر لبیک کہنے والوں نے کفارِ عرب اور قریشِ مکہ سے کیا کیا ظلم و ستم نہ سہے اور جبر و استبداد کی کون سی بھیانک سے بھیانک شکل تھی جس کا عملی تجربہ ان حضرات کو نہ کرنا پڑا۔ حضرت یاسر اونٹوں کے پاؤں سے باندھ کر اور انہیں مخالف سمت میں چلا کر چیر دیئے گئے حضرت سمیّہ کو ابو جہل لعین نے اندام نہانی میں نیزہ یا خنجر کا وار کر کے شہید کر دیا۔ اور بالآخر اس ظلم و ستم کی تاب نہ لاتے ہوئے ایک جماعت نے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ بعد ازاں خود سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بقیہ صحابہ مکہ مکرمہ جیسے مقدس اور پیارے شہر سے ہجرت کر گئے لیکن کتمانِ حق اور زمانہ سازی اور کفار و مشرکین سے موافقت اور یکجہتی کو قطعاً روا نہ رکھا اور امام مظلوم نے اس جانفشانی اور ایثار و قربانی کے مجسمہ میں روح پھونک کر اسے زندہ جاوید بنا دیا۔

کیا ہے کوئی جہان میں عقلِ سلیم اور طبعِ مستقیم کا مالک اور شرعِ قویم کے اصول و قواعد اور آئین و ضوابط سے باخبر جو فتویٰ صادر کرے اور ان اقدامات کو خالقِ عقل بحقلاً کی شریعت مقبولہ میں ناجائز ثابت کرے اور اس کے خلاف کو موجب اجر و ثواب اور باعث ترقی درجات بتائے۔ ان اقدامات کو دین و ایمان کی نفی اور انعدام کا موجب قرار دے اور کتمان کو دین میں نوے فیصد ترقی کا موجب۔

لہٰذا کتاب اللہ، سنتِ رسل و انبیاء اور اجماع اہلِ اسلام بلکہ اجماع عقلاء سے حق گوئی اور اعلاء کلمۃ اللہ کی خوبی اور استحسان واضح ہوا اور اس کے برعکس غلط بیانی اور زمانہ سازی کا قبح اور نقص۔

حدیث بے خبراں ہے کہ بازمانہ بساز — زمانہ با تو نسازد تو با زمانہ ستیز

ان آفتاب عالم تاب کی طرح واضح اور روشن دلائل کا ملاحظہ ومطالعہ کرنے کے بعد ڈھکو صاحب کے مغالطات بنام دلائل اور شبہات بشکل براہین ملاحظہ کریں اور ان کے جوابات بھی۔

شیعی مجتہد ڈھکو صاحب کا قرآن مجید سے استدلال اور اس کا جواب۔

پہلی آیت۔ قال اللہ تعالیٰ من کفر باللہ من بعد ایمانہ الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان۔ الآیہ

اس آیت کو اپنے مسلک پر منطبق کرتے ہوئے ڈھکو صاحب نے طویل تقریر فرمائی وہ ملاحظہ ہو چکی ہم نے اختصارًا صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ اس آیت کریمہ کو شیعہ صاحبان کے اس تقیہ سے کیا نسبت ہے جس کی شان اصول کافی کے حوالوں سے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی زبانی حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز نے بیان فرمائی۔

اس آیتِ کریمہ کا مطلب واضح ہے کہ جو شخص ایمان لانے کے بعد کفر کا ارتکاب کرے اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہے اور ایسے لوگوں کے لیے عذاب عظیم ہے اور اگر جبر واکراہ اور خطرہ جان کی وجہ سے صرف زبانی کلمہ کفر کہا مگر دل میں ایمان وایقان اور اعتراف وتصدیق راسخ ہے تو ایسے شخص کے لیے نہ غضب خداوندی ہے اور نہ عذاب الیم وعظیم۔

ا۔ اس میں یہ کہاں لکھا ہے کہ اس صورت میں اس کے درجے کتنے بلند ہوں گے۔ اور کلمہ کفر زبان پر نہ جاری کرنے سے ایمان جاتا رہے گا پھر اس آیت کی رُو سے حضرت عمار کے والد حضرت یاسر اور ان کی والدہ حضرت سمیہ کے متعلق کیا فتویٰ ہے؟ لہٰذا یہ حقیقت تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں کہ جان کو خطرات میں ڈال کر اعلانِ حق کا نعرۂ مستانہ لگانے والا ہی بلند وبالا مقامات کا مالک ہے دوسرے اس کے مراتب کو نہیں پہنچ سکتے۔

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلیطان
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

۲۔ کیا اس آیت کریمہ یا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے یہ بھی ثابت ہے کہ حضرت عمار کو کفار و مشرکین کے درمیان رہنے اور تقیہ کے ذریعے اپنا تحفظ کرنے کی اجازت مل گئی یا سوءِ اتفاق سے کبھی ایسا واقعہ ہائلہ پیش آئے تو وقتی طور پر اس کفر لسانی کو برداشت کرنے کا تذکرہ ہے۔

دارِ کفر سے ہجرت نہ کرنے پر سزا کا بیان اور شیعی تقیہ کا بطلان از روئے قرآن

لیکن اگر کوئی شخص ایسی جگہ سے ہجرت نہ کرے اور کفار کے ساتھ نبھاؤ کی صورت اپنائے رکھے تو قرآنِ مجید نے اس کے متعلق کیا فرمایا ہے اس طرف ڈھکو صاحب نے کیوں دھیان نہیں دیا۔ قال اللہ تعالیٰ

ان الذین توفاھم الملائکۃ ظالمی انفسھم قالوا فیم کنتم قالوا کنا مستضعفین فی الارض قالوا الم تکن ارض اللہ واسعۃ فتھاجروا فیھا فاولٰئک ماواھم جھنم وساءت مصیرا۔ الا المستضعفین من الرجال والنساء والولدان الذین لایستطیعون حیلۃ ولایھتدون سبیلا فاولٰئک عسی اللہ ان یعفوا عنھم وکان اللہ عفوا غفورا۔ (سورۃ النساء)

بیشک وہ لوگ جن کو فرشتے فوت کرتے ہیں درآنحالیکہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہوتے ہیں تو ان سے دریافت کرتے ہیں تم کس حال میں تھے وہ کہتے ہیں ہم تو اس زمین میں ضعیف و ناتواں تھے اور بے بس و بے چارے۔ تو فرشتے کہتے ہیں کیا اللہ تعالیٰ کی زمین وسیع نہیں تھی کہ تم اس میں ہجرت کر جاتے ایسے ظالموں کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بری جگہ ہے

بازگشت کی ماسوا ان لوگوں کے جو ضعیف و ناتواں اور بے بس و بیچارہ تھے۔ مردوں عورتوں اور بچوں میں سے جو ہجرت کی کوئی تدبیر نہیں کر سکتے تھے اور نہ راہ کی خبر رکھتے تھے تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے عفو اور درگذر فرمائے اور اللہ تعالیٰ عفو و درگذر فرمانے والا ہے۔

اس آیت کریمہ نے واضح کر دیا ہے کہ جس علاقے میں اپنے مذہب و مسلک اور دین و ایمان کا اظہار نہ ہو سکتا ہو وہاں سے ہجرت نہ کرنا اپنی جان پر ظلم عظیم ہے اور جہنمی ہونے کا موجب اور عذاب عظیم کا سبب لیکن شیعہ صاحبان نے اس کے مقابل اجر عظیم اور ثواب جمیل کی روایات گھڑ کر اور اسے ترقی درجات کا ذریعہ قرار دے کر بلکہ تمام تر عقائد اور اعمال سے اس کو کئی گنا فضیلت دے کر ہجرت کا تصور ہی ختم کر دیا اور اس کو رخصت اور اباحت کے درجہ سے اٹھا کر فرض بلکہ فرائض کی جان اور عین ایمان بنا ڈالا کیا اس آیت مبارکہ کو اس شیعی تقیہ کے ساتھ کوئی ادنیٰ سا تعلق اور واسطہ بھی ہے؟

اگر شیعی تقیہ میں ہم خرما و ہم ثواب والی بات نہ ہوتی تو قاضی نور اللہ شوستری صاحب عیاری و مکاری کے ذریعے عہدۂ قضا کے ساتھ چمٹے نہ رہتے اور عرصۂ دراز تک اہل السنۃ والجماعت کو اپنی چالاکیوں اور دسیسہ کاریوں سے پریشان نہ رکھتے بلکہ جب بھی موقع ملتا دار رفض و تشیع کی طرف بھاگ جاتے۔

حضرت عمار بن یاسر کامل الایمان کیوں؟

ڈھکو صاحب فرماتے ہیں "صحابہ کرام علیہم الرضوان تقیہ کریں اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ان کو کامل الایمان ہونے کی سند عطا کریں" جس سے یہ تاثر دینے کی کوشش کی گئی ہے کہ حضرت عمار کے کامل الایمان ہونے کا سبب تقیہ ہے حالانکہ یہ بات قطعاً غلط ہے ان کو کامل الایمان اس لیے قرار دیا گیا کہ ان سے کلمات شرکیہ سرزد ہونے پر قلبی کیفیت پوچھی گئی تو انھوں نے عرض کیا دل تو بالکل ایمان و تصدیق سے

معمور ہے اور بالکل مطمئن۔

تب آپ نے ان کو ایمان سے بھرپور اور کامل مومن قرار دیا۔

لہٰذا سبب کامل الایمان ہونے کا تقیہ نہیں بلکہ تصدیق قلبی کا بحال ہونا دینھما ہون بعید ورنہ جن حضرات صحابہ اور حضرات آئمہ نے تقیہ نہیں کیا وہ نعوذ باللہ کامل نہیں قرار پائیں گے۔

علامہ ڈھکو صاحب کی غرابت استدلال اور انوکھی منطق

علامہ موصوف نے دعویٰ کرتے وقت تو مجبوری مقہوری اور ظلم وزیادتی کی صورت میں تقیہ کو جائز قرار دیا اور کلام مجید سے حالت اکراہ واجبار میں کلمۂ کفر زبان پر جاری کرنے کا جواز بطور دلیل پیش کیا، کما قال تعالیٰ "الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان" اور حضرت عمار یاسر رضی اللہ عنہما کی مغلوبیت ومقہوریت اور بے بسی وبیچارگی کی حالت اور اس میں سرزد ہونے والے کلمات کو دلیل بنایا لیکن دل کی بات دل میں رکھی اور اسے نوک قلم بالب ترطاس پر نہ لائے اور تقیہ دبیز تہوں میں چھپا ہی لیا کیونکہ انہوں نے یہ نظریہ جاری ہی اس لیے کیا تھا کہ امیرالمنین علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے دوران خلافت شیخین ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی سیرت کو اپنا لینے، اور ان حضرات کی بھری محفل میں تعریف وتوصیف اور مدح وثنا کا جواز پیش کریں اور شیعی طبقہ کے خصوص احکام کو جاری نہ کرنے مثلاً متعہ کا اجراء نہ کرنے، بیس تراویح کو بند نہ کرنے اور تین طلاق کو ایک قرار نہ دینے وغیرہ کا جواز پیش کرنے اور ظاہر ہے کہ خلیفۂ وقت کے حق میں تقیہ کا جواز نہ قول باری تعالیٰ "الا من اکرہ" سے ثابت ہو سکتا ہے اور نہ ہی حضرت عمار والے واقعہ سے اس لیے ان دلائل اور شواہد کو اس عقیدہ ونظریہ سے تعلق ہی نہیں ہے، کیا یہ حیرانگی اور سراسر تعجب کی بات نہیں کہ تقیہ کا جواز بیان کرتے وقت حالت اکراہ وجبر کا سہارا لیا جائے اور ہتھیار کو استعمال کیا جائے اہل السنت کے اس استدلال کے خلاف کہ حضرت علی مرتضیٰ نے دوران خلافت خلفاء سابقین کی سیرت وکردار سے سرمو تجاوز وانحراف نہ کیا اور ان کے

جاری کردہ احکام میں ذرہ بھر تبدیلی نہ کی گئی کہ فدک اور قرآن مجید کی ترتیب و تدوین اور تلاوت میں بھی انہیں کی تقلید و اتباع کی اور اکو خیرامت اور افضل المسلمین اور راست رو اور صاحب استقامت قرار دیا وغیرہ وغیرہ اگر ان سے نظریاتی اور عملی اختلاف ہوتا تو ہرگز یہ طور و طریقہ نہ اپناتے تو سب کا ایک ہی لفظ میں کافی و وافی جواب یہی دیا جاتا ہے کہ آپ تقیہ کرتے تھے۔

اور اگر ایسا نہ کرتے تو سارا لشکر الگ ہو جاتا اور اکیلے رہ جاتے لہٰذا جہاں اس اختراعی عقیدہ کو استعمال کر کے اہل السنت کے استدلال کا جواب دیا جاتا ہے ایسے ہی مواقع استدلال میں بھی پیش کرو جس ہستی نے حضرت طلحہ و زبیر اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ حالات کی نزاکت اور سنگینی کے باوجود حضرت ابن عباس کے بار بار مشورہ دینے اور اصرار کرنے پر ایک لمحہ کے لیے بھی اس مصلحت کیشی سے کام نہ لیا اور ہر چہ باد اباد کا نعرہ لگا کر میدان کارزار میں اتر پڑے وہ شیخین کے وصال کے بعد بھی پورے عرصہ خلافت میں اس مصلحت کیشی اور عام اہل اسلام کو ہمنوا بنائے رکھنے کی خاطر کیونکہ تقیہ کے روادار ہو گئے۔

لہٰذا علامہ صاحب کو اس مخصوص حالت میں جواز تقیہ ثابت کرنا چاہئے تھا جب کہ ان کے دلائل کو اس مدعا و مقصود سے دور کا تعلق بھی نہیں ہے گویا جس تقیہ میں نزاع ہے اس کو ہاتھ نہیں لگاتے اور اس کے متعلق ایک حرف زبان پر نہیں لاتے اور جس کے اثبات میں ورق سیاہ کیے جا رہے ہیں اس میں نزاع و اختلاف کوئی اہمیت ہی نہیں رکھتا۔

تنزیہہ الامامیہ

ڈھکو صاحب

دوسری آیت: ارشاد ربُّ العباد ہے:۔

لا یتخذ المومنون الکافرین اولیاء من دون المؤمنین ومن یفعل ذلک فلیس من اللہ فی شیئٍ الا ان تتقوا منھم تقاۃ ویحذرکم اللہ نفسہ والی اللہ المصیر (پ۳ س آل عمران ع ۱۱)

مسلمانوں کو چاہیے کہ مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست نہ بنائیں اور جو ایسا کرے گا تو اسے خدا سے کچھ سروکار نہیں مگر (اس تدبیر سے) کسی طرح ان کی شرارت سے بچنا چاہو (تو خیر) اور اللہ تم کو اپنے (جلال) سے ڈراتا ہے اور (آخر کار) اللہ کی طرف جانا ہے (ترجمہ نذیری)

تفسیر بیضاوی طبع لکھنو جلد اوّل ص ۱۲۴ و طبع مصر جلد اوّل ص ۱۱۲ میں بذیل آیت بالا مرقوم ہے یعنی یعقوب قاری نے تقاۃ کو تقیہ پڑھا ہے (معالم التنزیل میں مجاہد کی قراءت بھی یہی بتلائی گئی ہے) خداوند عالم نے اس آیت مبارکہ میں اہل ایمان کو کفار کے ساتھ ہر قسم کی ظاہری و باطنی دوستی کرنے سے سوائے حالت خوف کے باقی تمام اوقات و حالات میں ممانعت فرمائی ہے۔ البتہ بوقت خوف ان سے دوستی ظاہر کرنا جائز ہے۔

ایسا ہی تفسیر کبیر جلد ۲ ص ۶۴۶ و تفسیر کشاف جلد اول ص ۱۸۳ فتح البیان وغیرہا میں افادہ فرمایا گیا ہے۔ برادران اسلامی کی اصح الکتب بعد کتاب الباری الصحیح البخاری جلد ۴ ص ۱۲۲ طبع مصر پر بذیل آیت مذکورہ بالا لکھا ہے یعنی تقاۃ سے مراد تقیہ ہے اور حسن (بصری) کہتے ہیں کہ تقیہ قیامت تک باقی اور جائز ہے

"ارباب انصاف کے لیے لمحہ فکریہ ہے کہ خداوند حکیم حالتِ خوف میں کفار سے اظہارِ محبت کو جائز قرار دے (جو عام حالات میں ناجائز ہے) علماءِ اسلام اس کے جواز کی صراحت کریں۔ بخاری شریف میں تقیہ کی قیامت تک دائم و دائم رہنے کی بشارت موجود ہے اس سے واضح و عیاں ہے کہ تقیہ برحق ہے (ص ۱۶، ۱۷)

تحفہ حسینیہ

محمد اشرف السیالوی

مثل مشہور ہے کہ بھوک سے لاچار آدمی سورج کی طرف دیکھے تو اس کو وہ بھی ٹکی ہوئی روٹی کی صورت میں نظر آتا ہے ڈھکو صاحب ڈوبتے کو تنکے کا سہارا کے مترادف لفظ تقیہ نظر آگیا تو پھولے جامہ میں نہیں سمارہے حالانکہ جھگڑا اہل السنۃ والجماعۃ اور اہلِ تشیع کے درمیان لفظ تقیہ میں تو نہیں ہے خواہ اس کا معنی کچھ بھی کیوں نہ ہو بلکہ ہم نے محلِ نزاع مفصل طور پر پہلے عرض کر دیا ہے اس پر پھر نظر ڈال لیں اور ڈھکو صاحب کے استدلال کی لغویت کا اندازہ کر لیں علاوہ ازیں یہ استدلال چند وجوہ سے غلط اور باطل ہے۔

۱۔ قرآن مجید میں قراءت متواترہ کے اندر" الا ان تتقوا منھم تقاۃ" وارد ہے اور اس کا معنی خوف اور ڈر ہے نہ کہ مصطلح تقیہ۔ کما قال اللہ تعالیٰ۔

یٰایھا الذین اٰمنوا اتقوا اللہ حق تقاتہ ولا تموتن الا وانتم مسلمون۔

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو جیسے کہ ڈرنے کا حق ہے اور تم پر موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو۔

جس طرح یہاں لفظ تقاۃ وارد ہے اور اس کا معنی خوف ہے اسی طرح آیت مذکورہ بالا میں بھی یہی معنی مراد ہے نہ کہ محل نزاع تقیہ۔

۲۔ تقیہ بھی اسی طرح مصدر ہے جس طرح تقاۃ یعنی ایک دوسرے کی جگہ پر استعمال ہوتے رہتے ہیں ملاحظہ ہو نہج البلاغہ مع شرح ابی الحدید جلد ۶ ص ۲۶۲

فاتقوا اللّٰہ عباد اللّٰہ تَقِیَّۃَ ذِیْ لُبٍّ شغل التفکر قلبہ

اے اللہ کے بندو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اس عقلمند کی طرح کا ڈرنا جس کے دل کو تفکر نے مشغول کر رکھا ہو۔

اور اسی طرح جلد ۶ ص ۲۵۵ پر مذکور ہے فاتقوا اللّٰہ تقیۃ من سمع فخشع تم اللہ سے ڈرو اس شخص کے ڈر کی مانند جس نے سنا پس خشوع وخضوع سے کام لیا تو کیا اس جگہ بھی متنازع فیہ تقیہ مراد لیا جاسکتا ہے؟

۳۔ آیت کریمہ کے سیاق وسباق سے صاف ظاہر ہے کہ اہلِ ایمان کو کفار کے ساتھ دوستی اور قلبی ربط وتعلق سے منع کیا گیا ہے جیسے کہ فرمایا:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَۃً مِّنْ دُوْنِکُمْ لَا یَاْلُوْنَکُمْ خَبَالًا۔

اے ایمان والو! غیر مسلموں کے ساتھ قلبی روابط استوار نہ کرو وہ تمہیں دھوکہ دینے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھیں گے۔

"اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْھُمْ تُقٰۃً" اسی حکم سے استثناء ہے یعنی اگر کفار و مشرکین اور غیر مذہب والے غالب ہوں تو پھر تم اس حکم کے ساتھ مکلف نہیں اور مشہور ومعروف قاعدہ ہے کہ مستثنیٰ منہ میں جس کی نفی یا نہی (نفی) ہوگی مستثنیٰ میں اسی کو حکم نفی یا نہی سے خارج کیا جائے گا لہٰذا یہاں ایمان کے چھپانے اور کفر کے ظاہر کرنے والا معنی کیسے مراد لیا جاسکتا ہے جبکہ مستثنیٰ منہ کی جانب کفار کے ساتھ موالات ترک کرنے کا حکم ہے۔ لہٰذا صرف ظاہری موالات اور مدارات، حسنِ خلق اور رواداری والا معنی ہی مراد ہوگا نہ کوئی دوسرا معنی اور مدارات یا حسنِ خلق میں تو نزاع د

اختلاف ہی نہیں ہے۔ گویا قدرت وطاقت اور غلبہ وتسلّط حاصل ہو تو پھر مشرکین کو جزیہ دینے پر مجبور کر دو یا قتل کر دو اگر اسلام نہ لائیں تو کما قال تعالیٰ حتی یعطوا الجزیۃ عن ید وھم صاغرون۔ فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم اور اگر قدرت وطاقت نہ ہو تو رواداری اور حسنِ خلق کا مظاہرہ کرو بقول حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ یہ حکم تا قیام قیامت سہی مگر اس سے ڈھکو صاحب کو کیا حاصل؟ مگر اسلاف کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے تلبیس اور اشتباہ سے کام نہ لیں تو کیا کریں

مفسر صحابہ حبر امت حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں

نہی اللہ المومنین ان یلاطفوا الکفار ویتخذوھم ولیجۃ من دون المؤمنین الا ان یکون الکفار علیھم ظاھرین اولیاء فیظھرون لھم اللطف ویخالفونھم فی الدین وذلک قولہ تعالیٰ الا ان تتقوا منھم تقاۃ۔

(تفسیر درمنثور جلد ثانی ص ۱۶)

اللہ تعالیٰ نے مومنین کو کفار کے ساتھ لطف ومہربانی سے پیش آنے سے منع فرمایا اور مؤمنین کے علاوہ ان سے روابط وتعلقات سے مگر یہ کہ کفار ان پر غالب وقاہر ہوں تو ان کے ساتھ لطف ومہربانی کو ظاہر کریں اور دین میں ان کی مخالفت کریں اور یہی معنی ہے قول باری تعالیٰ "الا ان تتقوا منھم تقاۃ" کا یہاں ظاہر اور باطن کا فرق لفظاً نہیں ذکر کیا گیا بلکہ مطلقاً دین میں مخالفت کا ذکر کیا گیا ہے، جو دونوں حالتوں کو شامل ہے لہذا اس سے اہل السنت کا مذہب باطل کیسے ٹھہرا اور شیعہ کا مذہب ثابت کیسے ہوا۔

ڈھکو صاحب کا اپنے قول کی تردید کرنا

موصوف نے تقیہ کا معنی بیان کیا تھا "ابطان ایمان اور اظہار خلاف ایمان" ایمان کو چھپانا اور اسلام کے خلاف کو ظاہر کرنا لیکن یہاں دلیل قائم کرتے ہوئے صرف

مدارات اور نرم روّیہ اور ملاطفت ورواداری کا جواز ثابت کیا۔

رواداری اور ملاطفت کا حکم تو اہلِ ذمہ کے متعلق بھی ہے تو کیا ان کے ساتھ بھی مذہب میں موافقت کر لیں منافقینِ مدینہ کے ساتھ بھی عرصہ تک رواداری اور مروّت برتنے کا حکم تھا تو کیا ان کے ساتھ مذہب وعقیدہ میں بھی موافقت کی گئی لہٰذا ملاطفت ومدارات سے ابطان ایمان اور اظہار خلاف ایمان کیسے ثابت ہو گیا؟ بلکہ اس سے تو یہ ثابت ہوا کہ تقیہ ایمان چھپانے کا نام نہیں ہے بلکہ نرم سلوک کرنے کا نام ہے تو اس دلیل سے پچھلا دعویٰ باطل ہو گیا۔

علماء شیعہ کا افراط اور حد سے تجاوز

جو امور ضرورت اور مجبوری کی وجہ سے جائز کیے جائیں اور عام حالات میں جائز نہ ہوں وہ رخصت اور اباحت کے درجہ میں ہوتے ہیں نہ فرض وواجب اور نہ ہی موجبِ ترقی درجات۔ مگر شیعہ صاحبان انکو حدود اباحت اور رخصت میں رکھنے کی بجائے انہیں فرض عین قرار دیتے ہیں اور اس پر اجر جزیل اور ثواب جمیل ثابت کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگاتے نظر آتے ہیں۔

۱۔ ابن بابویہ در رسالہ اعتقادیہ اوردہ کہ تقیہ واجب است ہر کہ آنرا ترک کند ہمچناں است کہ ترک نماز کردہ۔

ابن بابویہ رسالہ اعتقادیہ میں نقل کرتے ہیں کہ تقیہ واجب ہے اور جو اسے ترک کرے گویا اس نے نماز کو ترک کیا ہے۔

(منہج الصادقین از فتح اللہ کاشانی جلد دوم صفحہ ۲۰)

۲۔ اور آقائے میرزا ابوالحسن شعرانی نے اس وجوب کو بہت زیادہ عام کرتے ہوئے فرمایا: ہمارے زمانہ میں رسالہ اعتقادیہ مؤلفہ ابن بابویہ والاحکم بہت دشواری کا موجب ہو گیا ہے کیونکہ چھاپے خانے قائم ہو گئے اور ہر فریق کی کتابیں دوسرے فریق کے ہاتھ لگ جاتی ہیں اور ممالک کے درمیان آمد ورفت کے ذرائع

عام ہو گئے ہیں۔ وہر کس امروز در کتابے سب مینو سید یا کتابے مشتمل بر سب را بچاپ رساند بر خلاف تقیہ است و برادرانِ مومنِ خود را در معرض ہتک قرار میدہد اما در زمانِ سابق ہر کس چیزے می نوشت نزد خود یا کسان او میماند و اخفاء آں ممکن بود و اگر سابق در نزد مخالف تقیہ واجب بود اکنوں ہمہ جا واجب است

(حاشیہ منہج جلد دوم صفحہ ۲۰۷)

جو شخص اب کسی کتاب میں سب و شتم لکھے اور اس پر مشتمل کتاب کو چھاپے تو وہ تقیہ کے خلاف ہے اور ایسا شخص اپنے مومن بھائیوں کو معرض و محل ہتک قرار دیتا ہے پہلے زمانہ میں جو کوئی ایسی چیز لکھتا تھا وہ اپنے پاس رکھتا تھا یا اس کے خاص آدمیوں تک وہ چیز محدود رہتی تھی اور اس کا اخفاء ممکن ہوتا تھا۔ لہٰذا پچھلے دور میں اگر مخالف کے سامنے تقیہ واجب تھا تو اب تمام جگہ (دور و نزدیک) تقیہ واجب ہے۔

لیجیے صاحب مخالف سے جان و مال کے ڈر کی شرط بھی ختم ہوئی اور ہر ہر جگہ تقیہ واجب و لازم ہو گیا کیا واقعی اس آیت کریمہ کا مدعا یہی ہے تو پھر ڈھکو صاحب اور ان کے تمام عالم میں پھیلے ہوئے ہم مشرب لوگوں کو اس فرض پر عمل کرتے ہوئے اپنا عقیدہ چھپانا فرض اور ہمارا عقیدہ ظاہر کرنا لازم نیز اپنے عبادات کے طور طریقوں کو چھوڑنا لازم اور ہمارے طور طریقوں کو اپنانا ضروری ہو گیا اور اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر طعن و تشنیع اور سب و شتم کی بجائے ان کی مدح و ثناء لازم اور ضروری ہو گئی۔

سُنّی امام کے پیچھے ازراہِ تقیہ نماز پڑھنے کا اجر و ثواب

اس مسئلہ میں افراط و غلو اور حد سے زیادہ تجاوز کا اور نمونہ ملاحظہ فرمائیں۔

امیر المومنین فرمود، من صلی خلفهم فی الصف الاول فکانما صلی مع رسول الله صلی الله علیه وسلم فی الصف الاول۔

جو شخص ہمارے مخالفین کے پیچھے صفِ اول میں نماز ادا کرے تو گویا اس نے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صفِ اوّل میں نماز ادا کی۔

(تفسیر منہج الصادقین جلد دوم ص ۲۰۸)

ہم تو کسی فاسق کے پیچھے پڑھنے پر نماز کا اعادہ واجب ولازم سمجھتے ہیں مگر شیعہ صاحبان کی خانہ ساز روایات دیکھیے کہ مخالف امام کے پیچھے نماز پڑھنے کو نبی الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھنے کے ہم پلہ قرار دے دیا اور کون کافر ہے جو اس مقدس ترین ہستی کے پیچھے پڑھی ہوئی نماز کا اعادہ جائز بھی سمجھے چہ جائیکہ واجب و لازم۔ اور پھر لطف یہ ہے کہ اس روایت میں کسی ڈر اور خوف، جانی اور مالی نقصان کے اندیشہ کا بھی ذکر نہیں کیا گیا لہذا یہ حکم بھی عام ہو گیا۔ اس طرح اہل السنہ کو مغالطہ دینے کا کام بھی سرانجام ہو گیا اور عظیم اجر و ثواب بھی حاصل ہو گیا اور اس کو شیخ الاسلام قدس سرہٗ نے ہم خرما و ہم ثواب سے تعبیر کیا۔

کیا اس آیت سے یہ تقیہ ثابت کیا جا سکتا ہے میں پھر کہوں گا غلط مبحث اور تلبیس سے کام لینے کی ضرورت نہیں۔ تقیہ کے متعلق اپنا عقیدہ سامنے رکھ کر دلیل پیش کریں جس میں تقریب تمام ملحوظ ہو ورنہ اپنا اور ہمارا وقت ضائع کرنے کی کیا ضرورت؟
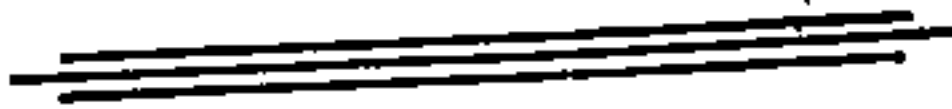
فصل چہارم

تنزیہ الامامیہ ———— ڈھکو صاحب

جوازِ تقیہ سنّتِ پیغمبرؐ کی روشنی میں

تاریخِ اسلام پر نگاہ رکھنے والے حضرات پر یہ حقیقت مستور نہیں ہے کہ تقیہ کا جواز نہ صرف رسولِ خدا کے قول سے بلکہ ان کے عمل و فعل سے بھی ثابت ہے، چنانچہ تفسیر درِ منثور جلد ۴ ص ۱۰۶، ۱۰۷ و تفسیر کبیر جلد ۵ ص ۴۱۹ طبع مصر تفسیر معالم التنزیل طبع بمبئی ص ۴۹۹ وغیرہا کتب معتبرہ میں مرقوم ہے کہ کئی سال (۳ برس) تک پیغمبر اسلام نے اپنے امر نبوت کو مخفی رکھا جو کچھ خدا ان پر نازل کرتا تھا اسے ظاہر نہیں کرتے تھے۔ یہاں تک کہ آیت مبارکہ "فاصدع بما تؤمر" نازل ہوئی جب کہ شجرِ اسلام میں کچھ توانائی پیدا ہو چکی تھی اس وقت کھل کر کلمۂ حق بلند کیا۔

بخاری مع فتح الباری جلد ۲ ص ۹۸، ۱۰۰ پر جناب عائشہ سے مروی ہے کہ آنحضرتؐ نے ان کو خطاب فرماتے ہوئے فرمایا، اے عائشہ! اگر تیری قوم تازہ جاہلیتِ کفر سے نکل کر اسلام میں داخل نہ ہوئی ہوتی جس کی وجہ سے مجھے ان کے دلوں کے برگشتہ ہو جانے کا اندیشہ ہے تو میں یقیناً کعبہ کو گرا کر اس کا سنگِ بنیاد جناب ابراہیم کی بنیادوں پر رکھتا اور اس کے لیے دو دروازے مقرر کرتا ایک مشرقی اور دوسرا مغربی۔ اس سے ظاہر ہے کہ اس اہم مصلحت کے پیشِ نظر آپ یہ مہم کام انجام نہ دے سکے۔

اس سے ایک اور مشہور غلط فہمی کا ازالہ بھی ہو جاتا ہے کہ حضرت امیر نے اپنے ظاہری دورِ خلافت میں بعض اصلاحات کیوں نافذ نہ کیں؟ جب بانی اسلام کی سیرتِ طیبہ میں

اس کی نظیر موجود ہے تو اگر جنابِ امیر بعض اہم مصالح کی بناء پر بعض مہم اصلاحات نافذ نہ کر سکے ہوں تو ان کو کسی طرح بھی موردِ الزام قرار نہیں دیا جا سکتا۔ (ص ۱۷، ۱۸)

تقیہ اور سنتِ پیغمبر

قبل ازیں اس معاملہ میں اولوالعزم رسل کرام کی سنت بیان کی جا چکی ہے اس جگہ صرف ڈھکو صاحب کے دلائل پر تبصرہ کرنا ہے۔ اس فصل میں انھوں نے صرف دو عدد حوالے روایات میں سے پیش کیے ہیں جبکہ ہم قرآنِ مجید کے قطعی دلائل سے ان کا تقیہ سے ہزاروں مراحل دور ہونا بیان کر چکے لہٰذا سرسری نظر میں ہی ناظرین حق و باطل میں فیصلہ کر سکتے ہیں۔

پہلی روایت کا جواب:

۱۔ چلو تسلیم کر لیتے ہیں کہ تین سال تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوی نبوت اور دیگر آیاتِ نازلہ کو مخفی رکھا لیکن بہر حال اس کے بعد ڈنکے کی چوٹ اعلان کیا اور لشکر و سپاہ، حکومت و سلطنت کے حصول کا انتظار کیا تو وہ سنت منسوخ ہو گئی کیا کوئی عالم بقائمی ہوش و حواس منسوخہ سنت کو دلیل بنا سکتا ہے۔ اگر پہلی سنت بعد میں بھی قابل عمل تھی تو اپنے لیے اور اپنے غلاموں کے لیے مصائب و مشکلات کے طوفان سے ٹکرا جانے کا راستہ کیوں اختیار کیا اور مصالح عالیہ والنفسیہ کو نظر انداز کیوں کیا؟ معلوم ہو گیا اور روزِ روشن کی طرح عیاں ہو گیا کہ سابقہ سنت اب منسوخ اور ناقابل عمل ہو چکی تھی تو علماء شیعہ کو اس وقت اس کے زندہ کرنے کی ضرورت کیوں پیش آ رہی ہے؟

ایک وہ دور بھی تھا کہ رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم بیت المقدس کی طرف بھی منہ کرکے نماز ادا کرتے رہے ہیں تو کیا آپ اب بھی اس کو قبلہ بنالیں گے

بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبیست

۲۔ نیز دریافت طلب یہ امر ہے کہ روایت کو محلِ نزاع سے کیا تعلق ہے کیا اس عرصہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کفارِ مکہ اور قریش کے ساتھ زبانی یا عملی طور پر موافقت فرمائی جب نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر تقیہ بمعنی " ابطان ایمان و اظہار خلاف ایمان "۔ اس روایت سے کیسے ثابت ہوگیا۔ ؂

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد

جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

۳۔ پھر اسی روایت کا آغاز ہی ڈھکو صاحب کی تردید کر رہا ہے ما زال النبی صلی اللہ علیہ وسلم مستخفیا سنین کئی سال تک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چھپے رہے اگر اعلانِ رسالت و نبوت نہیں فرمایا تھا اور اہلِ مکہ عداوت و دشمنی پر نہیں اتر آئے تھے تو چھپنے کی ضرورت کیا تھی۔ پہلے چالیس سال تو نہیں چھپے تھے۔ آخر اب یہ تبدیلی رونما کیوں ہوئی؟ یقیناً اس لیے کہ اعلانِ نبوت و رسالت کرنے پر وہ مخالف ہو گئے لہذا علی الاعلان تبلیغ کی بجائے علیحدہ مقام پر تشریف فرما ہو کر اس مقدس مشن کو جاری رکھا۔ کیا علیحدہ مقام اور الگ مکان میں بیٹھ رہنا بھی تقیہ کہلاتا ہے اور اسی حالت میں اہل السنۃ اور اہل التشیع کے درمیان اختلاف ہے۔

دوسری روایت کا جواب:

مجتہد صاحب بالکل بہک گئے ہیں اور ان کے ہوش و خرد گم نظر آتے ہیں۔

۱۔ ذرا سوچیے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت میں تقیہ متنازعہ کے جواز پر کس طرح روشنی پڑ رہی ہے کعبہ شہید نہ کرکے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کس کے ساتھ تقیہ کیا۔ اہلِ اسلام کے ساتھ یا کفار کے ساتھ کافر تو فتح مکہ کے بعد یا بھاگ گئے یا حلقۂ اسلام میں داخل ہو گئے لہذا ان کا تو وہاں وجود ہی نہ تھا

اور اہلِ اسلام سے تقیہ کرنا چہ معنی دارد ؟

۲۔ کعبہ کو سابقہ شکل پر برقرار رکھنے سے کسی کی نماز میں کوئی خلل لازم آسکتا ہے ؟ اس موجودہ مکان کو کعبہ سمجھنے میں کوئی کفر یا فسق یا مکروہ امر کا ارتکاب لازم آتا ہے جب کچھ بھی نہیں تو پھر اس کو تقیہ والے نظریہ سے کیا تعلق ؟ بلا وجہ اپنی بے مائیگی ظاہر کی اور علمی مفلسی اور ہمارا وقت خراب کیا ۔

۳۔ بات صرف اتنی تھی کہ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کی بنیادوں پر اس کی تعمیر زیادہ موزوں تھی لیکن کسی کے گوشہ ذہن میں ادنیٰ سی خلش پیدا ہو سکتی تھی کہ اس کو ابراہیمی بنیاد سے کہیں ہٹا تو نہیں دیا گیا اور آپ نے دعویٰ تو ملتِ ابراہیم علیہ السلام پر ہونے کا کیا تھا کہیں اس سے انحراف کا آغاز تو نہیں ہو رہا ۔ گویا کعبہ کے سابقہ حالت پر رہنے سے کسی قسم کا خلل اور نقص دین میں اور نماز میں لازم نہیں آتا تھا جبکہ اس کی از سرِ نو اور موجودہ بنیادوں سے ہٹ کر تعمیر میں اس قسم کے توہم اور شبہ کا احتمال تھا لہٰذا اسے اسی حال پر رہنے دیا اس قسم کے مصالح کی رعایت کو متنازعہ فیہ مسئلہ تقیہ سے دُور کا واسطہ بھی نہیں اور اگر بالفرض ہے تو کیا میں علماءِ شیعہ سے دریافت کر سکتا ہوں کہ اگر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ مقدسہ کو شہید کر کے ابراہیمی بنیادوں پر تعمیر فرماتے تو امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب یہ فتویٰ (بصورت روایت) آپ پر بھی لاگو ہوتا " لا ایمان لمن لا تقیۃ لہٗ "
" نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ ثم استغفر اللہ "

اور کیا آپ نے بھی کعبہ کو از سرِ نو تعمیر نہ کر کے اپنے درجات و مراتب میں نوے فیصد ترقی کا اہتمام فرمایا ؟ اگر ان امور میں سے کوئی بھی یہاں پر وقوع پذیر نہیں ہے تو پھر تطویل لاطائل سے ڈھکو صاحب کو کیا حاصل ؟

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے متعلق مشہور مغالطہ کا ازالہ

فاضل شیعی نے تقیہ کے جواز و ثبوت پر دلائل دیتے ہوئے سنت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں تقیہ لوگوں کو دکھلانا چاہا تو لگے ہاتھوں سیرت حضرت علی المرتضیٰ کی روشنی میں بھی اس کو اُجاگر کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ آیئے آپ بھی اس روشنی کو دیکھیں اور اس میں ڈھکو صاحب کی بیچارگی اور بے بسی کا مشاہدہ کریں۔

شیعہ صاحبان پر اعتراض یہ تھا کہ اگر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ متفق نہ ہوتے تو ان کے جمع کردہ قرآن کے مقابل اپنا قرآن پیش کرتے۔ متعہ کو رواج دیتے۔ نزاوبح کو حکماً روک دیتے۔ تین طلاق کو ایک طلاق قرار دیتے وغیرہ وغیرہ اور جب آپ نے کسی قسم کی تبدیلی ان امور میں نہیں کی تو آپ کا ان حضرات کے ساتھ متحد و متفق ہونا واضح ہو گیا اور مذہب اہل السنتہ کی حقانیت ثابت ہو گئی ورنہ خلافت کا فائدہ ہی کیا اگر اس کے حصول پر بھی آپ صحیح شریعت اور کامل دین لوگوں کے سامنے پیش نہ کر سکیں۔ اس کو ڈھکو صاحب نے مشہور غلطی قرار دیا اور پھر اس کا بزعم خویش کعبہ کے سایہ میں ازالہ کر دیا۔

خدارا سوچیے!

کعبہ کا سابقہ حالت پر رہنا دین میں کسی ضعف اور نقص کو مستلزم نہیں بلکہ مکان نہ بھی ہو نعوذ باللہ تو بھی نماز میں خلل نہ حج میں کیونکہ اصل قبلہ وہ فضاء ہے جس میں یہ مکان قائم ہے اور اسی حصہ ارض کا طواف بھی کافی ہے اور اس چبوترہ کے گرد چکر لگانا ہی حج میں کفایت کر سکتا ہے؟ جن دنوں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے اس کی از سر نو تعمیر کی تھی اس وقت بھی اہل اسلام نمازیں پڑھتے رہے۔ عمرہ اور حج کرتے رہے لہذا اس پر احکام شرع کو قیاس کرنا قطعاً غلط ہے۔

اگلے صفحات میں آپ ملاحظہ کریں گے کہ ڈھکو صاحب نے بڑے منطقی انداز میں تحریر کیا ہے کہ تراویح بدعت عمر ہے اور ہر بدعت ضلالت و گمراہی ہے اور ہر ضلالت نار دوزخ و جہنم میں ہے۔ لہذا تراویح موجب نار دوزخ ہیں۔ لیکن اگر صاحب اقتدار خلیفہ لوگوں کو اس بدعت سے نہ بچا سکے اور انھیں اپنی آنکھوں سے جہنم میں گرتے دیکھتا رہے۔ اور چپ سادھے رکھے تو کیا تامرون بالمعروف اور تنھون عن المنکر جیسا اُمتِ محمدیہ کا امتیازی نشان مولائے مرتضیٰ میں ڈھونڈنے سے ملا (العیاذ باللہ)

متعہ عندالشیعہ حلال ہی نہیں بہت زیادہ ترقی درجات کا موجب ہے ایک مرتبہ کرنے سے حضرت امام حسین کا درجہ اور دو(۲) مرتبہ کرنے سے امام حسن کا درجہ اور تین مرتبہ کرنے سے حضرت علی مرتضیٰ کا درجہ نصیب ہو جاتا ہے۔ اور جو چار مرتبہ کرے اسے رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے۔ اور جو زندگی بھر ایک مرتبہ بھی نہ کرے اس کا قیامت کے دن ناک کٹا ہوا ہوگا۔ برہان المتعہ از علامہ ابوالقاسم رضوی قمی اور تفسیر منہج الصادقین جلد دوم میں اس موضوع پہ بے شمار روایات موجود ہیں۔ بچشم خود ملاحظہ کریں۔ ہم نے علیحدہ رسالہ میں اس موضوع پر مکمل بحث کی ہے۔ یہاں صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ یہ فعل عندالشیعہ کس قدر موجب خیر و برکت اور اس کا ترک کس قدر موجب خسران اور باعث تذلیل مگر اس کار خیر کو جاری نہ کر کے حضرت علی المرتضیٰ نے کتنے لوگوں کی ناک کٹائی اور کتنے لوگوں کو حسنی حسینی مرتضوی اور محمدی درجات پر فائز ہونے سے محروم کیا۔

تین طلاقیں اگر ایک ہیں تو عورت سابقہ خاوند پر حلال اور دوسرے کے لیئے حرام مگر حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے نہ حقدار کو اس کا حق دیا اور نہ دوسرے شخص کو حرام اور زنا سے بچایا بلکہ اللہ تعالیٰ اور رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک حلال کو حرام اور حرام کو حلال ٹھہرائے جانے اور شریعت مطہرہ میں تغیر و تبدل کر دینے پر بھی آپ کے کانوں پر جوں نہ رینگی تو اس خلافت کا مقصد کیا رہ گیا۔

لہذا کعبہ مقدسہ کی از سر نو تعمیر نہ کرنے والی مصلحت پہ ان شرعی احکام اور اس

قسم کے بیسیوں احکام کی خلاف ورزی پر خاموشی اور چشم پوشی کسی طرح بھی قیاس نہیں کی جا سکتی اور خلیفہ وقت ہو کر منکرات کو نہ زور بازو سے تبدیل کر سکیں اور نہ اعلانیہ تبلیغ کے ذریعے تو پھر اس خلافت سے بڑھ کر کار بے خیر کیا ہو سکتی ہے اور ایسی خلافت والے پر یہ خلافت کس قدر بار گراں اور اخروی وبال کا موجب بنے گی۔ لہذا شیعہ صاحبان دوستی کے پردہ میں اس بدترین دشمنی کا مظاہرہ کرتے ہیں تو کریں ہم غلامان مرتضیٰ رضی اللہ عنہ تو بہر حال یہی سمجھتے ہیں کہ آپ نے جس امر کو قائم اور برقرار رکھا۔ بہر حال حق اور درست سمجھ کر ہی برقرار رکھا۔ اسد اللہ الغالب اس قسم کے ضعف اور ناتوانی کا مظاہرہ کیسے کر سکتے ہیں سہ

آئین جوانمرداں حق گوئی و بیباکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

اگر خدانخواستہ صرف اہل السنت کو ہمنوا بنائے رکھنے کے لیئے اور اپنی خلافت کو استحکام بخشنے کے لیئے ایسا کیا تھا تو آجکل کے دنیا پرست مکار حکمران میں اور اس خلیفہ راشد اور سرچشمہ ولایت و عرفان میں کیا فرق ہو سکتا ہے؟۔

رسالہ کے مؤلف نے رجناب علی کا اپنا مذہب اور ثلاثہ پر اعتراض) صفحہ ۶۵ والا عنوان قائم کر کے (۲۸) احکام ایسے گنوائے ہیں جن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے خلاف تھے مگر ان کو تبدیل نہ کر سکے۔ آغاز یوں ہے مجھ سے پہلے حکام نے ایسے اعمال کو رواج دیا ہے جن میں انھوں نے جناب رسالت مآب صلعم کی مخالفت کی ہے اور رسول خدا کے عہد کو انھوں نے عمداً توڑ کر غلط راہ لی ہے جس سے سنت نبوی کو تبدیل کر دیا اور اختتام یوں ہے۔ میں خدا کی طرف اس بات کی شکایت کرتا ہوں جو لوگوں نے تفریق پیدا کر دی اور جو انھوں نے ایسے اماموں کی پیروی اختیار کر رکھی ہے جو لوگوں کو گمراہ کرنے والے ہیں اور دوزخ کی طرف بلانے والے ہیں۔

فرمایئے صاحب اٹھائیس بلکہ اس سے بھی زیادہ احکام ایسے جن میں اصلی قرآن سے لے کر عہد شکنی اور سنن نبویہ کی تبدیلی موجود، رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت

اور دوزخ کی راہ پہ گامزن کرنے تک سبھی مفاسد موجود رہے۔ مگر چونکہ نبی کریم علیہ السلام نے کعبہ از سر نو تعمیر نہیں کیا تھا۔ لہذا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ احکام صحیح طریقہ پر نافذ نہ ہو سکے۔ بس بالکل سنت نبوی پر عمل کیا گیا ہے ؎

خرد کا نام جنون رکھ دیا جنون کا خرد — جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

تنزیہ الامامیہ ——— ڈھکو صاحب

آنحضرتؐ کا ابوذرؓ کو کتمانِ دین کا حکم دینا

بخاری کتاب المناقب ج ۲ ص ۱۹۶ پر بذیل حدیث اسلام ابی ذرؓ مذکور ہے کہ جب جناب ابوذرؓ اوائل اسلام میں اسلام لائے تو آنحضرتؐ نے ان سے فرمایا:

"اے ابوذرؓ! ہنوز اس امر (اسلام) کو چھپائے رکھو اور اپنے شہر پلٹ جاؤ۔ ہاں جب ہمارے غلبہ وظہور کی اطلاع ملے تو ہمارے پاس چلے آنا" (ص: ۱۸)

تحفہ حسینیہ ——— محمد اشرف السیالوی

ڈھکو صاحب نے اس روایت میں بوجوہ تلبیس سے کام لیا ہے۔

وجہ اول: تو یہ ہے کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ابوذر رضی اللہ عنہ کو یہ حکم دیا تو انھوں نے جواب میں عرض کیا والذی بعثك بالحق لاصرخن بها بين اظهرهم (الحدیث) چنانچہ آپ نے مسجد حرام میں آکر کفار کے سامنے باواز بلند کہا۔ "اے گروہ قریش انی اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمدا عبده ورسوله اور ان کا ہر ظلم وتشدد برداشت کر لیا مگر اخفاء وکتمان سے کام نہ لیا تو کیا وہ حکم

رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالف اور باغی قرار پائے اور لا ایمان لمن لا تقیۃ لہ کے تحت ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھے (نعوذ باللہ)

وجہ ثانی :۔ کیا آپ کے اس ارشاد کا مقصد یہ تھا کہ کفارِ مکہ اور مشرکین عرب کے ساتھ موافقت کرتے رہو اور بت پرستی اور زنا وغیرہ میں ان کے ہمنوا بنے رہو۔ (نعوذ باللہ) جب قطعاً یہ مقصد نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر تقیہ کا بیان کردہ معنی (ابطان ایمان و اظہار خلاف ایمان) یہاں سے کیسے ثابت ہو گیا۔

وجہ ثالث :۔ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم خود کسی مکان میں چھپے ہوئے تھے اگر خود تقیہ پر عمل پیرا ہوتے تو چھپنے کی ضرورت کیا تھی اور جب خود عمل پیرا نہیں تھے تو انہیں اس کا حکم دینے کا مقصد کیا ہو سکتا تھا؟ بات صرف اتنی تھی کہ اگر قریش مکہ پہ اسلام لانے کا اظہار کیا تو وہ ظلم و تشدد کا نشانہ بنائیں گے لہذا ان کے سامنے اسلام لانے کا اعلان نہ کرنا یہ حکم بطور ترحم تھا مگر مست شراب محبت مصطفوی نے اپنی تکلیف اور ایذا کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے اس کا برملا اظہار کر دیا۔ کیا شیعہ صاحبان بھی حضرت ابوذر کی تقلید کو گوارا کر سکتے ہیں؟ ڈھکو صاحب نے یہاں پر بھی تقیہ سے کام لیا کہ اپنے مطلب کا حصہ نقل کر دیا اور دوسرا حصہ جس سے تقیہ کا بھانڈا چوراہے میں پھوٹتا تھا اس کو قلم زد کر دیا۔

تنزیہہ الامامیہ　　　　ڈھکو صاحب

آنحضرتؐ کا معاذ کو اظہارِ حدیث سے منع فرمانا

بخاری ج ۱ صفحہ ۲۴ مطبع دہلی پر معاذؓ سے منقول ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا۔ "کہ جو شخص صدق دل سے کلمہ شہادتین پڑھ لے (خدا اور رسول کا اقرار

کرے) تو خدا اس کے جسم کو آتش جہنم پر حرام قرار دے دیتا ہے ''
معاذ رضؓ بیان کرتے ہیں میں نے عرض کیا۔ ''یا رسول اللہ آیا میں لوگوں کو یہ حدیث سنا دوں تاکہ وہ خوش و خرم ہو جائیں؟ آنحضرتؐ نے فرمایا (اگر تم نے ایسا کیا تو) وہ اسی پر بھروسہ کر لیں گے (اور اعمال صالحہ کی بجا آوری ترک کر دیں گے) جناب معاذؓ نے اپنی موت کے وقت محض اس خیال کے پیشِ نظر کہ کتمان حدیث کر کے گناہ گار نہ ہوں۔ (یا اپنے آپ کو گناہ گار سمجھتے ہوئے کہ ایک سربستہ راز کا افشاء کر رہے ہیں) یہ حدیث بیان کی۔

ان حقائق کی روشنی میں واضح ہو گیا کہ بعض اوقات حق کا چھپانا اتنا ہی ضروری ہوتا ہے جتنا کہ بعض اوقات اس کا ظاہر کرنا ضروری ہوتا ہے۔ سچ ہے ؎

ہر سخن جائے و نکتہ مقامے دارد!

(ص: ۱۸، ۱۹)

تحفہ حسینیہ ______ محمد اشرف السیالوی

علامہ ڈھکو صاحب بیچارے ایسے پریشان ہوئے ہیں کہ ورق پہ ورق سیاہ کرتے جا رہے ہیں مگر اصل موضوع اور متنازع فیہ مسئلہ پہ کوئی دلیل قائم نہیں کر سکتے۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اعلان عام سے منع فرمایا اور حکمت یہ پیشِ نظر تھی کہ لوگ اس خوشخبری کو سُن کر عمل میں کوتاہی نہ کرنے لگ جائیں اور ضروری درجات و مراتب میں نقصان سے دوچار نہ ہو جائیں اس میں متنازعہ فیہ امر پہ استدلال کا کیا جواز ہے۔ وہ تو اس صورت میں ممکن ہوتا جب اعلان یہ کرایا جاتا کہ صدق دل سے شہادت توحید و رسالت قطعاً نجات اور فلاح کی ضامن نہیں ہے۔ اور دل میں یہ ہوتا کہ ضامن ہے۔ جب قلبی نظریہ کے خلاف کا اعلان و اظہار ثابت نہیں تو متنازع فیہ مسئلہ میں اس روایت کو گھسیٹ لانے کا امانت و

دیانت کی دنیا میں کیا جواز ہو سکتا ہے؟

ہر بات ہر ایک کے سامنے ظاہر نہ کرنا دوسری چیز ہے اور اس کے خلاف کا اظہار واعلان علیحدہ امر ہے مگر ڈھکو صاحب ہیں کہ بقول خود ؎

کبھی گرتا ہوں مینا پر کبھی جھکتا ہوں ساغر پر
مری بے ہوشیوں سے ہوش ساقی کے بکھرتے ہیں

ایسے بے ہوش ہیں کہ خود اپنے بیان کردہ معنی کا بھی خیال نہیں رہتا کہ تقیہ تو ایمان چھپانے اور خلاف ایمان کو ظاہر کرنے کا نام ہے۔

تنزیہ الامامیہ ——— محمد حسین ڈھکو

تقیہ کا جواز اسوۂ انبیاء کی روشنی میں

خداوند عالم نے جناب موسیٰؑ کے تذکرہ میں فرمایا ہے کہ فرعون نے ان سے کہا۔ "ولَبِثْتَ فینا من عمرك سنين اے موسیٰ تم اپنی زندگی کے بہت سے سن وسال ہم میں گزار چکے ہو۔ اس آیت کے ذیل میں مفسر بیضاوی نے اپنی تفسیر ص ۱۰۶ طبع نولکشور میں لکھا ہے۔ جناب موسیٰ (اعلان نبوت سے پہلے) فرعونیوں میں تقیہ کے ساتھ بسر اوقات کیا کرتے تھے۔ جناب خلیل خدا کا بت توڑنا ایک مشہور و مسلم واقعہ ہے لیکن قرآن شاہد ہے کہ جب قوم نے جناب خلیل سے اس واقعہ کے متعلق باز پرس کی تو آپ نے فرمایا: بل فعله كبيرهم هذا فاسئلوهم ان كانوا ينطقون

"یہ کارستانی بڑے بت کی ہے اگر یہ بولتے ہیں تو خود ان سے دریافت کر لو"

ظاہر ہے کہ جناب ابراہیم کا یہ جواب تقیہ پر مبنی ہے جسے بخاری نے "کذب" (جھوٹ) سے تعبیر کیا ہے۔ کہ "لم یکذب ابراهیم الا ثلاث کذبات"

کہ جناب ابراہیم ؑ نے اپنی زندگی میں صرف تین بار جھوٹ بولا تھا (معاذ اللہ) بخاری ج ۲ ص ۲۳۳ طبع مصر حالانکہ خلاق عالم ان کو صدیق فرماتا ہے۔ واذکر فی الکتاب ابراھیم انہ کان صدیقاً نبیا (ص ۱۹، ۲۰)

تحفہ حسینیہ ——— محمد اشرف سیالوی

ڈھکو صاحب نے اس عنوان کے تحت حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تقیہ پر عمل پیرا ثابت کرنے کی ناپاک سعی کی ہے۔ آیئے حقائق کی روشنی میں اور دانش و بینش کے آئینہ میں ان کی لغزشیں مشاہدہ کریں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تقیہ: اس ضمن میں آپ کو صرف بیضاوی شریف کی یہ عبارت مل گئی کان یعاشرھم بالتقیۃ لہذا شیعہ مذہب ثابت ہو گیا نعرہ حیدری یا علی مدد۔

اس دلیس میں یا فرعون کی پرستش ہوتی تھی یا اصنام و اوثان کی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان میں سے کس امر کا ارتکاب کیا تھا؟ (العیاذ باللہ) وہ خدا کے منکر تھے تو کیا موسیٰ علیہ السلام بھی ان کے ساتھ اس معاملہ میں ہمنوائی کرتے تھے۔ جب ایسی کوئی صورت بھی ثابت نہیں تو شیعی تقیہ کیسے ثابت ہو گیا۔

بس ڈھکو صاحب کو تقیہ کا لفظ نظر آتا ہے تو وہ سمجھ لیتے ہیں یہ وہی ہمارا تقیہ ہے مگر حیرت کی بات ہے کہ تقیہ کا اپنا بیان کردہ معنی ان کو یاد نہیں رہتا اور بھوکے شخص کے سورج کو روٹی سمجھنے کی طرح اسے اپنے مذہب کا ثبوت کیسے سمجھ لیتے ہیں۔ سچ ہے حبك الشيئ يعمي ويصم کسی چیز سے محبت ہو تو پھر ما سوا سے آدمی اندھا اور بہرہ ہو جاتا ہے۔ مقصد واضح ہے کہ آپ ان کو دشمن خدا سمجھتے تھے اور دشمن عقل و خرد۔ لہذا ہر وقت آپ کو ان کی طرف سے خوف و ہراس اور انتقامی کارروائی کا کھٹکا لگا رہتا تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تقیہ: اس ضمن میں ڈھکو صاحب نے قول باری تعالیٰ حکایت عن الخلیل "بل فعلہ کبیرھم ھذا فاسئلوھم ان کانوا ینطقون" پیش کیا ہے اور اس سے نتیجہ نکالا ہے کہ جناب ابراہیم علیہ السلام کا یہ جواب تقیہ پر مبنی ہے۔ لیکن ع

سخن شناس نئی دلبرا خطا اینجاست

بیشک آپ نے فرمایا: بل فعلہ کبیرھم ھذا لیکن اس کا مقصد کیا تھا کیا واقعی وہ لوگ اس بات کو مان سکتے تھے اور آپ یہ جواب دیکر ممکنہ انتقامی کارروائی سے بچ سکتے تھے۔ جب قطعاً یہ جواب ان کے نزدیک قابل قبول نہیں تھا تو اس جواب میں مضمر حکمت تلاش کرنی چاہیے۔

علاوہ ازیں آپ سے اگر وہ دریافت کرتے کہ تم نے بڑے بت کو یہ کام کرتے دیکھا تو آپ کا جواب کیا ہوتا کہ میں واقعی عینی شاہد ہوں۔ یہ بھی قطعاً کسی ادنیٰ عقل و فہم رکھنے والے کے نزدیک بھی قابلِ قبول اور قابل پذیرائی نہیں۔ تو صاف ظاہر ہے کہ آپ کا اس قوم کو ان بتوں کی بے بسی و بے چارگی کا احساس دلا کر حتیٰ کہ توڑنے والے کی شکایت کرنے سے بھی عاجز اور قاصر گردان کر ان سے بیزار کرنا مقصود تھا۔ اور راہِ راست کی طرف لانا۔ اسی لیے جب انھوں نے کہا قد علمت ما ھؤلاء ینطقون یہ تو تجھیں معلوم ہی ہے کہ یہ گفتگو نہیں کرتے تو آپ نے فرمایا: افسوس ہے تم پر اور جن کی تم عبادت کرتے ہو اف لکم ولما تعبدون من دون اللہ

اگر تقیہ مقصود تھا تو بھرے مجمع میں ان کو سرزنش کرنے اور ان کے معبودات سے نفرت اور بیزاری کا اظہار کرنے کی جرأت کیونکر ہو سکتی تھی؟ آپ تو جذبہ قربانی سے اس قدر سرشار تھے کہ نمرودیوں کی طرف سے اس جرم صداقت اور حق گوئی کی پاداش میں جب آگ کے اندر پھینکے جا رہے تھے تو نہ مدد کو آنے والے فرشتوں کی امداد قبول کی اور نہ ہی اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے کو مناسب جانا۔ ع

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق　　عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی

اور جب جبرئیل امین نے دعا کرنے کو کہا تو فرمایا۔ علمه بحالی حسبی عن سؤالی کہ میری حالت جب اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے تو پھر مجھے دعا کی کیا ضرورت ہے؟ کیا ایسی ہستی جو ملائکہ کی مدد لینے کو تیار نہ ہو اور مقام امتحان میں خدا سے دعا کرنے کی روادار بھی نہ ہو۔ اس پر تقیہ کی تہمت کوئی مسلمان لگا سکتا ہے؟

پھر یہ پہلا موقعہ نہیں تھا کہ بات ٹالنے سے ٹل جاتی انھوں نے تو بتوں کی یہ حالت دیکھتے ہی کہا کہ یہ کارروائی ابراہیم کی ہی ہو سکتی ہے قالوا سمعنا فتی یذکرھم یقال لہ ابراھیم لہذا اسے پکڑو اور یہاں لے آؤ۔ دوسرا کوئی فرد ان کے خلاف کبھی بات کرتا ہی نہیں تھا جب آپ ان کے نزدیک اس اقدام کے مرتکب تھے ہی اور تقیہ یہاں کام دے سکتا ہی نہیں تھا اور نہ پہلے کبھی کیا تھا اور نہ بعد میں تو اب اس کو بروئے کار لانے کا کیا مطلب ہو سکتا تھا؟ پھر تقیہ کرنا ہوتا تو توڑنے سے ہی گریز کرتے کیونکہ آپ کو یقیناً معلوم تھا کہ پہلا گمان میرے متعلق ہی کیا جائے گا۔ لہذا حفاظت نفس اور آبرو کی واحد صورت ہی یہی تھی۔ جس میں بچاؤ متعین تھا اس کو ترک کر کے موہوم تدابیر بچاؤ کی کرنا ضعیف الادراک اور فاتر العقل شخص کا کام تو ہو سکتا ہے۔ امام انبیاء اور نسل انسانی کے مقتداء کا یہ کام نہیں ہو سکتا۔

ڈھکو صاحب چونکہ ملنگوں کے ساتھ رہتے ہیں لہذا انہیں کی طرح لاتقربوا الصلوٰۃ کا سبق پڑھے ہوئے ہیں بلکہ دوسروں کو بھی پڑھاتے ہیں۔ اگر سیاق و سباق اور اس قصہ میں وارد دوسری آیات پر غور کر لیتے تو دیانت و انصاف کے خون ناحق کے جرم سے بچ جاتے اور خواہ مخواہ کی رسوائی مول نہ لینی پڑتی۔

بخاری شریف اور تقیہ ابراہیمی یا توریہ

ڈھکو صاحب نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے تقیہ ثابت کرتے ہوئے بخاری شریف کا بھی حوالہ دے دیا کہ اسی کو چونکہ بخاری میں کذب سے تعبیر کیا گیا ہے

لہذا تقیہ کا حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام سے سرزد ہونا ثابت ہو گیا۔

ڈھکو صاحب نے یہاں بھی خود تقیہ سے کام لیا ہے اور اہل السنۃ کے مذہب و مسلک اور بخاری شریف کی روایت کو غلط رنگ میں پیش کیا ہے۔ اہل السنۃ والجماعۃ کے ہاں حسب ضرورت توریہ درست ہوتا ہے اور توریہ کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ایسا لفظ استعمال کیا جائے جو دو معانی پر دلالت کرتا ہو۔ ایک قریب اور دوسرا بعید مثلاً صدیق اکبر رضی اللہ عنہ غار سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکل کر روانہ ہوئے تو راستہ میں آپ کو واقف لوگ ملتے جو کاروبار تجارت میں آتے جاتے آپ سے متعارف تھے تو وہ دریافت کرتے کہ تمھارے ساتھ کون ہیں۔ آپ فرماتے رجل یھدینی السبیل یہ وہ ہستی ہیں جو مجھے راہ دکھلاتے ہیں۔ راستے دو ہیں زمین کا بھی اور آخرت کا بھی لیکن متبادر اور اقرب الی الفہم زمین کا راستہ ہے۔ کیونکہ سڑکیں اور نشانات منزل متعین نہیں ہوتے تھے لہذا راہ کے ماہرین کی خدمات حاصل کی جاتی تھیں اور ذرا بعید من الفہم معنی اس کا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا اور آخرت کا راستہ۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ دوسرا معنی مراد لیتے تھے اور مخاطب کو گمان ہوتا تھا کہ انھوں نے پہلا معنی مراد لیا ہے۔

الغرض توریہ میں لفظ کی اس معنی پر دلالت بھی مسلّم ہوتی ہے اور متکلم اپنے ارادہ اور مقصد کے لحاظ سے بالکل سچا بھی ہوتا ہے۔ یہ طریقہ حسب ضرورت جائز ہے اور یہی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے استعمال فرمایا۔ شلاً فرمایا۔ انی سقیم اور سقم و مرض جسمانی بھی ہوتا ہے۔ اور روحانی بھی آپ ان سے روحانی کوفت اور تکلیف محسوس کرتے تھے۔ لہذا بایں معنی انی سقیم فرما دیا۔ اور مخاطب لوگوں نے جسمانی مرض کا گمان کیا۔ آپکی بیوی سارہ آپ کے ساتھ اسلامی اور مذہبی رشتہ میں منسلک تھیں اور مذہبی لحاظ سے بہن جو کہ ذرا بعید از فہم ہے۔ اور خونی رشتہ کے لحاظ سے بہن ہونا زیادہ قریب الی الفہم ہے۔ آپ نے اخوت اسلامی مراد لی اور مخاطبین نے اخوت بدنی اور خونی رشتہ کے لحاظ سے سمجھا اس طرح قول باری تعالیٰ بل فعلہ

کبیرھم ھذا فاسئلوھم ان کانوا ینطقون میں بھی توریہ استعمال کیا گیا ہے۔ یعنی فعل کی نسبت کسی کی طرف دو طرح پر ہوتی ہے۔ ایک حقیقت کے لحاظ سے اور دوسری ظاہر کے لحاظ سے۔ آپ نے ظاہری صورتِ حال کو ملحوظ رکھ کر نسبت کر دی کیونکہ قتل کے آلات جس کے پاس ملیں بظاہر قاتل وہی سمجھا جاتا ہے اور عادت بھی اسی طرح جاری ہے کہ بڑا بادشاہ چھوٹوں کا وجود برداشت نہیں کر سکتا لہٰذا اس طرح بڑے بُت کی طرف اس کارستانی کی نسبت آپ کی طرف سے درست ہو گئی اگرچہ مخاطبین یہی سمجھتے رہیں کہ انھوں نے حقیقۃً اس فعل کا مرتکب اس بُت کو قرار دیا ہے پھر ساتھ ہی اپنے مقصد پر قرینہ بھی قائم کر دیا فاسئلوھم ان کانوا ینطقون ان سے پوچھ لو اگر بولتے اور بتاتے ہیں تو صاف ظاہر کہ جب بولنے اور بتلانے سے قاصر ہوں تو ان سے ایسا فعل کیونکر سرزد ہو سکتا ہے۔ یہ کہہ کر ان کا عبادت و پرستش کے استحقاق سے محروم محض ہونا بیان کر دیا۔

الغرض یہاں توریہ استعمال کیا گیا اور وہ چونکہ از روئے ارادۂ متکلم اور احتمال لفظ سراسر صدق ہوتا ہے اس لیے اس کو تقیہ قرار دینے کا کوئی جواز نہیں ہے؟

پھر کذب سے تعبیر کیوں؟

رہا یہ سوال کہ یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جو صدیقاً نبیاً ہیں کذب کا مرتکب قرار دیا گیا ہے تو اس کا جواب واضح ہے کہ کبھی صوری اور ظاہری مشابہت و مشاکلت کی وجہ سے ایک مشابہ اور مشاکل کا اطلاق دوسرے پر کر دیا جاتا ہے۔ گھوڑے کی تصویر کو بھی گھوڑا کہہ دیا جاتا ہے۔ زید کی تصویر کو زید کہا جاتا ہے۔ حالانکہ ماہیات میں کوئی دور کا تناسب بھی نہیں۔ اسی طرح کلام مجید میں برائی کی جزاء کو فعلِ بد کے مطابق ہونے کی وجہ سے برائی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ جزاء سیئۃ سیئۃ مثلھا برائی کی جزاء اسی کی مانند برائی ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ برائی کا حکم نہیں دیتا تو پھر جزاء کا حکم کیوں دیا۔ اس طرح کفار کے استہزاء پر اللہ تعالیٰ کی جوابی کارروائی

جو ان کے فعل کے مطابق تھی یا ہو گی اس کو بھی استہزاء سے تعبیر کرتے ہوئے فرمایا۔ اللہ یستہزء بہم۔ ان کے مکر و فریب کے جوابی اقدام کو بھی اسی وجہ سے مکر کے ساتھ تعبیر کرتے ہوئے فرمایا، ومکروا ومکر اللہ واللہ خیر الماکرین اسی طرح یہاں بھی ان امور کی ظاہری صورت کذب سے ملتی جلتی تھی گو حقیقت بالکل جدا تھی لہذا مجاز بالمشاکلت کے تحت ان کو کذب سے تعبیر کر دیا گیا۔

یہ بھی غنیمت ہے کہ ڈھکو صاحب نے صرف بخاری شریف کا مذاق اڑایا ہے کہیں قرآن پر اعتراض نہیں کر دیا کہ ہم ایسے قرآن کو قرآن ہی تسلیم نہیں کرتے جس میں خدا تعالیٰ کو مکر کرنے والا اور ٹھٹھے مذاق کرنے والا کہا گیا ہے۔ یہ بھی سنیوں کی تالیف ہے۔ گو دل میں تو عقیدہ یہی ہے مگر تقیہ اظہار حقیقت سے مانع ہے۔

صدیق نبی کو سنیوں نے کذب کا مرتکب قرار دیا۔

ڈھکو صاحب بڑے بھولے پن سے کہہ رہے ہیں کہ جب حضرت خلیل اللہ کو خدا نے صدیق کہا تو ان سے کذب کیونکر صادر ہو سکتا ہے؟ مگر آپ امام صادق سے ایسے کذب کے صادر کرنے کا جواز ثابت کرنے کے درپے ہیں۔ اور ادھر آپ کو تعجب ہو رہا ہے۔ سچ فرمایا اللہ تعالیٰ نے جحدوا بہا واستیقنتہا انفسہم دلوں کو تو یقین ہے مگر زبانی انکار ہے اور انکار پر اصرار۔ حضرت جی ہم نے تو صرف صوری مشابہت کے تحت ان صحیح اور سچے اقوال کو بطریق مجاز کذب سے تعبیر کیا ہے۔ مگر آپ صادق اور صدیق آئمہ کی طرف سے حقیقی کذب کے دیدہ دانستہ صادر کرنے پر نوے فیصد اخروی درجات و مراتب میں ترقی اور سربلندی ثابت کرنے کے درپے ہیں اور دیدہ دانستہ و ارادۃ جھوٹ نہ بولنے پر دین و ایمان کی ہی سرے سے نفی کر دیتے ہو سہ

ببین تفاوت راہ از کجاست تا بکجا۔

ڈھکو صاحب بھول گئے

پھر ڈھکو صاحب بھول گئے تقیہ تو تھا ایمان کو چھپانا اور ایمان کے خلاف کو ظاہر کرنا۔ کیا یہاں ابراہیم علیہ السلام نے ایمان کو چھپایا؟ جب نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر اس سے استدلال کی سعی لاحاصل کیوں کی جارہی ہے؟ الحاصل اس استدلال سے بھی ڈھکو صاحب صرف باد بدست ہی رہے اور اثبات مدعا میں مکمل طور ناکام۔

تنزیہہ الامامیہ ڈھکو صاحب

تقیہ کا جواز بعض بزرگانِ دین کے عمل کی روشنی میں

جن صحابہ نے معاویہ کے وعدو وعید کی وجہ سے یزید کی ولی عہدی کا اقرار کیا تھا جو ذاتی طور پر یزید ایسے بدکردار و بد اطوار کو اس منصب جلیل کا اہل نہیں جانتے تھے نیز اگر یہ ان کا تقیہ نہیں تھا تو اور کیا تھا۔ جب مسئلہ ’’خلق قرآن‘‘ پر مامون نے اصرار کیا تو برادران اسلامی کے بڑے بڑے بزرگان دین نے تقیہ کر کے اپنے عقیدہ و نظریہ کے خلاف اس کی ہاں میں ہاں ملادی۔ شبلی نعمانی المامون ص ۱۶۸/۱۶۷ پر اس واقعہ کے متعلق لکھتے ہیں ’’فرمان میں یہ چنگیزی حکم بھی تھا کہ جو لوگ اس عقیدہ سے باز نہ آئیں پا بہ زنجیر روانہ کئے جائیں تاکہ میں خود اپنے سامنے اتمام حجت کر کے ان کی موت و حیات کا فیصلہ کردوں۔ مامون کو پھر معلوم ہوا کہ جن لوگوں نے اس مسئلہ کو تسلیم کر لیا تھا۔ تقیہ کیا تھا وہ نہایت برآفروختہ ہوا اور ان لوگوں کی نسبت حکم دیا کہ آستانہ دولت پر حاضر کیے جائیں۔ ایک جم غفیر جس میں ابوحسان، زیادی، نضر بن شمعین قواریری، ابونصر تمار، علی بن مقاتل، بشر بن الولید وغیرہ شامل تھے۔ پولیس کی حراست میں شام کو روانہ کیا گیا۔ یہ لوگ رقہ تک پہنچ چکے تھے کہ مامون کے مرنے

کی خبر آئی جس کا اثر عام مسلمانوں پر جو کچھ ہوا۔ ہوا۔ لیکن ان بے کسوں کے لیے تو ایک نہایت جانفزا مثردہ تھا۔" (ص ۲۰۰)

تحفہ حسینیہ ——— محمد اشرف السیالوی

اس عنوان کے تحت ڈھکو صاحب نے جواز تقیہ کے متعلق حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں یزید کی ولی عہدی کے متعلق تقیہ سے کام لیئے جانے اور مامون کے دور میں خلق قرآن کے مسئلہ پر تقیہ کیے جانے کا ذکر کیا ہے۔ اگرچہ محل نزاع میں ان حوالہ جات کے پیش کرنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ تاہم ڈھکو صاحب نے اوراق سیاہ کرنے کی ٹھان رکھی ہے اور تنکوں کا سہارا لینے کی۔ اس لیے ان دونوں واقعات کے متعلق بھی صورت حال واقعی عرض کیئے دیتے ہیں۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے وعدو وعید کا معاملہ: سب سے پہلے تو غور طلب یہ امر ہے کہ آخر کچھ مردان حُر اور اللہ تعالیٰ کے شیر ایسے بھی تھے یا نہیں جنھوں نے نہ وعدہ کی پرواہ کی اور نہ وعید کی اور بیعت سے انکار کر دیا ان کے متعلق کیا فتویٰ ہے؟ ان کا دین و ایمان برقرار رہا یا ختم ہو گیا اور جنھوں نے بیعت کر لی وہ نہ کرنے والوں پر نوتے فیصد درجات و مراتب میں فوقیت لے گئے یا نہیں؟ بصورت اول امام حسین رضی اللہ عنہ کا نوتے فیصد مقامات سے محروم ہونا لازم آیا اور دین و ایمان سے بھی (العیاذ باللہ) اور بصورت ثانیہ اصول کافی کی یہ سب روایات لغو اور باطل ٹھہریں۔ اور امام منتظر حضرت مہدی پر سرا سر بہتان و افتراء اور یہی جواب مامون کے دور میں تقیہ نہ کرنے والوں اور کرنے والوں کے متعلق بھی ہے۔

۲۔ اگر بیعت کرنے والوں نے تقیہ سے کام لیا تھا تو پھر واقعہ حرہ کیوں پیش آیا اور حرم کعبہ بلکہ خود کعبہ پر سنگ باری کی نوبت کیوں آئی۔ آخر جب اس کی ولیعہدی کے لیئے وعدو وعید کی وجہ سے تقیہ کا سہارا لیا تھا تو پھر جنگ و جدال اور حرب و قتال تک نوبت ہی کیوں آئی تھی۔ صورت حال واقع یہ تھی کہ امام حسن رضی اللہ عنہ کے خلافت

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو سونپ دینے سے وہ بالاتفاق عالم اسلام کے امیرالمؤمنین تھے اور وہ ملکی استحکام اور اُمت میں اختلاف و انتشار سے تحفظ کے تحت یہ قدم اٹھانے کا دعویٰ کر رہے تھے۔ لہذا اس کو بعض حضرات نے خلاف مصلحت سمجھا اور بیعت سے انکار کر دیا۔ جن میں سرفہرست حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عمر حضرت عبداللہ بن الزبیر اور حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہم تھے۔ لیکن امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کے ساتھ کسی قسم کا تعرض نہ کیا اور نہ جبر و اکراہ اور نہ دھونس دھاندلی کا اظہار کیا، اگر کرتے تو حکومت ان کے ہاتھ میں تھی کونسی رکاوٹ ان کے لیئے ہو سکتی تھی۔ لہذا جب جبر و اکراہ نہیں تھا تو تقیہ کی ضرورت ہی کیا ہو سکتی تھی؟

اور دوسرے حضرات نے اس کو مصلحت کے مطابق سمجھا اور یزید کا کردار اس وقت نہ واضح تھا اور نہ ہی ان کے علم میں لہذا برضا و رغبت بیعت کر لی اور جب کرسیٔ اقتدار پر بیٹھنے کے بعد اس کے اطوار دیکھے اور جادۂ حق سے انحراف۔ تو امام حسین رضی اللہ عنہ کی اتباع و اقتداء کا حق ادا کرتے ہوئے بیعت توڑ دی اور بغاوت کر دی اور جو قربانی بھی دینی پڑی وہ دے دی۔ لہذا اس واقعہ کو تقیہ متنازعہ فیہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

مامون وغیرہ کا جبر و اکراہ اور تقیہ: جب جان اور آبرو کا حقیقی خطرہ لاحق ہو تو اس وقت اس کے تحفظ کی سعی بہر حال جائز ہے اور ہم محل نزاع میں اس کی تصریح کر چکے ہیں۔ اور ہمارے نزدیک مستان شراب محبت جو ؎

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی

کا مظاہرہ کریں وہ افضل الشہداء ہیں نہ کہ نعوذ باللہ دین و ایمان سے محروم اور نوے فیصد مراتب سے گر جانے والے۔ آئمہ اہل السنۃ نے بالعموم اس دور میں بھی اور امام احمد رحمۃ اللہ نے اور ان کے بعض دیگر ساتھیوں نے اس کے بعد ظلم و ستم کی اس سیاہ رات کو بہر حال اپنے نور ایمان سے منور کیا اور ؎

دیدی کہ خون ناحق پروانہ شمع را — چنداں اماں نداد کہ شب را سحر کند

ظالم کو اس دنیا میں زیادہ عرصہ ٹھہرنے کا موقع نہ مل سکا۔

علاوہ ازیں مامون کو آخر کیسے پتہ چل گیا کہ ان لوگوں نے تقیہ کیا تھا اور فوراً تسلی کیسے ہوگئی۔ آخر جس سے تقیہ کیا تھا اس کی زندگی میں تو تقیہ پر انہیں رہنا چاہیے تھا۔ امام منتظر ہیں کہ بارہ صدیاں گذرنے کو ہیں مگر ایسے ڈرے ہیں کہ غار سے باہر نہیں آ رہے حالانکہ ان بنو عباس کی حکومت و سلطنت تو ختم ہو ہی گئی۔ ان کے اعضاء و اجزاء بھی شاید ڈھونڈنے سے قبروں میں نہ مل سکیں۔ مگر امام مہدی ہیں کہ اب بھی تقیہ کر رہے ہیں۔ اور یہ سُنّی ایسے سخت جان اور دیدہ دلیر نکلے کہ دوسرے لمحے تقیہ کی سیاہ چادر اتار پھینکی۔ ڈھکو صاحب کے قلم نے بتلا دیا کہ یہاں تقیہ بہرحال نہیں تھا۔ تعریض تو ریہ اور ارتکاب مجاز وغیرہ کی صورتیں تھیں جن میں مامون کو مغالطہ لگا۔ بعد ازاں معلوم ہوا کہ میں دھوکہ کھا گیا تو دوبارہ شان سطوت و جبروت کا اظہار کرنا چاہا مگر اللہ تعالیٰ نے ان بندگان حق کی امداد و نصرت فرمائی۔ والحمد للہ۔

نوٹ: حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے جوابات میں توریہ اور تقیہ کا فرق واضح کیا جا چکا ہے کہ تقیہ میں الفاظ معانی مطلوبہ پر سرے سے دلالت ہی نہیں کرتے مگر توریہ میں معنیٰ مراد الفاظ سے ہی سمجھ آ رہا ہوتا ہے۔ صرف اتنا ہوتا ہے کہ متبادر الی الفہم نہیں ہوتا۔

تنزیہ الامامیہ ________ ڈھکو صاحب

مذہب اہل السنۃ میں عند الضرورۃ جھوٹ بولنا نہ صرف جائز بلکہ واجب ہے

اس وقت ہمارے تعجب کی کوئی حد نہیں رہتی جب ہم دیکھتے ہیں کہ آج اس مذہب کے پیرو کار تقیہ کو جھوٹ کا نام دے کر اہل حق پر زبانِ طعن و تشنیع دراز کرتے ہیں

جن کے مذہب میں ضرورت کے وقت جھوٹ بولنا نہ صرف جائز بلکہ واجب ہے۔
چنانچہ شرح مسلم نووی ج ۲، ص ۲۹۶/۱۰۶ طبع دہلی پر لکھا ہے۔

"تمام فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر کوئی ظالم کسی چھپے ہوئے آدمی کو قتل کرنے آئے یا کسی کے پاس محفوظ امانت کو غصب کرنا چاہے اور آکر دریافت کرے تو جن لوگوں کو اس کا علم ہے ان پر اس کا پوشیدہ رکھنا اور اپنے علم کا انکار کرنا واجب ہے اور یہ جھوٹ نہ صرف جائز ہے بلکہ واجب ہے کیونکہ یہ ایک مظلوم کو ظالم کے پنجۂ ظلم واستبداد سے بچانے کے لیئے ہے۔ (ص : ۲۱)

تحفہ حسینیہ —— محمد اشرف السیالوی

ڈھکو صاحب بے چارے کی حالت بڑی قابلِ رحم ہے آباء واجداد کے آئمہ پر باندھے ہوئے بہتان اور گھڑے ہوئے افتراء کا جواز پیش کرنے کے لیے ہاتھ پاؤں بہتیرے مار رہے ہیں مگر مذبوحہ جانور کی طرح نہ پتہ محل نزاع کیا ہے اور نہ خبر دلیل کیا ہے؟

علامہ صاحب غیر کی جان و مال اور عزت و آبرو پر تو جان قربان کر دینا بھی مردانِ حُر اور جوانانِ وفا شعار کے لیئے معمولی بات ہے زبانی بات کرنا تو کیا وزن رکھتا ہے؟ بات ہو رہی تھی اپنے جان و مال کے خطرہ کے بغیر اور فربہ ہونے کے لیے خزیر کھا لیتے ہیں، اور ہم خرما و ہم ثواب کی۔ اور ڈھکو صاحب دوسری طرف جا نکلے۔ بھلا ان سے کوئی پوچھے ملک اور قوم کے لیئے جان دینے والے جیالوں کا ایمان برقرار رہتا ہے یا ختم۔ اور ان کے درجات بڑھتے ہیں یا کم ہوتے ہیں۔ حر بن یزید ریاحی نے حضرت امام مظلوم کی خاطر جو جان قربان کی تھی حالانکہ آپ کی فتح وکامیابی کا عالمِ اسباب کے تحت کوئی امکان نہیں تھا اس کا کیا حکم ہے۔ کیا اس سے تقیہ کا دامن تو تار تار ہوتا نظر نہیں آتا اگر دوسروں کی جان اور عزت و آبرو کے لیے جان دینا جائز ہے تو خلاف واقع بات

کرنا کیوں جائز نہیں ہوگا۔ ؎

ازاں گناہ کہ نفع رسد بغیر چہ باک؟

ہاں اہل السنۃ کوفیوں کے کردار کو اپنانے کے لیئے تیار نہیں جو خطوط پر خطوط لکھیں گھر بلائیں اور پھر امام مظلوم کو ظلم و ستم کی طوفانی موجوں میں پھنسا دینے کے بعد تقیہ کر جائیں اور اپنے خطوط سے مکر جائیں۔ ڈھکو صاحب فرق آیا سمجھ آپ کو، تم نے جھوٹ بولنا جائز رکھا۔ اپنی حفاظت کے لیئے اور اس کو فرض و واجب بلکہ عین ایمان ٹھہرایا اور ہم نے دوسروں کے جان و مال اور عزت و آبرو کے تحفظ کے لیئے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ، اور صدق کی اہمیت،

علامہ ڈھکو صاحب آپ تو آئمہ کرام علیہم الرضوان کی اتباع کے مدعی ہیں تمہیں ادھر اُدھر جھانکنے کی کیا ضرورت ہے تمہیں یہ دیکھنا چاہیئے کہ آئمہ کرام کا اس معاملہ میں ارشاد کیا ہے۔ معدن ولایت حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کیا فرماتے ہیں اور جب اپنے آپ کو ضرر و نقصان اور تکلیف و مشقت کا سامنا ہو پھر بھی ایمان کا تقاضا کیا ہے؟ الایمان ان توثر الصدق حیث یضرک علی الکذب حیث ینفعک نہج البلاغہ مصری جلد ثانی ص ۲۱۴ ایمان یہ ہے کہ تو اس مقام پر صدق کو کذب پر اور سچ کو جھوٹ پر ترجیح دے جہاں صدق اور سچائی مضر ہو اور کذب اور جھوٹ نفع بخش ہو۔ اگر آئمہ کرام کی اتباع کا دعویٰ ہے تو پھر اس فرمان واجب الایقان پر عمل کرو اور تقیہ یا کذب کے جواز تلاش کرنے میں مصروف و مشغول نہ رہو۔

اہل سُنت اور جواز کذب،

رہا اہل السنۃ کا معاملہ تو ان کے نزدیک سچ اصل اور عزیمت ہے اور کذب بعض ناگزیر حالات میں رخصت کے درجہ میں آتا ہے اور وہ بھی جب تک تعریضات، ارتکاب مجاز اور توریہ سے کام نہ چل سکے اور اس صورت میں بھی اس کی قباحت و شناعت ختم نہیں ہو

جاتی اور نہ اصلی حرمت مرتفع ہو جاتی ہے بلکہ وہ عفو جرائم کے زمرہ میں آجاتا ہے۔ لہذا کسی کی جان بچانے کے لیے ہو یا اس کا مال بچانے کے لیے تو اس میں نیکی والا اضافی اور تابع پہلو غالب ہے اور ذاتی قباحت مغلوب لہذا اس کو مباح یا لازم کر دیا گیا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس میں نیکی بھی کمائی اور برائی کا ارتکاب بھی کیا۔ لیکن نیکی والا پہلو وزنی ہے لہذا برائی والا پہلو قابلِ عفو ہو گیا اس کو ہم نوّے فیصد ترقی درجات کا ضامن اور جزو دین کا دارومدار قرار نہیں دیتے۔ لہذا اس معاملہ میں شیعہ اور سُنّی مسلک کے درمیان زمین و آسمان کا فرق ہے۔

شیعہ کی افتادِ طبع اور کمزوری

بعض اوقات شریعت ایک امر کی ناگزیر وجوہ کی بناء پر رخصت دیتی ہے تو بجائے اس کے کہ اسے اپنے مخصوص موردمیں منحصر رکھا جائے اور اس کو رخصت سمجھا جائے یہ لوگ اس کو عزیمت اور عین شریعت اور کمالِ دین سمجھ لیتے ہیں گویا رخصت اصلی شرعی حکم کے درجہ میں آجاتی ہے۔ اور اصلی حکم اور عزیمت رخصت اور عارضی حکم کے درجہ میں چلی جاتی ہے۔ جس طرح تقیہ اور خلاف واقع بات کو دین کا نوّے فیصد اور اس کے ترک کو دین و ایمان کے منافی قرار دے دیا۔ اسی طرح متعہ اگرچہ ہمارے نزدیک تو منسوخ الاباحت ہے لیکن شیعہ صاحبان اس کو جائز سمجھتے ہیں چاہیے تو یہ تھا کہ اس کو تمام تر اخلاقی تقاضوں کو بالائے طاق رکھ کر مباح قرار دینا ہی تھا تو رخصت کے درجہ میں رکھتے اور قابلِ معافی حرکت قرار دیتے مگر انھوں نے اس کو اصل دین اور عین شریعت بنا کر پیش کیا اور ایک مرتبہ متعہ کرنے پر امام حسین رضی اللہ عنہ کا درجہ دو مرتبہ کرنے پر امام حسن رضی اللہ عنہ کا اور تین مرتبہ کرنے پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا درجہ اور چار مرتبہ کرنے پر خود سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ اور مرتبہ دے دیا اور جو نہ کرے اس کو وعید یہ سنائی کہ وہ قیامت کے دن ناک کٹا ہو گا۔ لیکن دائمی نکاح پر کہیں ترقی درجات اور کسی امام کے ہم پلّہ ہونے کا کہیں ذکر نہیں اور نہ ناک کٹنے کا۔ اسی طرح تقیہ نہ کرنے اور جھوٹ نہ بولنے

پر کسی اجر و ثواب اور ترقی درجات کا کہیں تذکرہ نہیں ملتا۔

الغرض ناظرین کرام پر یہ حقیقت آشکارا ہو گئی ہو گی کہ ان مہربانوں کا معاملہ بالکل برعکس ہے۔ اسی لئے ہم اس نظریہ کے رد کرنے کے درپے ہیں اور اس کے مفاسد و قبائح بیان کرنے کے درپے ہیں اور ڈھکو صاحب لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر اس فرق کے مشاہدہ اور احساس سے دور رکھنے کی ناکام کوشش میں مصروف ہیں دیکھیے مسافر کے لیئے روزہ نہ رکھنے کی رخصت ہے اب کوئی شخص روزہ نہ رکھنے کے فضائل و کمالات تو بیان کرے مگر اس مشقت کو نظر انداز کر کے اس شرعی حکم اور عزیمت پر عمل کرنے والے کے حق میں کوئی کلمہ خیر کہنے کو تیار نہ ہو تو اس کی نیت کے متعلق کوئی حسن ظن ہو سکتا ہے؟

شیعہ سچ کب بولتے ہیں اور تقیہ کس وقت چھوڑتے ہیں

یوں تو ڈھکو صاحب سے لے کر عبداللہ بن سبا تک سبھی اسلاف و اخلاف جھوٹ کو لازم اور ضروری سمجھتے ہیں اور آئمہ کرام کی طرف سے بھی بغرض اصلاح جھوٹ اور کذب بیانی کو مباح تبلاتے ہیں۔ ملاحظہ ہو اصول کافی جلد ثانی مطبوعہ تہران ص ۲۱۰۔

"عن ابی عبد اللہ علیہ السلام (الی) قال نعم ان المصلح لیس بکذاب انما ھو الصلح لیس بکذب" یعنی امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں جو اصلاح کے درپے ہے وہ کاذب اور جھوٹا نہیں کیونکہ اس کا یہ فعل صلح اور آشتی ہے نہ کہ جھوٹ اور کذب۔"

مگر جب اہل السنتہ کے ساتھ دو دو ہاتھ کرنے کا موقعہ لگ جائے تو پھر تقیہ اور کذب بیانی بالکل حرام ہو جاتی ہے اور سچ بولنا فرض عین ہو جاتا ہے۔ کتب تواریخ میں ذرا سقوط بغداد کے پر آشوب دور کا حال پڑھیں اور علامہ طوسی شیعی اور ابن علقمی شیعی کی ساز باز اور تدبیر و انگیخت سے ہلاکو کے بغداد پر حملہ آور ہونے اور اس کی اینٹ سے اینٹ بجانے کے حالات کا مطالعہ کریں تو اس وقت انہیں مجسمہ صداقت پاؤ گے۔ چنانچہ جب

ہلاکو نے طوسی سے اس خدشہ کا اظہار کیا کہ خلیفہ خدا کا نائب ہوتا ہے اور اس کے خلاف کارروائی سے کہیں مجھ پر کوئی مصیبت نازل نہ ہو جائے تو طوسی نے کیا کہا وہ تفصیل قاضی نور اللہ شوستری کی زبانی سماعت فرمائیں۔

"ایلخان در افناء و اعدام خلیفہ با خواجہ نصیر الدین مشورت نمودہ خدمت خواجہ فرمودہ کہ اہل السنت کہ سواد اعظم اہل اسلام اند اورا خلیفہ بحق و امام مطلق میدانند و بر نفوس و اموال خویش حاکم و فرمانروا می شناسند اگر ازیں ورطہ خلاص شود ممکن کہ از اطراف لشکر ہا باو پیوندد و استعداد حرب از سر گیرد و بار دیگر بتجشم رکاب گردوں سائے و کلفت سفر احتیاج افتد و مرد عاقل فرصت یافتہ را فائت نگرداند و سر رشتہ اختیار را بامید آنکہ باز بچنگ آید از دست ندہد و دشمن را مجس بہتر از مطمورۂ عدم تصور نتواں کرد۔

ایلخان چو دانست کہ نصیحت حضرت خواجہ از اغراض فاسدہ مبراست بقتل خلیفہ فرمان داد و دریں اثنا حسام الدین منجم کہ در باطن از ہوا خواہان بنی العباس بود ایں خبر شنیدہ بعرض پادشاہ رسانید کہ اگر خلیفہ کشتہ گردد عالم سیاہ و تاریک و امارات و علامات قیامت مشاہدہ نمودہ وازیں نوع کلمات ہیبت آمیز چنداں گفت کہ ایلخان متوہم شدہ دریں امر بخواجہ نصیر الدین رجوع نمود۔ در جواب فرمودند کہ زکریا پیغمبر و یحیٰی معصوم علیہما السلام را بقتل آوردند ہیچ ازیں حالات بظہور نیامدہ اگر حسام الدین میگوید کہ ایں احوال بر قتل بنی العباس مترتب میشود۔ مقبول نیست زیرا کہ چندیں تن از ایشاں را فدائیاں اسماعیلیان وغیرہم بکشتند و فلک دوار و روزگار ناپائیدار ہمچناں برقرار بود نہ آفتاب منکسف شد و نہ قمر منخسف گشت الخ۔ (جلد دوم ص ۳۵۱، ۳۵۲ مجالس المؤمنین)

ایلخان (ہلاکو) نے خلیفہ کو فنا اور ہلاک کرنے کے متعلق نصیر الدین طوسی

مشورہ کیا تو اس نے کہا کہ اہل السنت اہل اسلام کے سواد اعظم ہیں جو کہ مستعصم باللہ کو خلیفہ برحق اور امام مطلق جانتے ہیں اور اپنے نفوس و اموال پر اس کو حاکم اور فرمانروا سمجھتے ہیں۔ اگر خلیفہ نے اس ہلاکت سے چھٹکارا پالیا تو ہو سکتا ہے کہ اطراف و اکناف سے لشکر اس کے گرد جمع ہو جائیں اور وہ از سرِ نو جنگ کی اہلیت اور استعداد پیدا کر لیں اور دوبارہ رکاب گردوں سا کو مشقت اور تکلیفِ سفر کی برداشت کرنی پڑے۔ عقل مند آدمی میسر اور حاصلِ فرصت کو ضائع نہیں کرتا اور دستِ قدرت و اختیار میں آئی ہوئی رسی کو اس اُمید پر کہ دوبارہ ہاتھ میں آسکتی ہے ہاتھ سے نہیں چھوڑتا۔ دشمن کے لیئے عدم اور فناء کی وادی سے بڑھ کر کوئی قید و حبس کی بہتر جگہ نہیں ہو سکتی۔

ایلخان نے جب یقین کر لیا کہ خواجہ نصیر الدین طوسی کی نصیحت اغراضِ فاسدہ سے مبرا ہے تو اس نے خلیفہ کے قتل کرنے کا حکم جاری کیا۔ اس دوران حسام الدین منجم جو در پردہ بنو عباس کا خیر خواہ تھا اس نے یہ خبر سن کر بادشاہ کو عرض کیا کہ اگر خلیفہ قتل ہو گیا تو آسمان سیاہ اور تاریک ہو جائے گا۔ اور قیامت کے علامات اور آثار مشاہدہ میں آنے لگیں گے اور اس قسم کے کلمات ہیبت آمیز اتنے کہے کہ ایلخان اس وہم میں مبتلا ہو گیا اور اس معاملہ میں طوسی کی طرف مشورہ کے لیئے مراجعت کی۔ اس نے جواب میں کہا کہ زکریا پیغمبر اور یحییٰ معصوم علیہما السلام کو لوگوں نے قتل کر دیا۔ مگر اس قسم کے حالات کا نام و نشان دیکھنے میں نہ آیا اگر حسام الدین اس طرح کی بات کرتا ہے تو وہ قابل قبول نہیں ہے۔ کیونکہ خود بنو عباس کے کتنے افراد اسماعیلی فدائیوں اور دیگر لوگوں نے قتل کیے مگر فلک دوار اسی طرح محو گردش ہے اور روزگار ناپائیدار اسی طرح برقرار ہے نہ سورج کو گرہن لگا ہے اور نہ چاند کو۔

ہمارا تکیہ اور تمہارا تعتبہ :

مجالس المومنین جلد دوم ص۴۴۲،۴۴۱ پر ابن علقمی وزیر مستعصم کے متعلق قاضی نور اللہ

شوستری نے یوں نقل کیا ہے۔

خواجہ نصیر الدین محمد طوسی در آن حین از حبس ملاحدہ نجات یافتہ واز ہلاکو خان انواع تعظیم واکرام دیدہ ہمراہ بود۔ ابن علقمی فرصت غنیمت دانستہ قاصدان بخدمت و بارگاہ فرستاد وایشان را بر توجہ بغداد ترغیب نمود واظہار کرد کہ جمیع امراء و لشکریان خلیفہ را بحسن تدبیر از حوالی خلیفہ دور ساختہ ام ہر چند زود تر رکاب ظفر انتساب متوجہ ایں صوب گردانید کہ بآسانی ایں ملک بدست خواہد آمد۔

خلاصہ مقصود یہ ہے کہ نصیر الدین محمد طوسی نے ملحدین کی قید سے رہائی پائی تھی اور ہلاکو خان کی طرف سے اس کی بہت زیادہ تعظیم وتکریم کی گئی اور اس کو مصاحبین خاص میں شامل کر لیا گیا۔ ابن علقمی نے اس موقعہ کو غنیمت جانا اور ہلاکو خان کی خدمت میں قاصد بھیجے اور بغداد پر حملہ آور ہونے کی ترغیب دی اور یہ ظاہر کیا کہ میں نے تمام امراء کو اور افواج عرب کو حسن تدبیر (انتہائی عیاری ومکاری) کے ساتھ خلیفہ کے قرب وجوار سے بالکل دور کر دیا ہے جس قدر جلد ممکن ہو سکے بغداد میں افواج اتارنے کی کوشش کی جائے تاکہ زود تر اور بالکل بآسانی اس ملک کو قبضہ میں لیا جا سکے۔

الغرض خان موصوف نے طوسی سے اس پیشکش کی صداقت پر تائید وتصدیق حاصل کر کے اپنی افواج کو اس مقدس شہر میں اتار دیا اور اس طرح ابن علقمی پر مکمل تکیہ کرنے والا خلیفہ اور ملک کی باگ ڈور عملاً ایک تقیہ باز شیعہ کے ہاتھ میں دے کر اس پر مکمل اعتماد کرنے والا خلیفہ بدترین سازش کا شکار بنا اور بغداد کے اکثر باسی بھی اس مکر وفریب اور عیاری وفریب کاری کے منفرد واقعہ سے موت کی گہری نیند سو گئے۔

خلیفہ اور اس کے دو بچوں کو امان حاصل کر لینے کے بہانے طوسی اور ابن علقمی نے خان اعظم کے دربار میں پہنچا دیا اور ظلم وستم کے ریکارڈ توڑنے والی سزا کا نشانہ بنوا کر خان موصوف کے دائیں بائیں بیٹھ کر تماشہ دیکھتے رہے اور نمک حرامی کا نہ ٹوٹنے والا ریکارڈ قائم کیا۔ اس واقعہ ہائلہ میں جو فضلاء نامدار اور یگانہ روزگار آئمہ اور علماء اہل السنۃ

آئے وہ ڈیڑھ سو تھے اور باقی جو عوام اس قیامت صغریٰ میں تاتاریوں کے ہاتھوں قتل ہوئے ان کی تعداد سولہ لاکھ تک جا پہنچی۔

نور اللہ شوستری نے ظلم و ستم اور وحشت و بربریت کے اس روح فرسا اور قیامت نما واقعہ پہ بغلیں بجاتے ہوئے لکھا۔

"وزیر بہ تخریب لشکر عرب مشغول بود و تقویت لشکر مغول میکرد تا خلیفہ و اولاد او را بدست پادشاہ جہانگیر داد تا بکشت و یکصد و پنجاہ دانشمند را از اہل سنت کہ فتویٰ بقتل و غارت اہل کرخ دادہ بودند بیاسا رسانید تا بعوام ایشاں چہ رسیدہ باشد (فقطع دابر القوم الذین ظلموا والحمد للہ رب العٰلمین) مجالس المؤمنین جلد دوم ص ۴۴۲

خلیفہ مستعصم باللہ کی المناک شہادت کا تذکرہ کرتے ہوئے اس طرح بغض و [illegible] کا اظہار کیا۔

ہلاکو خان در باب افناء و ابقاء خلیفہ مذکور با خواجہ نصیر الدین محمد و دیگراں مشو[illegible] مسلوک داشتہ ہمہ بر قتل خلیفہ متفق گردیدند و مستعصم را بر نمد پیچیدہ بر[illegible] مالیدہ بشدت و صدمات بند ہائے اعضای او را از یکدیگر جدا ساختند و شیعہ امیر المؤمنین با نتقام خون آئمہ معصومین مسرور گشتند۔ (مجالس المؤمنین جلد دوم ص [illegible])

اور خلیفہ کے قتل سے ہلاکو کو جو خوف و ہراس اور آسمانی عذاب کے نزول کا اندیشہ تھا اسے طوسی نے فلسفہ و منطق کو بروئے کار لاتے ہوئے بہائی انداز میں کر دیا اور خلافت عباسیہ کا ہمیشہ کے لیئے خاتمہ کرا دیا۔

دیکھا ڈھکو صاحب! آپ لوگوں کا پیچ عالم اسلام کو کتنا مہنگا پڑا۔ اسی لیئے ہم نے مظلوموں کو ظالموں سے بچانے کے لیے اس کو مباح قرار دیا اور یہ بھی دیکھا اور اچھی طرح دیکھا کہ واقعی آپ کا تقیہ نفاق اور بدباطنی کا بدترین نمونہ ہے۔ جیسے بھی موقع ملا اسلام کے پہلو میں نہیں بلکہ سیدھا اس کے قلب و جگر میں خنجر گھونپا اور اہل اسلام کو خون کے آنسو رُلایا۔ اسی لیے شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز نے اس کو نفاق اور کذب بیانی اور مکر و فریب

سے تعبیر کیا اور بالکل بجا طور پر ہم تمہارے ظاہر کو دیکھ کر تم پر اور تمہاری دیانت پر اعتماد اور تکیہ کرتے رہے اور تم تقیہ کرتے رہے اور موقع تکتے رہے۔

تنزیہہ الامامیہ ———— ڈھکو صاحب

بعض منصف مزاج علمائے اہلسنت کا اقرار تقیہ

انھی حقائق کی بناء پر بعض منصف مزاج علماء اہل سنت نے واشگاف الفاظ میں تقیہ کا اعتراف کر لیا۔ چنانچہ فاضل عقیلی اپنی کتاب النصائح الکافیہ صفہ ۱۹۰ طبع بمبئی پر لکھتے ہیں۔

"میں کہتا ہوں ہمارے علماء (اہل سنت) کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ضرورت بلکہ مصلحت کے وقت جھوٹ بولنا جائز ہے اور یہ بعینہ تقیہ ہی ہے۔ ہاں البتہ اگر اس بات کو لفظ تقیہ سے تعبیر کیا جائے تو بہت سے علماء نے اس کی ممانعت کی ہے کیونکہ یہ تعبیر شیعوں کی ہے بنا بریں یہ (شیعہ و سنی اختلاف) صرف لفظی اختلاف ہے" (واللہ اعلم)

پیر سیالوی اور ان کے مریدانِ باصفا کہاں ہیں۔ آئیں اور انصاف کی عینک لگا کر ان حقائق کو دیکھیں اور پھر اپنے نظریہ پر نظر ثانی کریں۔ (ص : ۲۱، ۲۲)

تحفہ حسینیہ ———— محمد اشرف السیالوی

ڈھکو صاحب نے کذب اور تقیہ کے متعلق محض لفظی اور تعبیری فرق ثابت کرنے کی سعی لاحاصل کی ہے۔ وہ تو بحمد اللہ ہم روز روشن کی طرح عیاں کر چکے ہیں کہ شیعہ صاحبان کذب اور غلط بیانی صرف دفع مضرت کے لیئے استعمال نہیں کرتے بلکہ قاضی القضاۃ بننے کا شوق ہو یا وزیر اعظم بننے کا تو بھی اسی سے کام لیا جاتا ہے اور صرف بھوک کے مرنے کی وجہ سے نہیں بلکہ موٹا اور فربہ ہونے کے لیے بھی اس خنزیر کو مباح قرار دیتے ہیں۔ پھر اہل سنت جھوٹ بھی مطلق بولنا جائز

نہیں رکھتے خواہ کتنی ہی مجبوری ہو بلکہ تعریض ارتکاب مجاز اور توریہ کے ذریعے جھوٹ سے بچنے کی سعی کی جائے گی اور اس کی بھی کوئی صورت نہ رہے۔ تو پھر بھی محض تشدد اور قابل برداشت زدو کوب کا اندیشہ ہو تو بھی کذب اور تقیہ روا نہیں ہے اور اگر ناقابل برداشت سزا یا قتل کا اندیشہ ہو تو ہجرت کرنی لازم ہے۔ اور دار اسلام میں ہو اور ظالم بھی مسلمان ہو تو پھر مباح ہے۔ لیکن اس آخری درجہ کو کذب سے تعبیر کریں یا تقیہ سے لفظی فرق ہے نہ یہ کہ علی الطلاق شیعہ صاحبان اور اہل السنہ کے درمیان اس مسئلہ میں محض لفظی اور تعبیری اختلاف ہے۔ ڈھکو صاحب پھر محل نزاع سے صرف نظر کر جاتے ہیں۔ اور تقیہ و کذب میں نوے فیصد دین کا منحصر ہونا اور اس کے ترک سے دین و ایمان کا ختم ہونا ہضم کر جاتے ہیں۔ ایک چیز کی مجبور محض ہونے کی بنا پر اگر شریعت نے رخصت بھی دی ہے۔ تو اس کے اجر و ثواب اور اس کے ذریعے ترقی درجات اور ترک کی صورت میں مکمل خسران اور نقصان دین و ایمان بلکہ اس کے انعدام کا ڈرا وا دینا جس بدنیتی پر دال ہے۔ اور اسلام کے خلاف جس سازش کا غماز ہے تحفہ اثنا عشریہ کی عبارت کو اس سے کیا تعلق ہے؟

تنزیہ الامامیہ۔ علامہ محمد حسین ڈھکو

الجواب بفضل اللہ التواب:

معلی بن خنیس کی روایت کے مطابق مذہب شیعہ کو چھپانے میں عزت ہے اور ظاہر کرنے میں ذلت ہے۔ جیسے کہ امام الصادقین نے فرمایا لیکن علامہ ڈھکو صاحب اس بات سے آتش بداماں ہو گئے ہیں لہٰذا جواب کی سعی ناتمام کرتے ہوئے فرمایا۔

"بعض مخصوص اسرار و رموز کے افشاء کرنے کی ممانعت کے متعلق وارد شدہ احادیث پر مؤلف نے جو ایراد وارد کیا ہے اس کے ہم حلی اور الزامی ہر دو قسم کے جوابات پیش کر سکتے ہیں۔"

حلی جواب:

کوئی معمولی عقل و خرد رکھنے والا شخص اس حقیقت کا انکار نہیں کر سکتا کہ لکل مقام مقال

یعنی — ہر سخن جائے و ہر نکتہ مقامے دارد

علم و معرفت کی باتوں کو ہر شخص سننے اور سمجھنے کی اہلیت نہیں رکھتا بلکہ بعض ایسے دقائق و حقائق ہوتے ہیں کہ تمام خواص بھی ان کو نہیں سمجھ سکتے۔

پیغمبر اسلامؐ کا ارشاد ہے کہ ہم گروہ انبیاء کو حکم دیا گیا ہے کہ ہم لوگوں کی عقل و فکر کے مطابق ان سے بات چیت کریں امیر علیہ السلام فرماتے ہیں:

"بسا وہ بات نہ کرو جس کا تمہیں علم نہیں بلکہ ہر وہ بات جو تمہیں معلوم ہے وہ بھی نہ کہو۔"

انہی مذکورہ بالا حقائق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فاضل غزالی اپنی کتاب احیاء العلوم ج 1 ص ۶۹ طبع نولکشور و طبع مصر جلد 1 ص ۶۳-۴۲ پر رقمطراز ہے۔

قسم اوّل: بعض چیزیں فی ذاتہ ایسی دقیق ہوتی ہیں کہ اکثر لوگوں کی عقلیں ان کے سمجھنے سے قاصر ہوتی ہیں صرف خواص ان کو سمجھ سکتے ہیں۔ پھر ان پر لازم ہے کہ ان باتوں کا نااہلوں کے سامنے اظہار نہ کریں ورنہ فائدہ کے بجائے نقصان ہوگا اس لیے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ایسی باتیں عوام کے سامنے بیان نہیں فرماتے تھے۔

دوسری قسم: وہ چیزیں ہیں کہ گو ان کو سمجھنے میں کوئی خاص دقت اور پیچیدگی نہیں مگر ان کے اظہار سے اکثر لوگوں کو نقصان پہنچتا ہے۔ اس لئے ان کو ظاہر نہیں کیا جا سکتا۔ ہاں البتہ انبیاء و صدیقین ان کو برداشت کر سکتے ہیں۔ اس لئے یہ انہیں کے ساتھ مخصوص ہیں۔

اب قارئین کرام انصاف کا دامن تھام کر فرمائیں اگر حکماء اسلام یعنی ائمہ اہل بیت علیہم السلام نے ایسے مخصوص غوامض کو پوشیدہ رکھنے کا حکیمانہ حکم دیا ہے۔ تو یہ بات تو ان ذوات مقدسہ کے ائمہ طاہرین اور حکماء ربانیین ہونے کی بہترین دلیل ہے۔

الزامی جواب:

کتب اہل السنۃ میں متعدد ایسی روایات موجود ہیں جن میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے بعض اصحاب کو بعض اسرار و رموز کو افشاء کرنے کی ممانعت فرمانا وارد ہے۔

چنانچہ یہاں کنز العمال ج ۵ ص ۲۱۹ و ص ۲۲۷ پر مرفوعاً آنحضرت سے مروی ہے۔ فرمایا میری احادیث میں سے صرف وہ احادیث لوگوں کے سامنے بیان کرو جن کو ان کی عقلیں برداشت کر سکیں۔

(باقی نہ) ظاہر ہے کہ اس زریں اصول کی خلاف ورزی کرنے سے جہاں ناقل و راوی کی توہین ہوتی ہے وہاں منقول عنہ کی بھی تکذیب ہوتی ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری مع فتح الباری ج 1 ص ۱۹۹ پر ایک پورا باب بعنوان "من خص بالعلم قوما دون قوم کراھیۃ ان لا یفھموا" موجود ہے۔ اس میں حضرت علی علیہ السلام کا یہ حکیمانہ ارشاد نقل ہے۔ یعنی لوگوں کے سامنے صرف وہ حدیثیں بیان کرو جن کو وہ سمجھ سکتے ہیں۔ کیا تم یہ بات پسند کرتے ہو کہ اللہ اور رسول کی تکذیب کی جائے۔

کنز العمال ج ۵ ص ۲۲۷ پر اتنا اور اضافہ ہے جس چیز کو وہ برداشت نہیں کر سکتے اسے چھوڑ دو۔ جب سلسلہ کلام یہاں تک پہنچ گیا ہے۔ تو لگے ہاتھوں جناب ابوہریرہ کی دو پوٹلیوں کا ذکر بھی سنتے جائیے۔ چنانچہ بخاری ج 1 ص ۲۴ پر جناب موصوف سے منقول ہے۔ فرمایا میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے علم کی دو تھیلیاں حفظ کیں ایک تھیلی کو تو میں نے پھیلا دیا ہے۔ لیکن اگر دوسری تھیلی کا اظہار کروں تو میرا یہ گلا کاٹ دیا جائے۔

نہایہ ابن اثیر لغت قشع میں یہ روایت بایں الفاظ مروی ہے جو کچھ میں جانتا ہوں اگر وہ سب کچھ تمہارے سامنے بیان کروں تو تم میری تکذیب و تخفیف کرتے ہوئے پتھروں یا تازیانوں سے مارنے لگو گے (کذا فی انوار اللغۃ پ و ۱۳، ۲۶ وغیرہ) (ص: ۲۴ تا ۲۷)

تحفہ حسینیہ ———— محمد اشرف السیالوی

الجواب بفضل اللہ الوہاب:

ڈھکو صاحب نے سبائی سازشوں کی طرح اس بحث میں بھی خواہ مخواہ طوالت سے

کام لیا۔ بات صرف قابل غور یا جواب طلب اتنی تھی کہ کہ ائمہ کی طرف سے اس دین کو عام کرنے کی اجازت ہے یا نہیں۔ حضرت شیخ الاسلام نے معلی بن خنیس کی روایت سے یہ ثابت کیا کہ شیعی روایات جو ائمہ کی طرف منسوب ہیں وہ اس امر کی متقاضی ہیں کہ یہ دین ظاہر کرنا ذلیل ہونے کا موجب ہے اور اس دین کو چھپانا عزت و ایر و کا موجب ہے۔

لیکن ڈھکو صاحب نے اس کو عوام الناس کی عقل وفہم سے بالاتر مخصوص اسرار و رموز اور غوامض و دقائق پر محمول کر دیا۔ اب شیعی روایات کے آئینہ میں دیکھتے ہیں کہ انہوں نے یہاں کس قدر تقیہ سے کام لیا ہے۔ اور اس گھڑنت مسئلہ پر عمل کر کے بزعم خویش ثواب کمایا۔

۱۔ عن سلیمان بن خالد قال ابو عبد اللہ علیہ السلام یا سلیمان انکم علی دین من کتمہ أعزہ اللہ ومن اذاعہ اذلہ اللہ

(اصول الکافی باب الکتمان)

امام جعفر صادق نے فرمایا اے سلیمان تم ایسے دین پر ہو کہ جس نے اس کو چھپایا اللہ اس کو عزت دے گا اور جس نے اس کو عام کیا اللہ تعالیٰ اس کو ذلیل کریگا۔

اب فرمائیے یہاں تو دین چھپانے کی بات ہو رہی ہے۔ کیا دین کا لفظ صرف غوامض و دقائق اور اسرار و رموز پر بولا جاتا ہے؟ بلکہ یہ لفظ اپنی وسعت کے لحاظ سے جملہ عقائد و اعمال پر شامل ہے۔ جیسے کہ اطلاقات قرآن مجید سے ظاہر ہے۔

قال تعالیٰ ان الدین عند اللہ الاسلام و قال تعالیٰ من یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ۔ قال تعالیٰ ھو الذی ارسل رسولہ بالھدی ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ۔

اس لیے ڈھکو صاحب کا یہ بیان سراسر مغالطہ دہی اور فریب کاری پر مبنی ہے۔

۲۔ قال ابو جعفر علیہ السلام ولایۃ اللہ اسرھا الی جبرئیل علیہ السلام و اسرھا جبرئیل الی محمد صلی اللہ علیہ وسلم و اسرھا محمد صلی اللہ علیہ وسلم الی علی و اسرھا علی الی من شاء ثم انتم تذیعون ذلك من الذی امسك حرفا سمعہ منا الخ

(اصول الکافی باب الکتمان)

امام محمد باقر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ولایت کو اللہ تعالیٰ نے جبرئیل علیہ السلام پر منکشف کیا اور انہوں نے اس راز کو صرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچایا اور آپ نے صرف حضرت علی پر منکشف کیا اور انہوں نے ان خواص پر جن کو اس راز کے انکشاف کے لئے اہل سمجھتے تھے لیکن تم اس کو عام اور شائع کر رہے ہو تم میں سے کون ہے جس نے ہم سے سنے ہوئے کسی حرف کو بھی چھپایا ہو۔

ڈھکو صاحب ذرا سر کی آنکھوں کے ساتھ ساتھ دل کی آنکھیں بھی کھول کر اس کو پڑھو اور بتلاؤ کہ یہاں اس ولایت کو چھپانے کا حکم ہے جس کا اعلان لاؤڈ سپیکروں پر اور اذانوں میں ہوتا ہے۔ اور جس پر دین وایمان کا دار ومدار ہے اور جو اس امامت وولایت کا قائل نہ ہو شیعہ مذہب میں اس کی نماز یا زنا کاری برابر ہیں۔ امام جعفر صادق کی طرف منسوب روایت ہے۔

سواء لمن خالف ھذا الامر صلّی او زنی -

(مجالس جلد اول صہ ۴۸۲)

کیا تمہاری اس مغز ماری کا ان روایات کی روشنی میں کوئی جواز ہو سکتا ہے اور اس تقیہ سے کام چل سکتا ہے۔؟

(۳) قال ابو عبد اللہ علیہ السلام اجعلوا امرکم ھذا للہ ولا تجعلوا للناس (الی) ولا تخاصموا بدینکم الناس فان المخاصمۃ ممرضۃ للقلب الخ

امام جعفر صادق فرماتے ہیں اپنے اس امر کو اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص رکھو اور لوگوں کے لئے نہ بناؤ اور اپنے دین کے ساتھ لوگوں سے مت الجھو اور بحث ومباحثہ نہ کرو کیونکہ بحث ونزاع دل کو مریض بنا دیتے ہیں۔ اس روایت میں پہلے امر کا لفظ ہے اور بعد میں دین کا جس سے صاف ظاہر کہ یہاں دین اور امر ہم معنی مستعمل ہیں اور اس کی اشاعت اور اس پر بحث و مباحثہ کو امام نے حرام فرما دیا ہے لیکن حکم امام کے برعکس اس کو تقریروں اور تحریروں کے ذریعے بلکہ مجادلوں اور مناظروں کے ذریعے عام کیا جا رہا ہے اور اپنے آپ کو اور عبداللہ بن سبا

تک جو اسلاف کو ذلیل کیا جا رہا ہے۔

(۴) عن ثابت ابی سعید قال لی ابو عبد اللہ علیہ السلام یا ثابت مالکم وللناس کفّوا عن الناس ولا تدعوا احدًا الی امرکم فواللہ لو ان اھل السماء واھل الارض اجتمعوا ان یضلوا عبدا یرید اللہ ھداہ ما استطاعوا (الی) کفوا عن الناس فان اللہ عزّ وجلّ اذا أراد بعبد خیراً طیب روحہ فلا یسمع بمعروف الاعرفہ ولا بمنکر الا انکرہ۔

ابوسعید ثابت کہتے ہیں مجھے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے ثابت تمہیں لوگوں سے کیا واسطہ لوگوں سے دور رہو اور کسی کو اپنے دین کی طرف مت بلاؤ۔ بخدا اگر تمام آسمان اور زمین والے مل کر ایک بندے کو گمراہ کرنا چاہیں جس کے متعلق اللہ تعالیٰ ہدایت کا ارادہ رکھتا ہو تو وہ اس کی طاقت نہیں رکھتے۔ لوگوں سے الگ رہو۔ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے متعلق خیر اور بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے روح کو پاکیزہ کر دیتا ہے جب نیکی کو سنتا ہے تو اسے جان لیتا ہے اور برائی کو سنتا ہے تو اس سے انکار کر دیتا ہے۔

اس سے بھی ظاہر ہے کہ امر سے مراد دین ہے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی دین کا اہم حصہ ہے اور اس سے روکا جا رہا ہے اور عنوان بھی یہی قائم کیا گیا ہے۔

(باب فی ترک دعاء الناس)

۵۔ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کا اپنا ایک رسالہ ہے جس کو وافی کے حوالے سے روضۂ کافی کے آخر میں نقل کیا گیا ہے۔ اس میں تصریح موجود ہے۔

کہ تمہارے لئے دین خدا کے اصول کا مخالفین پر ظاہر کرنا روا نہیں ہے۔ عبارت پیش خدمت ہے: لا یحل لکم ان تظہروھم علی اصول دین اللہ فانہ ان سمعوا منکم شیئًا عادوکم علیہ الخ ص ۲۹۸

اب بھی کوئی شبہ رہ گیا ہے کہ شیعہ کے لئے عزت کتمان دین میں ہے۔ اور ذلت اس کے اظہار میں ہے۔

۶۔ عن ابی عمر الاعجمی قال لی ابو عبد اللہ علیہ السلام یا ابا عمران تسعۃ اعشار الدین فی التقیۃ ولا دین لمن لا تقیۃ لہ والتقیۃ فی کل شئ الا فی النبیذ والمسح علی الخفین۔

(اصول کافی باب التقیہ)

ابو عمر اعجمی کہتا ہے کہ مجھے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا نوے فی صد دین تقیہ میں ہے اور جو تقیہ نہیں کرتا اس کا سرے سے دین ہی نہیں رہتا اور تقیہ ہر شئ میں ہے مگر نبیذ اور خفین پر مسح کرنے میں (تقیہ نہیں ہے)۔

اب تو راز درون پردہ معلوم ہو گیا کہ دین کے اندر دو مسئلوں کے علاوہ ہر شئے میں تقیہ ہے اور یہ بتلانا ذمہ داری ڈھکو صاحب کی ہے کہ دین کے جملہ ارکان پر ان دو کو اس قدر اہمیت کیوں ہے کہ توحید و رسالت کے لئے تو تقیہ کا ترک جائز نہ ہو مگر ان دو چیزوں کے لئے جائز ہو۔

۷۔ فی الاعتقادات سئل ابو عبد اللہ علیہ السلام عن قولہ تعالیٰ ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم قال اعملکم بالتقیۃ۔

(تفسیر صافی جلد ثانی صہ ۱۹۶)

اعتقادات شیخ صدوق میں ہے۔ کہ حضرت امام جعفر صادق رض سے اس قول باری کے متعلق دریافت کیا گیا کہ تم میں سے اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے عزت و کرامت کا مالک وہ ہے جو اتقی ہے یعنی اس کا معنیٰ کیا ہے تو آپ نے فرمایا اتقی وہ ہے جو سب سے زیادہ تقیہ پر عمل کرنے والا ہے۔

لیجئے صاحب اب تو واضح ہو گیا کہ تقیہ و کتمان صرف ان اسرار و رموز سے متعلق نہیں جو فہم عوام سے بالاتر ہوں بلکہ ہر معاملہ میں تقیہ کا اعتبار ہے۔ اور سب سے زیادہ عزت کا حق دار وہی ہے جو سب سے زیادہ تقیہ میں سراسر ذلت اور خواری ہی ہو گی جتنا ترک زیادہ اتنی

ذلت زیادہ۔

اور واقعات بھی اسی پر شاہد ہیں شیطان الطاق اہل السنۃ علماؤ ائمہ کے ساتھ مختلف مسائل پر مباحثے کیا کرتا تھا تو امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ اس کو منع کیا کرتے تھے لیکن وہ جواب میں کہتا مجھ سے صبر نہیں ہو سکتا۔ ملاحظہ ہو مجالس المومنین جلد اول صد ۵۷۔

الغرض معلٰی بن خنیس کی روایت جو حضرت شیخ الاسلام علیہ الرحمۃ نے نقل فرمائی ہے۔ اس کا مفہوم بالکل واضح ہو گیا کہ اس مذہب کی نہ دعوت دے سکتے ہیں نہ اس کا پرچار کر سکتے ہیں اور اسی میں انکی عزت ہے کیونکہ اس طرح کبھی سنیوں کے قاضی القضاۃ بن جاتے ہیں اور کبھی وزیر اعظم اور بصورت دیگر ذلیل و خوار ہوں گے اور اس پر تاکید مزید کے لئے فرمایا تقیہ میرا دین ہے اور میرے آباء کا اور جس نے تقیہ نہ کیا اس کے لئے دین نہیں ہے لہٰذا جس میں تقیہ لازم ہے اس کی اشاعت موجب ذلت ہے۔

الغرض ڈھکو صاحب کو ان حقائق کی روشنی میں اپنا دامن صاف کرنا چاہئے تھا۔ ادھر اُدھر بھاگنے کا کیا فائدہ ہو سکتا ہے لیکن انکا معاملہ الغریق والا ہے یعنی مرتا کیا نہ کرتا۔

رہا اسرار و رموز کو صرف اس کے متحمل لوگوں تک محدود رکھنے کا معاملہ اور لوگوں کے ساتھ ان کی ذہنی صلاحیتوں کے مطابق گفتگو کرنے کا یا ایسے غیبی امور کا انکشاف جو سلاطین زمان کے غیظ و غضب کا موجب بنیں۔ تو ان سے جان و مال اور عزت و آبرو کی بربادی کا اندیشہ ہو تو وہ چیزیں نہ بیان کرنا بالکل درست ہے کیونکہ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ضمن میں نہیں آتیں اور نہ لیتفقھوا فی الدین ولینذروا قومھم اذا رجعوا الیھم لعلھم یحذرون کے ضمن میں آتی ہیں۔ ان کے یہاں پیش کرنے کا کوئی جواز ہی نہیں۔ لہٰذا حلی جواب اور الزامی جواب بالکل بے محل اور بے مقصد ہیں۔ اور نری دھوکہ دہی اور فریب کاری۔ کیا خیال ہے تمہاری کتابیں ہمارے سامنے نہیں ہیں۔

ڈھکو صاحب پھر بھول گئے:

جب تم آپ کہہ چکے ہو کہ "ابطان ایمان اور اظہار خلاف ایمان" کا نام تقیہ ہے تو پیش کردہ روایات سے یا عبارات سے کہاں ایمان چھپانا ثابت ہو رہا ہے۔ اور خلاف ایمان کا اظہار کس طرح۔ ایک شخص مثلاً وحدت الوجود اور وحدت الشہود کے فرق کو نہیں سمجھ سکتا۔ اس کو صرف اتنا قدر سمجھانے پر اکتفا کر دیا جائے کہ لا الٰہ الا اللہ کا معنی ہے لا معبود الا اللہ یا لا موثر و خالق الا اللہ اور لا موصوف بالصفات الکمالیۃ حقیقۃ الا اللہ اور لا موجود الا اللہ یا لا مشہود الا اللہ اس کے سامنے نہ کہا جائے تو کیا اس میں ایمان کا چھپانا اور خلاف ایمان کا ظاہر کرنا لازم آگیا۔ ڈھکو صاحب مذہب کا معاملہ اپنی جگہ مگر دیانت و امانت کا اس طرح خون ناحق تو کوئی کافر بھی بہانے کی جرأت نہیں کرتا۔

تنزیہ الامامیہ: خلیفہ اوّل کے ترک تقیہ کا خوفناک انجام:

یعنی روایت میں ہے کہ جس روز جناب حمزہ ایمان لائے اس سے قبل ایک اور واقعہ رونما ہوا اور وہ یہ ہے کہ جب (نومسلم) صحابہ کی تعداد انتیس تک پہنچ گئی تو ابوبکر نے کہا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اب ہم ایمان کو کیوں چھپائیں اور کیوں اس کا اظہار نہ کریں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا ابھی تک ہم پوری قوت نہیں رکھتے (اس لئے) ابھی اظہار مناسب نہیں ہے) مگر ابوبکر نے اپنے مدعا پر بڑا اصرار کیا۔ چنانچہ آنحضرتؐ کے ساتھ گھر سے نکلے اور حرم میں جا کر بیٹھ گئے۔ ابوبکر نے اٹھ کر بلیغ خطبہ دیا اور اسلام میں ان کا یہ پہلا خطبہ تھا اثناء خطبہ میں لوگوں کو اسلام کی طرف دعوت دی۔ یہ بات مشرکوں کو بہت ناگوار گزری چنانچہ وہ مسلمانوں کی ایذا رسانی کے لئے کھڑے ہو گئے اور ابوبکر کو گھیرے میں لے لیا۔ عتبہ بن ربیعہ نے (خدا اس پر لعنت کرے) جوتا ہاتھ میں لے کر اس قدر ابوبکر کے منہ پر مارا کہ ناک منہ ایک ہو گیا۔ پتہ نہیں چلتا تھا کہ ناک کہاں اور رخسار کہاں؟ بالآخر بنی تیم نے مداخلت کر کے ابوبکر کو ان کے پنجہ ظلم سے چھڑایا اور کپڑے میں لپیٹ کر گھر لائے اور وہ قریب بہ ہلاکت سارا دن شام تک بیہوش پڑے

رہتے ؛" (معارج النبوۃ رکن سوم فصل دوم صہ ۵۲)

ع تقیہ توڑنے سے ناک منہ رخسار گر ٹوٹیں۔ تو پھر شیعوں سے مرہم کا تصفیہ ہو نہیں سکتا

(فیما ذکرناہ کفایۃ لمن ادنیٰ درایۃ) انش (صہ ۲۸ - ۲۹)

تحفہ حنفیہ؛

الجواب بفضل اللہم للصدق والصواب؛

ہمارے ائمہ نے تو نعرہ مستانہ لگا کر سہ بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق، کا حق ادا کیا اسی لئے تو ہم اس تقیہ کو جائز نہیں سمجھتے اور حضرت شیخ الاسلام نے بار بار میدان کربلا کی طرف توجہ دلائی ہے کہ اگر تقیہ درست ہوتا یا اس پر نوے فیصد دین کا دار و مدار ہوتا یا اس کے ترک سے دین ہی ختم ہو کر رہ جاتا تو امام مظلوم شہید کربلا ضرور تقیہ کرتے کیونکہ جو سنگین حالات آپ کو در پیش تھے حضرت ابوبکر صدیق کو پیش آنے والے حالات اور شدائد و مصائب ان کا عشر عشیر بھی نہیں تھے۔ لیکن انھوں نے یہ انتظار نہ کیا کہ میری مرہم کا تصفیہ شیعہ صاحبان کریں گے یا نہیں بلکہ سہ

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی ! حق تو یہ تھا کہ حق ادا نہ ہوا !

کا نعرہ بلند کرتے ہوئے صرف اپنی ہی نہیں نونہالوں اور عزیزوں کی جانیں بھی قربان کیں۔ اور بعد ازاں پردگیانِ عصمت مآب کو پیش آنے والے پریشان کن حالات کو بھی خاطر میں نہ لائے اس لئے تو ہم کہتے ہیں کہ شیعہ صاحبان کا ائمہ اہل بیت سے کوئی تعلق نہیں ورنہ میدان کربلا کا منظر سامنے لاتے ہوئے ہوتے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ذات پر پھبتیاں کسنے کی کوئی عقل مند اور باہوش و حواس شخص کیسے جرأت کر سکتا تھا؟

خود سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں ہی کس قدر تشددات برداشت کئے اور طائف میں کس طرح پتھر کھا کر لہو لہان ہوتے وہاں بھی ڈھکو صاحب کو مرہم کا تصفیہ کرنے کی نہ سوجھی اور سوجھے ہی کیوں جب کہ ان کا ووٹ اہل طائف کے ساتھ ہے اور زخم لگانے والوں اور لہو نکالنے والوں کے ساتھ۔

نعوذ باللہ من سوء الاعتقاد۔

شیعی تقیہ کی حقیقت شیعہ کی زبانی:

ڈھکو صاحب کی اس مذبوحی حرکت اور یار غار کی جرأت ایمان پر اعتراض و تنقید اور اسے ترک تقیہ کا خوفناک انجام قرار دینے سے واضح ہو گیا کہ ان کے نزدیک صرف اسرار و رموز کے تحفظ اور ان کے افشاء کے لئے اہل و نااہل کی تمیز کا نام تقیہ نہیں بلکہ سرے سے دعوت اسلام و ایمان کو ترک کرنے کا نام تقیہ ہے۔ لہٰذا پچھلے صفحات میں الزامی اور حلی جوابات دے کر جن شیخیوں اور شوخیوں کا مظاہرہ کیا تھا۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بغض و عناد نے خود ڈھکو صاحب کے قلم سے اس پر پانی پھروا دیا۔ اور تقیہ کی حقیقت کھل کر سامنے آگئی اور ڈھکو صاحب کا معاملہ بھی بقول کسے عجیب ترین ہے۔

عجب مشکل میں ہے سینے والا جیب و داماں کا
ادھر ٹانکا ادھر ادھڑا ادھر ٹانکا ادھر ادھڑا

تنزیہہ الامامیہ ——————— ڈھکو صاحب

تتمہ شیعہ فرقہ کی قدامت

اور جہاں تک فرقہ حقہ شیعہ خیر البریہ کو (جو اسلام کی صحیح شکل کا دوسرا نام ہے) ایک جدید سیاسی فرقہ قرار دینے کا تعلق ہے یہ کوئی نئی بات نہیں ہمیشہ سے دشمنان شیعہ و شیعیت ہم پر یہی بے بنیاد الزام عائد کرتے رہے ہیں مگر حقیقت بین حضرات پر یہ حقیقت پوشیدہ نہیں ہے کہ مذہب شیعہ کوئی نیا مذہب نہیں۔

امام احمد بن حنبل۔ جلال الدین سیوطی۔ ابن حجر مکی، زمخشری۔ نسائی۔ ابن اثیر وغیرہم فحول علماء نے آنحضرت کا یہ ارشاد اپنی اپنی کتب میں نقل کیا ہے کہ آنحضرت ؐ نے جناب امیر کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

"یاعلی! أنت وشیعتك هم الفائزون یوم القیامة"

اے علی! تم اور تمہارے شیعہ ہی قیامت کے دن رستگار ہوں گے۔

علامہ وحید الزمان نے انوار اللغۃ میں پ ۲۱ صہ ۱۴۴ بذیل حدیث "انت وشیعتك راضین مرضیین" لکھا ہے اس حدیث سے یہ بھی نتیجہ نکلتا ہے کہ شیعہ علی ایک قدیم فرقہ ہے جس کا ذکر آنحضرت نے کیا۔

(ص: ۳۰)

تحفہ حسینیہ ــــــــــ محمد اشرف السیالوی

شیعہ فرقہ ابن سبا کے نفاق کا نتیجہ

ڈھکو صاحب نے شیعہ فرقہ کی قدامت ثابت کرنے کی سعی لا حاصل کرتے ہوئے اہل السنت کی کتابوں سے صرف ایک حوالہ "یاعلی أنت وشیعتك هم الفائزون یوم القیامة اور یاعلی انت وشیعتك راضین مرضیین" لکھا ہے۔ جس طرح تقیہ کے اثبات میں آپ کو جہاں بھی تقیہ کا لفظ نظر آیا اسی کو اپنی دلیل بنا ڈالا اسی طرح یہاں بھی لفظ شیعہ نظر آیا اس سے مذہب شیعہ ڈھکو صاحب کا ثابت ہو گیا۔ کوئی اس صاحب سے پوچھے کہ شیعی وسنی اختلاف جو تقریباً تیرہ ساڑھے تیرہ صدیوں سے چلا آرہا ہے۔ وہ صرف اس لفظ شیعہ کے ثبوت یا عدم ثبوت میں ہے، یا ان کے مخصوص اعتقادات اور اعمال میں خواہ نام کوئی بھی ہو۔

حضرت شیخ الاسلام نے اسی کنز العمال کی روایت بیان کی جس میں کامیاب وکامران راضی ومرضی شیعہ کا بھی ذکر تھا اور مبغوض وناپسندیدہ اور واجب القتال شیعہ صاحبان کا بھی تو اس پر ڈھکو صاحب آتش زیرپا ہو گئے کہ سنیوں کی کتاب ہے اور اس کی روایت ہے اس کو کیونکر پیش کیا لیکن خود اسی کتاب کی ایک روایت ذکر کی جو مفید مطالب تھی

دوسری چھوڑ گئے اور آبائی طریقہ یعنی تقیہ کا بھرپور مظاہرہ کیا۔

عن علی یخرج فی آخر الزمان قوم لھم نبز یقال لھم الرافضة ویعرفون بہ ینتحلون شیعتنا ولیسوا من شیعتنا وآیة ذلك انھم یشتمون ابابکر و عمر اینما ادرکتموھم فاقتلوھم فانھم مشرکون۔

مذہب شیعہ ص ۲۴، ۲۵

آخر زمانہ میں ایک قوم ظہور پذیر ہوگی جن کا خاص لقب ہوگا یعنی ان کو رافضی کہا جائے گا اور یہی ان کی پہچان کا ذریعہ ہوگا وہ اپنے آپ کو ہمارا شیعہ ظاہر کریں گے۔ لیکن حقیقت میں ہمارے شیعہ نہیں ہوں گے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ وہ ابوبکر اور عمر کو گالیاں دیں گے۔ وہ تمہیں جہاں کہیں ملیں ان کو قتل کر دینا کیونکہ وہ مشرک ہیں۔

اب تو آپ کو سمجھ آ گئی ہوگی کہ کون سا فرقہ قدیم ہے اور کون سا جدید اور جن شیعوں کے متعلق فائز المرام ہونے یا اللہ تعالیٰ سے راضی ہونے کا اعلان کیا جا رہا ہے۔ وہ کون ہیں؟ اتنی دھاندلی بھی ہوتی ہے کہ ایک کتاب کی دو روایات میں ایک کو لے کر اپنی دلیل بنا دیا جاوے اور دوسری کو شیر مادر سمجھ کر ہضم کر لیا جاوے کیا استدلال کے جدلی اور برہانی طریقوں میں سے یہ کوئی بھی طریقہ ہے؟

حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز نے ڈھکو صاحب کے مذہب کی اہم کتاب سے جو حوالہ پیش کیا اس کے ذکر میں بھی تقیہ سے کام لے گئے یہاں کونسا جان کو خطرہ تھا کہ تقیہ و کتمان سے کام لیا اسی لیے تو ہم فریاد کرتے ہیں کہ اس ہتھیار نے اسلام کا سینہ چھلنی کر کے رکھ دیا ہے۔ ہاں تو کافی کتاب الروضۃ کی روایت ملاحظہ فرما دیں۔

مؤلفہ کافی مطبوعہ لکھنؤ ص ۹۹۔ مذہب شیعہ ص ۳۶

ینادی منادی اول النہار ان فلان بن فلان و شیعتہ

هم الفائزون و ینادی آخر النہار الا ان عثمان و شیعتہ ہم الفائزون۔

دن کے آغاز میں منادی ندا وار اعلان کرتا ہے کہ فلاں ابن فلاں (عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ) اور ان کے شیعہ فائز المرام اور کامیاب و کامران ہیں۔ اور دن کے آخری حصے میں منادی نداء کرتا ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے شیعہ فائز المرام اور کامیاب ہیں۔

ذرا تقیہ سے ہٹ کر بحثیت دیانت دار انسان ہونے کے بتلائیں کہ لفظ شیعہ سے یہاں کون سا معنی مراد ہے؟ آیا اس لفظ سے بھی آپ اپنی قدامت ثابت کرنے کی کوشش کریں گے۔ اور اگر کرنی ہے تو پھر ہم آپ کو اسلام سے بھی پہلے کا ایک فرقہ ثابت کر دیتے ہیں آپ اپنے کو صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور تک محدود کیوں رکھتے ہو؟

لفظ شیعہ کے اطلاقات از روئے قرآن

دیکھو قرآن مجید میں وارد ہے۔ (۱) ھذا من شیعتہ و ھذا من عدوہ۔ جو دو آدمی جھگڑ رہے تھے۔ ان میں ایک تو موسیٰ کا شیعہ تھا اور ان کی جماعت سے تھا اور دوسرا دشمن کی جماعت سے تھا۔ لیجئے صاحب سارے بنی اسرائیل کا موسیٰ علیہ السلام کے اعلان نبوت سے بھی پہلے شیعہ ہونا ثابت ہو گیا۔

۲۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وجعل اھلھا شیعا فرعون نے اہل مصر کو شیعہ بنا دیا تھا اس سے بھی قدامت بلا ریب ثابت ہو گئی۔

۳۔ ولقد اھلکنا اشیاعکم فھل من مدکر البتہ تحقیق ہم نے تمہارے شیعہ پر شیعہ کو ہلاک کیا، تو ہے کوئی تم سے نصیحت پکڑنے والا۔

چلو یہ آیات گراں گزرتی ہیں تو وہ اِنَّ مِنْ شِیعَتِہٖ لَاِبْرٰھِیْمَ پڑھ لو کہ حضرت نوح علیہ السلام کے شیعہ سے ابراہیم تھے۔ اب تو طوفان نوح علیہ السلام سے بھی پہلے کی اقوام سے

ہم نے آپ کا رشتہ جوڑ دیا ہے۔ کیا اب بھی ناراض رہو گے۔

محل نزاع کیا ہے؟

مگر خدارا یہ تو بتلاؤ کہ یہی لفظ شیعہ محل نزاع ہے اگر وہ ثابت ہو گیا تو مذہب شیعہ ثابت اور ثابت نہ ہوا تو مذہب بھی ثابت نہ ہو گا۔ اگر عبداللہ بن ابی اور عبدالرحمن ابن ملجم کے نام انتہائی حسین ہونے کے باوجود ان کی ذاتوں میں کوئی خوبی ثابت نہیں ہو سکتی تو محض شیعہ کا لفظ بول دینے سے اس مذہب کی کوئی خوبی اور اچھائی ثابت نہیں ہو سکتی۔

حقیقت حال:

شیعہ کا معنی جماعت گروہ اور قبیلہ ہوتا ہے جو اچھا بھی ہو سکتا ہے اور برا بھی۔ موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے آدمی کو شیعہ بھی کہا گیا ہے اور اسی کو انہ لغوی مبین کا تحفہ ضلالت بھی عطا ہوا ہے اور اہل مصر کو فرعون کی طرف سے مختلف شیعوں میں بانٹنا بھی قرآن سے ثابت ہے۔ اور مختلف شیعہ کا زمان سالفہ اور گزرے ہوئے ادوار میں آسمانی عذاب سے تباہ ہونا بھی اور آئندہ روز قیامت انہیں جہنم داخل کرتے پر بھی قرآن گواہ:

ثم لننزعن من کل شیعۃ ایہم اشد علی الرحمان عتیا

جس طرح کسی فرد کائنات کے انسان ہونے سے اس کا شریف ہونا اور مسلمان ہونا لازم نہیں آتا محض شیعہ کا لفظ بولے جانے سے بھی اس کا مومن ہونا بلکہ مسلم ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ علاوہ ازیں محبان علی کے تیرہ گروہ ہیں۔ جن میں سے بقول امام جعفر صادق صرف ایک جنتی ہے باقی بارہ دوزخی ہیں۔ ملاحظہ کتاب الروضۃ کافی و من الثلاث و سبعین فرقۃ ثلاث عشر فرقۃ تنتحل ولایتنا و مودتنا و اثنتا عشرۃ فرقۃ منھا فی النار و فرقۃ فی الجنۃ و ستون فرقۃ من سائر الناس فی النار۔

(روضہ کافی صد ۲۲۴ مطبوعہ ایران)

جب محبان اہل بیت تیرہ فرقے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ سبھی شیعہ ہونے کے دعویدار ہیں۔ اور ان میں سے صرف ایک جنتی ہے تو اس کی کیا ضمانت ہے کہ وہ ڈھکو صاحب والی جماعت ہی ہو۔ اسماعیلیہ ہوں یا زیدیہ یا کیسانیہ وغیرہ۔ لہٰذا شیعہ کے لفظ سے ایک جماعت کیسے متعین ہو گئی جس طرح محمدی ہونے کا دعوی نجات کے لئے کافی نہیں کیونکہ تہتر میں سے ہر ایک فرقہ محمدی ہونے کا دعوے دار ہے۔

لفظ شیعہ اور شارح نہج البلاغۃ:

اس مقام پر ذرا شارح نہج البلاغہ۔ جو کہ ابن علقمی شیعہ وزیر اعظم سلطنت عباسیہ کے نمک خوار اور انعام یافتہ۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تفضیل کلی اور اہل صفین کو مکمل طور پر اور اصحاب جمل میں سے تین افراد یعنی حضرت عائشہ صدیقہ۔ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کے علاوہ سب صحابہ اور مہاجرین و انصار کو فاسق اور جہنمی تسلیم کرنے والے معتزلی کی بھی سن لو جو کہ آدھا معتزلی بنے مگر آدھا شیعہ بھی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ مقام مدح و ثناء میں جہاں کہیں لفظ شیعہ وارد ہے اس سے مراد ہم ہیں اور جو آج کل شیعہ کہلاتے ہیں ان کا اس وقت نام و نشان ہی نہیں تھا۔ لہٰذا ان کی مدح و ثنا اور تعریف و توصیف کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ابن ابی الحدید تو آدھا شیعہ آدھا معتزلی تھا اس کو تو گلہ نہ دو لیکن تمہارے تقیہ باز وزیر الوزراء نے بھی یہ کتاب لکھوا کر تمہارے ساتھ اچھا نہیں کیا۔ بہرحال عبارت ملاحظہ ہو۔

لم تكن لفظ الشيعة تعرف في ذلك العصر إلا لمن قال بتفضيله ولم تكن مقالة الاماميه ومن نحا نحوها من الطاعنين في امامة السلف مشهورة حينئذ على هذا النحو من الاشتهار فكان القائلون بالتفضيل هم المسمون الشيعة وجميع ما ورد من الاثار والاخبار في فضل الشيعة وانهم موعودون بالجنة فهولاء هم المعنيون به دون غيرهم وكذلك قال اصحابنا المعتزلة في كتبهم و

تصانيفهم نحن الشيعه حقا وهذا القول هو اقرب الى السلامة واشبه بالحق من القولين المسمين طرفي الافراط والتفريط انشاء الله ۔

اس لئے ہمارے معتزلہ کا یہ دعوی ہے کہ حقیقی شیعہ ہم ہیں نہ کہ امامیہ جو جانب افراط میں ہیں اور خارجی جو تفریط کے درپے ہیں۔ شرح نہج البلاغۃ لابن ابی الحدید جلد ۲ صـ ۲۲۶ مطبوعہ قم ایران۔

شیعہ سبائی سازش کا نتیجہ ہیں:

لہذا اب تو ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہوئے نا کہ یہ قدیم فرقہ نہیں ہے بلکہ سبائی سازش کا نتیجہ ہے۔ اس کے متعلق صراحت بھی عرض کر دوں طوسی جیسے سرآمد روزگار شیعی علماء کے رئیس اور سردار کی منتخب اور تصحیح شدہ اختیار رجال کشی صـ ۱۰۱ پر موجود ہے۔

ذكر بعض اهل العلم ان عبد الله بن سباء كان يهوديا فاسلم ووالى عليا عليه السلام وكان يقول وهو على يهوديته فى يوشع ابن نون وصى موسى بالغلو فقال فى اسلامه بعد وفاة رسول الله صلى الله عليه وسلم فى علي عليه السلام مثل ذلك وكان اول من اشهر بالقول بفرض امامة علي واظهر البراءة وكاشف مخالفيه وكفرهم فمن هنا قال من خالف الشيعه ان اصل التشيع والرفض ماخوذ من اليهودية ۔

بعض اہل علم نے کہا کہ بے شک عبداللہ بن سبا یہودی تھا پس اسلام لایا اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ محبت و تولی کا دم بھرا اور وہ یہودیت کے دوران از رہ غلو و افراط اور حدود سے تجاوز کرتے ہوئے حضرت یوشع علیہ السلام کو وصی موسیٰ علیہ السلام کہتا تھا تو اسلام لانے کے بعد رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آپ کا وصی

کہتا تھا۔ وہ پہلا شخص ہے جس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت کے فرض ہونے اور اس کا عقیدہ رکھنے کو لازم اور ضروری قرار دیا۔ اور آپ کے مخالفین سے براءت کا اظہار کیا اور آپ کے مخالفین کے ساتھ کھلم کھلا عداوت اور تبراء کا اظہار کیا اور ان کو کافر قرار دیا۔ اسی وجہ سے شیعہ کے مخالفین نے کہا کہ تشیع اور رافضیت کا اصل عقیدہ اور نظریہ یہودیت سے ماخوذ ہے۔ اس کو کہتے ہیں سہ

جادو وہ جو سر چڑھ کے بولے۔

اور یہ بھی سن لو کہ یہ یہودی المذہب تقیہ باز ابن سباء ۳۵ھ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور اقدس میں بظاہر اسلام لایا اور ان کے خلاف سازشوں میں مصروف ہو گیا۔

ملاحظہ ہو ناسخ التواریخ جلد دوم صـ۵۲۴۔ ذکر پیدا آمدن مذہب رجعت بعد سال سی و پنجم ہجری۔ عبداللہ بن سباء مردے یہود بود در زمان عثمان بن عفان مسلمانی گرفت و او از کتب پیشین و مصاحف سابقین نیک دانا بود چوں مسلمان شد خلافت عثمان در خاطر او ناپسندیدہ نیفتاد الخ۔

جب تولی و تبرا اور وصی رسول اور خلافت بلافصل کا آغاز اس سراپا فتنہ اور مجسمہ خبث سے ہوا ہے تو اس کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا دین و مذہب اور قدیم مذہب اسلام کیسے قرار دیا جا سکتا ہے۔

بنیاد ۳۵ھ میں رکھی گئی اور پھر تقیہ کی دبیز تہوں کے پردوں میں اس کو رواج دینے کی مساعی قبیحہ جاری ہوئیں اور مدتوں بعد اس نے ایک مدون مذہب کی شکل اختیار کی لہٰذا قدامت کا دعویٰ سراسر فریب اور مکر پر مبنی ہے۔ مزید بحث مبحث رجعت کے ضمن میں ذکر کی جائے گی۔

مقام حیرت:

وحید الزماں غیر مقلد وہابی کے حوالے سے ڈھکو صاحب نے شیعہ فرقہ کی قدامت

ثابت کرنا چاہی حالانکہ حدیث میں قیامت کے دن حضرت علی المرتضیٰ اور ان کے شیعہ کی کامیابی کا بیان ہے۔ اس سے قدامت اس مخصوص فرقہ کی کیسی ثابت ہو گئی گویا ڈھکو صاحب اس سے یہ سمجھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں حضرت علی کی علیحدہ جماعت موجود تھی۔ اس لئے تو آپ کی زبان صداقت بیان سے یہ لفظ نکلا تو مقام حیرت ہے کہ وہ جماعت حضرت علی کی رہی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نہ بنی چلو اس کو نبی کی جماعت نہیں مانتے تو پھر آپ کو شیعان علی میں تو داخل کرو ورنہ آپ کا بھی نعوذ باللہ فوز و فلاح سے محروم ہونا لازم آئیگا یا علی المرتضیٰ کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدمقابل ہونا اور آپ کی جماعت کا امت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابل ہونا۔

حقیقت حال یہ ہے کہ نگاہ نبوت دیکھ رہی تھی کہ آپ کے مخالف پیدا ہوں گے اور آپ پر کفر و شرک کے فتوے لگائیں گے اور آپ کے ایسے محب بھی پیدا ہوں گے۔ جو محبت میں سب حدود شریعت کو پھلانگ جائیں گے۔ اور ایک فریق وہ ہو گا جو افراط و تفریط اور تقصیر و تجاوز اور کمی و زیادتی سے منزہ و مبرا ہو گا۔ تو فرمایا وہی گروہ کامیاب ہو گا اور دوسرے تباہ و برباد ہوں گے۔ اور اسی مضمون کو مخبر صادق سے سن کر حضرت علی نے یوں بیان فرمایا:

سیہلك فی صنفان محب مفرط یذهب به الحب الی غیر الحق و مبغض مفرط یذهب به البغض الی غیر الحق - وخیر الناس فی حالا النمط الاوسط فالزموه والزموا السواد الاعظم فان ید الله علی الجماعة وایاکم والفرقة فان الشاذ من الناس للشیطان کما ان الشاذ من الغنم للذئب الا من دعا الی هذا الشعار فاقتلوه ولو کان تحت عمامتی هذه۔ (نہج البلاغۃ مصری جلد اول ص۲۹)

عنقریب میرے سبب سے دو جماعتیں ہلاک ہوں گی ایک وہ محب جماعت جن کو غلو محبت راہ حق سے دور لے جائے گا اور دوسرا بغض رکھنے والا

فرقے اور میری شان میں کوتاہی اور کمی کرنے والا گروہ جو بغض و عداوت میں غلو سے کام لیتے ہوئے راہ حق سے ہٹ جائے گا اور میرے حق میں بہتر جماعت والا وہ گروہ ہے جو افراط و تفریط سے منزہ و مبرا ہے لہٰذا اسی کو لازم پکڑو اور سوادِ اعظم کا دامن ہرگز نہ چھوڑنا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا دست کرم جماعت پر ہے اور اپنے آپ کو جماعت سے افتراق اور اس سے علیحدگی سے دور رکھو کیونکہ جماعت سے الگ ہونے والا انسان اسی طرح شیطان کے قبضہ میں چلا جاتا ہے جس طرح ریوڑ سے علیحدہ ہو جانے والی بھیڑ بکری بھیڑیئے کے نرغے میں غور سے سنو جو بھی افتراق و انتشار اور جماعت سے علیحدگی کی طرف دعوت دے اس کو قتل کر دو وہ میری اس دستار و عمامہ کے نیچے ہی کیوں نہ ہو۔

اسلام میں عظیم جماعت اور سوادِ اعظم کون ہیں:

۱۔ مؤلف گوید کہ از بدائع اتفاقات آنکہ روزے مرا با یکے از سادات سیفی قزوینی در مبحث امامت مناظرہ افتاد بعد از آنکہ اثبات مطلب خود بلاد نمودم عاجز شدہ گفت کہ اگر مذہب امامیہ بر مطلب امامت حق بودے چرا دریں مدت بسیار علماء ایشان با علماء اہل السنت مناظرہ نمیکردند حقیقت مذہب خود را بر ایشان موجہ نمیساختند و ایشاں را از مذہب سلف بر نمی گردانیدند فقیر گفت کہ اہل السنۃ ہمیشہ سواد اعظم بودہ اند و سلاطین زمان مرفہ خود را با قتداء بمذہب ایشان میدیدند و ہمیشہ در اطفاء نور تشیع بودہ اند لاجرم ایں طائفہ نتوانستند کہ اظہار مذہب خود نمایند۔

(مجالس المومنین ص ۵۷۲: ج ۱)

قاضی نوراللہ شوستری جو بطور تقیہ برصغیر ہندو پاک میں مغل اعظم اکبر شاہ اور جہانگیر شاہ کے دور میں اہل السنت کی حکومت کے باوجود قاضی القضاۃ کے عہدہ پر فائز رہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ عجیب اور انوکھے اتفاقات میں سے ایک یہ ہے کہ مجھے ایک دن سیفی قزوینی سادات میں سے ایک کے ساتھ مناظرہ کا اتفاق ہوا جس کا موضوع مسئلہ امامت تھا جب

جب میں نے اپنا دعویٰ ثابت کر دیا اور دفعاً جز آ گئے تو مجھ سے کہنے لگے کہ اگر امامت کے متعلق امامیہ فرقہ کا مذہب برحق ہوتا تو اتنی مدت اور عرصہ دراز سے شیعہ علماء نے اہل السنت علماء کے ساتھ مناظرے کیوں نہ کئے۔ اور اپنے مذہب کی حقانیت ان پر کیوں واضح نہیں کی اور انہیں اسلاف کے مذہب سے برگشتہ کیوں نہیں کیا تو فقیر نے جواب میں کہا کہ اہل السنت ہمیشہ سواد اعظم رہے ہیں اور سلاطین زمانہ ان کی اکثریت کی وجہ سے اپنے آپ کو چاروناچار انہیں کے مذہب پر قائم رکھنا اور دیکھا جانا پسند کرتے تھے اور ہمیشہ تشیع کے نور کو بجھانے کے درپے رہے ہیں لہٰذا مجبوراً یہ تولہ اپنے مذہب و عقیدہ کو ظاہر کرنے کی ہمت نہ کر سکا۔

۲۔ دوسرا حوالہ اسی کتاب سے اور یہی اعتراف و اقرار محقق طوسی کی طرف سے ملاحظہ کرتے چلو:۔

ایلخان در لقاء وا عدام خلیفہ با خواجہ نصیر الدین مشورت نمودہ خدمت خواجہ فرمودند کہ اہل السنت کہ سواد اعظم اہل اسلام اندا در خلیفہ بحق وامام مطلق می دانند صہ۲۵ جلد دوم۔

خود ڈھکو صاحب نے اپنے رسالہ کے صہ۹۶ پر بحوالہ روضہ کافی صہ۲۹ پر جناب امیر المومنین حضرت علی المرتضیٰ کا ایک خطبہ درج کیا ہے۔ جس سے مطلوبہ عبارت پیش خدمت ہے۔

اب اگر میں ان لوگوں کو ان حکام کے پیدا کردہ بدعات سے ترک کا حکم دوں اور ان سنن نبویہ کو اصلی طرز پہ جاری کر دوں جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں جاری تھیں تو میرے لشکریوں سے میرے ساتھ وہ تھوڑی جماعت شیعوں کی رہ جائے گی جنہوں نے میری فضیلت اور فرض امامت کو کتاب اللہ اور سنت نبویہ سے بخوبی سمجھ لیا ہے۔

ہاں تو فرمایئے آپ کے لشکر میں بھی سواد اعظم اہل السنت تھے شیعہ تو نہیں تھے تو پورے عالم اسلام میں سواد اعظم کون ہوئے اور حضرت علی مرتضیٰ کے اس حکم فالزموا السواد الاعظم کے تحت کس جماعت پر اللہ تعالیٰ کا دست کرم ثابت ہوا اور ایاکم والفرقة فرما کر کسی جماعت سے الگ ہونے کو ممنوع فرمایا اور جس جماعت سے علیحدگی اختیار کرنے والے کو شیطان کے تصرف میں چلے جانے والا قرار دیا۔ وہ کونسی جماعت ہے لہٰذا یہی جماعت ہی کامیاب و کامران ہے اور یہی نمط اوسط اور معتدل جماعت ہے اس کے متعلق ہی زبان رسالت سے غیبی خبر کے طور پر

فوز و فلاح کا اعلان ہوا نہ کہ مدت ہائے دراز کے بعد تیار ہونے والے مذہب شیعہ کی پرستار جماعت۔ رہا روضہ کافی کی عبارت اور نہج البلاغۃ کی عبارت سے تعارض کا معاملہ تو ظاہر ہے کہ نہج البلاغۃ کے پایہ کی مذہب شیعہ میں کوئی کتاب نہیں اس لیے اسی کو ہی ترجیح ہوگی اور کتاب الروضہ والی روایت غلط اور ناقابل اعتبار اور حضرت علی مرتضیٰ کا تقدس اور آپ کی شان جرأت و بسالت بھی اسی کی متقاضی ہے ورنہ مکار اور طالب دنیا سیاستدان اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ میں کیا فرق ہو سکتا ہے؟ وہ بھی مذہب کو بالائے طاق رکھ کر صرف لوگوں کی ہاں میں ہاں ملا کر اقتدار پر قابض رہیں اور معدن ولایت رضی اللہ عنہ بھی یہی طریقہ اختیار کریں تو واقعی کوئی فرق باقی نہیں رہ سکتا۔

تنزیہہ الامامیہ ———— ڈھکو صاحب

فرقہ اہل السنت کا تذکرہ

مذکورہ بالا حقائق سے روز روشن کی طرح واضح و آشکار ہو گیا کہ فرقہ شیعہ اثنا عشریہ ایک خالص مذہبی قدیم فرقہ ہے البتہ اس کے برعکس مؤلف رسالہ کا فرقہ ایک سیاسی اور جدید فرقہ ہے جس کا سنگ بنیاد معاویہ بن ابی سفیان نے رکھا ہے چنانچہ فتح الباری شرح بخاری ج ۹ ص ۵۲ استیعاب بر حاشیہ اصابہ ج ۳ ص ۳۷ وغیرہ کتب اہل السنت میں مذکور ہے کہ صلح حسنی کے بعد جب معاویہ تخت اقتدار پر قابض ہوا اور کوفہ میں داخل ہوا اور لوگوں نے اس کی بیعت کی تو اس کا نام سنۃ الجماعت (جماعت والا سال) رکھا گیا اور بعد میں مرور ایام سے یہ لفظ بدل کر اہل السنۃ والجماعۃ بن گیا اب تو یہ حقیقت کھل گئی کہ یہ پودا معاویہ کا کاشتہ ہے۔ بانی اسلام کا اس کی تشکیل میں کوئی دخل نہیں (ص: ۲۱)

اہل السنّت والجماعۃ کی قدامت

مذہب اہل السنۃ والجماعۃ وہی ہے جس کی دعوت کے لئے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے جس کا عام نام مومنین اور مسلین ہے اور دیگر مذاہب اور مختلف فرقوں کے پیدا ہونے پر بطور امتیاز اس کو اہل السنت والجماعت کا نام دیا گیا۔ کیونکہ سوائے انکے کوئی جماعت مسلین و مومنین کے مطابق اور سنت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق عمل پیرا نہیں تھی لہٰذا یہ نام صداقت نشان صرف ان کے حصے میں آیا۔

انہی دونوں امور کی تاکید اکید ہمیشہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمائی سردست ہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فرمودات پیش کرنے پر اکتفاء کریں گے اور وہ بھی نہج البلاغہ جیسی معتبر اور مستند کتاب سے۔ لزوم جماعت اور سواد اعظم کے ساتھ وابستہ رہنے کا حکم پہلے نظر نواز ہو چکا۔ الزموا السواد الاعظم فان ید الله علی الجماعة وایاکم والفرقة فان الشاذ من الجماعة للشیطان کما ان الشاذ من الغنم للذئب۔ (نہج البلاغہ مصری جلد اول ص ۲۹۸)

سواد اعظم کو لازم پکڑو کیونکہ اللہ تعالیٰ کا دست کرم اور عنایت جماعت پر ہے۔ اور جماعت سے علیحدگی مت اختیار کرو کیونکہ جماعت سے الگ ہونے والا انسان شیطان کے قبضہ و تصرف میں چلا جاتا ہے جس طرح ریوڑ سے الگ ہونے والی بھیڑ بکری بھیڑیے کے قبضہ میں چلی جاتی ہے۔ اب ہم التزام سنت کے متعلق آپ کا فرمان پیش کرتے ہیں۔

۱۔ واقتدوا بهدی نبیکم فانه افضل الهدی واستنوا بسنته فانه اهدی السنن۔ (نہج البلاغہ مصری جلد اول ص ۲۴۳)

اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کو اپناؤ کیونکہ وہ سب سے افضل سیرت ہے اور آپ کی سنت پر چلو کیونکہ وہ سب سنن اور طور طریقوں سے زیادہ موجب ہدایت اور موصل الی المقصود ہے۔

۲۔ فالزموا السنن القائمۃ والاثار البینۃ والعھد المقریب الذی علیہ باقی النبوۃ واعلموا ان الشیطان انما یسنی لکم طرقہ لتتبعوا عقبہ۔

(جلد اول ص۲۱۶)

ان قائم اور برقرار سنن واضح اور ظاہر آثار و افعال اور عہد قریب کو لازم پکڑو جس پر نبوت و رسالت کی چھاپ ہے اور اچھی طرح جان لو کہ شیطان تمہارے لئے نئے نئے راستے پیدا کرتا ہے تاکہ تم اس کے پیچھے چلو لہٰذا ہرگز ان نئی راہوں کی طرف راغب نہ ہونا۔

اسی مضمون پر مشتمل ارشاد ص۲۰۸ پر بھی موجود ہے عبارت ملاحظہ ہو۔

ان الشیطان یسنی لکم طرقہ ویرید ان یحل دینکم عقدۃ و یعطیکم بالجماعۃ الفرقۃ فاصدفوا عن نزعاتہ ونفثاتہ واقبلوا النصیحۃ ممن اھداھا الیکم واعقلوھا علی انفسکم۔ الخ

اور اسی طرح ص۳۴۷ پر یوں منقول ہے۔

فلا تکونوا انصاب الفتن واعلام البدع والزموا ما عقد علیہ حبل الجماعۃ وبنیت علیہ ارکان الطاعۃ۔

یعنی فتنوں اور بدعات کی علامت اور نشانیاں نہ بنو اور جماعتی اتحاد جس امر پہ قائم ہے۔ اس کو لازم پکڑو اور جس پر ارکان طاعت کی بنیاد ہے اس کو مضبوطی سے تھامو۔

الغرض ان ارشادات سے سنت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سنن اسلاف اور عہد ماضی

قریب کے آثار و اعمال کو عمل میں لانے اور جماعت مسلمین کے ساتھ وابستہ رہنے کی تاکید شدید ہے اور یہی اہل السنت والجماعت کا مذہب ہے۔ اور اولیاء کاملین کے سلاسل نے مکمل تسلسل اور تواتر کے ساتھ حضرت علی المرتضیٰ معدن ولایت اور سرچشمہ روحانیت سے جو کچھ عملی اور قولی لحاظ سے سنا اور دیکھا وہ ہم تک پہنچایا اور ہر چشتی و قادری نقشبندی اور سہروردی اپنے وسائط اور وسائل کو شجروں میں محفوظ کئے ہوئے ہے اور اس سے پتہ ہے کہ ہمارا دین کن ذرائع سے ہم تک پہنچا ہے اور مولائے مرتضیٰ کا مذہب و مسلک کیا تھا۔ اور تمام برصغیر پاک و ہند میں تشریف لانے والے اور ظلمت کفر و ضلالت کو دور کرنے والے سادات اسی مذہب مہذب پر تھے۔ سادات اُچ اور ملتان، اجمیر اور لاہور وغیرہ اور اگر ان میں کوئی شیعہ نظر آتا ہے۔ تو صرف دوسری یا تیسری پشت سے اور چودھویں اور پندرھویں صدی میں جس سے صاف ظاہر ہے کہ اولاد روحانی اور جسمانی حضرت معدن ولایت کی جس مذہب و مسلک پر چودہ صدیوں سے قائم ہے۔ وہ یہی اہل السنت والجماعت کا مذہب ہے اس سے بڑھ کر قدامت کی روایتی اور درایتی نقلی اصلاً اتفاق دلیل کیا ہو سکتی ہے۔ اور اس کے بعد اس مذہب پر اعتراض کی کیا گنجائش ہے؟

شیعہ صاحبان کو تسلیم ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ محض اس وجہ سے فروری اصلاحات ذکر سکے کہ انہیں خلفاء سابقین کے احکام میں تبدیلی کرنے پر اپنے لشکر کے الگ ہو جانے کا خطرہ تھا اور تنہارہ جانے کا اندیشہ تو معلوم ہوا کہ خود کوفہ اور لشکر مرتضیٰ میں جو جماعت اور عظیم اکثریت موجود تھی وہ اہل السنت کی تھی۔ تا بہ دیگر مواضعات چہ رسد۔ اب بھی کوئی صاحب علم دعویٰ کر سکتا ہے۔ کہ اہل السنت قدیم نہیں یا ان کا پودا امیر معاویہ کا کاشتہ ہے۔ نیز یہاں سے ابن ابی الحدید شیعی معتزلی کا یہ دعویٰ بھی غلط ہو گیا کہ اصل میں شیعہ کا لفظ صرف اس کے ہم مذہب لوگوں پر بولا جاتا تھا نہ کہ امامیہ اثنا عشریہ پر بلکہ حقیقت حال یہ تھی کہ جتنے آپ کے ساتھ تھے وہ شیعان علی کہلاتے تھے جن کی عظیم اکثریت اور بھاری جماعت اہل السنت والجماعت کے عقائد رکھنے والوں کی تھی اسی لئے شیخین کی سنت بدلنے پر ان کے الگ ہو جانے کا حضرت امیر المومنین کو بقول شیعہ اندیشہ تھا کیونکہ معتزلہ کے دلوں میں شیخین کی قطعاً اس قدر عزت و قدر نہ تھی نہ ہے لہٰذا ثابت ہوا کہ

وہ ہم اہل السنت والجماعت کے مقتداء و پیشوا تھے اور اسی مذہب و مسلک پر گامزن۔
اور یہ بھی واضح ہو گیا کہ منادی غیب ہر دن جن شیعان علی رضی اللہ عنہ کے فوز و فلاح کا اعلان کرتا ہے وہ یہی اہل السنت والجماعت ہیں کیونکہ آپ نے سنن کے التزام اور جماعت کے ساتھ وابستگی کو لازم اور ضروری قرار دیا اور اس کے مطابق عقیدہ و عمل صرف اہل السنت والجماعت کے اکابر کا تھا اور موجودہ اہل السنت کا لہٰذا وہی اس بشارت کے بھی حقدار ہیں۔

مخصوص نام تجویز کرنے کی وجہ

پہلے تو سبھی شیعان علی کہلاتے تھے مگر جب مختلف جنگوں میں ان کا اصحاب جمل اور اصحاب صفین کے ساتھ مقابلہ ہوا اور بعد میں تحکیم کا واقعہ پیش آیا تو اس دوران کچھ لوگ صحابہ کرام کے حق میں طعن و تشنیع اور سب و شتم سے کام لینے لگے جو روافض کہلائے اور کچھ لوگ خود امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ذات کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنانے لگے بلکہ ان کو کافر تک کہنے سے گریز نہ کیا۔ اور آپ کے لشکر سے علیحدہ ہو گئے وہ خوارج کہلائے لہٰذا ان دو قلیل جماعتوں کے علاوہ جو عظیم اکثریت بچ گئی اور جنہیں اللہ تعالیٰ نے افراط و تفریط سے محفوظ رکھا وہ اہلسنت والجماعت کہلائے تاکہ ان بدلے ہوئے حالات میں افراط و تفریط کا شکار ہونے والی دو جماعتوں سے اور دیگر مخالف فرقوں سے امتیاز قائم ہو سکے۔

نیز عبداللہ بن سبا یہودی نے یہود اور مجوس کو اہل اسلام سے میدان جنگ میں پیش آنے والی ذلتوں اور خواریوں کا بدلہ لینے کے لئے بھیس بدل کر اسلام میں داخل ہونے کی ٹھانی اور جس طرح پولس یہودی نے عیسائی بن کر عیسائیت کو ختم کیا تھا اسی طرح اس نے مسلمان بن کر خاکم بدہن اسلام کو ختم کرنے کی ٹھانی اور مختلف انداز میں لشکریان مرتضیٰ رضی اللہ عنہ میں شکوک و شبہات پیدا کرنے شروع کئے چنانچہ ان جنگوں نے اس کی سازش کو تقویت بہم پہنچائی اور سونے پر سہاگہ دلالام کیا قبلہ بعض وہ خود تو حضرت امیر المؤمنین کے ہاتھوں بمعہ اپنے مخصوص معاونین کے نذر آتش ہوا لیکن اسکا حربہ کارگر ہوا اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھی اور معاون

مددگار چار جماعتوں میں تقسیم ہو گئے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں،

پس لشکر امیر بسبب رد و قبول وسوسہ این شیطان لعین چہار فرقہ شدند اول فرقہ شیعہ اولی و شیعہ مخلصین کہ پیشوایان اہل السنۃ والجماعۃ اند بر روش جناب مرتضوی در معرفت حقوق اصحاب کبار و ازواج مطہرات و پاسداری ایشان در ظاہر باطن باوصف وقوع مشاجرات و مقاتلات وصفائی سینہ و برأت از غل و نفاق گذرانیدند وایشاں را شیعہ اولی و شیعان مخلصین نامند و این گروہ من جمیع الوجوہ بحکم "ان عبادی لیس لک علیھم سلطان" از شر آں ابلیس پر تلبیس محفوظ و مصون ماندند و لوث بدامن پاک ایشان از نجاست آں خبیث نرسید و جناب مرتضوی در خطبہ خود مدح ایشاں فرمودند و روش ایشاں را پسندیدند۔

یعنی اس شیطان کے وسوسے کے رد و قبول کے نتیجہ میں حضرت امیر المومنین کا لشکر چار فرقوں میں بٹ گیا۔ پہلا فرقہ شیعہ اولی اور شیعہ مخلصین کا ہے۔ جو کہ اہلسنت کے پیشوا تھے اور جناب مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی راہ و روش پر تھے یعنی اصحاب کبار اور ازواج مطہرات کے حقوق کی معرفت اور ظاہر و باطن میں ان کی پاسداری میں باوجود باہم اختلافات بلکہ مقاتلات کے رونما ہونے کے ان کے حق میں غل و غش اور بغض و نفاق سے ان کے سینے صاف اور بے غبار تھے ان کو شیعہ اولی اور شیعان مخلصین کا نام دیا گیا۔ اور یہ جماعت فرمان باری تعالیٰ: "ان عبادی لیس لک علیھم سلطان" کے مطابق اس شیطان لعین اور ابلیس پر تلبیس کے شر سے محفوظ اور مامون رہے اور اس خبیث کی نجاست سے ان کا دامن ملوث و آلودہ نہ ہوا۔ جناب علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اپنے خطبات میں ان کی مدح و ثنا فرماتے اور ان کی سیرت اور روش کو پسند فرماتے۔

دوسرا فرقہ شیعہ تفضیلیہ کا تھا جو کہ حضرت امیر المومنین کو تمام صحابہ کرام علیہم الرضوان پر فضیلت دیتے تھے۔ یہ گروہ اس شیطان لعین کا شاگرد تو بنا اور کسی حد تک اس کے

وسواس کو قبول بھی کیا۔ لیکن اصحاب کبار اور ازواج مطہرات کے حق میں دریدہ دہنی سے گریز کرتے تھے۔ جناب مرتضیٰ رضی اللہ عنہ انکے حق میں تہدید و تشدید سے کام لیتے اور فرماتے کہ اگر میں نے کسی کے متعلق سنا کہ وہ مجھے شیخین رضی اللہ عنہما پر فضیلت دیتا ہے تو میں اس کو حد قذف یعنی اسی کوڑے لگاؤں گا۔

تیسرا فرقہ سبیّہ کا پیدا ہوا جن کو تبرائیہ بھی کہا جاتا ہے جو سب صحابہ کرام کو ظالم و غاصب بلکہ کافر اور منافق جانتے تھے اور یہ گروہ اس خبیث کا متوسط درجہ کا شاگرد ٹھہرا۔ جب اس گروہ کی حرکات اور ناشائستہ کلمات حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے مقدس کانوں تک پہنچتے تو آپ اپنے خطبات میں ان کی مذمت فرماتے اور ان سے براءت اور بیزاری کا اعلان فرماتے۔

چوتھا فرقہ شیعہ غلاۃ کا تھا جو اس خبیث کے اخص الخواص تلامذہ تھے اور شاگردانِ رشید میں سے تھے جنہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو الوہیت کے درجہ تک پہنچا دیا۔ بعض نے صراحت اور حقیقت کے لحاظ سے اور بعض نے عیسائیوں کی طرح لاہوت بلباس ناسوت کے طریقہ پر مکمل بحث دیکھنی ہو تو تحفہ اثنا عشریہ صفحہ ۴، ۵، ۶ ملاحظہ فرما دیں۔

الغرض جب شیعان علی چار فرقوں میں تقسیم ہو گئے تو دوسرے فرق مخالفہ سے امتیاز ضروری ٹھہرا۔ لہٰذا انہوں نے اپنا نام اہل السنت والجماعت رکھا یہ نام گو بعد میں تجویز ہوا لیکن عقائد و اعمال وہی پہلے کے ہیں۔ جس طرح ہمارے ہاں کے شیعہ نے اپنے آپ کو امامیہ اور اثنا عشریہ کہا اور اس نام سے موسوم کیا حالانکہ یہ نام پہلے موجود اور مسموع نہیں تھا۔ فتامل حق التامل۔

ڈھکو صاحب کی انوکھی منطق:

امام حسن رضی اللہ عنہ نے جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ صلح کر لی تو اس سال کو سنۃ الجماعۃ کہا گیا اور زمانہ گزرتے پر اس کو اہل السنۃ والجماعت میں بدل دیا گیا۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ مرور ایام سے یہ لفظ بدل کر اہل السنت والجماعت بن گیا والی عبارت اہل السنت کی کتابوں میں نہیں ہے۔ یہ ڈھکو صاحب کا کشید کردہ مفہوم ہے۔ لیکن تاثر یہ دیا

گیا ہے کہ فتح الباری۔ اصابہ وغیرہ کتب اہل سنت میں یہ وجہ مذکور ہے حالانکہ قطعاً اس طرح نہیں تو یہاں بھی آبائی پیشہ اختیار کیا ہے اور تلبیس سے کام لیا گیا ہے۔

قال ابن بطال سلم الحسن لمعاویۃ الامر وبایعہ علی اقامۃ کتاب اللہ وسنۃ نبیہ ودخل معاویۃ الکوفۃ بایعہ الناس فسمیت سنۃ الجماعۃ لاجتماع الناس وانقطاع الحرب۔

(فتح الباری جلد ۱۳ صہ ۵۴)

اس عبارت میں صرف یہ ذکر کیا گیا ہے کہ اس سال کو جماعت کا سال کہا گیا کیونکہ لوگ آپس میں مجتمع ہو گئے اور لڑائی منقطع ہو گئی۔ اب اس عبارت سے خود وجہ تسمیہ گھڑ لینا کہاں کی دیانت ہے۔ وجہ تسمیہ وہ معتبر ہو سکتی ہے جو ارباب مذہب نے خود بیان کی ہو نہ کہ جو ان کے ذمہ لگائی گئی ہو شرح عقائد مع نبراس صہ ۲۱ میں علامہ تفتازانی نے اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا، ترک الاشعری مذہبہ واشتغل ھو ومن تبعہ بابطال رای المعتزلۃ واثبات ما ورد بہ السنۃ ومضی علیہ الجماعۃ فسموا باھل السنۃ والجماعۃ ای اھل الحدیث واتباع الصحابۃ رضی اللہ عنھم۔

شیخ ابوالحسن اشعری نے ابو علی جبائی معتزلی کا مذہب ترک کر دیا اور آپ خود اور ان کے متبعین معتزلہ کا رد کرنے میں مشغول ہو گئے اور جو کچھ سنت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں وارد تھا اور جس پر جماعت اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم آخر دم تک قائم رہی اس کے اثبات کے درپے ہو گئے پس ان کو اہل السنۃ والجماعۃ کا نام دیا گیا یعنی حدیث رسول والے اور صحابہ کرام کے متبعین۔ یہ ہے وجہ تسمیہ جو خود اہل السنت نے بیان کی ہے۔ رہا یہ سوال کہ یہ نام تو حادث ہوا نہ کہ قدیم تو جواب واضح ہے کہ نام کا حدوث مسمی کے حدوث کو مستلزم نہیں ہوتا جس طرح اللہ تعالیٰ کے نام فارسی اور انگریزی میں بھی اور دیگر زبانوں میں ہیں جو سب کی سب حادث تو اس سے ذات باری تعالیٰ کا تو حادث ہونا لازم نہیں آتا۔ اس طرح یہ نام اگرچہ بعد میں تجویز کیا گیا لیکن اس جماعت کے عقائد و اعمال وہی ہیں جو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے

قول وفعل سے ثابت اور جن پر جماعت اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قائم رہی۔

۱۔ سنۃ الجماعت کو سنت وجماعت سمجھنا آخر کس صاحب علم کے نزدیک درست ہو سکتا ہے کیا اہل السنت میں ڈھکو صاحب کے نزدیک اتنے پڑھے لکھے لوگ بھی پیدا نہیں ہوئے جن کو سَنَۃٌ سال اور سُنَّۃٌ یعنی قول وفعل رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں فرق معلوم ہو سکے ایسی باتیں کرنے سے اپنی آبرو جاتی ہے اور جگ ہنسائی ہوتی ہے لہذا مخلصانہ مشورہ ہے کہ عمر کے اس حصہ میں برخوردارانہ اور طفلانہ باتیں کرنا ترک کردیں یہ آپ کو زیب نہیں دیتیں۔

۲۔ ڈھکو صاحب فرماتے ہیں:

"اب تو یہ حقیقت کھل گئی کہ یہ پودا معاویہ کا کاشتہ ہے، بانی اسلام کا اس کی تشکیل میں کوئی حصہ نہیں"

یہ بات تو وجہ تسمیہ سے بھی بڑھ کر حماقت اور جہالت پر مبنی ہے۔ کیونکہ اگر امام حسن رضی اللہ عنہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مصالحت نہ فرماتے اور زمام اقتدار ان کے حوالے نہ ہوتی تو اس سال کو جماعت کا سال ہی نہیں کہا جاسکتا تھا لہذا امت میں اتحاد واتفاق پیدا کرنے اور ان کو باہی کشت وخون سے محفوظ کرنے کا سہرا حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے سر ہے جنہوں نے فوج وسپاہ کے ہوتے ہوئے اور عظیم ملک اسلام کا سربراہ ہوتے ہوئے بھی اس قدر ایثار اور جود وسخا کا مظاہرہ کیا اور اپنے نانا جان سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا غیبی فرمان" ان ابنی ھذا سید لعل اللہ ان یصلح بہ بین فئتین من المسلمین " سچا کر دکھلایا یعنی میرا یہ بیٹا سردار ہے عنقریب اللہ تعالیٰ ان کی بدولت اہل اسلام کے دو گروہوں میں مصالحت اور اتفاق کرادے گا۔ لہٰذا صلح وآشتی اور اتفاق و اتحاد کا پودا تو امام حسن رضی اللہ عنہ کا کاشتہ ہے نہ کہ صرف امیر معاویہ کا بلکہ خود سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا کیونکہ دونوں کا اتفاق از روئے مذہب ومسلک نہ ہوتا تو فئتین من المسلمین کہہ کر دونوں کو اہل اسلام کی دو جماعتیں نہ فرماتے اور اس سے مصالحت پر خوشی اور مسرت کا اظہار نہ فرماتے لہذا اعتقاد واعمال والا پودا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کاشت کردہ۔ اور یہ

اختلاف کے بعد اتفاق اور جنگ کے بعد صلح کا امام حسن کی طرف سے اور وجہ تسمیہ کے لحاظ سے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے بلکہ خود رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے فرمایا علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المهدیین جس میں امت پر اپنی اور خلفاء راشدین کی سنت پر عمل لازم فرمایا اور بہتر ناری فرقے بیان کئے اور ایک جنتی تو عرض کیا گیا وہ کون سا فرقہ اور جماعت ہے جو جنتی ہے تو فرمایا" ما انا علیه واصحابی" جس طریقہ پر ہوں اور میرے اصحاب علیہم الرضوان رواہ الترمذی اور دوسری روایت میں یوں وارد ہے فثنتان وسبعون فی النار وواحدۃ فی الجنۃ وھی الجماعۃ۔ پس بہتر دوزخی ہیں اور ایک جنت میں اور وہی جماعت ہے رواہ احمد وابوداؤد مشکوٰۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ۔

یہ ہے اہل السنت والجماعت کے نام کی وجہ تسمیہ اور یہ ہے اہلسنت کی قدامت ؎

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم
چشمۂ آفتاب راچہ گناہ

لوٹ:

فتح الباری کا حوالہ ڈھکو صاحب کے رسالہ میں یوں تحریر کیا گیا ہے جلد نمبر ۱۶ اور صہ ۵۵ جب کہ در حقیقت جلد نمبر ۱۲ اور صہ ۵۲ ہے۔ لیکن ہم تو یہی کہیں گے کہ کاتب نے غلط لکھ دیا ہے کیونکہ اس مطبوعہ رسالہ کو بہرحال کاتب نے لکھا نہ کہ ڈھکو صاحب نے لیکن کیا ڈھکو صاحب کو بھی حضرت شیخ الاسلام پر اس قسم کے اعتراض کرنے سے حیا دامنگیر ہوگا۔؟

حضرت شیخ الاسلام

اب رہا قرآن کریم تو اس کے متعلق بانیان مذہب تشیع و رازداران فرقہ مذکورہ اس قرآن کریم کا صراحت انکار کرتے نظر آتے ہیں۔ نمونہ کے طور پر اسی اصول کافی صد۶۷۱ پر یہ روایت دیکھیں کہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت علی قرآن کریم کو جمع کرنے اور اس کی کتابت سے فارغ ہوئے تو لوگوں سے کہا کہ اللہ عزوجل کی کتاب یہ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کو نازل فرمایا ہے اور میں نے ہی اس کو اکٹھا کیا ہے جس پر لوگوں نے کہا کہ ہمارے پاس قرآن شریف موجود ہے، ہمیں کسی نئے قرآن کی کیا ضرورت ہے۔ اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ کی قسم آج کے دن کے بعد تم اس قرآن کو کبھی نہ دیکھو گے۔

اسی صفحہ پر امام جعفر صادق صاحب سے منسوب ایک روایت اور بھی ملاحظہ فرمائیں کہ جو قرآن حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جبرئیل علیہ السلام لائے تھے۔ اس کی سترہ ہزار (۱۷۰۰۰) آیتیں تھیں اور غریب اہل سنت والجماعت کے پاس تو صرف چھ ہزار چھ سو چھیاسٹھ (۶۶۶۶) آیات والا قرآن کریم ہے۔

اسی اصول کافی کے صفحہ ۶۷۰ پر نظر ڈالتے جائیے اور اگر اس قرآن کریم سے صراحتاً انکار کی شان کسی حد تک تفصیل کے ساتھ دیکھنا چاہیں تو اصول کافی صد ۲۶۱ تا صد ۲۶۸ اور صد ۲۶۰ اور صد ۱۶۷ اور ناسخ التواریخ جلد ۲ صد ۳ و ۴ ۲۰ و ۴ ۹ اور تفسیر صافی جلد اول صد ۱۲ مطالعہ فرمائیں اور بانیانِ مذہب تشیع کی سیاست کی داد دیں کہ کس طرح صراحت اور وضاحت کے ساتھ اس فرقہ نے سر سے قرآن شریف کا انکار کیا ہے۔ (صد ۹۰۸)

آج کل اہل تشیع حضرات یا تو اپنی مذہبی کتابوں سے مکمل ناواقفی کی وجہ سے اور یا کسی ماحول کے

باعث بطور تقیہ قرآن کریم کو خدا کی کلام کہتے ہیں مگر بانیان مذہب تشیع اور رازداران مذہب تشیع کا ایمان قرآن کریم پر نہیں۔ اس قرآن کریم کو اسی وجہ سے ہر صریح جھوٹ بولتے وقت جھٹ سے سر پر رکھ دیتے ہیں اور ایسی حالت میں جھوٹ بولتے ہیں۔ ذرہ برابر تامل نہیں کرتے جیسے کوئی مسلمان جھوٹ بولتے وقت کوئی ہندوؤں کی پوتھی وغیرہ سر پر رکھ لے۔

شیعوں کے مذہبی پیشوا مطلقاً قرآن کا انکار ظاہر کرتے ہیں بلکہ جو قرآن کریم حضرت امیر المومنین سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے تمام صحابہ حفاظ کو طلب فرما کر جمع فرمایا جو ہمارے سینوں میں ہے اور مسلمانوں کی ہر مسجد میں جس کو بچے سے لے کر بوڑھے تک پڑھتے ہیں اور جو مسلمانوں کے سات سال کی عمر کے بچوں کو یاد ہے جس کو رمضان المبارک میں نماز تراویح میں ختم کیا جاتا ہے جس کے تیس پارے ہیں جو سورۃ فاتحہ سے شروع ہوتا ہے اور سورۃ ناس پر ختم ہوتا ہے۔ بانیان مذہب شیعہ نے اس کا انکار کیا ہے۔ اور جب بھی اپنا ایمان قرآن پر ثابت کرتے ہیں تو اپنا موہوم قرآن (سترگز والا جس نے قیامت سے پہلے لوگوں کو ہدایت کے لئے منہ نہیں دکھانا۔ حلال و حرام کی تعلیم صرف قیامت کو دے گا) ہی مراد لیتے ہیں تو پھر جس قرآن پر ان کا ایمان نہیں اس کو ہزار دفعہ جھوٹ بولتے وقت سر پر رکھیں۔ ان کے مذہب کو کیا اندیشہ ہو سکتا ہے۔ قرآن کریم پر مدعیان تولّی کے ایمان کا نمونہ اصل عبارت میں پیش کرتا ہوں تاکہ اہل علم لوگ تصدیق کر سکیں (اصول کافی ص۶۷۱)

۱۔ فقال ابو عبد اللہ علیہ السلام (الی ان قال) اخرجہ علی علیہ السلام الی الناس حین فرغ منہ و کتبہ فقال لھم ھذا کتاب اللہ عز وجل کما انزلہ اللہ علی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جمعتہ بین اللوحین فقالوا ھو ذا عندنا مصحف جامع فیہ القرآن لا حاجۃ لنا فیہ فقال اما و اللہ ما ترونہ بعد یومکم ھذا ابداً انما کان علی ان اخبرکم حین جمعتہ لتقرءوہ الخ

یعنی حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ (کی طرف منسوب کرکے)
کہتے ہیں کہ جب حضرت علیؓ قرآن کریم کے جمع کرنے اور اس کی کتابت
سے فارغ ہوئے تو لوگوں سے کہا کہ یہ اللہ عزوجل کی کتاب ہے جیسا کہ
اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کو نازل فرمایا ہے۔ اور میں نے
دو لوحوں میں سے اس کو اکٹھا کیا ہے جس پر لوگوں نے کہا کہ یہ ملاحظہ فرمالو
کہ ہمارے پاس مصحف مبارک جامع موجود ہے جس میں قرآن ہی ہے
ہمیں آپ کے لائے ہوئے قرآن کی ضرورت نہیں اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ
نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی قسم آج کے بعد تم اس کو کبھی نہ دیکھو گے۔ میرے
لئے ضروری تھا کہ جب میں نے اس کو جمع کیا ہے تو تمہیں اس کی خبر دوں تاکہ
تم اس کو پڑھتے (الخ)

اب حسب روایت اصول کافی امام عالی مقام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب قدرت
اور امام عالی مقام سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الشریف کا قسم اٹھانا کہ آج کے دن کے بعد کبھی تم اس
کو نہ دیکھو گے تو اس کے باوجود جو قرآن اہل تشیع دیکھتے ہیں اور اہل سنت سے سنتے ہیں جس کو
اہل سنت یاد کرتے ہیں۔ تراویح میں ختم کرتے ہیں۔ جس کو امیر المؤمنین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ
نے جمع کیا ہے۔ یہ تو بہر صورت وہ قرآن نہیں ہو سکتا۔ جو قیامت سے پہلے آ ہی نہیں سکتا۔

۲۔ اسی اصول کافی ص۶۳۱ پر امام عالی مقام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ
کے ایک شیعہ صاحب بنام "احمد بن محمد" کہتے ہیں مجھے امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ نے مصحف مبارک
عطا فرمایا اور فرمایا کہ اس کو کھول کر مت دیکھنا میں نے کھولا اور دیکھا اور سورہ لم یکن الذین الخ
پڑھی تو میں نے اس سورت میں قریش کے ستر آدمیوں کے نام بمعہ ان کے آباء کے نام لکھے
ہوئے موجود پائے تو امام صاحب نے میری یہ شان تعمیل حکم دیکھ کر میری طرف آدمی بھیجا کہ
میرا قرآن مجھے واپس کردو۔"

یہ واپسی کا قصہ تو اس ضرورت کے ماتحت گھڑنا پڑا کہ کوئی کہہ دے کہ امام صاحب کا
لکھا قرآن ہمیں بھی دکھاؤ تو فصاحت و بلاغت قرآنی سے ملتی جلتی عبارت کہاں سے پیدا

کی جاتی پھر وہ قرآن جس کی سورۃ لم یکن الذین میں قریش کے ستر آدمیوں کے نام ہوں اوران کے اباء کے نام ہوں وہ کوئی اور ہی ہے جس پر اہل تشیع کا ایمان ہے یہ قرآن نہیں ۔اہل تشیع کے مجتہد اعظم نے اپنی کتاب فصل الخطاب میں ایمان بالقرآن کا قصہ ہی ختم کر دیا ہے۔

۳۔ اصول کافی صـ ۶۷۱ کی ایک اور روایت بھی ملاحظہ کریں جس کے لفظ بلفظ ترجمہ پر اکتفا کرتا ہوں ۔ اہل علم حضرات منطبق فرمالیں:" امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو قرآن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف حضرت جبریل علیہ السلام لائے تھے اس کی سترہ ہزار آیتیں تھیں" اور اہل السنت والجماعت غریبوں کے پاس تو صرف ۶۶۶۶ آیات پر مشتمل قرآن کریم ہے۔اگر کسی قدر تفصیل کے ساتھ اہل تشیع کا قرآن کریم سے انکار دیکھنا چاہیں تو اصول کافی صـ ۲۶۱ تا صـ ۲۶۳ و صـ ۲۷۰ و صـ ۲۷۱ کا مطالعہ فرمائیں اور ایمان بالقرآن کی داد دیں کہ ایک سے دوسری روایت بڑھ چڑھ کر انکار قرآن میں وارد ہے ۔ اور کتاب ناسخ التواریخ جلد ۲ صـ ۴۹۳ و صـ ۴۹۴ پر تو اس قرآن کریم میں ردو بدل اور اس کی تنقیص میں تو ایک سے ایک بڑھ کر روایتوں کے انبار لگائے گئے ہیں ۔تفسیر صافی جلد اول صـ ۱۱ میں قرآن کریم کی تحریف اور اس میں ردو بدل ثابت کرنے کے کمال دکھائے گئے ہیں اور مصنف کافی محمد بن یعقوب کلینی اور ان کے استاد علی بن ابراہیم قمی کا اس بارے میں غلو بیان کیا گیا ہے۔اہل تشیع کی معتبر ترین کتاب "منہاج البراعۃ" جلد اول صـ ۲۰۲ تا صـ ۲۰۶ میں تحریف قرآن و ردو بدل میں جو روایتیں موجود ہیں ملاحظہ فرمائیں اور خود ہی فیصلہ کریں اور اہل تشیع کی یہ مایہ ناز روایت کہ اس قرآن میں " کفر کے ستون صحابہ نے قائم کئے ہیں ۔ ذاکروں نے ضرور اہل تشیع کو یاد کرائی ہوگی ورنہ خود اہل تشیع کی کتابوں میں ملاحظہ فرمالو اور شیعہ مذہب گھڑنے والوں کی داد دو! لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

یہ چند روایتیں بطور نمونہ ہیں ورنہ اہل علم شاہد ہیں کہ اہل تشیع کی معتبر کتابوں میں جس کثرت کے ساتھ قرآن کریم کے انکار پر مشتمل روایات ہیں ان کا نصف بھی یکجا کیا جائے تو شرح کبریٰ لابن ہیثم

کے لگ بھگ ایک مستقل کتاب ہوگی مگر اندک دلیل بسیار و مشت نمونہ از خروار ہوتا ہے جو پیش کیا ہے۔ تحفہ حسینیہ

تتمہ مبحث تحریف القرآن:

حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز نے بہت اختصار سے کام لیا ہے لہٰذا ہم مزید چند روایات انہیں کتابوں سے درج کرتے ہیں جن کا حوالہ آپ نے دیا ہے

تفسیر صافی از ملا محسن کاشانی۔ انہوں نے اپنی تفسیر کے چھٹے مقدمہ میں اس موضوع پر قلم اٹھایا اور عنوان یہ قائم کیا ہے۔

المقدمۃ السادسۃ فی نبذ مما جاء فی جمع القران و تحریفہ و زیادتہ و نقصہ و تاویل ذلک۔

چھٹا مقدمہ قرآن مجید کے جمع کرنے اور اس میں تحریف کرنے اور زیادتی اور نقص کے متعلق وارد چند روایات کے بیان میں اور ان کی تاویل میں۔

۱۔ پہلی روایت علی بن ابراہیم قمی کے حوالے سے درج کی ہے کہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے علی قرآن میرے بچھونے کے پیچھے صحیفوں، ریشمی کپڑوں اور کاغذوں کی صورت میں موجود ہے اسے لو اور جمع کرو اور یہود و نصاریٰ نے جس طرح اپنی کتابوں کو ضائع کر دیا تھا اسی طرح کہیں تم بھی اپنی کتاب کو ضائع نہ کر دینا۔

فانطلق علی علیہ السلام فجمعہ فی ثوب اصفر ثم ختم علیہ فی بیتہ وقال لا ارتدی حتی اجمعہ فکان الرجل لیاتی الیہ فیخرج الیہ بغیر رداء حتی جمعہ۔

چنانچہ حضرت علی چلے اور اس کو زرد رنگ کے کپڑے میں جمع کیا پھر اس پر مہر لگائی اور کہا میں اس وقت تک چادر نہیں اوڑھوں گا جب تک اسے جمع نہ کر لوں چنانچہ آدمی آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا تو آپ اس کی ملاقات کیلئے

بغیر چادر کے نکلتے حتیٰ کہ اس کو جمع کر لیا۔

۲۔ بحوالہ کافی امام ابوالحسن سے منقول ہے کہ آپ سے عرض کیا گیا:۔

إنا نسمع الا يات فى القرآن ليست هى عندنا كما نسمعها ولا نحسن ان نقرءها كما بلغنا عنكم فهل ناثم فقال لا اقرؤا كما تعلمتم فيجيئكم من يعلمكم اقول يعنى صاحب الامر عليه السلام۔

ہم قرآن کے اندر ایسی آیات سنتے ہیں جو ہمارے ہاں اس طرح پر نہیں جس طرح کہ ہم سنتے ہیں اور نہ ہم اس طرح (لوگوں کے سامنے) درست کر کے پڑھ سکتے ہیں جیسے ہمیں آپ سے پہنچی ہیں تو کیا ہم گنہگار ہوتے ہیں تو آپ نے فرمایا نہیں فی الحال تم ان کو اسی طرح پڑھو جس طرح تم نے لوگوں سے سیکھی ہیں۔ عنقریب تمہارے پاس آئے گا جو تمہیں سکھلائے یعنی صاحب الامر مہدی علیہ السلام۔

نوٹ:

اس روایت سے واضح ہو گیا حسب ارشاد امام شیعہ صاحبان مجبوراً اس قرآن کو پڑھتے ہیں اور صرف گذارا چلانے کے لئے اس کو تھامے ہوئے ہیں اور اصلی قرآن کے ظہور پر آس لگائے ہوئے ہیں۔

۳۔ بحوالہ کافی ہی منقول ہے کہ ایک آدمی نے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے سامنے قرأت کی جو اس کے مطابق نہیں تھی جس طرح کہ لوگ پڑھتے ہیں تو آپ نے فرمایا:

كُفَّ عن هذه القراءة اقرء كما يقرأ الناس حتى يقوم القائم فاذا قام القائم قرأ كتاب الله على حده۔

اس قرأت سے باز رہ اور ظہور مہدی علیہ السلام تک اسی طرح پڑھ جس طرح لوگ پڑھتے ہیں جب ان کا ظہور ہوگا تو وہ کلام اللہ کو اس کے حدود کے مطابق کما حقہ پڑھیں گے۔

پھر آپ نے ایک مصحف نکالا اور فرمایا یہ ہے وہ مصحف جس کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے

اپنے ہاتھ سے لکھا اور جمع کر کے لوگوں کے پاس لے گئے اور انہیں فرمایا:

هذا كتاب الله كما انزله الله على محمد وقد جمعته بين اللوحين ـ

یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے جیسے کہ اس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پہ نازل فرمائی اور میں نے اس کو دو لوحوں (تختیوں) کے درمیان جمع کیا ہے۔ آخری حصہ پہلے رسالہ مذہب شیعہ میں روایت ہٰذا میں صراحت مذکور ہے۔

۴۔ تفسیر عیاشی کے حوالہ سے امام محمد باقر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے:۔

لولا انه زيد في كتاب الله و نقص ما خفي حقنا على ذي حجى لو قد قام قائمنا فنطق صدقه القران ـ

اگر قرآن میں زیادتی اور کمی نہ کی گئی ہوتی تو ہمارا حق کسی عقل مند پہ مخفی نہ رہتا اور اگر قائم آل محمد ظاہر ہوتے اور کلام کرتے تو قرآن ان کی تصدیق کرتا۔

۵۔ اسی تفسیر عیاشی کے حوالے سے ہی امام باقر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے:

ان القرآن قد طرح منه آی كثيرة و لم يزد فيه الا حروف وقد اخطأت به الكتبة وتوهمتها الرجال ـ

قرآن سے بہت سی آیات حذف کر دی گئی ہیں لیکن اس میں اضافہ صرف چند حروف کا کیا گیا ہے۔ اور اس میں کاتبوں کی طرف سے خطاء کا ارتکاب بھی پایا گیا ہے اور لوگوں کی طرف سے توہمات کا بھی۔

۶۔ کتاب الاحتجاج للشیخ احمد بن ابی طالب الطبرسی کے حوالہ سے منقول ہے کہ طلحہ نے جناب امیر المومنین رضی اللہ عنہ سے کہا میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ ایک کپڑے کے ساتھ باہر نکلے جس پہ مہر لگی ہوئی تھی اور تم نے کہا اے لوگو میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل اور کفن کے بعد کتاب اللہ کے جمع کرنے میں معروف و مشغول رہا، تاآنکہ میں نے اس کو جمع کر لیا تو یہ ہے وہ کتاب میرے پاس جمع شدہ اس میں سے ایک حرف بھی مجھ سے ساقط اور حذف نہیں ہوا۔ حالانکہ میں نے (اس کے بعد سے آج تک) اس کتاب کو نہ دیکھا جو جناب نے لکھی اور جمع کی تھی اور میں نے دیکھا کہ ،

عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے آپ کی طرف آدمی بھیجا کہ اپنا مصحف میرے پاس بھیجو لیکن تم نے انکار کیا چنانچہ انہوں نے لوگوں کو بلایا جب ان میں سے دو آدمی ایک آیت پر گواہی دیتے تو اسے لکھ لیتے اور اگر صرف ایک آدمی گواہی دیتا تو اس کو موقوف رکھتے اور نہ لکھتے تو عمر بن الخطاب نے کہا درانحالیکہ میں سن رہا تھا:

انہ قد قتل یوم الیمامۃ قوم کانوا یقرؤون قرآنا لا یقرؤہ غیرھم فقد ذھب وقد جاءت شاۃ الی صحیفۃ وکتاب یکتبون فاکلتھا فذھب ما فیھا والکاتب یومئذ عثمان وسمعت عمر واصحابہ الذین الفوا ماکتبوا علی عھد عمر وعلی عھد عثمان یقولون ان الاحزاب کانت تعدل سورۃ البقرۃ وان النور نیف ومائۃ ایۃ والحجر تسعون ومائۃ فما ھذا وما یمنعک یرحمک اللہ ان تخرج کتاب اللہ الی الناس۔

ا۔ بے شک یمامہ کے دن ایک جماعت شہید ہوگئی جو قرآن کہ وہ پڑھتے ان کے علاوہ دوسرا کوئی شخص اس حصہ کی تلاوت نہ کرتا تھا لہذا ان کی شہادت سے وہ حصہ ضائع ہوگیا (۲) اور جب قرآن کی کتابت ہو رہی تھی تو بکری آگئی اور اس نے ایک صحیفہ کو کھا لیا لہٰذا جو کچھ اس میں تھا وہ بھی ضائع ہوگیا اور اس دن کتابت کرنے والے عثمان تھے (۳) میں نے عمر بن الخطاب اور ان کے ساتھیوں سے سنا جنہوں نے عمر و عثمان کے عہد میں اس کتاب کو جمع کیا جکی کتابت ان کے دور میں ہوتی تھی وہ کہتے تھے کہ سورۃ احزاب سورۃ بقرہ کے برابر تھی اور سورۃ نور کی سو سے زیادہ آیات تھیں۔ اور حجر کی ایک سو نوے (۱۹۰) آیات تھیں۔ یہ کیا ہے اور آپ کو کتاب اللہ لوگوں کے سامنے ظاہر کرنے میں کون سی چیز مانع ہے۔

اور عثمان بن عفان نے اپنے دور میں عمر بن الخطاب کی جمع کرائی ہوئی کتاب سے

نئی کتاب تالیف کی اور لوگوں کو ایک قرأت پر جمع کیا اور اس کے بعد ابی بن کعب کے مصحف اور عبداللہ بن مسعود کے مصحف کو پھاڑ دیا اور پھر آگ کے ساتھ جلا دیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے طلحہ :۔

کل اٰیۃ انزلھا اللہ عزوجل علی محمد صلی اللہ علیہ وسلم عندی باملاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وخط یدی وتاویل کل اٰیۃ انزلھا اللہ علی محمد وکل حلال وحرام اوحد اوحکم اوشئی یحتاج الیہ الامۃ الی یوم القیامۃ ھو مکتوب باملاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وخط یدی حتی ارش الخدش ۔

ہر آیت جس کو اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا وہ میرے پاس موجود ہے املاء رسول علیہ السلام اور اپنے ہاتھ کی کتابت کے ذریعے اور ہر آیت کی تاویل بھی اور ہر حلال وحرام یا حد یا حکم اور ہر وہ چیز جس کی طرف قیامت تک امت محتاج ہوگی وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لکھانے اور میرے سپرد قلم کرنے کی وجہ سے محفوظ ہے حتیٰ کہ خراش کی دیت اور تاوان بھی ۔

طلحہ نے کہا ہر شے چھوٹی خواہ بڑی خاص یا عام جو ہو چکی یا قیامت تک ہوگی وہ آپ کے پاس مکتوب ومرقوم ہے آپ نے فرمایا ہاں (تا) پھر طلحہ نے کہا میں نے قرآن ظاہر کرنے کے متعلق جو سوال کیا تھا کہ لوگوں پر اس کے ظاہر کرنے میں کیا مانع ہے اس کا جواب آپ نے نہیں دیا تو آپ نے کہا عمدا کففت عن جوابک میں نے دیدہ دانستہ تیرے سوال کا جواب نہیں دیا فاخبرنی عما کتب عمر وعثمان أقرآن کلہ ام فیہ ما لیس بقرآن مجھے یہ بتلا کہ جو عمر وعثمان نے لکھوایا اور جمع کیا وہ سارا قرآن ہے یا اس میں کچھ ایسا حصہ بھی ہے جو قرآن نہیں ہے تو طلحہ نے کہا بل قرآن کلہ جو ہے تو وہ سارا قرآن ہی ہے تو آپ نے فرمایا :۔

ان اخذتم بما فیہ نجوتم من النار ودخلتم الجنۃ فان فیہ حجتنا وبیان حقنا وفرض طاعتنا قال طلحۃ حسبی

اما اذا کان فی آنا فحسبی ۔

جو اس قرآن میں ہے اگر تم اس کے ساتھ تمسک کرو اور عمل کرو تو آتش دوزخ سے نجات پاجاؤ گے اور جنت میں داخل ہو جاؤ گے کیونکہ اس میں ہماری محبت، ہمارے حق اور ہماری اطاعت کی فرضیت کا بیان ہے طلحہ نے کہا اگر یہ قرآن ہے تو مجھے کافی ہے ۔

پھر طلحہ نے دریافت کیا مجھے یہ تو بتائیے کہ جو قرآن تمہارے پاس ہے اور اس کی تاویل اور حلال وحرام کا علم اسے تم کس کے حوالے کرو گے تو آپ نے فرمایا میں حکم رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق اس کو اپنے وصی کے حوالے کروں گا اور وہ اپنے وصی کے حوالے۔

حتی یرد آخرھم علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حوضہ ھم مع القرآن لا یفارقونہ والقرآن معھم لا یفارقھم یہاں تک کہ ان اوصیاء میں سے آخری وصی ظہور فرما ہوگا اور قرآن اس کے پاس ہوگا پھر وہ سبھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حوض کوثر پر وارد ہوں گے جب کہ وہ قرآن کے ساتھ ہونگے اس سے جدا نہیں ہونگے اور قرآن انکے ساتھ ہوگا وہ ان سے جدا نہیں ہوگا۔

نوٹ:

۱۔ اس روایت میں شہداء یمامہ کے شہید ہونے سے قرآن کا کچھ حصہ ضائع ہونا پھر ایک صحیفہ کو بکری کے کھا جانے سے اسکا ضائع ہونا اور دوسری سورتوں کی بہت سی آیات کا ضائع ہونا بصراحت مذکور ہے جس پر امیرالمؤمنین رضی اللہ عنہ کی طرف سے کوئی انکار نہیں کیا گیا۔

۲۔ جس قرآن کے متعلق سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمہارے اندر چھوڑ کر جا رہا ہوں اور وہ قرآن اور میری آل وعترت اکٹھے رہیں گے اور قیامت کے بعد مل جل کر مجھ پر حوض کوثر کے پاس وارد ہوں گے وہ بھی حضرت عمر بن الخطاب اور حضرت عثمان کا جمع کیا ہوا نہیں بلکہ وہ تو صرف اور صرف اوصیاء اور آئمہ کے پاس تھا۔ اور رہے گا جس کو باہر کی ہوا بھی نہیں لگنے دی گئی جو کچھ اس روایت میں تسلیم کیا گیا ہے وہ صرف اور صرف اس قدر ہے کہ جو بچ گیا وہ بھی قرآن ہی ہے ۔

اس میں غیر قرآن داخل نہیں کیا گیا اس امر کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیں تاکہ ڈھکو صاحب کی ہیرا پھیری اور تلبیس پوری طرح واضح ہو جائے۔

۷. ابوذر غفاری کی روایت میں ہے کہ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے قرآن جمع کیا اور پھر مہاجرین و انصار علیہم الرضوان کے پاس لائے اور رسول خدا علیہ التحیۃ والثناء کی وصیت کے مطابق ان پر پیش کی۔ فلما فتحه ابوبکر خرج فی اول صفحۃ فتحها فضائح القوم فوثب عمر و قال یا علی اردده فلا حاجۃ لنا فیه فاخذه علی فانصرف۔
تو جونہی ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کو کھولا تو کھولتے ہی صفحہ اول پر قوم کی فضیحتیں ان کو نظر آئیں تو عمر غصہ سے اٹھ کر کھڑے ہو گئے اور کہا اے علی۔ اس کو واپس لے جاؤ ہمیں اس کی ضرورت نہیں ہے تو آپ اسے لے کر واپس چلے گئے (تا) عمر بن الخطاب نے اپنی خلافت کے دوران حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس قرآن کا مطالبہ کیا تاکہ اس میں تحریف کر دیں اور کہا اے ابوالحسن جو قرآن حضرت ابوبکر کے پاس لائے تھے تو ہمارے پاس بھی لے آؤ تاکہ ہم بھی اس پر متفق ہو جائیں تو آپ نے فرمایا:

هیهات لیس الی ذلک سبیل انما جئت به الی ابی بکر لتقوم الحجۃ علیکم و لا تقولوا یوم القیامۃ انا کنا عن هذا غافلین او تقولوا ما جئتنا به ان القرآن الذی عندی لا یمسه الا المطهرون والا وصیاء من ولدی۔

افسوس یہ مطالبہ ناقابل قبول ہے اور ناقابل عمل میں نے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر وہ قرآن اس لئے پیش کیا تھا تاکہ تم پر حجت قائم ہو جائے اور تم قیامت کے دن یہ عذر نہ کر سکو کہ ہم اس قرآن سے غافل تھے یا یہ نہ کہہ سکو کہ تم نے ہمیں لا کر دکھلایا ہی نہیں وہ قرآن جو میرے پاس ہے اس کو صرف طاہر و مطہر لوگ ہاتھ لگا سکتے ہیں اور میری اولاد میں سے میرے وصی۔

حضرت عمر ابن الخطاب نے دریافت کیا اس قرآن کے ظہور کا کوئی معین وقت ہے بھی ؟ تو حضرت علی المرتضیٰ نے فرمایا نعم اذا قام القائم من ولدی یظھرہ ویحمل الناس علیہ فتجری السنۃ بہ ہاں جب میری اولاد میں سے آخری وصی مہدی کا ظہور ہوگا تو وہ اس قرآن کو لوگوں پر ظاہر کرے گا اور لوگوں کو اس کے مطابق عمل پیرا کرے گا اور اس کے مطابق دین جاری ہوگا۔

تنبیہہ:

اس روایت سے صاف ظاہر ہے کہ وہ قرآن اس سے مختلف ہے ورنہ قیامت کے دن ممکنہ عذر اور بہانے ابوبکر و عمر وغیرہما کے ختم کرنے کے لئے اسے وقتی طور پر پیش کر کے پھر چھپا دینے کی ضرورت کیا تھی نیز مہدی کے ظہور پر اس کے مطابق عمل کیا جائے گا اور شرعی احکام اس کے مطابق انجام پذیر ہوں گے تو اگر تفاوت نہیں تو اس وقت دین اس کے مطابق کیوں ہوگا اور موجودہ قرآن کے مطابق کیوں نہ ہوگا۔

۸۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ایک زندیق کے مباحثے اور قرآن کے متعلق اس کے مختلف شکوک و شبہات اور حضرت علی کے جوابات جو احمد بن ابی طالب طبرسی نے "الاحتجاج" میں مفصل طور پر صہ ۲۴۰ تا صہ ۲۵۸ یعنی پورے چودہ صفحات پر نقل کئے ہیں ان کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے تفسیر صافی کے مقدمہ میں ملا محسن کاشانی نے کہا۔

۱۔ تیرا یہ سوال کہ انبیاء علیہم السلام کی لغزشوں کو تو ان کے نام لے کر بیان کیا گیا لیکن دوسرے لوگوں کے عظیم جرائم بیان کرتے وقت ان کے نام ذکر نہیں کئے گئے آخر اللہ تعالیٰ کے کلام میں اتنی عظیم مخلوق کے ساتھ یہ بے پرواہی اور ارذل مخلوق کے ساتھ اس رعایت کا کیا جواز ہے ؟

جواب:

ان الکنایۃ عن اسماء ذوی الجرائر العظیمۃ من المنافقین فی القرآن لیست من فعلہ تعالیٰ، انما من فعل المغیرین

والمبدلين الذين جعلوا القرآن عضين واعتاضوا الدنيا
من الدين وقد بين الله قصص المغيرين بقوله تعالی
الذين يكتبون الكتاب بايديهم (الی) يعنی انهما ثبتوا
فی الكتاب مالم يقله الله ليلبسوا على الخليقة فاعمى الله
قلوبهم حتى تركوا فيه مادل على ما احدثوه فيه وحرفوه
منه (الی) فالزبد فی هذا الموضع كلام الملحدين الذين
اثبتوه فی القران فهو يضمحل و يبطل و تيلا شی
عند التحصيل والذی ينفع الناس فالتنزيل الحقيقی
الذی لا يا تيه الباطل من بين يديه ولا من خلفه و
القلوب تقبله والارض فی هذ االموضع هی محل العلم
وقراره وليس يسوغ مع عموم التقية التصريح
باسماء المبدلين ولا الزيادة فی اياته على ما
اثبتوه من تلقاءهم فی الكتاب من تقوية
حجج اهل التعطيل والكفر والملل المنحرفة عن
قبلتنا وابطال هذ االعلم الظاهر الذی قد
استكان له الموافق والمخالف بوقوع الاصطلاح
على الائتمار لهم والرضا بهم ولان اهل الباطل
فی القديم والحديث اكثر عددا من اهل الحق
ولان الصبر على ولاة الامر مفروض لقوله تعالی
فاصبر كما صبر اولوا العزم من الرسل وايجابه مثل ذلك على
اولياءه واهل طاعته بقوله تعالی لقد كان لكم فی رسول الله اسوة
حسنة فحسبك من هذا الجواب عن هذا الموضع ما سمعت
فان شريعة التقية تحظر التصريح باكثر منه۔

قرآن مجید میں عظیم جرائم کے مرتکب منافقین کے اسماء کو صراحتاً ذکر نہ کرنا اللہ تعالے کا فعل نہیں ہے بلکہ یہ ان لوگوں کی کارستانی ہے جو قرآن میں تغیر و تبدل کے مرتکب ہوئے اور قرآن کو مختلف حصوں میں بانٹ دیا اور دین کے بدلے دنیا حاصل کی اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کا پردہ چاک کرتے ہوئے فرمایا الذین یکتبون الکتاب بایدیھم الآیۃ یعنی جو لوگ اپنے ہاتھوں سے کتاب کو لکھتے ہیں پھر کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے تاکہ اس کے ذریعے قلیل دنیوی مال حاصل کریں اور اپنے قول " وان منھم لفریقا یلوون السنتھم بالکتاب " اور " واذ یبیتون مالا یرضی من القول " کے ساتھ ان کی نشاندہی کی ہے یعنی وہ اپنی زبانوں کو مروڑ پھیر کر ظاہر کرتے ہیں کہ جو کچھ ہماری زبان پر جاری ہے وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے حالانکہ حقیقت اس کے خلاف ہے اور رات کو ناپسندیدہ امور کے متعلق صلاح و مشورہ کرکے ان پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔ رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد اپنے ٹیڑھا اور کجی کو درست ثابت کرنے کے لئے جس طرح یہود و نصاری نے موسی اور عیسی علیہما السلام کے دنیا سے روپوش ہونے کے بعد تورات وانجیل میں تغیر و تبدل سے کام لیا اور کلمات کو اپنی جگہ سے ہٹا دیا اور اسی طرح اپنے اس فرمان کے ساتھ ان کی قلعی کھولی۔ یریدون ان یطفئوا نور اللہ بافواھھم ویابی اللہ الا ان یتم نورہ یعنی انہوں نے کتاب اللہ میں وہ کچھ درج کیا جو اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمایا تھا تاکہ مخلوق پر اشتباہ و التباس پیدا کریں تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو اندھا کر دیا حتی کہ انہوں نے کتاب اللہ میں ایسی آیات رہنے دیں جو ان کے احداث و تحریف، افک و تلبیس اور کتمانِ حق پر دلالت کرتی تھیں اسی لئے ان کو فرمایا: " لم تلبسون الحق بالباطل وتکتمون الحق " تم حق کو باطل کے ساتھ کیوں خلط ملط کرتے ہو اور حق کو کیوں چھپاتے ہو اور ان کی تحریف و تغیر کی تمثیل بیان کرتے ہوئے فرمایا:۔ اما الزبد فیذھب جفاء واما ماینفع الناس فیمکث فی الارض۔ یعنی کفزا اور جھاگ تو خشک ہو جاتی ہے اور جو چیز لوگوں کو نفع دیتی ہے وہ زمین میں برقرار رہتی ہے تو کفزا اور جھاگ سے مراد ملحدین کا کلام ہے جو انہوں نے قرآن میں داخل کیا جو کہ اضمحلال و زوال کے درپے ہے اور نیست و نابود ہو کر رہے گا اور لوگوں کے لئے نافع چیز

سے مراد وہ تنزیل حقیق ہے جسکو سامنے اور پیچھے سے باطل لاحق نہیں ہو سکتا اور قلوب اس کو قبول کرتے ہیں۔ اور ارض سے اس مقام پر محل علم اور اس کا مقام استقرار مراد ہے۔

تقیہ کے تقاضے اور اس کی ضرورت:

اور تقیہ کے عموم و شمول کے تحت اور شرع کے ہر پہلو کو محیط ہونے کی وجہ سے یہ اجازت نہیں کہ میں قرآن میں تحریف کرنے والوں کے ناموں کی تصریح کروں اور نہ ان زیادات کی جو انہوں نے کلام اللہ میں کی ہیں کیونکہ اس میں ان لوگوں کے دلائل کی تائید و تقویت لازم آئے گی جو اہل تعطیل ہیں اور اہل کفر و شرک اور ہمارے قبلہ سے منحرف۔ علاوہ ازیں اس علم ظاہر کی بھی خلاف ورزی لازم آتی ہے اور اسکا ابطال جس کی اتباع پر مخالف و موافق نے اتفاق اور مصالحت کر رکھی ہے اور رضامندی کا عہد و پیمان کر رکھا ہے۔ اور تیسری وجہ نام ظاہر نہ کرنے کی یہ ہے کہ ہر دور میں اہل باطل کی تعداد اہل حق سے زیادہ رہی ہے خواہ زمانہ قدیم ہو یا حادث (لہذا ان کا ڈر بھی اس انکشاف کی اجازت نہیں دیتا۔) چوتھی وجہ یہ ہے کہ ولات الامر اور اوصیاء پر صبر کرنا لازم ہے کیونکہ اللہ تعالےٰ کا فرمان ہے:۔
فاصبر کما صبر اولوا العزم من الرسل یعنی اولوالعزم رسولوں کی طرح صبر کرو اور اسی طرح انکے متبعین اولیاء و اوصیا پر بھی صبر لازم ہے جیسے کہ فرمان باری تعالیٰ ہے: لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ تمہارے لیے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں اچھی اقتداء اور پیروی ہے۔

تو اس مقام پر تجھے یہی جواب کافی ہے کیونکہ مذہب تقیہ اور شرع کتمان اس سے زیادہ کی تصریح سے مانع ہے۔

سوال:

رہا تیرا یہ سوال کہ قرآن مجید میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے آپ کی عزت و آبرو کو ملحوظ نہیں رکھا گیا؟

جواب:

یہ ہے کہ یہاں بھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں نے اپنی دشمنی کا اظہار کرتے ہوئے تغیر وتبدل سے کام لیا ہے۔

(الی) ولقد احضروا الکتاب مکملا مشتملا علی التاویل والتنزیل والمحکم والمتشابہ والناسخ والمنسوخ لم یسقط منہ حرف الف ولا لام فلما وقفوا علی ما بینہ اللہ تعالی من حق اسماء اھل الحق واھل الباطل وان ذلک ان ظھر نقض ما عقدوہ قالوا لا حاجۃ لنا فیہ نحن مستغنون عنہ بما عندنا ولذلک قال اللہ تعالی فنبذوہ وراء ظھورھم واشتروا بہ ثمنا قلیلا فبئس ما یشترون۔ الخ

ان کے پاس کلام اللہ کو مکمل طریقہ پر پیش کیا گیا جو تاویل وتنزیل اور محکم ومتشابہ اور ناسخ ومنسوخ پر مشتمل تھا، اور اس سے کوئی حرف یعنی الف اور لام بھی ساقط اور محذوف نہ تھا لیکن جب وہ لوگ اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اہل حق اور اہل باطل کے اسماء پر مطلع ہوئے اور انہوں نے محسوس کیا کہ اس قرآن کے ذریعے ان کا سب کیا کرایا دھرے کا دھرا رہ جائے گا اور کالعدم ہو جائے گا تو انہوں نے اس سے استغناء ظاہر کرتے ہوئے کہا ہمیں اس کی ضرورت نہیں ہے۔ جو ہمارے پاس ہے وہ ہمیں کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس فعل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: فنبذوہ وراء ظھورھم الایۃ کہ انہوں نے کلام مجید کو پس پشت ڈال دیا اور اس کے بدلے قلیل دنیوی مال حاصل کیا۔ پس برا ہے جو وہ خریدتے ہیں۔

پھر جب ان پر مختلف مسائل وارد ہوئے جن کا علم ان کے پاس نہیں تھا تو ناچار قرآن مجید کی تدوین وتالیف کرنی پڑی۔

وتضمینہ من تلقاء انفسھم ما یقیمون بہ دعائم کفرھم

فصرخ منادیهم من کان عنده شئ من القرآن فلیأتنا به ووکلوا تالیفه ونظمه الی بعض من وافقهم علی معاداة اولیاء الله فالفه علی اختیارهم۔

اور اس میں اپنی طرف سے ایسے مواد داخل کرنے پڑے جن کے ذریعے وہ اپنے کفر کے ستونوں کو قائم رکھ سکتے ہیں تو ان کی طرف سے منادی نے اعلان کیا کہ جسکے پاس قرآن کا کچھ حصہ ہو تو ہمارے پاس لے آئے اور اس کی تالیف وتدوین اور نظم وترتیب کا کام ایسے شخص کے سپرد کیا جو اولیاء اللہ کی عداوت میں ان کے موافق تھا تو اس نے ان کی پسند کے مطابق قرآن جمع کر دیا۔

سوال:

اللہ تعالیٰ کے قول "فان خفتم الا تقسطوا فی الیتامی فانکحوا ما طاب لکم من النساء" میں یتامی کے ساتھ عدل نہ کر سکنے کی صورت میں پسندیدہ عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے کا جو حکم دیا گیا ہے اس میں کوئی ربط وتعلق نہیں ہے؟

جواب مرتضی رضی اللہ عنہ: فهو مما قدمت ذکره من اسقاط المنافقین من القرآن بین القول فی الیتامی وبین النکاح من النساء من الخطاب والقصص اکثر من ثلث القرآن وهذا وما اشبهه مما ظهرت حوادث المنافقین فیه لاهل النظر والتأمل ووجد المعطلون واهل الملل المخالفة للاسلام مساغا الی القدح فی القرآن ولو شرحت لك کل ما اسقط وحرف وبدل مما یجری هذا المجری لطال وظهر ما تحظر التقیة اظهاره من مناقب الاولیاء ومثالب الاعداء۔

اس سوال کا جواب بھی وہی ہے جو پہلے میں نے ذکر کیا ہے کہ: منافقین نے

فان خفتم الا تقسطوا فی الیتامی اور فانکحوا ما طاب لکم من النساء۔
کے درمیانی خطابات اور قصص کو حذف کر دیا جو ایک تہائی قرآن سے بھی زیادہ ہے۔

یہ مقام اور اس کی مانند دوسرے
مقامات کثیرہ ہیں جن میں اہل نظر اور ارباب فکر و تامل کے لئے منافقین کی کارستانیاں ظاہر ہوتی ہیں۔ اور معطلہ اور مخالفین اسلام جماعات نے جن کی وجہ سے قرآن میں ہر جرح و قدح کی راہ نکال لی ہے اور اگر میں ان سب کی وضاحت کروں جس کو ساقط کیا گیا اور جس میں تحریف کی گئی یا تبدیلی تو کلام بہت طویل ہو جائے گا اور تقیہ اولیاء اللہ کے جن مناقب یا اعداء اللہ کے جن عیوب اور قبائح کے بیان سے مانع ہے اس کا اظہار لازم آئے گا بذا۔

تنبیہ :

اس طویل ترین روایت میں قرآن مجید کے اندر کمی کے ساتھ اپنی طرف سے اضافہ کرنا بھی ثابت ہو گیا اور پھر اس کو مولائے مرتضیٰ جیسی شخصیت قرآن مجید کی متعدد آیات کے ساتھ بھی ثابت کرے تو دونوں صورتوں میں ایمان لانا ان کے ماننے والوں پر لازم ہے ورنہ خود ملحد اور بے دین اور منافق بن جائیں گے لہذا یہ دعویٰ کہ شیعہ کا اس پر اجماع ہے کہ اس میں قطعاً اضافہ اور زیادتی نہیں بالکل غلط ہو گیا۔

اب چند اقتباس کلینی کے شیخ علی بن ابراہیم القمی کے مقدمہ تفسیر سے پیش خدمت ہیں جس کا یہ دعویٰ ہے کہ اس کتاب میں ہر وہ عیب موجود ہے جو کسی کتاب میں ممکن ہے۔ کہیں بعد والی آیات کو پہلے اور پہلے والی آیات کو بعد میں ذکر کیا گیا ہے کہیں ایک کلمہ کی جگہ دوسرا کلمہ ذکر کر دیا گیا ہے جس سے معنی مقصود مستور ہو کر رہ گیا کہیں مبتداء و خبر میں اس قدر فاصلہ ہے کہ ارتباط باہم نظر سے اوجھل ہو کر رہ گیا ہے۔ اور طرفہ تماشا یہ ہے کہ اس میں تحریف و تبدیلی بھی ہے اور اللہ تعالیٰ کی تنزیل کے خلاف اور برعکس بھی۔ ہم سردست صرف آخری دو دعووں پر اس کی قائم کردہ دلیلیں پیش کرتے ہیں۔

۱۔ **محرف آیات کا بیان :**

اول۔ قال اللہ تعالیٰ و لکن اللہ یشھد بما انزل الیک فی علی انزلہ

بعلمه والملائكة يشهدون ۔ دوم ۔ قال الله تعالیٰ یا ایہا الرسول بلغ ما انزل الیك من ربك فی علی فان لم تفعل فما بلغت رسالته سوم قوله تعالیٰ، ان الذین کفروا وظلموا آل محمد حقهم لم یکن الله لیغفر لهم چهارم وسیعلم الذین ظلموا آل محمد حقهم ای منقلب ینقلبون پنجم قوله تعالیٰ: ولو تری الذین ظلموا ال محمد حقهم فی غمرات الموت ۔ ومثله کثیر نذکره فی مواضعه مقدمه القمی ص ۱۱

پانچ آیات مذکورہ اور ان کے علاوہ بہت سی آیات میں تحریف ہے اور علی اور آل محمد کی تصریحات جو اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ قرآن میں تھیں۔ اس قرآن کو جمع کرنے والوں نے تحریف سے کام لے کر ان کلمات مقدسہ کو حذف کر دیا الولد سر لابیه کے تحت کلینی نے اصول کافی میں اپنے روحانی باپ کی تقلید میں مندرجہ بالا اور ان کے علاوہ نیز روایات اس مضمون کی نقل کی ہیں جن میں اہل بیت، ان کی ولایت وغیرہ کا ذکر ہے مگر از روئے تحریف وہ نام حذف کر دیئے گئے۔

ملاحظہ ہو کتاب الحجۃ باب النکت والنتف من التنزیل فی الولایۃ ۔

مطبوعہ قم ص ۴۱۳ تا ۴۲۲

۲۔ انما ماهو کائن علی خلاف ما انزل الله تعالیٰ: یعنی وہ آیات جو اللہ تعالیٰ کی تنزیل کے خلاف ہیں، پہلی آیت۔ کنتم خیر امة اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنهون عن المنکر وتومنون بالله جب امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے سامنے اس کی تلاوت کی گئی تو آپ نے فرمایا۔ خیر امة یقتلون امیر المؤمنین والحسن والحسین ابنی علی۔ کیا وہ امت خیر اور بھلائی کی مالک ہو سکتی ہے جو امیر المومنین حضرت علی اور امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہم کو شہید کرے تو عرض کیا گیا کیف نزلت؟ تو فرمایئے پھر یہ آیت کیسے نازل ہوئی تھی تو آپ نے فرمایا اس طرح نازل ہوئی تھی کنتم خیر آئمة اخرجت للناس یعنی تم بہترین امام ہو جنہیں

لوگوں کے لئے ظاہر کیا گیا ہے دیکھتے نہیں ہو اس کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے ان کی کس طرح مدح سرائی کی ہے کہ تم نیکی کا حکم دیتے ہو برائی سے منع کرتے ہو اور اللہ تعالےٰ پر ایمان رکھتے ہو۔

دوسری آیت، الذین یقولون ربنا ھب لنا من ازواجنا و ذریاتنا قرۃ اعین واجعلنا للمتقین اماما جب یہ آیت مبارکہ امام ابو عبداللہ جعفر صادق رضی اللہ عنہ پر پڑھی گئی تو آپ نے فرمایا۔ لقد سالوا اللہ عظیما ان یجعلھم للمتقین اماما فقیل لہ یا ابن رسول اللہ کیف نزلت ؟ آپ نے فرمایا ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ سے بہت بڑا مطالبہ کیا ہے کہ انہیں متقین کا امام بنائے تو آپ سے عرض کیا گیا اے فرزند رسول صلی اللہ علیہ وسلم پھر فرمائیے دراصل کس طرح نازل ہوئی تھی تو آپ نے فرمایا واجعل لنا من المتقین اماما یعنی ہمارے لئے متقین میں سے بعض کو امام بنا۔

تیسری آیت، لہ معقبات من بین یدیہ ومن خلفہ یحفظونہ من امر اللہ تو اس کو سن کر امام ابو عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیف یحفظ الشئ من امر اللہ و کیف یکون المعقب من بین یدیہ یعنی کسی چیز کی اللہ تعالیٰ کے امر سے حفاظت کس طرح کی جا سکتی ہے (اسکا امر تو ہر شئے کو محیط ہے اور غالب وقاہر) اور پھر معقب تو ہوتا ہی وہ ہے جو پیچھے سے آئے تو سامنے سے آنے والا معقب کس طرح کہلا سکتا ہے۔ جب دریافت کیا گیا کہ پھر حقیقت میں یہ آیت کس طرح ہے تو فرمایا یوں ہے۔ لہ معقبات من خلفہ ورقیب من بین یدیہ یحفظونہ بامر اللہ یعنی معقب ہیں پیچھے سے اور رقیب ونگران آگے سے جو اللہ تعالیٰ کے امر کے ساتھ اس کی حفاظت کرتے ہیں۔

علی بن ابراہیم قمی نے کہا ومثلہ کثیر کہ اس قسم کی خلاف تنزیل آیات یعنی جن میں اس قسم کے سقم اور خرابیاں ہیں اور مرادِ باری کے برعکس معنی پر دلالت کرتی ہیں وہ بہت ہیں۔ مقدمہ تفسیر قمی صنا

فائدہ : طیب الموسوی نے اس تفسیر کے مقدمہ میں کہا۔ ان ھذا التفسیر کغیرہ

من التفاسير القديمة يشتمل على روايات مفادها ان المصحف الذی بين ايدينا لم يسلم من التحريف والتغيير۔ بیشک یہ تفسیر بھی دیگر تفاسیر قدیمہ کی مانند ایسی روایات پر مشتمل ہے جن کا مفاد ومدلول یہ ہے کہ جو مصحف ہمارے ہاتھوں میں ہے وہ تحریف وتغییر سے محفوظ نہیں ہے۔ مقدمہ موسوی ص۲۲

ملا محسن کاشانی صاحب تفسیر صافی نے روایات مذکورۃ الصدر کو نقل کرنے کے بعد کہا:

استفاد من مجموع هذه الروايات والاخبار وغيرسا من الروايات من طريق اهل البيت عليهم السلام ان القرآن الذی بين اظهرنا ليس بتمامه كما انزل على محمد صلی الله عليه وسلم بل منه ما هو خلاف ما انزل الله ومنه ما هو مغير محرف وانه قد حذف منه اشياء كثيرة منها اسم علی فی كثير من المواضع ومنها لفظة آل محمد غير مرة ومنها اسماء المنافقين فی مواضعها ومنها غير ذلك وانه ليس ايضا على الترتيب المرضی عند الله وعند رسوله وبه قال علی بن ابراهيم۔

مقدمہ التفسیر الصافی ص۱۳

ان روایات واخبار سے اور ان کے علاوہ دوسری روایات جو تمام اہل البیت کی وساطت سے مروی ومنقول ہیں ان سے یہی مستفاد ہوتا ہے کہ جو قرآن ہمارے درمیان ہے یہ کامل ومکمل نہیں ہے جیسے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا تھا بلکہ کچھ تنزیل کے خلاف لکھا گیا ہے اور بعض میں تغیر وتحریف ہے اور اس سے بہت سی چیزیں حذف کی گئی ہیں۔ منجملہ ان کے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام ہے جو بہت سی جگہوں سے حذف کیا گیا ہے اور بہت جگہ سے آل محمد کا لفظ بھی حذف کیا گیا ہے اور منافقین کے نام بھی اپنی جگہوں سے حذف کر دیئے گئے ہیں اور اس کے علاوہ بھی بہت سی چیزیں حذف کی گئیں ہیں مزید برآں یہ کہ موجودہ قرآن اس ترتیب پر بھی نہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک مقبول اور

پسندیدہ ہے اور علی بن ابراہیم قمی اسی کے قائل ہیں اور تفسیر قمی سے جو ہم نے روایات درج کی ہیں۔ وہ بھی اور اس کے علاوہ بھی یہاں درج کی ہیں۔ اعتقاد مشائخ بیان کرتے ہوئے کہا۔

اعتقاد مشائخ شیعہ:

واما اعتقاد مشائخنا فی ذلك فالظاهر من ثقة الاسلام محمد بن یعقوب الکلینی انه کان یعتقد التحریف و النقصان فی القرآن لانه روی روایات فی هذا المعنی فی الکافی ولم یقدح فیها مع انه ذکر فی اول الکتاب انه یثق بما رواه فیه وکذلك استاذه علی ابن ابراهیم القمی فان تفسیره مملوء منه وله غلو فیه وکذلك الشیخ احمد بن ابی طالب الطبرسی فانه ایضا نسج علی منوالهما فی کتاب الاحتجاج۔

رہا ہمارے مشائخ کے اعتقاد کا معاملہ تو ثقۃ الاسلام محمد بن یعقوب کلینی کے متعلق یقینی امر یہی ہے کہ وہ تحریف اور نقصان قرآن میں تسلیم کرتا ہے۔ کیونکہ انہوں نے اپنی کتاب الکافی میں اس مضمون کی روایات درج کی ہیں اور ان پر جرح وقدح نہیں کی باوجودیکہ اس نے اپنی کتاب کے آغاز میں تصریح کی ہے کہ وہ اپنی اس کتاب میں منقول ومروی روایات کو قابل وثوق اور قابل اعتماد سمجھتا ہے۔ اسی طرح کلینی کے شیخ اور استاد علی بن ابراہیم القمی کا عقیدہ بھی یہی ہے کیونکہ انکی تفسیر ایسی روایات سے بھری پڑی ہے اور وہ اس مسئلہ میں بہت غلو سے کام لینے والے ہیں۔ اور اسی طرح شیخ احمد بن ابی طالب الطبرسی کا اعتقاد بھی یہی ہے اور وہ ان دونوں کے نقش قدم پر چلے ہیں۔

نامہ نگار الموسوی نے اس زمرہ میں شامل لوگوں میں سے چند کی نشان دہی کرتے ہوئے کہا:

واما الخاصة فقد تسالموا علی عدم الزیادة فی القرآن بل ادعی الاجماع علیہ واما النقیصة فانہ ذھب جماعة من العلماء الامامیة الی عدمہا ایضاً وانکروہا غایة الانکار کالصدوق والسید المرتضی وابی علی الطبرسی فی "مجمع البیان" والشیخ الطوسی فی "التبیان" ولکن الظاھر من کلمات غیرھم من العلماء والمحدثین المتقدمین منہم والمتأخرین القول بالنقیصة کالکلینی والبرقی والعیاشی والنعمانی وفرات بن ابراھیم واحمد بن ابی طالب الطبرسی صاحب الاحتجاج والمجلسی والسید الجزائری والحر العاملی والعلامة الفتونی والسید البحرانی ۔ (صفحہ ۲۳)

لیکن شیعہ نے اس پر تو مسالمت اور اتفاق کیا ہے کہ اس قرآن میں زیادتی نہیں کی گئی (اول یہ خلاف واقع ہے جیسے کہ احتجاج طبرسی کی زندیق والی طویل روایت سے واضح ہو چکا ہے) بعض نے اس پر اجماع کا دعویٰ بھی کیا گیا ہے (اگرچہ غلط ہے) رہا اس میں کمی اور نقصان کا مسئلہ تو اگرچہ علماء امامیہ کی ایک جماعت قلیلہ اس کی انکاری ہے ۔ اور اس پر سخت رد کرنے والی جس طرح شیخ صدوق السید المرتضیٰ ابو علی الطبرسی صاحب مجمع البیان اور شیخ طوسی صاحب التبیان لیکن ان (چار علماء) کے علاوہ تمام علماء محدثین ۔ متقدمین و متاخرین کے کلمات سے جو امر قطعی اور یقینی طور پر ثابت ہے وہ نقص اور کمی کا اس میں پایا جانا ہے اور کلینی، برقی ۔ عیاشی ۔ نعمانی ۔ فرات بن ابراہیم ۔ احمد بن ابی طالب طبرسی، مجلسی، سید جزائری، الحر العاملی ۔ علامہ فتونی اور السید البحرانی اور اس قسم کے اکابر اور فحول اسی کے قائل ہیں ۔

وقد تمسکوا فی اثبات مذھبھم بالآیات والروایات التی لا یمکن الاغماض عنہا ۔

انہوں نے اپنے مذہب کو ثابت کرنے کے لئے قرآن مجید کی ایسی آیات اور روایات سے استدلال اور تمسک کیا جن سے آنکھیں بند کرنا ممکن نہیں ہے ۔

کثرت روایات تحریف اوران کا مشہور و متواتر ہونا:

اس ضمن میں ذرا نعمت اللہ الجزائری اور دیگر اکابر شیعہ کا فرمان بھی سنتے چلیں اور ان روایات کی تعداد کا اندازہ بھی لگاتے چلیں:

قال السید الجزائری فی بعض المؤلفات الاخبار الدالة علی ذلک تزید علی الفی حدیث وادعی استفاضتها جماعة کالمفید والمحقق الداماد والعلامة المجلسی وغیرهم بل الشیخ ایضا صرح فی التبیان بکثرتها بل ادعی تواترها جماعة۔

نعمت اللہ الجزائری نے اپنی بعض تالیفات میں تصریح کی ہے کہ تحریف قرآن پر دلالت کرنے والی روایات دو ہزار سے زیادہ ہیں اور علماء شیعہ کی ایک جماعت نے جن میں شیخ مفید، محقق داماد اور علامہ مجلسی وغیرہم داخل ہیں انہوں نے ان روایات کے مستفیض اور مشہور ہونے کا دعویٰ کیا ہے بلکہ شیخ صدوق نے خود ان کی کثرت کا اعتراف کیا ہے بلکہ ایک جماعت علماء نے ان کے تواتر کا دعویٰ کیا ہے۔

(فصل الخطاب فی تحریف کتاب رب الارباب صـ۲۵۱)

روایات تحریف کا کتب معتبرہ میں منقول ہونا:

یہ امر بھی ذہن نشین رہے کہ تحریف پر مشتمل روایات کوئی معمولی اور غیر مستند کتب میں منقول نہیں ہیں بلکہ جن کتابوں پر مذہب شیعہ کا دارومدار ہے ان کتابوں میں مذکور و منقول ہیں۔ واعلم ان تلک الاخبار منقولة من الکتب المعتبرة التی علیها معول اصحابنا فی اثبات الاحکام الشرعیة والآثار النبویة۔

(فصل الخطاب صـ ۲۵۲)

صرف ایک کتاب یعنی کتاب القرات مصنفہ احمد بن محمد سیاری کی روایات پر

اعتراض ہو سکتا ہے۔ لیکن شیخ جلیل محمد بن العباس بن ماہیار کا اپنی تفسیر میں اس کی روایات نقل کرنا اسے معتمد علیہ بنا دیتا ہے اور کچھ نہ ہو تو بطور استشہاد اس کی روایات کو پیش کرنے میں تو کلام ہی نہیں ہو سکتا۔

نوٹ: اس کے بعد حسین بن محمد تقی نوری صاحب فصل خطاب نے ص۲۵۳ سے لے کر ص۳۵۱ تک یعنی ننانوے صفحات پر ہر سورت کے متعلق تحریف پر مشتمل روایات درج کی ہیں جو وہاں پر ہی ملاحظہ فرمادیں۔

اقرار تحریف مذہب شیعہ میں ضرورت دینی ہے:

صاحب فصل الخطاب نے قائلین تحریف کی مردم شمار کرتے ہوئے کہا:

والشیخ ابوالحسن الشریف جد شیخنا صاحب الجواهر جعله فی تفسیره المسمی "مرأة الانوار" من ضروریات مذهب التشیع واکبر مفاسد غصب الخلافة بعد تتبع الاخبار وتصفح الآثار۔

یعنی من جملہ ان لوگوں کے جو تحریف کے قائل ہیں۔ الشیخ ابوالحسن الشریف بھی ہیں جو ہمارے صاحب الجواہر کے دادے ہیں انہوں نے اپنی تفسیر مرأۃ الانوار میں مسئلہ تحریف کو مذہب تشیع کے ضروریات سے قرار دیا ہے۔ اور غصب خلافت کے مفاسد میں سے سب سے بڑا مفسدہ قرار دیا لیکن محض دعویٰ اور خیالی حکم نہیں کیا بلکہ پوری طرح اخبار روایات اور آثار کا تتبع اور ان کی چھان پھٹک کرنے کے بعد۔

مقام غور ہے کہ جب عقیدۂ تحریف مذہب تشیع کے ضروریات اور لازمی تقاضوں سے ہے اور عقلائی قاعدہ ہے۔ اذا ثبت الشیئ ثبت بلوازمه یعنی جب شئے ثابت ہوتی ہے تو جمیع لوازم سمیت ثابت ہوتی ہے اور انتفاء اللازم یستلزم انتفاء الملزوم بھی عند العقلاء مسلم۔ قانون ہے تو یہ نتیجہ تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں کہ شیعہ مذہب برحق ہے تو عقیدۂ تحریف بھی برحق ہے اور عقیدہ تحریف باطل ہے تو شیعہ مذہب بھی باطل ہے

سالمیّت قرآن از تحریف محالات عادیہ سے ہے۔

صاحب فصل الخطاب نے اپنی کتاب کے صہ۱۰۶ پر قرآن کے تحریف سے مامون اور محفوظ ہونے کو بعید ترین قرار دیتے ہوئے جس زہر فشانی کا مظاہرہ کیا ہے اسے طوعاً نہیں تو کرہاً ہی سنتے چلئے۔

الحاصل من انصف من نفسه وامعن نظره فی حال القرآن و کیفیة نزوله منجما علی حسب حدوث الحوادث والوقائع فی طول بضع وعشرین سنة فی اماکن کثیرة متباعدة فی حال السفر والحضر وفی الغزوات وغیرها سرا وعلانية ثم سرح نظره واجال فکره فی حال القوم المباشرين لجمع القران الذین امنوا بالسنتهم ليحقنوا به دماء هم وهم بين جاهل غبي ومعاند غوي ولاه عن الدنيا وتاه فی شيع الاولین وصارف همته فی ترويج كفره وجبار يخاف من مخالفة نهيه وامره وليس فيهم من يرجى خيره ويؤمن شره لا يكاد يشك انهم اخس قدرا واعجز تدبيرا واضل سبيلا واخسر عملا واجهل مقاما واشر مكانا واسفه رأيا واشقى نظرة من ان يقدروا ويوفقوا على تاليف تمام ما انزل فی تلك المدة على النحو الذی اراد الله من غير ان ينقص منه شئ او يزيد فيه حرف او يؤخر مقدم ويقدم مؤخر۔ فصل الخطاب ص۱۰۶

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جو بھی اپنے نفس سے انصاف کرے اور قرآن کی حالت اور اس کی کیفیت نزول میں نظر غائر سے دیکھے جو تھوڑا تھوڑا کرکے تئیس سال کے طویل عرصہ میں حسب حوادث اور وقائع نازل ہوتا رہا ہے اور وہ بھی مختلف

مقامات میں اور متباعد مکانات میں کبھی سفر میں کبھی حضر میں کبھی میدان کارزار میں اور کبھی مقام امن و آشتی میں، کبھی علانیہ اور کبھی مخفی طور پر۔ اور ساتھ ہی ان لوگوں کے حالات پر بھی نظر ڈالے اور غور و فکر کرے جو اس قرآن کو جمع کرنے کے درپے ہوئے جو (بقول رافضی) محض زبانی ایمان کے دعوے دار تھے تاکہ اپنے خون کا تحفظ کریں اور ان میں بعض جاہل و غبی ہیں تو بعض معاند اور گمراہ۔ کچھ دین سے غافل اور کچھ پہلی اقوام کے عادات و اطوار میں سرگرداں۔ کئی اپنی ہمت کو صرف اپنے کفر کی ترویج میں صرف کرنے والے ہیں اور کئی جابر و قاہر تھے جن کے امر و نہی کی مخالفت کسی کے لئے ممکن نہیں ہوتی تھی اور ان میں ایسا کوئی بھی نہیں تھا جس سے خیر اور بھلائی کی توقع کی جا سکے یا اس کے شر سے محفوظ رہا جا سکے تو اندریں حالات کسی کو کیسے شک ہو سکتا ہے کہ یہ لوگ اس سے کمتر مرتبہ کے ہیں اور اندوئے تدبیر عاجزترین اور مکان کے لحاظ سے بدترین، رائے میں سب سے کم عقل اور فطرت کے اعتبار سے سب سے بدبخت (العیاذ باللہ) تو ان کو یہ قدرت کہاں نصیب اور انہیں یہ توفیق کہاں میسر کہ وہ تمام منزل قرآن کو تھوڑی سی مدت میں اللہ تعالےٰ کے ارادہ کے مطابق جمع کرلیں بغیر کسی کمی و بیشی کے یا تقدیم مؤخر اور تاخیر مقدم وغیرہ کے اور اسی فصل الخطاب کے صہ۹۷ پر نوری طبرسی یوں رقمطراز ہیں۔

الدلیل الثانی ان کیفیۃ جمع القرآن و تالیفہ مستلزمۃ عادۃ لوقوع التغییر والتحریف فیہ وقد اشار الی ذلک العلامۃ المجلسی فی مرأۃ العقول حیث قال والعقل یحکم بانہ اذا کان القرآن متفرقا منتشرا عند الناس وتصدی غیر المعصوم لجمعہ یمتنع عادۃ ان یکون جمعہ کاملا موافقا للواقع۔

یعنی تحریف کی دوسری دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید کے جمع و تالیف کی کیفیت از روئے عادت تغییر و تحریف کے وقوع و تحقق کو مستلزم ہے اور اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے علامہ مجلسی نے مرآۃ العقول میں کہا کہ عقل اس امر کا حکم کرتی ہے کہ جب قرآن لوگوں کے پاس متفرق اور منتشر طور پر موجود ہو اور پھر غیر معصوم اس کے جمع و ترتیب کے درپے ہو تو از روئے عادت ممتنع اور محال ہے کہ وہ کامل طور پر جمع ہو جائے اور واقع کے مطابق مرتب ہو سکے۔

الغرض شیعہ کے نزدیک مؤلفین کی حالت کو نزول قرآن میں مقامات کے تعدد و تخالف کے پیش نظر اور پھر قرآن مجید کے لوگوں کے پاس متفرق و منتشر ہونے کا لحاظ کرتے ہوئے عادتاً محال و ممتنع ہے کہ اس میں تحریف نہ ہو اور تقدیم و تاخیر اور کمی و بیشی موجود نہ ہو اور یہ عقلاء کے ہاں مسلّم امر ہے کہ محال عادی عدم وقوع میں محال بالذات کے ساتھ موافق ہوا کرتا ہے جس طرح محال بالذات موجود نہیں ہوتا محال عادی بھی موجود نہیں تھا۔

خلاصہ مبحث:

الحاصل عقل و نقل اور کتاب و سنت اور اجماع اہل تشیع اور علی الخصوص ائمہ اہلبیت کی روایات جو کتب مندا ولہ معتبرہ سے منقول ہیں اور وہ بھی مشہور و مستفیض بلکہ متواتر تحریف کے وقوع پر متفق ہیں اور یہ نظریہ مذہب شیعہ میں ضروریات دین سے تو پھر اس کے انکار کی کیا گنجائش بلکہ تحریف پر ایمان ہوگا تو مذہب تشیع پر ایمان ہوگا اور تحریف کا منکر ہوگا تو مذہب تشیع کا منکر ہوگا

ائمہ کے بغیر اصل قرآن کا جمع کرنا ممکن ہی نہیں:

مذہب اہل تشیع کے مطابق پورا قرآن صرف ائمہ کے علم اور حافظہ میں محفوظ تھا اور یہ انہی کے خصائص سے ہے لہذا جو جمع کیا گیا وہ چونکہ ائمہ کا جمع کردہ نہیں۔ لہذا کامل نہ ہوا اور جو ائمہ کا جمع کردہ ہے وہ آجتک امت کو دیکھنا نصیب ہی نہیں ہوا لہذا مذہب شیعہ کی رو سے

موجودہ قرآن کسی طرح کامل تصور نہیں کیا جا سکتا۔

۱۔عن جابر قال سمعت ابا جعفر علیہ السلام یقول ما ادعی احد من الناس انہ جمع القرآن کلہ کما انزل الا کذاب وما جمعہ وما حفظہ کما نزلہ اللہ الا علی بن ابی طالب والائمۃ من بعدہ۔

جابر سے مروی ہے کہ امام ابو جعفر محمد باقر کو میں نے فرماتے ہوئے سنا کہ نہیں دعویٰ کیا کسی شخص نے کہ اس نے تمام قرآن کو جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا اس کے مطابق جمع کیا مگر کذاب اور جھوٹے شخص نے اور اسے اللہ تعالیٰ کی تنزیل کے مطابق صرف اور صرف حضرت علی بن ابی طالب اور ان کے بعد والے آئمہ نے جمع اور حفظ کیا ہے۔

۲۔عن ابی جعفر انہ قال۔ مایستطیع احد ان یدعی ان عندہ جمیع القرآن کلہ ظاہرہ وباطنہ غیر الاوصیاء۔

کوئی شخص یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اس کے پاس تمام قرآن ظاہر اور باطن کے لحاظ سے محفوظ ہے ماسوائے اوصیاء اور ائمہ کے۔

اصول کافی باب لم یجمع القرآن کلہ الا الائمۃ مطبوعہ تہران ص ۲۲۸ جلد اوّل

جب دعویٰ بھی کافی میں یہی کیا گیا کہ پورے قرآن کو سوائے ائمہ کے کسی نے جمع نہیں کیا اور اس ضمن میں چھ روایات ذکر کی گئیں تو واضح ہو گیا کہ عند الشیعہ ائمہ کے علاوہ جو بھی قرآن جمع کرے گا وہ قطعاً کامل نہیں ہو سکتا لہذا شیعہ ہونا اور اس قرآن کو کامل ماننا باہم متناقض ہیں۔

اہل تشیع کا تحریف قرآن پر اجماع واتفاق:

ناسخ التواریخ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ۳۱ھ ہجری میں قرآن مجید کو لغت قریش پر جمع کرنے کا تفصیلی حال لکھنے کے بعد مصنف اپنا عقیدہ بیان کرتے ہوئے کافی کلینی اور دیگر کتب سے چند روایات نقل کرنے کے بعد لکھتا ہے۔

مردم شیعی چنان دانند کہ در قرآن بعضے آیات را کہ دلالت بر نص خلافت علی مے داشتہ و از فضائل اہل بیت می بودہ ابوبکر و عمر (رضی اللہ عنہما) ساقط ساختند واز یں روئے آن قرآن کہ علی فراہم آوردہ بود بپذیر فتند وآں قرآن جز در نزد قائم آل محمد دیدہ نشود و ہمچنان عثمان نیز از آنچہ ابوبکر و عمر داشت نیز لختے بکاست۔ ناسخ التواریخ جلد دوم کتاب دوم ص ۴۹۲، ۴۹۳

شیعہ لوگ اس طرح جانتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ قرآن مجید کی بعض ایسی آیات جو خلافت علی رضی اللہ عنہ پہ نص صریح تھیں اور فضائل اہل بیت کے قبیل سے تھیں ابوبکر اور عمر نے انکو ساقط کر دیا اور حذف کیا اور یہی وجہ ہے کہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا لایا ہوا قرآن قبول نہ کیا اور وہ قرآن سوائے قائم آل محمد کے کسی کے پاس نہیں دیکھا جا سکتا اور اسی طرح عثمان نے بھی اس قرآن سے جو ابوبکر و عمر رکھتے تھے مزید کمی کر دی (گویا یک نشد دو شد۔ محمد اشرف)

اس عبارت سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آگئی جو بھی شیعہ ہے وہ اس عقیدہ کا مالک ہے اور پھر خاص دلیل بھی اس پر پیش کر دی گئی کہ حضرت علیؓ کا قرآن آخر قبول نہ کرنے کی کیا وجہ ہو سکتی تھی ماسوا ء تحریف کے لہذا یا تحریف تسلیم کرنی پڑے گی اور یا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے جمع کردہ قرآن میں اضافہ ماننا پڑے گا اور مزید برآں یہ کہ شیعہ مؤرخ نے دو مرتبہ تحریف ثابت کر دی۔

ڈھکو صاحب کہتے ہیں کہ یہ برادران یوسف کا ہم پر بہتان ہے۔ اب بتلائیں کہ ناسخ التواریخ بھی ہماری لکھی ہوئی ہے۔ اور لطف یہ ہے کہ اس نے بعض مردم شیعی بھی نہیں کہا جس سے صاف ظاہر ہے کہ حقیقی عقیدہ وہی ہے جو ناسخ التواریخ میں بیان کیا گیا ہے لیکن ڈھکو صاحب نے جناب نوازش علی شاہ صاحب کا عطیہ ہضم کرنے کے لیے کچھ نہ کچھ لکھنا تھا لہذا تقیہ بزدے کار لاتے ہوئے صاف جھوٹ بول دیا اور پیسہ بھی ہضم کیا اور ساتھ ہی ثواب بھی کمایا۔

تحریف القرآن

الجواب بعون اللہ الوہاب:

یہ بات محتاج بیان نہیں ہے کہ شیعان علی اپنے پیشواؤں کی مقدس تعلیم کی روشنی میں موجودہ قرآن مجید کو ہر قسم کے نقص و عیب سے پاک. خدائے قدوس کی آخر الہامی کتاب اور پیغمبر اسلام کا معجزہ خالدہ مانتے ہیں اور اسے پورے عالم امکان کی رشد و ہدایت کے لئے خدا کا عجیب دستور العمل جانتے ہیں اور اس کی تعلیم و تعلّم اور اس کے اکرام و احترام کو جزو ایمان سمجھتے ہیں اور ہمارے متعلق تحریف کا عقیدہ رکھنے کا محض برادران یوسف کی طرف سے الزام ہے۔

(ص: ۲۵)

فصل دوم

ائمہ طاہرین کے موجودہ قرآن کے متعلق ارشادات:

ان اجمالی حقائق کی ذیل میں قدرے وضاحت کی جاتی ہے:

۱۔ تفسیر صافی ص۱۱ پر حضرت امیر المومنینؑ اور طلحہؓ کا ایک مکالمہ درج ہے جس سے اس مدعا کی حرف بحرف تائید ہوتی ہے جناب امیر، طلحہ سے دریافت کرتے ہیں:

"مجھے یہ بتاؤ جو قرآن عمر و عثمان نے لکھوایا ہے آیا وہ پورے کا پورا قرآن ہے یا اس میں کچھ قرآن کے علاوہ بھی ہے؟ طلحہ نے کہا "بل قرآن کلہ" بلکہ وہ پورا قرآن ہے۔ آنجناب نے فرمایا۔ اگر تم اس قرآن پر عمل کرو گے تو جہنم

سے نجات پاؤ گے اور جنت میں داخل ہو جاؤ گے کیونکہ اسی قرآن میں ہماری حجت، ہمارے حقوق اور اطاعت کے واجب ہونے کا بیان ہے؟

یہ سن کر طلحہ نے کہا جب یہ قرآن رہ پڑا ہے تو میرے لئے کافی ہے۔؟

۲۔ نیز تفسیر صافی صفحہ پر بحوالہ اصول کافی باسناد سالم بن مسلمہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے انجناب نے سالم سے فرمایا اس طرح قرآن پڑھو جس طرح عام لوگ پڑھتے ہیں۔

۳۔ تفسیر صافی صفحہ پر امام حسن عسکری سے مروی ہے فرمایا۔ یقیناً یہ قرآن خدا کا واضح نور اور محکم رسی ہے۔ جو شخص اس کے ساتھ تمسک کرے گا خدا اسے (آتش جہنم) سے چھڑائے گا اور جو شخص اس کے احکام سے علیحدگی نہیں کرے گا خدا اسے بلندی عطا کرے گا۔ (ص: ۴۵، ۴۶)

تحفہ حسینیہ ——— محمد اشرف السیالوی

فصل اول میں ڈھکو صاحب نے صرف شاعری، تعلیوں اور کھوکھلے دعووں سے کام لیا فصل دوم میں موجودہ قرآن پر اپنا ایمان ثابت کرتے ہوئے تین روایات ذکر کی ہیں، ہم ذیل میں ان پر بحث کریں گے اور قارئین کرام کو معلوم ہو جائے گا کہ یہاں ڈھکو صاحب نے آباؤ اجداد کی اقتداء کرتے ہوئے مکمل طور پر تقیہ اور فریب کاری سے کام لیا ہے اور حقائق کا منہ چڑایا ہے اور ناقابل تردید دلائل کے سامنے اپنی بے بسی کا اظہار کیا ہے۔

پہلی روایت اور اس کا جواب:

تفسیر صافی کے حوالہ سے طلحہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کا مکالمہ درج کیا ہے جسے ہم تتمہ مبحث میں بالتفصیل عرض کر چکے ہیں ذرا تکلیف فرما کر دوبارہ نظر ڈال لو اور ڈھکو صاحب کی دوپہر کے اجالے میں اندھیر نگری ملاحظہ و مشاہدہ کر لو۔ دعویٰ تو کیا کہ موجودہ قرآن ہر قسم کے نقص اور عیب سے پاک ہے۔ اور دلیل وہ پیش کی جو اس دعوی کے سراسر مخالف یعنی شہداء یمامہ کے پاس

جو قرآن تھا دوسروں کے پاس نہیں تھا ان کے شہید ہونے سے پہلے پہل تو وہ حصہ ضائع ہو گیا پھر ایک صحیفہ بکری کھا گئی وہ بھی ضائع ہو گیا۔ سورہ احزاب، سورہ نور اور سورہ حجر کی بہت سی آیات چلی گئیں اور اصلی قرآن حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس تھا وہ آپ نے ظاہر نہ کیا اور طلحہ کے بار بار اس قرآن کے ظاہر کرنے کے مطالبہ کو حضرت علی نے دیدہ دانستہ ٹال دیا اور بالآخر طلحہ سے دریافت کیا کہ جو کچھ عمر و عثمان نے جمع کیا وہ قرآن ہے۔ یا اس میں اضافہ کیا گیا ہے تو اس نے کہا نہیں یہ تو قرآن ہے تو آپ نے اس پر عمل کو موجب نجات قرار دیا لیکن اس کا تو صرف اور صرف یہ مطلب ہے کہ جو کچھ رہ گیا وہ بھی قرآن ہے نہ کہ یہ مکمل ہے اور ہر نقص اور عیب سے پاک لہذا دعویٰ اور دلیل میں قطعاً کوئی مطابقت نہیں۔

۲۔ نیز صاحب تفسیر صافی نے اسی روایت کو مقدمہ سادسہ میں اس دعوی کی دلیل بنایا ہے کہ قرآن کے جمع کرتے وقت اس میں تحریف کی گئی اور اس میں نقصان اور زیادتی بھی پائی گئی"

"اور اس کے اثبات میں جو روایات درج کی ہیں۔ ان میں سے یہ آٹھویں روایت ہے۔ اگر ملا محسن کاشانی صاحب تفسیر صافی کا اس روایت سے استدلال ٹھیک ہے تو ڈھکو صاحب نے فریب کاری کا مظاہرہ کیا ہے اور اگر اس کا استدلال ٹھیک ہے تو صاحب تفسیر نے جہالت کا یا بے ایمانی کا مظاہرہ کیا۔

۳۔ اس روایت کے آخر میں ہے کہ طلحہ نے دریافت کیا کہ آخر تمہارے پاس جو قرآن اور اس کی تاویل وغیرہ ہے تو وہ کس کے حوالے کرو گے تو آپ نے فرمایا میں اپنے بیٹے حسن کو دوں گا وہ اپنے بھائی حسین کو اور یہ سلسلہ اوصیاء میں چلتا رہے گا تاکہ مہدی موعود اور قائم آل محمد کے پاس پہنچے گا اور پھر وہ اس کو لے کر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حوض کوثر پر وارد ہوں گے نہ وہ قرآن سے جدا ہوں گے اور نہ قرآن ان سے جدا ہوگا۔

تو ظاہر ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو جمع کرنے کے لئے دیا تھا اگر وہ قرآن اصلی ہے تو یہ نہیں اور یہ اصلی ہے تو وہ نہیں۔ وہ بارگاہ رسالت میں باریاب

ہونا ہے تو یہ نہیں اور یہ ہوتا ہے تو وہ نہیں بہرحال اسی روایت میں دونوں قرآنوں کا علیحدہ ہونا اور موجودہ کا ناقص ہونا اور بارگاہ نبوت میں باریابی سے محروم ہونا ثابت ہے تو اس کو بطور حجت و دلیل پیش کرنا سراسر سینہ زوری اور بدترین دھوکہ دہی اور فریب کاری ہے ۔

موجودہ قرآن کے ساتھ تمسک صرف مجبوری کے تحت ہے

۴۔ طلحہ کے تحسبی اذ کان قرآناً" کا از روئے سیاق و سباق صرف اور صرف یہی معنی ہے کہ اگر اصلی فی الحال دستیاب نہیں تو چلو اسی سے گزارہ چلاتا رہوں گا جس طرح انگریز کے بعد سے مدتوں اسی کے دستور اور آئین و قانون سے ہم ملک چلاتے رہے لیکن اسکا یہ مطلب تو نہیں کہ ہمارے عقیدہ میں یہ دستور ہر طرح کے نقص اور عیب سے پاک ہے اور ڈھکو صاحب نے جو" اقرأ کما یقرء الناس" والی روایت درج کی ہے اسی کا بھی یہی مفہوم ہے کہ اس قرآن سے گزارا چلاتے رہو اور اس قرآن کے قائلین کے ساتھ موافقت کئے رکھو جب تک کہ مہدی اور قائم کا ظہور نہیں ہوتا لہٰذا اس قسم کی روایات کو پیش کرنا تقیہ کا عظیم ترین شاہکار ہیں ۔

دوسری روایت اور اس کا جواب ۔

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا اس طرح پڑھو جس طرح لوگ پڑھتے ہیں۔ بحوالہ تفسیر صافی صنا ۔

یہاں بھی ڈھکو صاحب نے مکمل بددیانتی کا مظاہرہ کیا ہے۔ تفسیر صافی کے مقدمہ سادسہ (جو بیان تحریف اور نقص و زیادت کے لئے مختص ہے) اس میں مذکور روایات میں سے یہ ہے کہ امام موصوف نے ایک شخص کو قرأت کرتے ہوئے سنا جو عام لوگوں کی قرأت سے مختلف تھی تو آپ نے فرمایا کف عن ھذہ القراۃ اس قرأت سے باز رہو اور مہدی کے ظہور سے پہلے لوگوں کی موافقت کر کے وقت گزارو فاذا قام القائم قرء کتاب اللہ

علی حدہ جب حضرت مہدی ظاہر ہوں گے تو وہ قرآن کو درست طریقہ پر پڑھیں گے در یہ فرماکر امام نے حضرت علی رضی اللہ عنہ والا مصحف نکالا جس کے متعلق آپ نے فرمایا "ھذا کتاب کما انزلہ اللہ علی محمد قد جمعتہ بین اللوحین" یہ ہے اصلی قرآن جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کو نازل کیا میں نے اس کو دو تختیوں کے درمیان جمع کر دیا ہے۔

نوٹ:

یہ روایت ہم نے تتمہ میں تیسری جگہ پر مفصل ذکر کی ہے اسے اچھی طرح مطالعہ کر لیں اور خود ہی فیصلہ کریں کہ کیا اس قرآن کو اس روایت کے پس منظر میں بے عیب اور تحریف و تغیر سے منزہ ماننا کہاں تک درست ہے۔

۲۔ تفسیر صافی سے ڈھکو صاحب اس کو نقل کر رہے ہیں، انہوں نے عیب ثابت کرنے کے لئے اس کو ذکر کیا اور ڈھکو صاحب نے موجودہ قرآن کو بے عیب ثابت کرنے کے لیے ذکر کیا اور یہ حقیقت ڈھکی چھپی نہیں کہ ان دو میں سے ایک نے بددیانتی اور تقیہ بازی کا مظاہرہ ضرور کیا ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ڈھکو صاحب نے دن دہاڑے ملا محسن کاشانی پر ڈاکہ ڈالا اور اسے اپنی پونجی سے محروم کرنے کی سعی لاحاصل کی۔

بہر حال حقیقت حال ناظرین پر واضح ہے کہ اس روایت میں وقت گزاری اور زمانہ سازی کا درس ہے سہ چلو تم ادھر کو ہوا ہو جدھر کی۔

نہ یہ کہ اصلی قرآن یہ ہے:

تیسری روایت اور اسکا جواب:

تفسیر صافی صہ سے امام حسن عسکری سے یہ روایت نقل کی ہے جس میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا۔

۱۔ کہ یہ قرآن خدا کا واضح نور اور محکم رسی ہے لیکن اس استدلال میں بھی یا مکمل جہالت کا مظاہرہ ہے اور یا مکاری اور فریب کاری کا کیونکہ یہ قرآن جس میں ہمارا کلام ہے یہ تو بہر حال اس وقت موجود نہیں تھا اسے تو اساسی طور پر ابو بکر صدیق کے دور میں جمع و تدوین اور

ترتیب وتالیف کا موقعہ ملا اور وہ بھی جنگ یمامہ میں کثیر التعداد قراء کے شہید ہونے کے بعد اور دوبارہ قراآت متعددہ کو حذف کرکے لغت قریش پر جمع ہونے کا موقعہ ملا تو حضرت عثمان رضی کے ہاتھوں بلکہ حضرت زید بن ثابت کے ہاتھوں حضرت عثمان کے حکم سے۔

اور جو قرآن رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھا وہ آپ نے وصال شریف کے قریب حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے حوالے فرمایا اور پھر ایک مرتبہ تو وہ ظاہر کیا گیا اور قوم کے قبول نہ کرنے پر اس کو ہمیشہ کے لئے غائب کر دیا گیا اور اب اس کو صرف مہدی علیہ السلام کے دور میں ظہور نصیب ہوگا۔

۲۔ تحریف ہے یا نہیں ہے یہ اختلاف ہی اسی قرآن میں ہے جو بعد میں تیار کیا گیا لہذا زمانہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود قرآن کے اوصاف و کمالات اس متنازعہ فیہ پر کیسے چسپاں ہو سکتے ہیں بلکہ شیعہ صاحبان کے نزدیک یہ امام غائب کے پاس موجود قرآن کے صفات ہیں۔

صاحب تفسیر صافی نے موجودہ قرآن کے محرف ومبدل ہونے کا اثبات کر کے ان روایات کا جواب دیتے ہوئے کہا جن میں قرآن سے تمسک اور ہدایت حاصل کرنے وغیرہ وغیرہ کا حکم ہے جن سے اصلی قرآن کا موجود ہونا لازمی طور پر ثابت ہوتا ہے۔

اقول یکفی فی وجودہ فی کل عصر وجودہ جمیعا کما انزل اللہ محفوظا عند اھلہ و وجود ما احتجنا الیہ منہ عندنا وان لم نقدر علی الباقی کما ان الامام کذلک فان الثقلین ۔ ان فی ذلک ۔ مقدمہ تفسیر صافی صہ ۱۱)

یعنی اس قرآن کے ہر زمانہ میں موجود ہونے کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ مکمل طور پر اور کما انزل اللہ تو موجود ہو اپنے اہل کے پاس اور اس کے اعمال کے لیے ضروری حصہ ہمارے پاس موجود ہو اگرچہ باقی حصہ پر ہم قدرت نہ رکھتے ہوں جیسے کہ خود امام صاحب زمان کا حال بھی یہی ہے (کہ بارہ صدیوں سے بھی زیادہ عرصہ ہوا کہ غائب ہے اور اس کے سفراء اور نائبین کے ذریعے کام چلا رہے ہیں اور گزارا کر رہے ہیں) کیونکہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ثقلین یعنی کتاب اللہ اور عترت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک سطح پر رکھتے ہوئے فرمایا گیا ہے انی تارک فیکم الثقلین ۔ ما ان تمسکتم بھما لن تضلوا کتاب اللہ وعترتی اھل بیتی

وانھما لن یتفرقا حتی یردا علی الحوض "بے شک تمہارے اندر دو قیمتی چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں جب تک تم ان کے دامن سے وابستہ رہو گے ہرگز گمراہ نہیں ہو گے اور وہ ہیں کتاب اللہ اور میری عترت اہل بیت اور وہ دونوں ہرگز جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ اکٹھے میرے پاس حوض کوثر پر وارد ہوں گے۔

اقول گویا جب امام مخفی ہے تو قرآن اصلی بھی مخفی۔ حدیث شریف کی رو سے قرآن اور اہل بیت جدا نہیں ہو سکتے تو جہاں امام وہیں قرآن اور جس طرح اصلی امام کی موجودگی میں دوسرے لوگوں کے ذریعے گزارا چلایا جاتا رہا ہے اس امید پر کہ کبھی تو غار سر من رای سے نکلیں گے اسی طرح موجودہ قرآن سے بھی گزارا چلایا جاتا رہا ہے۔ اس توقع پر کہ کبھی تو صاحب زمان اصلی قرآن لائیں گے۔

اب فرمائیے ڈھکو صاحب تمہاری دلیل سے تمہارا دعویٰ کیسے ثابت ہوا جبکہ تمہارے مفسر نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمارے اندر چھوڑے ہوئے ثقلین اہلبیت اور قرآن دونوں کو غار میں اکٹھا کر دیا ہے۔ آپ کو تمام تر اپنے ذخیرہ کتب میں سے صرف تین روایات پیش کرنی ممکن ہوئیں اور ان میں بھی سراسر تلبیس واشتباہ اور مغالطہ دہی اور فریب کاری سے کام لیا اور ان کو محل نزاع سے دور کا بھی واسطہ نہیں تھا۔ اسی بل بوتے پر تعلیوں۔ شیخیوں کا اظہار کیا تھا اور اپنی دلائل کی مخموری میں شاعری پر اتر آئے تھے ؂

نہ خنجر اٹھے گا نہ تلوار ان سے - یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں

اگر علامہ ڈھکو صاحب نے اپنی کتابوں کا بغور مطالعہ کیا ہوتا تو ایسی بچگانہ حرکات نہ کرتے اور نہ ایسی دلیلیں پیش کرتے۔ ان کے مقتدا امام اور مفسر اعظم نے قول باری تعالیٰ: "یوم تبیض وجوہ وتسود وجوہ" کے تحت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب روایت ان الفاظ میں درج کی ہے تفسیر قمی جلد اول ص۱۰۹ یرد علی امتی یوم القیامۃ علی خمس رایات (الی) فیقولون اما الاکبر فحرفناہ ونبذناہ وراء ظھورنا (الی) اما الاکبر فحرفناہ ومزقناہ وخالفناہ۔ خلاصہ یہ کہ میری امت پانچ اعلام کے نیچے پانچ قائدین کی قیادت میں پانچ گروہوں پر منقسم ہو کر میرے پاس پہنچے گی ایک علم اس امت کے

عجل (نعوذ باللہ) (حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) کے ساتھ ہو گا میں اس جماعت سے دریافت کروں گا میں نے تمہارے اندر دو قیمتی چیزیں چھوڑی تھیں تم نے ان کے ساتھ کیا سلوک کیا تو وہ کہیں گے کہ ثقل اکبر یعنی قرآن میں ہم نے تحریف کی اور اس کو اپنی پیٹھوں کے پیچھے پھینک دیا پھر دوسرا جھنڈا اس امت کے فرعون (نعوذ باللہ) یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہو گا تو میں اس کی قیادت میں آنے والی جماعت سے دریافت کروں گا کہ میرے چھوڑے ہوئے ثقلین کے ساتھ تم نے کیا سلوک کیا تو وہ کہیں گے ہم نے ثقل اکبر کو تحریف کا نشانہ بنایا اور اس کو پھاڑا اور اس کے احکام کی مخالفت کی۔

جب آپ کے اکابر کا دعویٰ یہ ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی ابوبکر و عمر کی طرف سے ثقل اکبر میں تحریف کا اعتراف و اقرار جو انہوں نے قیامت کے دن کرنا ہے ہمیں بیان فرما دیا تو اب غور طلب امر یہ ہے کہ قیامت کے دن نا کردہ گناہ کا اعتراف کون کر سکتا ہے وہاں تو کردہ گناہوں سے بھی مکرنے کی کوشش کی جائے گی جیسے کہ مشرک کہیں گے "واللہ ربنا ما کنا مشرکین" بخدا ہم تو مشرک نہیں تھے اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف غلط بیانی کی نسبت بھی نہیں ہو سکتی کیونکہ یہ موقع تقیہ کا بھی نہیں ہے۔ ورنہ ان کی خوبیاں بیان کی جائیں نہ خرابیاں تو قطعی طور پر تسلیم کرنا لازم ہو گیا کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ثقل اکبر اور قرآن مجید بزعم شیعہ ان دونوں حضرات کی طرف سے تحریف کا شکار ہو گیا تو ڈھکو صاحب بتلائیں کہ بزبان رسالت مآب اور باقرار خلفائے ثلاثہ پہلے پائی جانیوالی تحریفات کی ڈھکو صاحب تحریفاتی روایات سے نفی کیونکر ہو سکتی ہے تعجب کی جا ہے کہ قرآن جمع کرنے والے خود تسلیم کریں کہ ہم نے تحریف کی اور ان کا ڈھکو صاحب جیسا دشمن ان کی صفائی بیان کرے اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلانے کی کوشش کرے خدارا بتلایئے شیعہ مذہب کی کوئی کل سیدھی ہے؟

تنزیہہ الامامیہ

محمد حسین ڈھکو

فصل سوم

شیعہ علماء اور اعلام کی تصریحات

اگرچہ ائمہ اطہار کے ارشادات کے بعد مزید کسی ثبوت کی ضرورت تو باقی نہیں رہتی تاہم مزید اطمینان قلب کی خاطر بعض شیعہ اعلام کی تصریحات پیش کی جاتی ہیں۔

۱۔ رئیس المحدثین شیخ صدوق علیہ الرحمۃ اپنے رسالہ اعتقادیہ طبع ایران صہ۲۸ پر تحریر فرماتے ہیں۔ قرآن کے متعلق ہمارا ایمان یہ ہے کہ خداوند عالم نے پیغمبر اسلام پر جو قرآن نازل فرمایا وہ یہی ہے جو دو دفتیوں کے درمیان لوگوں کے ہاتھوں میں اس وقت موجود ہے اس کی ایک سو چودہ سورتیں ہیں جو شخص ہماری طرف یہ بات منسوب کرے کہ ہم موجودہ قرآن سے زائد کے قائل ہیں وہ جھوٹا ہے۔

۲۔ شیخ الطائفہ شیخ طوسی نے اپنی تفسیر التبیان (۳) امین الاسلام علامہ طبرسی نے اپنی تفسیر مجمع البیان (۴) افتخار المفسرین علامہ سید علی الحائری نے لوامع التنزیل (۵) علامہ سید ابوالقاسم الخوئی مجتہد اعظم نجف اشرف نے اپنی تفسیر البیان کے مقدمہ میں (۶) علامہ سید علی نقی نے مقدمہ تفسیر قرآن میں ان کے علاوہ سینکڑوں علماء اعلام نے اپنی اپنی کتابوں میں اس حقیقت کا اظہار کیا ہے کہ موجودہ قرآن مکمل ہے اس میں کسی قسم کی کوئی تحریف و تغیر واقع نہیں ہوئی۔ (ص ۲۶)

فصل سوم کا جواب: تحفہ حسینیہ محمد اشرف سیالوی

۱۔ ڈھکو صاحب کے پیش کردہ ارشادات ائمہ کی حقیقت تو آپ معلوم کر چکے اور اسکے

مقابل دو ہزار سے زیادہ شیعہ ساجان کی معتبر اور متداول کتابوں میں حضرت علی اور دیگر ائمہ سے منقول روایات مشہورہ اور متواترہ کا نمونہ بھی ملاحظہ کر چکے تو اب دو چار علماء کا نام گنوانے سے کیا فائدہ ہو سکتا؛ اور چار کو سینہ زوری سے سینکڑوں تک پہنچانا کس طرح کارآمد ہو سکتا ہے۔

۲۔ شیخ صدوق اور علم الہدیٰ المرتضیٰ سے پہلے جتنے علماء گزرے ہیں وہ سب تحریف اور تغیر و تبدل کے قائل ہوئے ہیں صرف شیخ صدوق نے سب سے پہلے تحریف کا انکار کیا تو بتلائیے ان سے قبل تین صدیوں تک جو تمہارا مذہب تھا وہ غلط تھا اور موجودہ صحیح ہے یا موجودہ غلط ہے اور سابقہ صحیح تھا؟

اگر پچھلا مذہب اور عقیدہ صحیح ہے تو سابقہ صدیوں پر محیط مذہب کو باطل تسلیم کرنا پڑے گا اور جب پہلی صدیوں کا باطل ہو گیا تو آخری صدیوں کا جو انہیں متقدمین کی روایات اور کتابوں پر مبنی ہے وہ کیسے صحیح ہو گا اور پھر قدامت کا دعویٰ بقائمی ہوش و حواس کیونکر ہو سکے گا۔

ظاہر ہے کہ مذہب کا ثبوت روایات اور احادیث سے ہی ہو سکتا ہے نہ کہ کسی عالم کے قول سے اور حضرت علی المرتضیٰ کی طرف منسوب روایات سے لے کر امام حسن عسکری تک کی روایات تحریف پر دلالت کرتی ہیں۔ بلکہ حضرت علی المرتضیٰ نے زندیق کے سوالات کا جواب دیتے ہوئے تحریف کو نصوص قرآن سے ثابت کیا۔ اور یاران رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے

یاد رہے:

شیخ صدوق کی ولادت تین سو چھ میں ۳۰۶ھ ہے اور وفات ۳۸۱ھ میں اور یہی پہلا شخص ہے جس نے تحریف قرآن کا انکار کیا ہے۔

٭

کے اعراض و انکار سے بھی کہ جو بارگاہ رسالتماب سے مجھے ملا اور بلا کم و کاست میں نے جمع کیا۔
وہ انہوں نے قبول نہ کیا جو اپنے مزعوم دعائم کفر کی ترویج کے لیے جاری کیا وہ ناقص تھا وغیرہ
بقول حسین بن محمد تقی نوری طبرسی صرف نو وجوہ سے ایک روایت میں تحریف پر استدلال کیا گیا
ملاحظہ ہو فصل الخصاب ص۲۴۰

۲۔ صدوق صاحب کہتے ہیں جس نے ہماری طرف موجودہ قرآن سے زائد آیات پر مشتمل قرآن اور اصلی منزل من اللہ کی نسبت کی وہ کاذب ہے تو ڈھکو صاحب ذرا ہوش سے کام لو ہم نے سنیوں کی کتابوں سے تو روایات پیش نہیں کیں۔ یہ سب آپ کے بلکہ شیخ صدوق اور علم المرتضیٰ کے اکابر کی کتابیں ہیں۔ اور ائمہ سے منقول ہیں تو آپ جھوٹا کس کو کہہ رہے ہو اگر وہ سچے ہیں تو صدوق صاحب اور تم جھوٹے اور اگر تم سچے ہو تو تمہارے مذہب تحریف کدھر سے آ گیا مستقل کتابیں تحریف کے موضوع پر تم لکھو تفاسیر میں ابواب اس موضوع پر تم قائم کرو اور پھر بھولے بھالے بن کر کہہ دو جو ہمارے متعلق یوں کہے وہ کاذب ہے تو سہ

اتنی نہ بڑھا پاکئی داماں کی حکایت
دامن کو ذرا دیکھ ذرا بند قبا دیکھ

کیا شیعہ صاحبان اس حقیقت کا انکار کر سکتے ہیں کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الوصال میں قرآن مجید حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حوالے فرمایا اور انہوں نے جمع کر کے صحابہ کرام کو دکھلایا لیکن انہوں نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اگر زمانہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں مجموع ہوتا تو بعد از وصال جمع کرنے کی ضرورت کیوں پڑتی اور جب مکمل آیات پر مشتمل مجموعہ صرف رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھا خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس بھی نہیں تھا حالانکہ کاتبانِ وحی کے سردار تھے تو کسی دوسرے کے پاس بھی یقیناً نہیں تھا تو حضرت علی کا نبوی مجموعہ سے جمع کردہ قرآن ظاہر ہی نہ ہو سکا اور جو ظاہر ہوا اس میں حضرت علی کو شامل ہی نہ کیا گیا تھا پھر سالمیت کی کیا ضمانت رہ گئی ؟ لہٰذا ان علماء کا یہ قول کسی روایت اور واقعی دلیل پر مبنی نہیں بلکہ ذلت و رسوائی اور جگ ہنسائی سے بچنے کے لئے مذہبی کتب اور قدماء و اسلاف کے عقیدہ کے برعکس تراشیدہ اور اختراعی قول ہے۔ تاکہ لوگوں کے اس طعن سے بچ سکیں کہ جب آسمانی کتاب ہی ان کے

ان کے پاس نہیں تو یہ مذہب آسمانی کیسے ہو سکتا ہے؟

السید الجزائری نے کہا ان الاصحاب قد اطبقوا علی صحۃ الاخبار المستفیضۃ بل المتواترۃ الدالۃ بصریحہا علی وقوع التحریف فی القرآن مادۃ وکلاما واعرابا والتصدیق بہا نعم خالف فیہا المرتضیٰ والصدوق والطبرسی۔

ملا محسن کاشانی نے تفسیر صافی کے چھٹے مقدمہ میں اور صاحب فصل الخطاب نے صدوق وغیرہ کے تمسکات اور مستندات پر کھل کر بحث کی ہے اور ان کے تار و پود کو ادھیڑ کر رکھ دیا ہے فصل الخطاب کا دوسرا باب جو صہ ۲۶ سے شروع ہو کر صہ ۳۹۳ پر ختم ہوتا ہے اس نے ان تمام صفحات میں اپنے معدودے چند علماء کے دلائل کا رد بلیغ کیا ہے۔ پہلے اتفاق نہیں ہوا تو اب اسکا اچھی طرح مطالعہ کر لو تاکہ کم از کم اپنے مذہب کا پتہ چل سکے۔

۵۔ شیخ صدوق اور شیخ مرتضیٰ وغیرہ کی ذوات بھی قائلین تحریف کے نزدیک مشکوک اور مضطرب فیہ ہیں۔

ملاحظہ ہو۔ فصل الخطاب صہ ۳۱۔

تمام علماء شیعہ کا ان مشہور روایات بلکہ متواتر روایات کی صحت پر اتفاق ہے جو قرآن میں تحریف و تبدیلی پر بصراحت دلالت کرتی ہیں مادہ و کلام کے لحاظ سے بھی اور اعراب کے لحاظ سے بھی اور سبھی ان کے ساتھ ایمان و تصدیق پر بھی متفق ہیں سوائے مرتضیٰ، صدوق اور طبرسی کے جب ایک طرف اتنی عظیم اکثریت ہے، تو صرف ان تین چار علماء کے بے سند اقوال کا کیا اعتبار ہو سکتا ہے۔ جبکہ عظیم اکثریت کے مذہب وعقیدہ کا دارومدار صحیح اور متواتر روایات پر ہو۔

شیخ صدوق کی حیثیت:

زندیق والی روایت جس کو طبرسی نے احتجاج میں نقل کیا اور اس نے کتاب کے آغاز میں اس امر کی تصریح کر دی کہ ہم اس کتاب میں وہ روایات درج کریں گے جن پر اجماع و اتفاق ہو گا یا عقول و درایات کے تقاضوں کے مطابق ہوں گی یا موافقین و مخالفین کے درمیان مشہور و معروف ہوں گی ماسواء ان روایات کے جو میں امام ابو محمد علیہ السلام سے نقل کروں گا۔ جب اسی روایت کو شیخ صدوق نے اپنی کتاب التوحید میں نقل کیا تو اس کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا جس کی وجہ یا تو یہ ہے کہ اس نے صرف اپنے مقصد کے حصہ پر اکتفاء کیا اور زوائد کو حذف کر دیا اور یا یہ روایت اس کے مذہب کے خلاف تھی اس لئے اس میں گڑبڑ کر دی اور اسے مذہب کے مطابق بنانے کی سعی لاحاصل کی۔

اسی طرح صاحب بحار نے صدوق کی کتاب التوحید میں کلینی سے منقول روایت اپنی کتاب میں درج کی ہے اس میں بھی عجیب تغیرات و تبدلات ہیں۔ (تورث سوء الظن بالصدوق دانہ فعل ذلک لیوافق مذھب اھل العدل) جو اس بدظنی کا موجب بنتے ہیں کہ صدوق نے اس ہیرا پھیری اور کتر بیونت کا مظاہرہ صرف اسی لئے کیا ہے کہ ان روایات کو مذہب اہل العدل کے مطابق کر سکیں یعنی معتزلہ کے ودربما طعن علیہ بعض القدماء بمثل ذلک فی حدیث رواہ فی العمل بالصوم بالعدد وھذا عجیب من مثلہ اور بسا اوقات قدماء نے بھی اسی طرح کا طعن شیخ صدوق پر کیا ہے۔ مثل صوم بالعدد کے متعلق وارد روایت میں اور صدوق جیسے آدمی کے لئے یہ عجیب سی بات ہے یہ تھا تبصرہ شیخ اسد اللہ الکاظمین کا جو فصل الخطاب صد۱۳ پر موجود ہے۔

شیخ مرتضیٰ کے قول کا دار و مدار:

ترک تلک الاخبار المنقولۃ من الکتب المعتبرۃ لخبر او خبرین تفرد بنقلہ المخالف مما یقضی منہ العجب۔ شیخ مرتضیٰ کا ان روایات کو ترک کرنا جو

کتب معتبرہ سے منقول ہیں محض ایک ایک دو ایسی روایات کی وجہ سے جن کی روایات اور نقل کے ساتھ مخالف منفرد ہیں محل تعجب اور مقام حیرت ہے۔

الغرض ڈھکو صاحب کے جو دو بڑے ستون ہیں علماء شیعہ کے نزدیک وہ مخدوش و مشکوک اور مقام حیرت اور محل تعجب بن چکے ہیں تو ان کا نام پیش کر کے ڈھکو صاحب کون سی قابلیت کا مظاہرہ کر رہے ہیں اور کس نیک نامی کی آس لگائے بیٹھے ہیں، اور ان کے اقوال سے پورے مذہب کا رد کیسے کر سکتے ہیں۔

اہلِ انصاف کو دعوتِ غور و فکر:

۱۔ ایک طرف تو صحابہ کرام پر اس لئے تحریف کے الزامات عائد کیے گئے اور اہل بیت کی طرف سے شکوہ و شکایات پر مشتمل روایات نقل کی گئیں کہ انہوں نے صرف اور صرف غصب خلافت اور سلب امامت کے لئے اور پھر اس کارستانی پر پردہ ڈالنے کے لئے حضرت علی کا قرآن قبول نہ کیا تاکہ وہ راز فاش نہ ہو جائے اور اپنے طور پر اپنی پسند کا قرآن امت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا اور دوسری طرف انہیں غاصب اور ظالم اور اہل البیت کے ساتھ بالعموم اور حضرت علی المرتضیٰ کے ساتھ بالخصوص بزعم شیعہ بغض رکھنے والوں کے جمع کردہ قرآن کو صحیح و سالم اور ہر عیب و نقص سے مبرا تسلیم کرنا کس قدر مضحکہ خیز حرکت ہے اور سفیہانہ اور مجنونانہ دعویٰ۔

اس بگڑتے ہوئے اور گرتے ہوئے مزخرف اور ملمع شدہ محل اور بیخ و بن سے اکھڑتی ہوئی شیعہ مذہب کی بنیاد کا احساس کرتے ہوئے صاحب فصل الخطاب نے اس حرکت پر سخت برہمی اور ناراضگی کا اظہار کیا اور کہا...... کہ جن لوگوں نے موجودہ قرآن کو صحیح و سالم اور بے عیب ثابت کرنے کے لئے کہا کہ فلاں وقت اتنے ہزار صحابہ تھے اور فلاں جنگ میں اتنے ہزار اور وہ بھی حفظ قرآن پر حریص تھے اور اس کے ضبط پر جدوجہد کرنے والے وغیرہ وغیرہ تو یہ کلمات ان لوگوں کے کلمات کے مشابہ ہیں جنہیں مباحث امامت کا کوئی علم نہیں ہے اور خود حیات رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ہی صحابہ کی ضلالت و غوایت کی حالت

معلوم نہیں اور نہ بعد از وفات انتھی ما اوردنا نقلہ من الکلمات التی یشتبہ بکلام من لاعھد لہ بمباحث الامامۃ وحال الاصحاب فی الضلالۃ والغوایۃ فی حیاتہ وبعد وفاتہ۔ (فصل الخطاب ص۳۶۷)

۲۔ خود ڈھکو صاحب نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ذات مقدس پر طعن وطنز کرتے ہوئے کہا کہ عمر صاحب کے نامہ اعمال میں کوئی ایسی چیز نہیں جو کسی عام مسلمان کے لئے موجب رشک ہو چہ جائیکہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے لئے تو اگر انہیں تسلیم ہے کہ یہ قرآن بے عیب ہے اور صحیح وسالم اور معجزہ خالدہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا تو پھر بتلائیں کہ اس کارنامہ کو کس کے نامۂ اعمال میں شمار کیا جائے گا اور وہ قابل رشک تمام اہل اسلام کے لئے بالعموم اور حضرت مرتضیٰ کے لئے بالخصوص ہے یا نہیں ہے۔ کیا یہ ایک کارنامہ ہی بے عدد اور لا محدود اجر وثواب کا موجب نہیں ہے کہ قیامت تک صرف اسی کی بدولت کلام خدا کی تلاوت نصیب ہوئی اور لاکھوں کو نہیں کروڑوں نہیں بلکہ اربوں کھربوں کو ایک طرف اتنے بغض وعناد کا اظہار اور دوسری طرف اتنی صاف گوئی اور سچائی اگر وہ کلام خدا میں امین ہیں اور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت پر عمل کا حق ادا کرنے والے تو اہل البیت کے معاملہ میں بھی یہی یقین کرنا ضروری ہوگا۔ ؎

الجھا ہے پاؤں یار کا زلف دراز میں
لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا

قائلین تحریف کا شرعی حکم کیا ہے:

اچھا لمبی چوڑی بحث کو جانے دیجئے جن شیعی علماء اعلام اور محدثین ومفسرین متقدمین ومتاخرین نے ایڑی چوٹی کا زور لگا کر تحریف ثابت کی ہے تو ان کے متعلق کیا فتویٰ ہے کیونکہ منکر قرآن کے کفر میں تو شک نہیں ہو سکتا اور اس میں ریب وتردد کی جگہ ہی جب نہیں قال تعالیٰ "لاریب فیہ" تو جنہوں نے اسکو ریب اور عیب کا مقام ومحل بنانے کی کوشش کی ہے ان کا مذہب شیعہ میں کیا حکم ہے؟ کیا وہ بھی مومن ہیں اور بے عیب ماننے والے

بھی مومن یا صرف ایک فریق حق پر ہے اور دوسرا باطل پر بس اسکا فیصلہ ہی ہو جائے تو
بھی امت کے لئے موجب فوز و فلاح ہے اور دیکھتے ہیں کہ کتنے بڑے اساطین مذہب
رفض و تشیع کے دھڑام سے گرتے ہیں مگر فتوی کون لگائے۔ ڈھکو صاحب دل و جان
سے تو انہیں کے مذہب پر فدا ہیں یہ ہاتھی کے دانت صرف دکھلانے کے لئے ہیں۔ اور
اگر فتوی صادر کریں تو پہلی تین صدیوں میں اور چوتھی کی کئی دہائیوں میں پیدا ہونے والے سب
شیعہ کافر قرار پائیں گے پھر بعد والوں کے ایمان کی ضمانت کیا ہو سکتی ہے۔

فصل چہارم

تنزیہہ الامامیہ ——— ڈھکو صاحب

بعض منصف مزاج علماء اہلسنت کا اعتراف حقیقت

شیعان علی کا ایمان بالقرآن ایک ایسی کھلی حقیقت ہے کہ بعض منصف مزاج اہلسنت نے بھی اس کا اقرار کیا ہے۔

۱۔ چنانچہ فاضل رحمت اللہ ہندی اپنی کتاب اظہار الحق ۲/۸۹ مبنی میں بعض اعلام شیعہ کا کلام نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"ان حقائق کی روشنی میں ظاہر ہو گیا کہ فرقہ شیعہ اثنا عشریہ کے علماء اعلام کے نزدیک ثابت شدہ نظریہ یہ ہے کہ وہ قرآن جو خداوند عالم نے اپنے نبی خاتم (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل فرمایا وہ یہی ہے جو کتابی صورت میں لوگوں کے ہاتھوں میں موجود ہے۔ اس سے زیادہ نہیں ہے۔"

۲۔ حافظ محمد اسلم جیراجپوری اپنی کتاب "تاریخ القرآن" صفحہ ۴۲ بذیل عنوان "شیعہ اور قرآن" متعلقہ مسئلہ میں بعض اکابر علماء شیعہ کا کلام نقل کرنے کے بعد اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "یہ ان علماء شیعہ کے اقوال ہیں جو اہل تشیع میں مقبول و مستند ہیں۔ مولانا عبد الغنی کشمیری اپنی کتاب مذاہب اسلامیہ صفحہ ۲۹۴ طبع لاہور پر لکھتے ہیں" اثنا عشریہ قرآن

میں کمی و بیشی کے قائل ہیں۔ (ص: ۲۷)

تحفہ حسینیہ ———— محمد اشرف السیالوی

بعض منصف مزاج علماء اہلسنت سے توسّل کی حقیقت

علامہ رحمت اللہ صاحب نے عیسائیوں کے الزام کا جواب دیا تھا کہ اگر ہماری انجیلیں محرف و مبدل ہیں تو آخر تمہارا قرآن بھی تو اسی طرح ہے۔ دیکھو! شیعہ علماء اس میں تحریف کے قائل ہیں تو اگر یہ قول تمہاری طرف سے نہ ہوتا تو عیسائیوں کو اعتراض کی جرأت ہی کیسے ہوتی لیکن جب اس الزام کا جواب دینے کے لئے ہزاروں علماء میں سے دو چار کا قول مل گیا تو اس کو ہی غنیمت جان کر پیش کر دیا۔ نیز جو بھی شیعہ عالم قرآن پر ایمان لائے ہمیں خوشی ہوگی خواہ چوتھی صدی میں پیدا ہونے والا ہو یا پندرہویں میں اور اس کو حق ماننے سے ہم بخل سے کام نہیں لیں گے لیکن ثابت صرف یہ کرنا ہوگا کہ اس کا قول شیعی مذہب اور اس کے اکابرین کے مذہب کے مطابق بھی ہے۔ ہمیں تو اس مذہب اور اس کے بانیوں کے نظریہ تحریف اور اس کے تحت گھڑی گئی روایات سراسر غلط اور خلاف تحقیق معلوم ہوتی ہیں لیکن ان کو چھوڑنے والا شیعہ نہیں رہ سکتا اور شیعہ رہنا ہے تو تحریف کا انکار نہیں کر سکتا لیکن عیسائیوں کے ساتھ اس جوابی کاروائی سے جناب کا دامن تحریف قرآن کے قول سے کیسے صاف ہو گیا۔ آپ کے مولوی صاحبان نے تو ان علماء کو ہی مشکوک قرار دے دیا۔

حافظ اسلم صاحب نے بھی بعض علماء کی طرف سے اس قول کا سرزد ہونا تسلیم کیا ہے وہ محل انکار نہیں لیکن وہی قول شیعہ کا مذہب قدیم بھی ہے وہ اس سے ثابت نہیں اور

نہ دوسرے شیعہ علماء نے اس قول کو قبول کیا۔ عبدالغنی کشمیری صاحب نے جو کہا ہو گا اس کو ایک طرف رکھ کر یہ بتلائیں کہ جن کتابوں کے حوالے ہم نے پیش کئے ہیں اور جن علماء کے نام ہم نے بحوالہ کتب درج کئے ہیں وہ اہل السنت علماء ہیں اور ان کی کتابیں یا وہ اثنا عشری مذہب کے مقتدا اور شریعت مدار اور ثقۃ الاسلام قسم کے لوگوں کی کتابیں ہیں تو آخر برہان اور جدل کے طریقوں میں سے یہ کونسا طریقہ ہے جواب کا جو آپ نے اختیار کیا ہے۔ یہ تین تنکے آپ کو اس بھنور سے نجات نہیں دے سکتے اور نہ ہی ان کے اقوال اس محل نزاع میں کارآمد ہو سکتے ہیں آخر کتاب وسنت کے دلائل اور روایات ائمہ کا جواب مخالفین کے لاکھوں علماء میں سے تین کے قطع و برید کئے ہوئے اقوال سے چہ معنی دارد۔

تنزیہہ الامامیہ ———— محمد حسین ڈھکو صاحب

حضرت امیر علیہ السلام کے جمع کردہ قرآن کی حقیقت

فریقین کی کتابوں سے جو چیز پایۂ ثبوت تک پہنچ چکی ہے وہ یہ ہے کہ جو قرآن جناب امیر علیہ السلام نے جمع کیا تھا وہ یہی تھا جو اس وقت لوگوں کے ہاتھوں میں موجود ہے ہاں البتہ اس میں درج ذیل امور کو پیش نظر رکھا گیا تھا۔

الف: اس کی ترتیب نزول قرآن کے مطابق تھی یعنی جو سورۃ پہلے نازل ہوا تھا اسے پہلے درج فرمایا تھا اور بعد میں نازل ہونے والے سور (سورتوں) کو بعد میں جگہ دی گئی تھی۔ اس کی تائید مزید اصول کافی صد۱۷۶ کی روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں مذکور ہے کہ حضرت امیر علیہ السلام نے سقیفائی دربار خلافت میں اپنا جمع کردہ قرآن پیش کرتے ہوئے فرمایا:

"یہ ہے خدا کی کتاب جو اس طرح جمع کی گئی جس طرح خدا نے جناب رسول خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل فرمائی تھی۔"

ب: اس مصحف میں قرآن مجید کی مختصر تاویل و تفسیر بھی تھی جیسا کہ سیوطی نے ابن سیرین کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا:

"اگر جناب امیر علیہ السلام کا جمع کردہ قرآن مل جاتا تو علم کا ذخیرہ ہاتھ آجاتا" (تاریخ الخلفاء صد۱۸۵ طبع جدید مصر)

اس کی تائید مزید تفسیر صافی صد۱ کی روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں جناب امیر

اور طلحہ کا مکالمہ درج فرمایا:

"اے طلحہ! ہر وہ آیت جو خداوند عالم نے جناب رسول خدا پہ نازل فرمائی وہ آنحضرت کی املاء اور میرے خط سے لکھی ہوئی میرے پاس موجود ہے اور ہر ہر آیت کی تاویل و تفسیر اور ہر حلال و حرام کی تفصیل بھی میرے پاس محفوظ ہے۔"

یہ ہے وہ مصحف جو اس وقت امام زمانہ کے پاس محفوظ ہے۔ یہ ہے وہ مصحف جو اس وقت امام زمانہ کے پاس ہے جسے وہ وقت ظہور اپنے ہمراہ لائیں گے۔

ع اتنی سی بات تھی جسے افسانہ کر دیا

(ص: ۲۸ - ۲۹)

٭ ٭ ٭

فصل پنجم کا جواب:

تحفہ حسینیہ ——— محمد اشرف السیالوی

حضرت علیؓ کے جمع کردہ قرآن کی حقیقت

علامہ ڈھکو صاحب نے یہ تسلیم کر لیا کہ جو قرآن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جمع فرمایا اس کی ترتیب موجودہ قرآن کی ترتیب سے مختلف تھی اور آپ نے اس کو ترتیب نزولی کے مطابق جمع کیا تھا لیکن دریافت طلب امر یہ ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو اس ترتیب پہ جمع کرنے کا حکم دیا تھا تو دوسرے حضرات صحابہ نے سرور عالمؐ کی مرضی کے برعکس اس کو جمع کیا لہذا وہ مجموعہ بے عیب نہ رہا اسی طرح خود سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم ترتیب نزول کے مطابق تلاوت فرماتے تھے تو اس کے خلاف جمع کرنا درست نہ ہوا اور اگر سورتوں میں جو ترتیب صحابہ کرام نے قائم فرمائی اس کے مطابق پڑھتے تھے

تو آپ کا جمع کردہ قرآن درست نہ ہوا مثلاً سورہ علق کی ابتدائی آیات آغاز وحی میں نازل کی گئیں اور آخری حصہ بہت بعد میں. سورہ مدثر کی ابتدائی آیات فترت وحی کے بعد نازل ہوئیں اور دوسری بہت بعد میں علی ھذا القیاس طویل سورتوں کا نزول مختلف مواقع پر ہوتا رہا تو اس طرح موجودہ ترتیب کے لحاظ سے جو ایک سورۃ ہے ترتیب نزول کے لحاظ سے وہ سورت بن ہی نہیں سکتی الا ماشاء اللہ تو پھر دونوں کو درست تسلیم کر نہیں سکتے لہذا یہ دعویٰ کرنا کہ آپ کا جمع کردہ قرآن یہی ہے صرف ترتیب نزول پہ جمع کیا تھا تو اس ترتیب نے دونوں میں زمین و آسمان کا فرق پیدا کر دیا محض سورتوں کی تقدیم و تاخیر سے اس قدر تفاوت نہیں لازم آتا لیکن جب آیات میں ترتیب نزول ملحوظ ہو تو موجودہ قرآن کی ایک سورت کتنی جگہ پر متفرق اور منتشر ہو کر رہ جائے گی اسلئے بقائمی ہوش و حواس یہ دعویٰ نہیں کیا جا سکتا کہ جو قرآن حضرت امیرؑ نے جمع کیا تھا۔ وہ یہی قرآن ہے۔

۲۔ اصول کافی کی روایت سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ کہ آپ نے کہا میں نے اس قرآن کو ترتیب نزول کے مطابق جمع کیا ھذا کتاب اللہ کما انزلہ اللہ تعالیٰ علیٰ محمد حالانکہ اس کا قطعاً یہ مطلب نہیں کہ میں نے ترتیب نزول کے مطابق اس کو جمع کیا ہے بلکہ یہ مقصد ہے کہ میں نے اس میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہونے دیا اور الف دلام کے برابر کوئی حرف بھی ساقط نہیں ہونے دیا جب کہ دوسرے حضرات کے جمع کردہ قرآن کے متعلق خود آپ نے جرح و قدح کرتے ہوئے فرمایا کہ اس سے وہ آیات انہوں نے حذف کر دی ہیں جو ان کے عقیدہ و عمل کے خلاف تھیں اور ایسی آیات بنا کر ملا دیں جن سے وہ اپنے اعمال یعنی غصب خلافت وغیرہ کا جواز پیش کر سکیں اور صرف فان خفتم الا تقسطوا فی الیتامی اور فانکحوا ما طاب لکم کے درمیان سے ایک تہائی قرآن کے غائب ہونے کا آپ نے زندیق کے سامنے اعتراف کیا اور آیات قرآنیہ سے بھی اس جمع کردہ قرآن کے تحریف پر مشتمل ہوتے اور خلاف ما انزل اللہ ہونے کو ثابت کیا ہے تو بمطابق صاحب البیت ادری بما فیہ آپ ہی بہتر طور پہ بتلا سکتے ہیں کہ ھذا کتاب اللہ کما انزلہ اللہ علی محمد کا کیا معنی ہے

اور آپ نے تو اس طرح بتلا دیا اور دیگر شیعی علماء نے موجودہ قرآن کی آیات کا خلاف ما انزل اللہ ہونا ائمہ اہل البیت کی روایات سے ثابت کیا ہے۔ اور متعدد آیات اس ضمن میں گنوائی ہیں۔ جیسے کہ میں نے تتمہ میں ان کو مفصل طور پر ذکر کر دیا ہے لہذا یہ دعویٰ بھی تقیہ۔ دھوکہ دہی اور فریبکاری پر مبنی ہے کہ آپ نے اس کو صرف اس قدر اختلاف کے ساتھ جمع کیا تھا کہ ترتیب نزولی کو ملحوظ رکھا۔

۳۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ والی روایت میں تصریح ہے کہ حضرت عمر کے مطالبہ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اب وہ قرآن تمہارے پیش نہیں کیا جا سکتا۔ میں نے حجت قائم کرنی تھی وہ کر دی اور قیامت کے دن تمہارے لئے عذر کی کوئی گنجائش نہ چھوڑی کہ ہم اصل قرآن سے غافل تھے یا یہ کہ علی مرتضیٰ نے ہمیں دکھلایا نہیں تھا تا آنکہ فرمایا کہ اب یہ قرآن صرف مہدی کے ذریعے لوگوں کے سامنے ظاہر کیا جائے گا اور وہ لوگوں کو اس کے مطابق عمل پر برانگیختہ اور آمادہ کریں گے اور دین اس کے مطابق جاری ہوگا۔ جس سے دونوں کا احکام میں اختلاف بھی واضح اور صحابہ کے جمع کردہ قرآن پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ناراضگی بھی ظاہر اور واضح تو ڈھکو صاحب کا یہ دعویٰ کہ وہ قرآن یہی ہے۔ کس قدر مضحکہ خیز ہے اور جواب سے مکمل بے بسی کا منہ بولتا ثبوت۔ حضرت شیخ الاسلام اور میری بیان کردہ روایات کو بھی غور سے پڑھیں اور روایات تحریف کے متعلق شیعی دعویٰ اور خود حضرت علی کی طرف منسوب روایات کا بنظر غائر مطالعہ کریں۔ اور مجتہد صاحب کے اجتہادی غبارے سے ہوا خارج ہوتی دیکھیں۔

تنبیہہ: ۹۔

اپنی روایات کو ہاتھ لگائے بغیر اہل السنت کے حوالے پیش کرنا کس قدر شرمناک ہے پہلے اپنی روایات کا جواب دو بعد میں کوئی روایت معتد بہا بطور تائید پیش کرو تو بجا ہے لیکن اپنی روایات کے متعلق چپ سادھ لینا تو جواب نہیں کہلا سکتا۔ ہمارے نزدیک نہ کوئی حضرت علی رضی اللہ عنہ کا تحریر فرمودہ مصحف موجود ہے اور نہ ہی کوئی امام چھپا ہوا ہے جس کے پاس وہ محفوظ ہے اور نہ ہی اس کے ظہور پر دین میں کسی تبدیلی اور نئے قرآن کے ظہور کا

امکان ہے۔ لہٰذا امام سیوطی وغیرہ کا حوالہ اس ضمن میں پیش کرنا ڈھکو صاحب کے لئے قطعاً کارآمد نہیں۔

ب: جو قرآن آپ نے جمع فرمایا تھا اس وقت بھی اس کو ایک علمی خزانہ اس لحاظ سے قرار دیا گیا کہ اس سے ناسخ و منسوخ کا پوری طرح علم ہو جاتا لیکن منسوخ التلاوۃ آیات جمع کئے جانے کی صورت میں اس مجموعہ کو قرآن اور وہ بھی اصلی کون کہہ سکتا ہے؟ پھر جب حسب اعتراف علامہ ڈھکو صاحب اس میں تفسیری نوٹ بھی تھے تو وہ قرآن کہلانے کی بجائے ایک علمی اور تفسیری خزانہ تھا جس طرح دیگر اکابر نے تفاسیر لکھ کر امت کی بھلائی اور خیر خواہی فرمائی لیکن قرآن بہرحال خالص طور پر جمع ہونا چاہیئے تھا۔ جس کا اعجاز دلیل نبوت بنتا اور مسلسل نظم و عبارت کی تلاوت نماز وغیرہ میں کی جا سکتی ہے۔ مثلاً اس دور میں قرآن مجید کو کوئی شخص مختلف موضوعات کے مطابق جمع کر دے۔ توحید باری اور اس کی صفات کمال پر مشتمل آیات الگ جمع کر دے۔ عظمت رسالت پر مشتمل آیات علیحٰدہ جمع کر دے وعلٰی ہٰذا القیاس تو اسے علمی کارنامہ تو ضرور قرار دیں گے لیکن قرآن تو نہیں کہیں گے لہٰذا صحابہ کرام علیہم الرضوان کی عظیم اکثریت کے ساتھ آپ نے بھی اتفاق فرمایا اور اپنا مجموعہ تلف فرما دیا سہ

اتنی سی بات تھی جسے افسانہ کر دیا

لیکن چیدلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد کے مصداق ڈھکو صاحب الٹا ہمیں افسانہ بنانے کا ذمہ دار ٹھہرا رہے ہیں گویا احتجاج طبرسی اور تفسیر صافی وغیرہ ہم نے لکھ کر یہ افسانہ تیار کیا ہے۔ آخر شرم بھی کوئی شے ہے یا نہیں؟

ج: جب مولا مرتضیٰ کے دور امامت میں سبائی سازش سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے جمع کردہ قرآن کے متعلق بعض لوگوں نے چہ میگوئیاں شروع کیں تو ان کا سختی سے رد کرتے ہوئے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حق میں جمع قرآن اور اس کی تالیف کے متعلق کسی قسم کے شکوک و شبہات کا اظہار مت کرو کیونکہ جو کچھ انہوں نے کیا وہ ہمارے صلاح و مشورہ سے کیا؛

عن سويد بن غفلة قال على رضى الله عنه لاتقولوا فى عثمان الاخيرا فوالله مافعل الذى نعل فى المصاحف الاعن ملائنا قال ماتقولون فى هذه القراءة فانه بلغنى ان بعضهم يقول ان قراءتى خير من قراءتك وهذا ايكاد يكون كفرًا قلنا فما ترى قال ارى ان اجمع الناس على مصحف واحد فلا تكون فرقة ولا اختلاف قلنا نعم ما رءيت۔

حضرت عثمان کے حق میں صرف خیر اور بھلائی کے کلمات کہو کیونکہ انہوں نے مصاحف کے متعلق جو کچھ کیا وہ ہمارے مشورے سے کیا انہوں نے ہم سے مشورہ طلب کرتے ہوئے کہا اس قرأت کے متعلق تمہاری رائے کیا ہے کیونکہ مجھے یہ اطلاع ملی ہے کہ بعض لوگ دوسروں کو کہتے ہیں کہ میری قرأت تیری قرأت سے اچھی اور بہتر ہے۔ اور یہ بات تو کفر کے قریب پہنچ جاتی ہے ہم نے کہا پھر تمہاری رائے کیا ہے آپ نے کہا میرا خیال یہ ہے کہ لوگوں کو ایک ہی مصحف پر جمع کر دیا جائے تاکہ اختلاف وافتراق ختم ہو جائے ہم نے کہا جو آپ نے سوچا ہے وہ بہت خوب ہے۔

(الاتقان جلد اول صہ ۵۹)

اور آپ کا ارشاد گرامی ہے:

"لو ولیت لعملت بالمصاحف التی عمل عثمان بہا۔"

ص ۱۲ ج ۱: اگر (اس وقت) میں مسلمین کا والی ہوتا تو مصاحف کے ساتھ وہی سلوک کرتا جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کیا۔

اسی لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد امجاد اور اہل بیت کے ہاں اس مصحف کا کوئی سراغ نہ مل سکا۔ قال ابن سیرین تطلبت ذلك الكتاب وكتبت فيه الى المدينة فلم اقدر عليه۔ (الاتقان جلد اول صہ ۵۹)

ابن سیرین فرماتے ہیں میں نے اس کتاب کو بہت تلاش کیا اور ڈھونڈ ا بھال اور مدینہ منورہ خطوط لکھے لیکن میں اس کی تلاش میں ناکام ہی رہا

مگر یار لوگوں نے صحابہ کرام علیہم الرضوان میں اختلاف و نزاع ثابت کرنے کے لئے اور امت محمدیہ کے یہود و نصاریٰ کی طرح کتاب اللہ میں باہم اختلاف کو ثابت کرنے کے لئے اس کو مع امام غائب کر دیا اور بارہ صدیاں ہونے کو ہیں کہ نہ امت کو امام کا چہرہ دیکھنا نصیب اور نہ اصلی قرآن کی صورت نظر آئی اور انشاء اللہ العزیز قیامت تک یہ حسرت اسی طرح باقی رہے گی۔!

یہود کی انتقامی کاروائی:

دراصل قرآن مجید نے یہود پر تحریف کا الزام لگایا کہ وہ تورات میں ثمن قلیل حاصل کرکے تغیر و تبدیل کر لیتے ہیں کچھ چھپا لیتے ہیں۔ ان الذین یکتمون ما انزلنا الا یۃ اور بعض کلمات کو ان کی جگہ سے بدل دیتے ہیں۔ قال اللہ تعالیٰ: یحرفون الکلم عن بعض مواضعہ" تو انہوں نے اس کا بدلہ لینے کے لئے عبداللہ بن سبا یہودی کے ذریعے اہل اسلام میں یہ عقیدہ رائج کر دیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پورا قرآن غائب کر دیا اور دوسرے صحابہ نے اس میں تحریف کر دی تاکہ اہل اسلام میں عظیم ترین شخصیات اور مقتدایان امت کو اس سے بھی شدید طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا جا سکے جس قسم کا طعن اہل اسلام کی طرف سے یہود پر تھا اور مدعیانِ اسلام کی ایک جماعت بغیر سوچے سمجھے اس ڈگر پر چل نکلی اور یہود کی سازش کو کامیاب بنا دیا۔

مگر پھر بھی پرنالہ وہیں رہا:

ڈھکو صاحب فرماتے ہیں بس وہی قرآن جو ذرا ترتیب میں مختلف ہے اس کو امام مہدی ہمراہ لائیں گے۔ اگر احکام کے لحاظ سے اس قرآن میں جو حضرت مہدی کے پاس ہے فرق نہیں اور نہ آیات کے لحاظ سے تو پھر دوبارہ اس کو ظاہر کرنے کی ضرورت

کیوں پڑے گی ...... رہے تفسیری نوٹ تو ہر امام دوسرے ائمہ کے علوم کا وارث ہوتا ہے اور عالم اسرار بھی اور عالم ماکان ما یکون بھی علاوہ ازیں جب ائمہ کی روایات سے محشی اور لمبی چوڑی تفاسیر بھی اور بہترین چھپائی والے اور عمدہ کاغذوں والے قرآن بھی موجود ہیں تو چودہ صدیاں پرانے قلمی اور انتہائی سادہ کاغذ پہ لکھے ہوئے قرآن کو امت کے سامنے پیش کرنے کی ضرورت کیا ہوئی یا محض تبرک کے طور پر امت کو دینا مقصود ہوگا۔

نیز یہ قرآن اس وقت کالعدم کر دیا جائے گا یا باقی رہے گا؟ پہلی صورت میں مذہب شیعہ پہ ڈالا جانے والا تلبیس کا پردہ چاک ہو گیا اور دوسری صورت میں بیک وقت دو قرآن رائج کرنا لازم آئے گا جو ترتیب وغیرہ میں بالکل مختلف تو کیا یہ یہود کی تورات اور عیسائیوں کی انجیل والا معاملہ نہیں ہو جائے گا۔ کوئی عام عقلمند آدمی بھی یہ صورت برداشت نہیں کر سکتا چہ جائے کہ امام اور آخری امام اور صدیوں سے انتظار کرا کرا کر باہر تشریف لانے والا امام اور بقول شیعہ رسول معظم علی المرتضیٰ اور دیگر ائمہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر انتظامی امور میں دسترس رکھنے والا امام۔

تنزیہہ الامیہ ـــــــــــــــ ڈھکو صاحب

ان حقائق کی روشنی میں واضح ہو گیا کہ پیر صاحب کی یہ رجز خوانی بے جا ہے کہ "جو قرآن کہ سیدنا حضرت عثمان نے جمع فرمایا جو ہمارے سینوں میں موجود ہے سات سال عمر کے بچے پڑھتے ہیں۔ الخ ....

معلوم ہو گیا کہ یہ اہل السنت کی کوئی خصوصیت نہیں ہے بلکہ یہی قرآن شیعان حیدر کرار کے سینہ ہائے بے کینہ میں بھی موجود ہے اور بحکم ائمہ اطہار ہماری مساجد اور ہمارے مدارس میں بچوں سے بوڑھوں تک اسے پڑھتے اور پڑھاتے ہیں۔ ہمارے علماء اعلام اس سے احکام شرعیہ کا استنباط کرتے ہیں اسی کی تفسیریں لکھتے ہیں۔ اسی قرآن کو شبعہ حق و باطل کا معیار اور صحیح اور سقیم احادیث کے معلوم کرنے کا میزان سمجھتے ہیں۔
(ص: ۹۰)

۱۔ ڈھکو صاحب فرماتے ہیں ان حقائق کی روشنی میں واضح ہوگیا کہ پیر صاحب کی رجز خوانی بے جا ہے مگر وہ حقائق ہیں کہاں اور اگر اس فریب کاری کا نام حقائق ہے تو جہاں میں باطل اور ناحق کا تو پھر نام ونشان نہیں ہے۔

۲۔ رہا یہ دعویٰ کہ ہماری مساجد اور مدارس میں بچوں سے بوڑھوں تک اسی کو پڑھتے ہیں ہمیں تو کوئی علامہ تمہارا بھی صحیح قرآن پڑھتا نظر نہیں آیا حافظ ہونا تو دور کی بات ہے۔ اور پورے عالم تشیع میں جب ایک حافظ بھی نہ مل سکے تو حضرت شیخ الاسلام کی رجز خوانی بالکل بجا ہے۔ رہ گیا تفسیروں کا معاملہ تو جب انہیں میں ہی اس کو محرف ومبدل اور خلاف ما انزل ثابت کیا گیا ہے تو تفاسیر لکھنے کا اصل مقصد بھی واضح ہوگیا۔

۳۔ ڈھکو صاحب نے دعویٰ فرمایا کہ یہی قرآن شیعہ کے نزدیک حق وباطل کا معیار ہے اور صحیح وسقیم احادیث کو معلوم کرنے کا میزان۔

سبحان اللہ جنہوں نے جمع کیا اور امت پر یہ احسان عظیم فرمایا ان پر تو سب وشتم اور ان کے ایمان وعقیدہ اور عمل وکردار پر اعتراض اور انہیں ہر خیر اور نیکی سے محروم تسلیم کریں اور ان کے عطا کردہ قرآن کو اس قدر اہمیت دیں کیا صاحب فصل الخطاب کی نہ سنی کہ ایسے لوگوں سے صحیح قرآن کا ہاتھ لگنا عادت ممتنع اور محال ہے اگر وہ خلافت امامت جیسے اہم امر دینی کو نظرانداز کر سکتے ہیں تو قرآن میں کتر بیونت کیوں نہیں کریں گے نیز روایات کے معاملہ میں اگر اس کا میزان ہونا مسلم ہے۔ تو اس کی قلعی فضائل صحابہ میں کھل جائے گی۔ وہاں ہم مجتہد صاحب سے دریافت کریں گے کہ جن روایات کو رد کیا جا رہا ہے وہ قرآن کے مطابق ہیں یا جو ردمیں پیش کی جارہی ہیں الغرض یہ محض کہنے کو ہے عملاً اس کا نام ونشان بھی ڈھکو صاحب اور ان کے ہم مسلک لوگوں میں نظر نہیں آتا۔

⁂

محمد حسین ڈھکو

تنزیہ الامامیہ

تراویح بدعت عمر ہے:

ہاں البتہ، ہم شیعان علی پیر سیالوی کے ہم مسلک حضرات کی طرح ماہ رمضان میں تراویح کے اندر قرآن ختم نہیں کرتے کیونکہ یہ نماز سنت رسول نہیں بلکہ بدعت عمر ہے (ملاحظہ ہو بخاری شریف ج ۱ ص ۲۶۹ طبع دہلی) اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی کا راستہ جہنم کی طرف جاتا ہے۔
(کنز العمال ص ۶۱ ج ۱) (ص: ۴۰)

تحفہ حسینیہ

الجواب وہو الموفق للصدق والصواب:

ہاں جی آپ کے ہاں فرائض میں باجماعت ادائیگی بھی مروج نہیں ہے تو اتنی لمبی نماز باجماعت اور اس میں ختم قرآن کی تکلیف آپ کو کیسے گوارا ہو۔ لیکن دریافت طلب امر یہ ہے کہ جب بدعت گمراہی ہے اور اس کا راستہ جہنم کو جاتا ہے تو حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ نے اس راستہ پر چلنے سے لوگوں کو منع فرمایا یا نہ؟ منع فرمایا اور شان امیری اور حاکمانہ اختیار استعمال فرمایا ہے تو ثبوت فراہم کرو اور نہیں تو جو ہستی حاکم شرع اور امیر المومنین ہو کر لوگوں کو جہنم جانے سے نہ روک سکے اس کو امیر المومنین رہنے کا کیا حق پہنچتا ہے۔ اور اگر از راہ مصلحت خاموشی اختیار فرمائی تاکہ اپنی خلافت و امامت میں خلل نہ پڑے خواہ اپنی رعایا جہنم واصل کیوں نہ ہو تو ایک چال باز اور حیلہ ساز حکمران میں اور آپ میں نعوذ باللہ کیا فرق رہ جائے گا؟ جب وہ لشکری بیچارے آپ کے حکم پر ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے خلاف تلوار اٹھا لیتے تھے۔ حضرت طلحہ جیسے جانثار اور محافظ رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم اور حواری رسول علیہ السلام۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے خلاف تلوار اٹھا لیتے تھے تو تراویح جیسے معاملہ میں آپ کے کہنے پر عمل کیونکر نہیں کرتے تھے۔ لہٰذا ڈھکو صاحب آپ تراویح نہ پڑھیں فرض بھی چھوڑ دیں وہ آپ کا معاملہ خدا سے ہے لیکن تراویح کے متعلق یہ فتویٰ صادر کر کے دا اپنے ساتھ بھلا کیا ہے اور نہ حق الٰہ کی طرف نسبت کا دعویٰ کرتے ہو ان کے سردار

اور امام کے ساتھ کسی اچھی روش کا مظاہرہ کیا ہے کیونکہ ان کو شیر خدا کہہ کر اتنا بے بس ثابت کرنا اور ان کے ڈر اور خوف سے مبرا اور منزہ ہوتے اور حق کی خاطر سب کچھ قربان کر دینے کے بار بار دعوے کرتے (نہج البلاغۃ میں بکثرت موجود اور باب التقیہ میں ان کا ذکر بھی ہو چکا) کے باوجود انہیں مصلحت کوش اور منفعت اندیش ثابت کر نا بدترین دشمنی ہے۔ انہیں مصلحتوں کی طرف تو حضرت ابن عباس نے توجہ دلائی تھی کہ وقتی طور پہ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر کو گورنری دے دو اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو شام کا گورنر رہنے دو جب قدم جم جائیں تو پھر ان کو الگ کر دینا لیکن آپ نے ضمیر اور دل کی آواز کے خلاف کو ناگوارا نہ کیا اور ہر مشکل سے مقابلہ کرنے کی ٹھان لی تو کیا تراویح کا معاملہ آپ کے لئے زیادہ مشکل تھا یا لشکریوں کے لئے اتنا اہم تھا پچ ہے ۔

ہوئے تم دوست جس کے دشمن اس کا آسماں کیوں ہو

تنزیہ الامامیہ ——————— ڈھکو صاحب

روایات موہم تحریف کے حلی جوابات

پہلا جواب :

ان روایات میں سے کوئی ایک بھی صحیح السند نہیں ہے بلکہ وہ سب کی سب ضعیف ہیں
اس لئے وہ ناقابل استدلال ہیں ۔

دوسرا جواب :

یہ روایات اختلاف قرأت پہ محمول ہیں یعنی جن روایات میں وارد ہے کہ فلاں آیت
اس طرح نازل ہوئی اور فلاں اس طرح ان کا مطلب یہ ہے کہ دوسرے قاریوں کے بالمقابل
ائمہ اہلبیت کی قرأت یہ ہے ۔

تیسرا جواب :

یہ روایات تاویل پہ محمول ہیں یعنی جن روایات میں یہ وارد ہے کہ فلاں آیت یوں نازل
ہوئی ہے ۔ اور فلاں یوں تو یہاں تنزیل سے مراد تاویل ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ بنا بریں جن روایات
میں قرآنی آیات کی تعداد زیادہ مذکور ہے ان کا مطلب یہ ہے کہ اگر ان وضاحتی بیانات
. . . ت کے ساتھ شامل کیا جائے قرآن کی مقدار اتنی بن جاتی ہے (ص : ۱۴۱،۲۰۰)

پیش کردہ روایات کے جواب میں تحکم اور سینہ زوری

پہلا جواب اور اس کا رد :

یہ ہے کہ ان روایات میں سے کوئی ایک بھی صحیح نہیں ہے بلکہ سب کی سب ضعیف ہیں لیکن جس مذہب کی متداولہ اور معتبرہ کتب کی دو ہزار سے زاید روایات اور وہ بھی اہل بیت سے مروی ہوں اور درجہ شہرت بلکہ تواتر تک پہنچی ہوئی ہوں اور پھر بھی نا قابل اعتبار ہوں تو آخر وہ مذہب کیسے قابل اعتبار ہو سکتا ہے۔ صاحب فصل الخطاب نے کہا :

عندی ان الاخبار فی هذا الباب متواترة المعنی وطرح جمیعها یوجب رفع الاعتماد عن الاخبارات بل ظنی ان الاخبار فی هذا الباب لا تقصر عن اخبار الامامة فکیف یثبتونها بالاخبار ص ۳۵۲

میرا نظریہ یہ ہے کہ تحریف کے متعلق متواتر المعنی روایات وارد ہیں اور ان سب کا نظر انداز کرنا روایات سے بالکل ہی اعتماد کو ختم کر دے گا اور میرے ظن اور گمان غالب کے مطابق تحریف کے باب میں وارد روایات امامت کے متعلق وارد اخبار و روایات سے کم اور قاصر نہیں ہیں لہذا اگر تحریف کے باب میں ان پر اعتماد نہیں تو باب امامت میں ان پر اعتماد کیسے کیا جا سکتا ہے۔

لیکن اگر ڈھکو صاحب تحریف اور امامت دونوں کی روایات کو ضعیف اور نا قابل اعتبار قرار دے دیں تو ہم یہ بھی ... ان کو شیخ صدوق، علم الہدیٰ المرتضیٰ اور محقق طوسی سے بڑا محقق تسلیم کرنے کو تیار ہیں۔ لیکن فرق کرنے کی صورت میں منصف شیعہ بھی اس کو

محقق تسلیم نہیں کرسکتے

کلینی مصرح کہ جو روایات میں نے ذکر کی ہیں میر ان کے متعلق وثوق ہے اور سرورق پر امام غائب حضرت مہدی کی مہر تصدیق بھی ثبت "ھذا کاف لشیعتنا" یہ ہمارے شیعہ کے لئے کافی ہے مگر ڈھکو صاحب کو وہ ضعیف نظر آرہی ہیں اور ناقابل اعتبار تو کہیں امام غائب بھی بے اعتبار و غیر معتمد علیہ تو نہیں بن گئے۔ آخران کا مقصد اس مہر تصدیق سے کیا تھا یہ کتاب ہمارے شیعہ کی ہدایت کے لئے کافی ہے یا گمراہی کے لئے۔؟

۲۔ شیخ صدوق اور شیخ مرتضیٰ سے قبل تمام تر شیعہ کا مذہب یہی تھا اور بعد میں بھی اکثریت اس کی قائل رہی اور ہے۔ تو جب مذہب یہی رہا ہے تو روایات کو ناقابل اعتبار کیسے قرار دیا جاسکتا ہے۔ روایات تو پہلے سے تھیں اور وہی اکابر ان کو روایات کرنے اور نقل کرنے والے تھے اور ان کے مطابق عقیدہ رکھنے والے لہذا واضح ہوگیا کہ یہ سب عند اکابر شیعہ معتمد علیہا ہیں اگر ان کو صحت و سقم کا پتہ نہیں چلا تو آپ کو کیسے پتہ چل گیا؟ صاحب فصل الخطاب نے ان روایات میں ضعف کا قول کرنے والوں کا رد کرتے ہوئے کہا:

"فیه ان ناقلها فی الکتب ثقة الاسلام الکلینی وشیخه علی بن ابراهیم وتلمیذه النعمانی والکشی وشیخه العیاشی والصفار وفرات بن ابراهیم والشیخ الطبرسی صاحب الاحتجاج وابن شهراشوب والثقة محمد بن العباس الماهیار و اضرابهم وهؤلاء اجل من ان یتوهم فیهم سوء فی العقیدة وضعف فی المذهب وفتور فی الدین وعلیهم تدور رحی آثار الائمة الاطهار۔" ص ۲۵۱

اس قول اور توجیہ میں سقم اور سخافت یہ ہے کہ ان روایات کے اپنی کتابوں میں نقل کرنے والے ثقۃ الاسلام محمد بن یعقوب کلینی اس کے شیخ علی بن ابراہیم قمی اور شاگرد نعمانی ہیں اور علامہ کشی اور اس کے شیخ صفار اور فرات بن ابراہیم۔ شیخ طبرسی صاحب الاحتجاج اور ابن شہر آشوب اور ثقہ محمد بن عباس ماہیار اور

ان جیسے دوسرے لوگ اور ان کا شان اس سے ارفع اور مرتبہ و مقام اس سے بلند و بالا ہے کہ ان کے متعلق بدعقیدگی یا مذہب میں کمزوری اور دین میں فتور کا گمان کیا جا سکے حالانکہ انہیں پر ائمہ اطہار کے آثار کی چکی گردش کرتی ہے۔ اور ہر پچھلا محدث انہیں کا بقیہ نوش جان کرنے والا ہے۔ اور ہر فقیہہ انہیں کے دستر خوان فیض کا ریزہ چین ہے۔

الغرض خود شیعی علماء کے نزدیک ان روایات میں ضعف کا قول درست ہے اور ان کے ناقلین پر بداعتمادی کا کوئی جواز اور امکان اس لئے ڈھکو صاحب کا جواب باطل ہے۔ اور مذہب شیعہ کی رو سے حق پوشی کی ناکام کوشش۔ وائے بدقسمتی علامہ موصوف کی کہ اپنے علماء پہلے ہی اس کے فرار کی راہیں مسدود کر گئے اور ہیرا پھیری کی گنجائش ختم کر گئے۔

دوسرا جواب اور اس کا رد:

یہ روایات اختلاف قرأت پر مبنی ہیں اگر یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو متعدد قرأتوں میں پڑھنے کی رخصت دی ہے تو شیعہ مذہب میں یہ قطعاً قابل قبول توجیہ نہیں ہے کیونکہ وہ صرف ایک ہی قرأت کے قائل ہیں۔

۱۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے متعلق امام ابو عبداللہ جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب روایت اصول کافی جلد ۲ ص ۶۳۴ پر یوں منقول ہے۔

"ان کان ابن مسعود لا یقرأ علی قراءتنا فھو ضال فقال ربیعۃ ضال؟ فقال نعم ضال ثم قال ابو عبداللہ اما نحن فنقرأ علی قراءۃ ابی۔"

"اگر عبداللہ بن مسعود ہماری قرأت پر قرآن مجید نہیں پڑھتے تو وہ گمراہی کا شکار ہیں ربیعہ نے حیران ہو کر دریافت کیا گمراہ ہیں؟ تو آپ نے فرمایا ہاں وہ گمراہ ہیں۔ بعد ازاں فرمایا کہ ہم ابی بن کعب کی قرأت کے مطابق پڑھتے ہیں۔"

لہذا اس کے خلاف صحابی اور تلمیذ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پڑھے تو وہ بھی گمراہ تو دوسروں کے لئے مختلف قرأت پر پڑھنے کی رخصت کیوں کر ہو سکتی ہے؟ اس مضمون کی مزید روایات بھی ملاحظہ کرتے چلیں۔

۲۔ نفیل بن یسار کہتے ہیں میں نے امام ابوعبداللہ سے عرض کیا لوگ کہتے ہیں "ان القرآن نزل علی سبعۃ احرف" قرآن سات قرأتوں پہ نازل ہوا ہے تو آپ نے فرمایا وہ اللہ کے دشمن جھوٹے ہیں قرآن صرف ایک قرأت پر نازل ہوا ہے۔ کذبوا اعداء اللہ ولکنہ نزل علی حرف واحد من عند الواحد"۔

۳۔ زرارہ امام باقر رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں کہ آپ نے فرمایا" ان القرآن واحد نزل من عند واحد ولکن الاختلاف یجیئ من قبل الرواۃ ۔یقیناً قرآن بھی ایک ہے۔ نازل بھی ذات واحد کی طرف سے ہوا ہے لیکن اختلاف ناقلین کی طرف سے آجاتے۔ اصول الکافی ص ۶۳۰ جلد ۲

مطلب واضح کہ اگر اللہ تعالی کی طرف سے یا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے متعدد قرأت کی اجازت ہوتی تو راویوں کی طرف اختلاف منسوب نہ کیا جاتا اور قرأت واحدہ کی یہ دلیل بھی بے محل ہو کر رہ جاتی کہ بھیجنے والا واحد ہے۔ لہذا قرآن بھی واحد ہے اس لئے یہ جواب گلوخلاصی کا فائدہ نہیں دے سکتا کیونکہ شیعہ مذہب پر مبنی نہیں ہے۔

۴۔ اگر قرأت مختلفہ اللہ تعالی کی طرف سے مرخص تھیں تو پھر دوسری قرأتوں کا مذاق نہ اڑایا جاتا اور ان کو خلاف ما انزل اللہ کے عنوان کے تحت درج نہ کیا جاتا۔ کنتم خیر امۃ کے متعلق کیسے تبصرہ کیا گیا کہ یہ امت بھی خیر ہو سکتی ہے جس نے اپنے ائمہ کو شہید کیا اور واجعلنا للمتقین اماما کے متعلق کہا گیا کہ سوال میں حد سے تجاوز ہے اور معقبات من بین یدیہ اور یحفظونہ من امر اللہ پر بھی اعتراض کہ معقب سامنے سے ہو ہی نہیں سکتا اور نہ اللہ کے امر سے کسی کی حفاظت کی جا سکتی ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ یہاں قرأت کی تعداد ملحوظ رکھ کر یہ نہیں کہا گیا بلکہ موجودہ قرآن کو ان خلاف عقل امور پر مشتمل ثابت کر کے اس کے اصل تنزیل کے خلاف ہونے کا دعوی کیا گیا ہے لہذا ڈھکو صاحب کا یہ جواب مذہب شیعہ کی رو سے قطعی غلط اور ناقابل اعتبار ہے۔

نوٹ :

تعدد قرأت کے مذہب شیعہ میں بطلان کی تفصیل ملاحظہ کرنی ہو تو فصل الخطاب مولفہ نوری طبرسی صـ۲۱۱ تا صـ۲۲۵ کا مطالعہ کریں اور ڈھکو صاحب کی سینہ زوری بلکہ منہ زوری کی داد دیں کہنے کو تو تقیہ کو خنزیر کی طرح صرف موت کے خطرہ کے تحت استعمال کرتے ہیں مگر عمل اس کے بالکل برعکس ہے۔

تیسرا جواب اور اس کا رد :

جہاں یہ وارد ہے کہ فلاں آیت یوں نازل ہوئی تو اسکا مطلب یہ ہے کہ نازل تو اسی طرح ہوئی جیسے اہل السنت کے قرآن میں ہے مگر اس کا معنی یوں ہے۔ اللہ اللہ کہتے تو یہ ہیں کہ نازل اس طرح ہوئی اور مطلب ہوتا ہے کہ معنی اس طرح ہے؛ اور پھر اس کو خلفاء ثلاثہ اور جامعین قرآن پر الزام بنا لیتے ہیں اور موجب طعن و تشنیع بھی ؎

بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبیست

۱۔ صاحب فصل الخطاب نے اس تاویل اور توجیہہ پر بھی مفصل بحث کی ہے اور مصحف علیؓ میں تاویل اور تفسیری اقوال یا احادیث قدسیہ کے اندراج کا رد کیا ہے۔ اس کا عنوان الدلیل الرابع قائم کیا ہے۔ اور صـ۱۲۱ تا صـ۱۳۶ ان توہمات کے رد میں سیاہ کئے ہیں اور صریح روایات بھی پیش کی ہیں۔

۱۔ خود شیخ صدوق نے عقائد میں نقل کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قرآن جمع کر کے فرمایا "ھذا کتاب ربکم لم یزد فیہ حرف ولم ینقص منہ حرف" اس قرآن میں نہ کسی حرف کی زیادتی کی گئی ہے اور نہ ہی کمی۔

۲۔ سلیم کی روایت میں ہے "ھذا کتاب اللہ عندی مجموعا لم یسقط منہ حرف" اور اس مضمون کی بہت سی روایات مختلف کتب سے نقل کی ہیں جن سے صاف ظاہر ہے کہ شیعہ کا مزعومہ مصحف جو صاحب الزمان کے پاس موجود ہے وہی اصلی قرآن ہے اور اس سے مختلف اور اس میں نہ تفسیری نوٹ ہیں نہ احادیث قدسیہ اور نہ ہی قراٗت

مختلفہ لهذا يقول كذا يعنی کہنا ۔ والی توجیہہ جو ڈھکو صاحب نے ذکر کی ہے شیعی علماء بھی اس کے خلاف ہیں اور لغت اور عرف بھی اس توجیہہ کے خلاف ہیں کیونکہ لفظ اور معنی مرادی میں کوئی مناسبت تو ہونی چاہیئے ۔

۲۔ تاویل مذکور اس صورت میں درست ہو سکتی تھی جب ائمہ اہل بیت کو جامعین قرآن کے ساتھ اس کے معنی میں اختلاف ہوتا خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم ایک معنی بیان کرتے اور ائمہ کرام دوسرا معنی جب قطعاً اس طرح کا کوئی اختلاف درپیش نہ تھا تو ان پر تاویل کے لحاظ سے طعن و تشنیع کا کیا مطلب ہو سکتا تھا اور انہیں تحریف اور تغییر و تبدیل کا مرتکب کیوں کر قرار دیا جا سکتا تھا اسی ضعیف اور کمزور پہلو کو مدنظر رکھتے ہوئے علامہ نوری طبرسی نے فصل الخطاب صنہ ۲۵ پر کہا :

"لم نعثر على التحريف المعنوى الذى نعله الخلفاء الذين نسب اليهم التحريف فى تلك الاخبار فى اية او اكثر و تفسيرهم لها لغير ما اراد الله منها ولو وجد ذالك لكان فى غاية القلة وانما شاع التحريف المعنوى والتفسير بالرأى والاهواء فى الطبقات المتاخرة عنهم ۔الخ"

ہم کسی تحریف معنوی پر مطلع نہیں ہوئے جو ان خلفاء نے کی ہو جن کی طرف ان روایات میں تحریف کی نسبت کی گئی ہے نہ ایک آیت میں اور نہ زیادہ میں اور نہ ایسی تفسیر پر جو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ارادہ کے برعکس کی ہو، اور اگر پائی بھی گئی ہو تو وہ انتہائی قلیل ہے اور تحریف معنوی یا تفسیر بالرائی خلفاء کے بعد والے ادوار میں شائع ہوئی ۔

علی ہذا القیاس ائمہ کے اقوال کو ان روایات میں تفسیری نوٹس پر محمول کرنا اور کثرت تعداد آیات کا محمل احادیث قدسیہ کو بنانا بھی بعید ہے اسی لئے صاحب فصل الخطاب نے کہا ،

لعمرى كيف يجترؤن على التكلفات الركيكة فى تلك الاخبار

مثل ماقیل ان الایات الزائدۃ عبارۃ عن الاخبار القدسیۃ (الی) فی خبر لم یکن ان الاسماء کانت مکتوبۃ علی الھامش علی التفسیر" ص ۲۵۳۔

بے مجھے اپنی زندگانی کی قسم منکرین تحریف ان روایات میں کیوں کر تکلفات رکیکہ کا ارتکاب کرتے ہیں مثلاً یہ کہ آیات زائدہ سے مراد احادیث قدسیہ ہیں یا سورہ لم یکن والی روایت کا مطلب یہ ہے کہ ان ناموں کو مصحف علی کے حاشیہ پر بطور تفسیر لکھا گیا تھا یعنی روایات ائمہ قطعاً ایسی تاویلات کی گنجائش نہیں رکھتیں۔

تنزیہ الامامیہ ———— ڈھکو صاحب

ان روایات کے الزامی جوابات:

این گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند

یعنی جس طرح ہمارے ہاں ایسی روایات ملتی ہیں جو موہم تحریف ہیں ویسے ہی ان کے ہاں بھی ملتی ہیں جن کا ایک شمہ ہم ذیل میں پیش کرتے ہیں لہٰذا جو جواب یہ حضرات ان روایات کا پیش کریں وہی ہماری طرف سے سمجھ لیں اور اگر اس قسم کی روایات کے باوجود ان کے ایمان بالقرآن پر کوئی خلل نہیں پڑتا تو ہمارے ایمان میں کیوں خلل واقع ہو سکتا ہے اس اجمال کی بقدر ضرورت تفصیل یہ ہے کہ۔

روایات اہلسنت کے مطابق موجودہ قرآن ناقص ہے:

تفسیر اتقان طبع مصر جلد ۱ ص۵۵ اور طبع لاہور ص۲۱۶ پر عبداللہ بن عمرؓ کی زبانی منقول ہے کہا:

"لا یقولن احدکم قد اخذت القرآن کلہ وما یدریہ ما کلہ قد ذھب منہ قرآن کثیر۔"

کوئی شخص یہ نہ کہے کہ میں نے پورا قرآن پا لیا ہے۔ اسے کیا خبر کہ پورا قرآن کس قدر تھا۔ قرآن کا بہت سا حصہ تو ضائع ہو گیا۔

(ص : ۱۴)

تحفۂ حسینیہ ———— محمد اشرف السیالوی

تو کار زمین را نکو ساختی کہ با آسمان نیز پر داختی

اپنی مذہبی متواتر روایات کا اور اکابر مذہب کے عقیدۂ تحریف کا جواب تو نہ بن سکا لیکن ڈھکو صاحب نے الزامی کارروائی شروع کر دی جس میں جعل سازی۔ دھوکہ دہی اور تلبیس سے کام لیا ہے۔ ہم نے صرف شیعہ مذہب کی کتابوں سے عبارات پیش کی ہیں۔ الزامی کارروائی تب ممکن ہے جب کسی اہل السنت والجماعت عالم کا یہ قول ثابت کریں کہ وہ قرآن مجید میں تحریف کے قائل ہیں اس کے بعد ان کی کتابوں سے روایات پیش کرتے کا انہیں پورا پورا حق حاصل ہے لیکن مذہب بیان کئے بغیر ان کی کتب میں مذکور و منقول روایات سے اپنے طور پر مطلب کشید کر کے الزامی کارروائی کرنا اسی کے لئے ممکن ہے جو برہان اور الزام کا معنی ہی نہ سمجھتا ہو۔

محل نزاع کا تعین اور حقیقت حال کی وضاحت یعنی

نسخ یا تحریف

جو قرآن مجید وقتاً فوقتاً نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتا رہا اور تئیس سال میں مکمل ہوا وہ پورے کا پورا اب اہل اسلام کے پاس موجود نہیں اس پر شیعہ اور اہل السنت والجماعت کا اجماع و اتفاق ہے لیکن شیعہ کے نزدیک اس قرآن مجید میں اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے تصرف کیا اور اسے اپنی مرضی کے مطابق بنانے کے لئے کچھ کہیں بڑھا دیا اور کہیں کمی کر دی اور اس وجہ سے ان کو منافق اور ملحد کے القابات سے یاد کیا گیا۔

نعوذ باللہ من ذلک۔

لیکن اہل السنۃ والجماعت کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود ہی بعض نازل شدہ آیات کو بعض مصلحتوں اور حکمتوں کے پیش نظر منسوخ فرمادیا۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لوح قلب سے محو فرمادیا "کما قال تعالیٰ ماننسخ من آیۃ اوننسھا نات بخیر منھا" جو آیت ہم منسوخ کریں گے یا اس کو بھلوائیں گے تو اس سے بہتر لائیں گے اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: "سنقرئک فلا تنسیٰ الا ما شاء اللہ۔" عنقریب ہم آپ کو پڑھائیں گے تو آپ نہیں بھولو گے مگر جو اللہ تعالیٰ نے چاہا۔ الغرض ان آیات مبارکہ سے اور قانون فطرت اور آئین قدرت کو دیکھتے ہوئے یہ حقیقت تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ جس طرح پہلے انبیاء و رسل کے ادوار میں احکام کو حسب مصالح و حکم تبدیل کرتا چلا آیا ہے۔ زمانہ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی اس نے مختلف ادوار اور مواقع پر تبدیلیاں فرمائیں اور کلام مجید کی آیات کا نسخ اور انساء بھی اس ضمن میں پایا گیا۔

اقسام نسخ:

پھر آیات مبارکہ باعتبار نسخ کے تین قسم ہیں۔

۱۔ جن کی تلاوت اور حکم دونوں منسوخ کر دیے گئے ہیں۔
۲۔ صرف تلاوت منسوخ کی گئی اور حکم باقی رہا۔
۳۔ حکم منسوخ کر دیا گیا لیکن تلاوت باقی رکھی گئی۔ جب کہ شیعہ مذہب میں منسوخ التلاوۃ آیت کا کوئی نام ونشان نہیں ہے۔

اس پس منظر میں یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ آیات کی مقدار میں کمی اہل السنۃ والجماعت اور اہل تشیع کے درمیان محل نزاع نہیں ہے بلکہ صحابہ کرام کا عمل و کردار اس نسخہ کیمیا کے متعلق کیا تھا اس وقت بحث اس میں ہے چونکہ جو قرآن ہمارے پاس موجود ہے یہ خلفاء ثلاثہ کا ترتیب دیا ہوا اور جمع کیا ہوا ہے لہٰذا اگر وہ تحریف اور قطع و برید سے مبرا تھے اور افراط و تفریط سے محفوظ تھے۔ اور قرآن مجید بھی ان کو فرداً فرداً یا مجموعی طور پر یاد تھا تو پھر یہ قرآن قابل اعتماد

ہے ورنہ نہیں۔ جب کہ شیعہ مذہب میں ان کو اس ضمن میں یہود و نصاریٰ سے بڑھ کر تحریف اور تغییر و تبدیل کا مورد الزام ٹھہرایا گیا ہے۔ اور اہل بیت کی دشمنی کی وجہ سے ان کے فضائل اور حقوق کے متعلق وارد آیات کا حذف کرنا بھی اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمے ہے۔ اور اپنے فضائل و کمالات اور اپنے جاری کردہ مذہب کی حقانیت پر مشتمل آیات کا اضافہ بھی ان کے ذمے لگا دیا گیا ہے۔ ایسی صورت میں ڈھکو صاحب کا مذہب تحریف اور تغیر و تبدیل کا دعویٰ کرتا ہے جبکہ اہل السنۃ اس سے بری الذمہ ہیں اور مذہب اہل السنۃ میں اگر کوئی امر ثابت ہے تو وہ بعض آیات کی کمی ہے۔ اور وہ بھی از رد ئے نسخ و تلاوت لہذا اس سے مذہب اہل تشیع کا تحفظ کیوں کر ہو سکتا ہے۔

۲۔ نیز اہل تشیع نے تواتر کا اعتبار کئے بغیر قرانیت اعتبار کر کے صحابہ کو مورد الزام ٹھہرایا جب کہ اہل السنۃ والجماعت کا مذہب یہ ہے کہ قرآن نام ہے ان کلمات طیبات کا جو تواتر اور قطعیت کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہوں تمام کتب اصول فقہ میں قرآن مجید کی تعریف کرتے ہو تصریح فرمائی:

"القران هو المنزل على الرسول المكتوب في المصاحف المنقول الينا نقلا متواترا بلا شبهة فيه۔"

قرآن ان آیات مقدسہ کا نام ہے۔ جو رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی گئیں۔ مصاحف میں لکھی گئیں اور ہماری طرف تواتر کے ساتھ منتقل ہوئیں اور ان کے قرآن کا حصہ ہونے میں کسی قسم کا شبہ نہ پایا گیا ہو۔

لہذا اخبار آحاد جو بعض حروف یا آیات میں کمی یا زیادتی پر د۔ ت کرتی ہیں ان سے ہمارے مذہب میں تحریف کا دخیل ہونا لازم نہیں آتا

کیونکہ وہ خود ظنی ہیں ان سے کسی کلمہ کا جزو قرآن ہونا یونکر ثابت ہو سکتا ہے

۳۔ علاوہ ازیں شیعہ مذہب میں قرأت کا تعدد معتبر نہیں ہے جب کہ ہمارے نزدیک قرآن مجید میں سات قرأتیں متحقق ہیں اور قول رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

"ـــ ب القرآن على سبعة احرف" کا مصداق بھی انہیں کو قرار دیا

گیا ہے۔ اور قراء سبعہ کی قرأت بطریق تواتر مروی اور منقول بھی ہیں لہٰذا ہمارے مذہب و مسلک کی رو سے تعداد میں کمی و بیشی کی یہ وجہ بھی ہے کہ اصل کلمہ تو ایک نازل ہوا لیکن تعداد قرآت نے اس کو متعدد بنا دیا مثلاً سورۃ فاتحہ میں مالک یوم الدین کو مَلِكِ يوم الدين اور مَلَكَ يوم الدين بھی پڑھا گیا ہے۔ لہٰذا مجموعی طور پر تین آیات بن گئیں اور اصل میں ایک اس لحاظ سے یہ کمی و بیشی قرأت کی طرف راجع ہوئی نہ کہ صحابہ کرام کی طرف سے تحریف اور تغیر و تبدیل کی طرف۔ اندریں حالات ڈھکو صاحب نے جو الزامی کاروائی کی ہے یہ سراسر دجل اور فریب کاری پر مبنی ہے اور مذہب اہل تشیع کو اس سے کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ مفسر شہیر علامہ سید محمود الوسی حنفی نے اپنی شہرہ آفاق تفسیر "روح المعانی" کے مقدمہ میں فرمایا:

"زعمت الشیعة ان عثمان بل ابابکر وعمر ایضا حرفوه واسقطوا کثیرا من ایاته وسوره فقد روی الکلینی۔ الخ

شیعہ کا دعویٰ باطل اور زعم فاسد یہ ہے کہ بیشک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بلکہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہم نے قرآن مجید میں تحریف کی اور اس کی بہت سی آیات اور سورتوں کو حذف کر دیا ہے جیسے کہ کلینی نے روایت کیا (اور کلینی وغیرہ کی چند روایات پہلے ذکر کی جا چکی ہیں۔ محمد اشرف)

"فالقران الذی بایدی المسلمین الیوم شرقا وغربا وهو کرة الاسلام ودائرة الاحکام مرکزا وقطبا اشد تحریفا عند هولاء من التوراة والانجیل واضعف تالیفا منهما واجمع للاباطیل۔"

روح المعانی جلد اول ص۲۳

پس وہ قرآن مجید جو آج شرق و غرب کے اہل اسلام کے ہاتھوں میں موجود ہے اور وہ کرہ اسلام کا قطب اور دائرہ احکام شرع کا مرکز ہے وہ ان لوگوں کے نزدیک تورات و انجیل سے زیادہ تحریف پر مشتمل ہے اور ان دونوں کی نسبت بھی ضعیف ترین تالیف ہے اور ان سے بھی زیادہ

اباطیل پر مشتمل ہے۔

"وانت تعلم ان ھذا القول اوھی من بیت العنکبوت وانہ لاوھن البیوت ولا اراک فی مریۃ من حماقۃ مدعیہ و سفاھۃ مفتریہ ولما تفطن بعض علماء ھم لما بہ جعلہ قولا لبعض اصحابہ"۔

حالانکہ ہر ایک شخص جانتا ہے کہ یہ قول اور مذہب مکڑی کے جالا سے بھی ضعیف اور کمزور ہے۔ جب کہ وہ سب گھروں سے کمزور ترین گھر ہے اور مکان ہے اور ایسے مدعی کی حماقت اور ایسے مفتری کی سفاہت ہر شخص پر واضح ہے اور جب بعض علماء شیعہ نے اس قول اور مذہب کی شناعت وقباحت کو محسوس کیا تو اس کو اپنے بعض اصحاب کا قول قرار دے دیا جیسے کہ طبرسی نے مجمع البیان میں کہا اور علم المرتضی نے بھی اس کو نقل کیا۔ اور چونکہ طبرسی نے اہل السنۃ والجماعۃ کی طرف بھی قرآن مجید میں نقص اور کمی کے اعتراف کی نسبت کی تھی (جیسے کہ اس کی اقتداء میں ڈھکو صاحب نے بھی ایسا ہی کیا ہے) تو اس کا رد کرتے ہوئے علامہ الوسی نے فرمایا:

"فلما ان نسبۃ ذالک الی قوم من الحشویۃ للعامۃ الذین یعنی بھم اھل السنۃ والجماعۃ فھو کذب اذسوء فھم لانھم اجمعوا علی عدم وقوع النقص فیما تواتر قرآنا کما ھو موجود بین الدفتین الیوم"۔

رہا قرآن میں کمی کی نسبت عامہ حشویہ کی طرف کرنا جس سے اس کی مراد اہل السنۃ والجماعت ہیں تو وہ کذب اور جھوٹ ہے اور یا ناسمجھی اور بد فہمی پر مبنی ہے کیونکہ اہل السنت کا اس پر اجماع ہے کہ وہ جو قرآن ہے اور تواتر کے ساتھ ثابت ہے اور دو تختیوں کے درمیان ہمارے سامنے موجود ہے۔ [illegible] ہیں ہے۔

٭

طبرسی کا منشاء غلط:

"نعم اسقط زمن الصدیق مالم یتواتر وما نسخت تلاوتہ وکان یقرءہ من لم یبلغہ النسخ وما لم یکن فی العرضۃ الاخیرۃ۔" صہ ۲ جلد اول

ہاں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے زمانہ اقدس میں وہ حصہ ساقط کر دیا گیا جو متواتر نہیں تھا اور وہ حصہ جس کی تلاوت منسوخ ہو چکی تھی لیکن جن کو نسخ کی اطلاع نہیں پہنچی تھی وہ بھی اس کی تلاوت کیا کرتے تھے اور وہ حصہ بھی جو (جبرئیل علیہ السلام) پہ آخری مرتبہ پیش کرنے اور باہم دور کرنے پر ترک کر دیا گیا تھا تو اس غیر متواتر کو یا منسوخ التلاوۃ کو یا عرضہ اخیرہ میں خود سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور جبرئیل علیہ السلام کے ساقط کرنے کی وجہ سے اس کو ساقط کیا گیا تو یہ قرآن میں صحابہ کرام کی طرف سے کمی اور نقصان نہیں بلکہ وہ قرآن تھا ہی نہیں یا تھا مگر بوجہ نسخ قرآن نہ رہا۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت اور دیگر روایات کا جواب:

ڈھکو صاحب کی پیش کردہ روایت کا جواب دیتے ہوئے علامہ آلوسی نے فرمایا:

"وعلیہ یحمل ما رواہ ابو عبید عن ابن عمر (الی) والروایات فی ھذا الباب اکثر من ان یحصیٰ الا انہا محمولۃ علی ما ذکرنا۔"

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی قول اور اس کے علاوہ اس مضمون کی کثیر التعداد روایات کا یہی جواب ہے کہ وہ غیر متواتر ہیں اور جو تواتر کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول نہ ہو وہ ہمارے نزدیک قرآن نہیں ہے اور یا وہ ان آیات کے قبیل سے ہیں جن کی تلاوت منسوخ ہو چکی ہے لہٰذا اس قسم کی روایات سے اہل السنت کو بھی تحریف کا قائل ثابت کرنا قطعاً غلط ہے اور یہ

ہم تو ڈوبے ہیں صنم تم کو بھی لے ڈوبیں گے۔ کے مترادف ہے

وابن ذلک مما یقوله الشیعی الجسور — ومن لم یجعل اللہ لہ نوراً فما لہ من نور

تنزیہہ الامامیہ —————— ڈھکو صاحب

بحسب روایات اہلسنت سورہ ہائے قرآنی میں کمی

زمانہ پیغمبر میں سورہ احزاب کی دو سو آیتیں پڑھی جاتی تھیں لیکن جب عثمان نے جمع کرائے تو صرف وہ آیات دستیاب ہوئیں جو اس وقت موجود ہیں۔ نیز "اتقان" کے مدام سے بروایت ابی بن کعب اس سورۃ کا بقدر سورہ بقرہ ہونا ثابت ہوتا ہے اس کی دو سو چھیاسی آیات ہیں یہاں نسخ والی تاویل بھی نہیں کی جاسکتی کیونکہ نسخ صرف زمانہ نبی میں ممکن ہے۔ اس کے بعد اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ کما لا یخفی۔

(ص: ۴۲)

تحفہ حسینیہ —————— محمد اشرف السیالوی

یہ سب کچھ ڈھکو صاحب کی پانی میں مدانی ہے اور محل نزاع سے بے خبری یا دیدہ دانستہ حیلہ سازی اور تجاہل سے کام لیا ہے کیونکہ قرآن مجید کی آیات جتنی بھی کم ہوں یا زیادہ اس میں تو بحث ہی نہیں۔ بحث اس میں ہے۔ کہ اس میں اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کردار کیا ہے؟ کیا حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ عثمان رض نے آیات حذف کر دی ہیں؟ جب نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر اس کے پیش کرنے کا مقصد کیا رہا۔؟

علاوہ ازیں انہوں نے یہ بھی نہیں فرمایا کہ ابوبکر و عمر کے دور میں پڑھی جاتی تھیں۔ اب ڈھکو صاحب سے پوچھئے کہ منسوخ التلاوت آیات کو بیان کرنا ہو تو کیا کہیں گے زمانہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے پڑھی جاتی تھیں۔ ڈھکو صاحب غلط بات کرنے کی بجائے عقلمندوں کے نزدیک چپ رہنا ہی غنیمت ہوتا ہے آپ نہ چپ رہتے ہیں اور نہ بات کرنے سے

پہلے اس کو سوچتے ہیں۔

تنبیہہ:

علامہ آلوسی کے حوالے سے میں نے مسلک اہل السنت واضح کر دیا ہے کہ ایسی روایات نسخ پر محمول ہیں اور اگر کہیں رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد کسی سے ان کی تلاوت ثابت ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ابھی اس کو نسخ کی اطلاع نہیں ملی تھی نہ یہ کہ خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم اس کے نزدیک مورد الزام ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے خود بعض آیات کے نسخ فرمانے کا اور انہیں لوح قلب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے محو فرمانے کا اعلان کر دیا تو اس کمی بیشی کا معاملہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمے لے لیا" کما قال تعالیٰ "ما ننسخ من آیۃ او ننسھا نات بخیر منھا۔" اور اس کی مفصل تقریر پہلے ذکر کی جا چکی ہے خود شیعہ علماء نے اس آیت کریمہ کے تحت نسخ کے تین قسم بیان کئے ہیں۔ مجمع البیان جلد اول صـ۱۸۰ اور منہج الصادقین جلد اول صـ۲۷۲ پر اس کی تفصیل ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔ منجملہ اس کے یہ بھی ہے کہ ایک شخص نے بارگاہ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم میں عرض کیا کہ مجھے چند آیات کلام مجید سے یاد تھیں اور میں نماز تہجد میں ان کو پڑھا کرتا تھا آج رات تہجد کے لئے اٹھا تو وہ بھول چکی تھیں اور مجھ سے پڑھی نہ جا سکیں دوسرے صحابی نے بھی اپنا واقعہ اس طرح بیان کیا۔ تیسرے نے بھی اپنی سرگزشت اسی طرح بیان کی تو سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جانتے ہو اس کا سبب کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا اللہ و رسولہ اعلم آپ نے فرمایا ایں بجہت آنست کہ حق تعالیٰ آنرا نسخ فرمود و ہرگاہ آیتے را نسخ نماید آنرا از یاد مردماں ببرد۔

طبرسی نے منسوخ التلاوۃ کو بیان کرتے ہوئے کہا: "قد جاءت اخبار کثیرۃ بان اشیاء کانت فی القرآن ننسخ تلاوتھا فمنھا ما روی عن ابی موسی انھم کانوا یقرؤن "لوان لابن آدم وادیین من المال لا تبتغی الیھما ثالثا ولا یملاء جوف ابن آدم الا التراب ویتوب اللہ علی من تاب ثم رفع وعن انس ان السبعین من الانصار الذین قتلوا ببئر معونۃ

قرأنا فيهم كتابا ، بلغوا عنا قومنا انا لقينا ربنا فرضی عنا وارضانا ثم ان ذلك رفع -

(ص ۱۸۰)

بہت سی روایات اس مضمون کی وارد ہیں کہ چند آیات قرآن مجید میں تھیں بعد ازاں ان کی تلاوت منسوخ ہو گئی ۔

ا۔ حضرت ابو موسیٰ سے مروی ہے کہ صحابہ قرآن مجید میں پڑھا کرتے تھے "لو ان لا بن آدم" یعنی اگر ابن آدم کے لئے دو وادیاں مال سے بھری ہوں تو وہ ضرور تیسری وادی کا طلبگار ہو گا اور ابن آدم کے پیٹ کو صرف مٹی ہی بھرتی ہے اور اللہ تعالیٰ ان پر نظر رحمت فرماتا ہے ۔ جو توبہ کریں بعد ازاں اس کی تلاوت منسوخ ہو گئی اسی طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ ستر قاری جو بئر معونہ میں شہید ہوئے ہم نے ان کے حق میں نازل شدہ یہ کلمات تلاوت کئے "بلغوا عنا قومنا" ہماری قوم کو ہماری طرف سے یہ پیغام دیدو کہ ہم نے اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی پس وہ ہم سے راضی ہوا اور ہمیں راضی کیا پھر یہ بھی منسوخ ہو گئی ۔

سورہ احزاب اور شیعی مفسر :

سورۂ احزاب کے متعلق خصوصی طور پر طبرسی نے ابو علی کی کتاب الحجۃ سے یہ روایت نقل کی ہے اور اس کے اکثر حصہ کو منسوخ التلاوۃ قرار دیا ہے :

روی عن زر بن حبیش ان ابیا قال له کم تقرؤن الاحزاب قال بضعا وسبعین آیۃ قال قد قرأتها ونحن مع رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم اطول من سورۃ البقرۃ اوردہ ابو علی فی کتاب الحجۃ -

یعنی زر بن حبیش سے مروی ہے کہ حضرت ابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھ سے دریافت کیا کہ سورۃ احزاب کی کتنی آیات پڑھتے ہو تو میں نے کہا ستر کچھ زیادہ آیات آپ نے کہا میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس کی تلاوت اس حالت میں بھی کی ہے کہ یہ سورۂ بقرہ سے بھی زیادہ تھی ۔

ڈھکو صاحب اب تو سمجھ آگئی ہوگی کہ اس میں نسخ وارد ہوا یا نہیں اور یہ نسخ زمانہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ہوا یا بعد میں کیونکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابی رضی اللہ عنہ دونوں ہی نے مع رسول اللہ اور فی زمن النبی لکھ کر ایک ہی مضمون کو ادا کیا ہے۔

ہمیں افسوس ہے کہ علامہ ڈھکو صاحب کا مطالعہ محدود ہے اور اپنی کتابوں کی بھی خبر نہیں یا پھر دیدہ دانستہ الجھاؤ اور التباس واشتباہ پیدا کرنے کے درپے ہیں اور تقیہ کا حق ادا کر رہے ہیں۔

نوٹ:

ابوالقاسم الخوئی نے اپنی تفسیر البیان کے مقدمہ میں منسوخ التلاوۃ آیات کا انکار کیا ہے۔ اور اس کو تحریف قرار دیا ہے جس کا رد کرتے ہوئے ابوالحسن بن محمد الشعرانی نے کہا کہ خود صاحب کتاب اپنی کتاب کے بعض حصوں کو قلم زد کر دے تو اس کو تحریف نہیں کہتے تحریف یہ ہے کہ کوئی دوسرا شخص اس میں تصرف کرے پھر خود اس کی رہنمائی کرتے ہوئے کہا۔

بہتر آں بود کہ میگفت کہ ثبوت منسوخ التلاوت بخبر صحیح ثابت نشدہ است حاشیہ منہج ص۲۷۳ جلد اول۔ بہتر یہ ہوتا کہ اس طرح کہتا کہ ایسی آیات جن کی تلاوت منسوخ کی گئی ہو کسی صحیح حدیث اور روایات سے ان کا ثبوت نہیں ملتا گویا نسخ تلاوت ممکن ہے۔ لیکن پایۂ ثبوت تک نہیں پہنچا اور طبرسی اور کاشانی نے اس کے ثبوت کا بھی اعتراف کرلیا اس سے شیعی علماء کا اضطراب اور بے یقینی اور بے اعتمادی آشکارا ہے۔

یاد رہے اسی ابوالقاسم الخوئی اور اس کی تفسیر کا حوالہ ڈھکو صاحب نے انکار تحریف میں دیا ہے اور اس کے نسخ تلاوت کو تحریف قرار دینے کا قول شعرانی نے نقل کیا ہے جس سے ڈھکو صاحب کی دیانت وامانت عالم آشکارا ہو جاتی ہے۔ بہرحال شیعی علماء کا قلبی معاملہ تو جو بھی ہو ہم نے یہاں صرف یہ بتلانا تھا کہ اہلسنت کے نزدیک نسخ کا ایک قسم نسخ تلاوت بھی ہے اور ایسی روایات کا مفاد و مدلول اور معنی و مقتضا یہی ہے کہ ان کی تلاوت منسوخ ہوگئی بعض میں مع حکم اور بعض میں بلا نسخ حکم هذا والحمد للہ۔

تنزیہہ الامامیہ ————— ڈھکو صاحب

روایات اہل السنت کے مطابق قرآن سے بعض سورے غائب ہیں

علامہ جلال الدین سیوطی نے تفسیر اتقان جلد ا صہ ۶۷ طبع مصر پر لکھا ہے کہ ابی ابن کعب کے مصحف میں ۱۱۶ سورے تھے (جبکہ موجودہ قرآن میں ۱۱۴ سورے ہیں) کیونکہ اس کے آخر میں سورہ حفد اور سورہ خلع بھی درج تھیں مگر آج وہ سورے ندارد ہیں۔ پیر سیالوی صاحب یا ان کے مریدان باصفا بتائیں کہ وہ دو سورتیں کدھر گئیں۔ (ص: ۴۳)

تحفہ حسینیہ ————— محمد اشرف السیالوی

۱۔ علامہ ڈھکو صاحب کا دو سورتوں کے غائب ہونے کی وجہ سے غصہ ٹھنڈا نہیں ہو رہا آخر یہ بھی تو سوچیں کہ ایک سو چودہ سورتیں بھی انہیں صحابہ کرام کی مہربانی سے ہاتھ آئیں بقول آپ کے تو مولا کے مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے لے کر جملہ اہل بیت نے سرے سے قرآن ہی غائب کر دیا اور ایک سورت بھی امت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا نہ کی کہیں اتنا حوصلہ اور بردباری کہ سبھی قرآن غائب ہونے پر بھی مکمل خاموشی بلکہ داد تحسین اور کہیں اس قدر بے ہمی آخر انصاف نام کی کوئی شے بھی دنیا میں ہے یا سراسر اندھیر ہی اندھیر ہے۔

۲۔ پھر سورہ حفد اور سورہ خلع میں اگر اہل بیت کرام کی امامت و ولایت کا بیان ہوتا یا ان کے فضائل و خصائص کا یا دیگر اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مظالم و مثالب کا العیاذ باللہ تو پھر بھی ان کی طرف سے ان کو چھپانے کا تخیل فاسد آپ کو ہو سکتا تھا

جب ان دونوں سورتوں کی عبارات کتب تفاسیر میں منقول ہیں۔ اور ان میں ان امور میں سے کوئی بھی موجود نہیں تو صاف ظاہر ہے کہ جمہور کے نزدیک ان کی قرآنیت ثابت نہیں تھی منسوخ ہونے کی وجہ سے یا متواتر نہ ہونے کی وجہ سے اس لئے ان کو ذکر نہیں کیا گیا۔ ولا یجوزان یقرأ فی مصحف مسعود ولا ابی ولا غیرھما لان غیرالمتواتر لیس بقرآن: مقدمہ تفسیر منہج ص

یعنی کوئی شخص مصحف ابن مسعود اور مصحف ابی وغیرہ کی قرأت نہ کرے جو متواتر نہیں کیونکہ جو متواتر نہیں وہ قرآن ہی نہیں۔ اور اس کی تائید اسی اتقان کے اسی صفحہ پر منقول روایات سے ہوتی ہے۔ جن میں اس کا دعا قنوت کے طور پر نازل ہونا ثابت ہے:

عن خالد بن ابی عمران ان جبرئیل نزل بذلک علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھو فی الصلوۃ مع قولہ تعالیٰ لیس لک من الامر شیئ الایۃ لما قنت یدعو علی مضر۔ (ص ۶۵۔ جلد اول)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں مشغول تھے کہ جبرئیل امین حفد اور خلع کے کلمات کے ساتھ نازل ہوئے مع اس آیت کریمہ کے "لیس لک من الامر شیئ" جب کہ آپ نے قبیلہ مضر کے خلاف قنوت میں دعا ہلاکت کرنی شروع کی ہوئی تھی۔ شیخ عالم ابوالحسن بن محمد شعرانی نے تذکرہ کے حوالے سے نقل کیا۔

گویا آپ کو "لیس لک من الامر شیئ" فرما کر اس معاملہ کو خدا کے سپرد کرنے کو کہا گیا اور ان کی دعاء ہلاکت کی جگہ اس دعا کی تعلیم دی گئی اس لئے سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بھی ان کلمات کو قنوت میں پڑھتے تھے۔ جیسے کہ سیوطی نے بیہقی کے حوالہ سے عبید بن عمیر سے نقل کیا ہے کہ آپ نے رکوع کے بعد قنوت میں پڑھا۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم اللھم انا نستعینک ونستغفرک ونثنی علیک الخ لہذا جمہور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے نزدیک یہ دعا قنوت ہے۔ اور اسی پر اب بھی اہل السنت کا عمل ہے اور ان کلمات کو سورۃ واحدہ یا دو سورتیں سمجھنا یہ صرف حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا خیال اور اجتہاد تھا۔ یہی وجہ ہے کہ امام جلال الدین سیوطی نے اس فصل کے آغاز میں فرما دیا "اما سورۃ فمائۃ واربع عشرۃ سورۃ باجماع من یعتد بہ" قرآن مجید کی سورتیں معتد بہ حضرات

کے اجماع واتفاق کے مطابق ایک سو چودہ ہیں کم یا بیش ہونے کے متعلق اقوال یا روایات کی نفی نہیں کی لیکن ان اقوال کو معتدبہ حضرات کے اجماع کا خلاف قرار دیا ہے۔

۳۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے مصحف میں نہ سورۃ فلق تھی اور نہ سورہ ناس تو اس طرح ایک سو بارہ ہوگئیں تو کیا ان کی طرف سے اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن میں اضافے کا مرتکب قرار دیا جائے گا اور تحریف کا! قطعاً نہیں کیونکہ ان دونوں کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے میں کلام نہیں ہے جمہور صحابہ اکرام نے ان کو ہمیشہ کے لئے بطور قرآن برقرار رکھا اور آپ کا خیال یہ تھا کہ یہ بطور تعوذ اور ازالۂ سحر کے نازل ہوئی ہیں نہ بحیثیت قرآن ہونے کے۔

یہی سوال ابوبکر حضرمی نے حضرت امام محمد باقر رضی اللہ عنہ سے کیا تو آپ نے فرمایا کان ابی یقول انما فعل ذلک ابن مسعود برایہ وهما من القرآن " میرے والد گرامی فرماتے تھے یہ عبداللہ بن مسعود کی ذاتی رائے تھی حقیقت میں یہ دونوں سورتیں قرآن مجید سے ہیں۔

الغرض جو جواب ان دونوں آئمہ کرام محمد باقر، زین العابدین رضی اللہ عنہما نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ والی روایت کی طرف سے دیا ہے وہی جواب ہماری طرف سے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ والی روایت کی طرف سے ہے۔

تنبیہہ:

ڈھکو صاحب پوچھتے ہیں ان دونوں سورتوں کو حضرت عائشہ کی بکری کھا گئی یا نذر آتش ہوگئیں۔ ان کی عبارت اور کلمات تو کتب تفاسیر میں موجود ہیں اور ہم صدیوں سے بطور قنوت ان کو پڑھتے بھی ہیں اور ڈھکو صاحب نے وہ عبارت لکھی ہوئی اپنی آنکھوں سے بھی دیکھی ہوگی اس کے باوجود یہ سوال کتنا عجیب ہے اور مضحکہ خیز۔ چلو جواب ہی لینا ہے تو ہم عرض کر دیتے ہیں جو چیز مصحف علی رضی اللہ عنہ کو نگل گئی وہی ان دونوں کو بھی لے گئی ہوگی وہیں پر تلاش کر لینا جہاں وہ مصحف مل سکے گا۔ یہ بھی انشاء اللہ ضرور مل جائیں گی۔

☆ ☆ ☆

تجزیہ:۔

ڈھکو صاحب سمجھتے ہیں کہ قرآن صرف اور صرف وہ ہوتا ہے جو کاغذات وغیرہ پر مرقوم ہو اور وہ ختم ہو جائیں۔ تو قرآن ختم ہو جائے گا اور اپنے خیال میں سچے بھی ہیں کیونکہ انہیں یاد تو ہوتا نہیں۔ لہٰذا صحیفے ضائع ہوئے تو قرآن بھی ضائع ہو گیا۔ لیکن اہلسنت کو اپنے اوپر قیاس کرنا غلط محض ہے کیونکہ ان میں ہزاروں کی تعداد میں حافظ ہیں لہٰذا اب اگر شیعہ صاحبان مل کر صحائف کو کھا بھی جائیں تو قرآن ختم نہیں ہوتا اور ایک بکری کیا لاکھوں بکریاں اس کام پر مامور کر دیں تو بھی ناکامی کا منہ دیکھنا پڑے گا کیونکہ قرآن مجید حقیقت میں ان آیات کا نام ہے جو اہل ایمان اور اہل علم کے سینوں میں محفوظ ہیں

اور بحمدہ تعالیٰ اس دور میں بھی اہل السنت کے مقتداء و پیشوا سینکڑوں کی تعداد میں پورے قرآن کے حافظ تھے اور اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ہر ایک متعدد سورتوں کا حتیٰ کہ ہر سورت اور پورا قرآن ان حضرات کی بدولت ہم تک تواتر کے ساتھ پہنچا لہٰذا نہ بکریوں کے کھانے سے وہ ضائع ہو سکتا ہے اور نہ جلائے جانے سے۔

رہا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف اظہار بغض و عناد تو اس کی سزا تو انشاء اللہ ضرور بر وقت جنرا ملیگی سر دست اتنا عرض کرنے پر اکتفا کرتا ہوں کہ آپ اگر قرآن کے مخالف تھے اور اسے جلانے والے تو ہمیں قرآن دینے والا کون ہے اور جو آج شیعہ صاحبان کا بھی سہارا بنا ہوا ہے۔ وہ کس کا عطا کردہ ہے اگر ان کی مہربانی سے یہ مصحف بھی نصیب نہ ہوتا تو آپ اہل کتاب کہلانے کے بھی حق دار نہ ہوتے چہ جائیکہ اہل قرآن۔

لمحہ فکریہ:

حضرت ابی بن کعب کا زائد سورتوں پر مشتمل مصحف اور حضرت عبداللہ بن مسعود کا کم سورتوں پر مشتمل مصحف اصحاب کے سامنے آگیا اور جمع کرنے والوں پر کوئی قیامت نہ ٹوٹی اور نہ انہوں نے کسی کی طرف سے ڈر اور خوف کی خاطر ان کو چھپایا لیکن شیعہ برادری کو صرف حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہی اتنے کمزور اور بزدل نظر آئے نعوذ باللہ کہ دوسرے صحابہ کرام کے خوف سے اس کو غائب کر دیا اور امت کو اصلی قرآن سے محروم کر دیا۔

ہوئے تم دوست جس کے دشمن اسکا آسماں کیوں ہو

ڈھکو صاحب کی غلط بیانی:

رسالہ مذہب شیعہ میں ایک جگہ کتابت کی غلطی سے سترہ کی "ہ" رہ گئی اسی طرح سترہ ہزار کا ستر ہزار بن گیا لیکن اس سے قبل رسالہ مذہب شیعہ کے ص۹ پر اصل عبارت کا ترجمہ اردو اور ہندسوں میں سترہ ہزار ۱۷۰۰۰ بالصراحت مذکور ہے مگر ڈھکو صاحب نے اس کو تو شیر مادر سمجھ کر ہضم کر لیا اور جہاں کاتب کی غلطی سے ہ رہ گئی اس کو مؤلف کی غلطی کا عنوان دے کر بڑی دھوم دھام سے پیش کیا اسی لیے تو ہم شیعی تقیہ کا رد کرتے ہیں کیونکہ وہ ضرورت اور مجبوری کے وقت خنزیر کے گوشت کی طرح مباح نہیں سمجھتے بلکہ دھوکہ دہی، فریب کاری اور تلبیس ابلیس کا کام لینے کے لیے اس کو استعمال کرتے ہیں۔ اگر کاتب کی غلطی کو مؤلف اور مصنف پر بطور اعتراض و تنقید پیش کیا جا سکتا ہے۔ تو ہم کہتے ہیں کہ ڈھکو صاحب نے نبی اکرم علیہ السلام کو باغی شریعت کہا۔

ڈھکو صاحب کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو باغی شریعت کہنا:

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور ائمہ اہل بیت کو باغیان شریعت کہہ کر اپنے دین وایمان کو تباہ کیا اور مرتد و مردود ٹھہرے۔ ملاحظہ ہو ڈھکو صاحب کے رسالہ کی عبارت "مگر حقیقت بین حضرات پر یہ حقیقت کہ مذہب شیعہ کوئی نیا مذہب نہیں بلکہ باغیان شریعت یعنی سرکار ختمی مرتبت نے اظہار نبوت واسلام کے ساتھ ساتھ الخ ص۳۰ " اور یہ حقیقت کسی سے مخفی نہیں ہے کہ جو شخص سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو باغی شریعت کہے وہ اس قابل ہی نہیں رہتا کہ مومن ہو سکے اس کے دل سے قبول ایمان کی صلاحیتیں ہی سلب کر لی جاتی ہیں۔

لیکن ہم تو ایسا الزام نہیں لگاتے کیونکہ صاف ظاہر ہے کہ یہ کاتب کی غلطی ہے۔ مگر دیانت و امانت نہ ہو تو آدمی اس طرح کا قول کرتا ہے جیسے ڈھکو صاحب نے کیا ہے اور کاتب کی غلطی کو حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ کے ذمے لگا دیا۔

تنزیہہ الامامیہ ــــــــــ ڈھکو صاحب

سورہ توبہ:

تفسیر در منثور جلد ۳ صفحہ ۲۰۸ طبع مصر پہ حضرت حذیفہ سے مروی ہے فرمایا "جس سورۃ کو تم سورۃ توبہ کہتے ہو یہ دراصل سورۃ عذاب ہے۔ بخدا اس نے ہم میں سے کسی ایک کی بھی مذمت کئے بغیر نہیں چھوڑا۔ اس کی جتنی مقدار ہم عہد رسالت میں پڑھتے تھے اس کا صرف چوتھا حصہ اب تم پڑھتے ہو۔

اسی سورہ کے متعلق عمر صاحب کہا کرتے تھے "اس وقت تک سورہ برأت کے نزول کا سلسلہ ختم نہیں ہوا جب تک ہمیں یہ گمان نہیں ہو گیا کہ ہم میں سے کسی ایک کو نہیں چھوڑے گی مگر یہ کہ اس کی مذمت میں کچھ نہ کچھ ضرور نازل ہو گا اسی واسطے اس سورت کا نام فاضحہ (رسوا کنندہ) رکھا جاتا تھا" تفسیر اتقان صفحہ ۶۵ جلد ۱

لہذا پیر سیالوی اور ان کے ہم نوالہ وہم پیالہ حضرات بتائیں کہ اس سورہ کے ۳/۴ حصے کدھر گئے اور جن جن لوگوں کی مذمت میں آیتیں نازل ہوئی تھیں ان کے نام کہاں غائب کر دئے گئے؟

(ص: ۴۲، ۴۳)

تحفہ حسینیہ ــــــــــ محمد اشرف السیالوی

اصولی اور تحقیقی جواب ان روایات کا بھی اور اس قسم کی دوسری روایات کا بھی ذکر کیا جا چکا ہے۔ یہاں صرف ڈھکو صاحب کی اس روشن دماغی کا آئینہ لوگوں کو دکھلانا ہے کہ سورہ برأت میں لوگوں کا محاسبہ اور ان کے بعض افعال پر تنقید کا تقاضا یہ ہے کہ اس میں لوگوں کے نام موجود تھے اور اب وہ نام غائب کر دئے گئے حالانکہ یہ سراسر خود فریبی ہے اور اپنی غلط فہمی مثلاً بقول

شیعہ صاحبان انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین اٰمنوا الذین یقیمون الصلوٰۃ ویؤتون الزکوٰۃ وھم راکعون حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی لیکن آپ کا نام اقدس تو یہاں مذکور نہیں اور نہ ہی شیعہ صاحبان نے ہی اس جگہ صحابہ کرام کی طرف نام حذف کرنے اور تحریف کرنے کی نسبت کی ہے۔ لہٰذا یہ انوکھی منطق ہے کہ نام ہوں گے تو ان لوگوں پر تنقید درست ہوگی ورنہ نہیں۔

حقیقت حال یہ ہے کہ قرآن مجید چونکہ ابدی کتاب ہے اور صحیفہ آسمانی اس لئے اس میں بعض اشخاص کے ساتھ ہی مخصوص احکام کا ذکر نہیں ہوگا بلکہ عام احکام ہوں گے الا ماشاء اللہ تاکہ قیامت تک پیدا ہونے والے لوگ ایسے افعال سے اجتناب اور احتراز کریں اسی لئے آیت سرقہ میں اس خاص شخص کا نام ذکر کرنے کی بجائے عام ذکر کیا "السارق والسارقۃ فاقطعوا ایدیھما" اور زنا کا حکم بیان کرتے ہوئے محدود کی تخصیص کی جگہ عام الفاظ استعمال کئے گئے۔ الزانیۃ والزانی فاجلدوا کل واحد منھما مائۃ جلدۃ تو کیا جن لوگوں نے سرقے یا زنا کا فعل سرزد ہوا تھا ان کے حق میں ان آیات کو موجب فضیحت نہیں کہا جائے گا حالانکہ ان کے نام بھی یہاں پر موجود نہیں نہ اہل السنۃ کے نزدیک اور نہ ہی شیعہ نے ان مخصوص مقامات میں تحریف وغیرہ کا دعوی کیا ہے۔

رہ گیا تین چوتھائی کا معاملہ تو مذہب اہل السنت بیان کر کے ہم نے اس قسم کی تمام روایات کا اصولی جواب ہم نے دیدیا ہے اور حقیقی محمل بیان کر دیا ہے ڈھکو صاحب سمجھتے ہیں کہ نزاع کا دار و مدار روایات کے موجود ہونے اور نہ ہونے پر ہے حالانکہ محل نزاع یہ نہیں ہے بلکہ فریقین کے مذہب کی روشنی میں ان روایات کا فیصلہ کیا جائے گا شیعہ حضرات تحریف کے قائل ہیں لہذا ان کی مذہبی کتب میں موجود روایات اسی پر محمول ہوں گی اور اہل السنت تحریف کے قائل نہیں لیکن نسخ کے قائل ہیں۔ اور تعدد قرأت کے لہذا اس قسم کی روایات ان کے نزدیک منسوخ التلاوۃ آیات پر دلالت کرتی ہیں یا قرأت کے تعدد پر اور یا اخبار احاد موجب ظن ہونے کی وجہ سے اثبات قرآنیت سے قاصر ہیں لہذا ان سے کسی پر الزام عائد نہیں ہو سکتا اور نہ قرآن میں کمی وبیشی لازم آسکتی ہے اسی لئے کسی سنی عالم نے تحریف کا قول نہیں کیا۔

تنزیہہ الامامیہ ـــــــــــ ڈھکو صاحب

آیات قرآنیہ کی تعداد میں اختلاف کی حقیقت

مؤلف رسالہ نے بار بار اس بات کا تکرار کیا ہے کہ موجودہ قرآن کی آیات ۶۶۶۶ ہیں یہ حقیقت کے بالکل خلاف ہے کیونکہ ابن عباس سے ۶۶۱۶ مروی ہیں۔ تفسیر اتقان جلد ۱ صفحہ ۷۰۔ مگر حق یہ ہے کہ موجودہ قرآن کی آیتوں کی تعداد بغیر بسم اللہ ۶۲۳۶ اور بسم اللہ سمیت ۶۳۵۰ ہے (ص: ۴۳)

تحفہ حسینیہ ـــــــــــ محمد اشرف السیالوی

ڈھکو صاحب کا اپنا تتبع ناقص ہے اور اپنی کتابوں کا مطالعہ بھی نہیں ورنہ اس تعلی اور انعامی ڈھنگ سے گریز کرتے اور اعتراض کرنے میں کچھ شرم محسوس کرتے۔ اصول کافی کے محشی نے لکھا۔ قد اشتہر الیوم بین الناس ان القرآن ستۃ الاف وستمائۃ وست وستون ایۃ لوگوں میں اب مشہور و معروف یہ ہے کہ قرآن مجید کی ۶۶۶۶ آیات ہیں۔ وروی الطبرسی فی المجمع عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان القرآن ستۃ الاف ومأتان وثلاث وستون ایۃ۔ جب کہ طبرسی نے "مجمع البیان" میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہوئے ۶۲۶۳ آیات بیان کی ہیں ولعل الاختلاف من قبل تحدید الایات۔ تطبیق یوں ہو سکتی ہے کہ کلمات کلام مجید تو وہی ہیں لیکن ان کی گنتی اور حد بندی کی وجہ سے اختلاف پیدا ہو گیا اور حضرت شیخ الاسلام کا فرمان بھی اسی مشہور بین الناس اور معروف عند الانام . . . قول پر مبنی ہے۔ البتہ مؤلف کا بیان کردہ حق مذہب خود اس کے اہل مذہب کی نقل کردہ حدیث سے بھی خلاف ہے۔

شیخ الاسلام قدس سرہ

مذہب شیعہ

بیان فضائل صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین

اب فقیر چاہتا ہے کہ اہل تشیع کی خدمت میں ان مقدس ہستیوں کی تصریحات پیش کرے جو اہل تشیع کے دعویٰ کے مطابق بھی پیشوا اور امام ہیں جن تصریحات کے ملاحظہ کرنے کے بعد اہل فکر و ہوش حضرات خود ہی فیصلہ فرما سکیں کہ ائمہ اور پیشوایان امت کے بالمقابل موجودہ ذاکروں ماکروں کی کچھ وقعت نہیں اور ائمہ کرام کی تصریحات کے مقابلہ میں ان ذاکروں کے تخمینے اور ٹوٹل سخت لغو اور بیہودہ ہیں یہ بات بھی قابل گزارش ہے کہ جن مقدس ہستیوں نے اللہ اور اس کے سچے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی اور رضا کے لیے اپنا تن من دھن قربان کیا اور ایسے وقت میں محبوب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایمان لائے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایمان لانا اور کائنات عالم کی دشمنی مول لینا ایک معنی رکھتا تھا اور ایسے وقت میں حضورؐ کا ساتھ دیا جس وقت میں کہ حضورؐ کا ساتھ دینے میں مستقبل کی تمام دنیوی منزلوں میں غربت اور مصائب و آلام اور تکالیف کے سوا عالم اسباب میں اور کچھ نظر نہ آتا تھا تو ایسے حالات میں ان مقدس ہستیوں نے تمام تر دنیوی تکالیف کو بطیب خاطر برداشت کیا اور اللہ کے سچے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر گھر بار، بال بچے، عزت و ناموس قربان کئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ نہ چھوڑا تو ایسی مقدس ہستیوں کے خلوص، ان کے صدق و صفا ان کے ایمان و تصدیق کے متعلق کیا شبہ ہو سکتا ہے؟ ایسے حالات میں دوسرا کونسا داعیہ ہو سکتا تھا جس کے زیر نظر ان لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس قدر دکھ برداشت کئے؟ پھر ایسے جانثاروں اور وفاداروں کی جانثاری اور قربانی کا بدلہ جو اللہ ارحم الراحمین کی جناب سے ضروری اور لازمی ہے

اس کی کیفیت اور کمیت بھی مد نظر رکھنا چاہیے ۔ قرآن کی بیسیوں آیات اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت کرنے والوں اور انصار و مجاہدین کے حق میں نازل ہوئی ہیں ۔ کہ اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے ان کے لیے جنت کے اعلیٰ وارفع مراتب اور نعمتیں مہیا ہیں ان کو بھی سامنے رکھنا چاہیے اور اس بات کو بھی پورے تفکر و فکر کے ساتھ دیکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا ہے ۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ .

یعنی اے اللہ تعالیٰ کے پیارے نبیؐ آپ کافروں اور منافقوں کے خلاف جہاد فرماؤ اور ان پر سختی کرو ۔ اس حکم کے بعد جن مقدس ہستیوں کو اللہ کے پیارے نبیؐ نے اپنا ہمراز و دمساز قرار دیا ، سفر و حضر ، ہجرت و جہاد ہر معاملہ اور ہر حالت میں اپنا مشیر و وزیر مقرر فرمایا اور اپنا ساتھی و رفیق قرار دیا ۔ ان ہستیوں کی شان میں گستاخی کرنا (معاذ اللہ) اور ان ہستیوں کی طرف کفر و نفاق کی نسبت کرنا کونسی دیانت ہے اور کونسا ایمان ہے ۔ ذرا سوچو تو ان مقدس ہستیوں کے صدق و صفا کا انکار براہ راست مہبط وحی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے شان اقدس میں گستاخی کو مستلزم نہیں ؟ یقیناً ہے ۔ ص ۱۲، ۱۳

تحفۂ حسینیہ :

محمد اشرف السیالوی

تتمہ مبحث مذکورہ بالا : حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز نے انتہائی اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے بعض اہم امور کے طرف صرف اشارہ کرنے پر اکتفا کیا ہے لیکن ڈھکو صاحب کے کلام باطل نشان کے پڑھنے سے پہلے وہ تفصیلات قارئین کرام کے ذہن میں ہونی ضروری ہیں ، اس لیے بطور تتمہ ان کو درج کیا جاتا ہے ۔

شہادت عقل و خرد :

۱۔ جس وقت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان نبوت فرمایا ۔ اس وقت سے لے کر جنگ بدر تک کے واقعات تاریخ کے آئینہ میں ملاحظہ فرمادیں کہ خود

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قریبی برادری کا ردعمل کیا تھا۔ ابولہب بھی چچا تھا لیکن دشمنی میں سب سے پیش پیش۔ حتیٰ کہ پوری سورت اس کی مذمت میں نازل ہوئی۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ چچا ہیں مگر جنگ بدر میں کفار کی طرف سے برسرپیکار ہوئے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے سگے بھائی حضرت عقیل بھی اس جنگ میں اور قتال میں کفار کا ساتھ دے رہے تھے۔ بالآخر گرفتار ہوئے اور فدیہ دے کر رہا ہوئے۔ جب اس قدر قریبی برادری کا حال یہ تھا تو جن حضرات نے اس وقت آپ کا ساتھ دیا اور ان مشکل حالات میں آپ کے دامن نبوت سے وابستہ ہوئے جب کہ آپ خود اپنے دیس میں اجنبی سمجھے جاتے تھے اور آپ کا وجود اہل مکہ اور قریش کے لئے ناقابل برداشت تھا اور بالآخر آپ کو ہجرت کرنا پڑی اس وقت آپ کا طوق غلامی گلے میں ڈالنا اور کفر کی طاغوتی طاقتوں کے ہر جبر واکراہ اور ظلم و تشدد کو برداشت کرنا کسی بھی لالچ اور دنیوی غرض کے تحت نہیں ہو سکتا تھا نہ سید سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بظاہر مال وزر تھا اور نہ حکومت و سلطنت نہ اور کوئی جائیداد تو پھر ان لوگوں کو ان تکالیف کے برداشت کرنے اور مصائب و آلام کو سینے سے لگانے پر کون سی چیز آمادہ اور راغب کر سکتی تھی سوائے اعتراف حق، اعتقاد صداقت اور اذعان حقانیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کوئی بھی عقلمند اس حقیقت کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکتا اور اگر کوئی از راہ تحکم اور سینہ زوری کے اس کا انکار کرے تو کم از کم اسے ایسی کوئی نظیر پیش کرنی چاہیے اور تاریخ انسانیت کے کسی دور کی صرف ایک مثال پیش کرنا چاہیئے کہ مقتدا و پیشوا بظاہر مسکین اور فقیر ہو، مال و منال، دولت و ثروت اور جاہ و حشمت، حکومت و سلطنت وغیرہ دنیوی کشش کا کوئی سامان بھی اس کے پاس نہ ہو لیکن ارباب دولت، اصحاب جاہ و حشمت کسی دنیوی لالچ میں اس کے حلقہ بگوش بنے ہوں اور اپنا سب کچھ ان پر نثار کر دیا ہو اور خود بھی ان کی خاطر درویش اور فقیر ہو گئے ہوں اور جب ایسی کوئی مثال تاریخ آدمیت و

انسانیت پیش کرنے سے عاجز اور قاصر ہے تو پھر مہاجرین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے حق میں اس بدظنی اور بدگمانی کا کیا جواز ہو سکتا ہے اور انصار کے حق میں اس قسم کے غلط مفروضوں کا تصور کس طرح کیا جا سکتا ہے۔

۲۔ اس گزارش کو ارباب عقل و دانش اور اصحاب فہم و فراست کی صائب رائے پر چھوڑتے ہوئے اب خالق عقل و دانش اور موجد فہم و فراست کے کلام حق ترجمان سے ان مقدس ہستیوں کے متعلق دریافت کرتے ہیں۔

شہادت قرآن مجید۔

(۱) قال اللہ تعالیٰ: اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا وان اللہ علی نصرھم لقدیر الذین اخرجوا من دیارھم بغیر حق الا ان یقولوا ربنا اللہ (سورۃ حج : ۱۷)

پروانگی عطا کی گئی انہیں جن سے کافر لڑتے ہیں اس بناء پر کہ ان پر ظلم ہوا اور بے شک اللہ تعالیٰ ان کی مدد کرنے پر قادر ہے وہ جو اپنے گھروں سے ناحق نکالے گئے، صرف اتنی بات کرنے پر کہ رب ہمارا اللہ ہے۔

اس آیت کریمہ میں مہاجرین کا مظلوم ہونا اور ناحق گھروں سے نکالا جانا اور نگاہ کفار میں ان کا صرف یہ جرم ہونا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو اپنا پروردگار اور رب کیوں تسلیم کیا، اور اس کے بعد ان کو قتال و جہاد کا اذن دیا جانا ثابت ہے۔ تو اس قرآنی شہادت کے بعد ان کی مظلومیت اور ان کے اخلاص پر کونسی شہادت درکار ہو سکتی ہے؟ اور پھر اس میں کسی خاص فرد کا ذکر نہیں بلکہ علی العموم ان حضرات کا ذکر کیا گیا ہے جن سے کافر لڑتے ہیں اور جن کو اپنے گھروں سے نکالا گیا اور عام کا اپنے عموم پر رکھنا لازم ہوتا ہے لہٰذا سب مہاجرین کا اخلاص یہاں سے ظاہر اور واضح ہو گیا۔

(۲) للفقراء المهاجرين الذين اخرجوا من دیارھم واموالھم یبتغون فضلا من اللہ ورضوانا وینصرون اللہ ورسولہ واولئک ھم الصادقون ۔ (سورہ حشر: ۲۸)

ان فقیر ہجرت کرنے والوں کے لیے جو اپنے گھروں اور مالوں سے نکالے گئے، اللہ کا فضل اور اس کی رضا چاہتے ہیں اور اللہ اور رسولؐ کی مدد کرتے ہیں وہی سچے ہیں۔

اس آیت مبارکہ میں بھی علی العموم مہاجرین کرام علیہم الرضوان کے جبراً وطن اور اموال سے جدا کیے جانے کی تصریح اور ان کے فضل خداوند تعالیٰ اور اس کی رضاء و رضوان کی طلب گاری، اللہ تعالیٰ اور رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی نصرت کا جذبہ اور سراپا صدق و اخلاص ہونا بالصراحت مذکور ہے۔ جب اللہ تعالیٰ یہ گواہی دے تو پھر مزید کسی کی شہادت کی کیا ضرورت ہو سکتی ہے۔ کما قال تعالیٰ: قل ای شئی اکبر شھادۃ من اللہ

(۳) والذین تبوء الدار والایمان من قبلھم یحبون من ھاجر الیھم ولا یجدون فی صدورھم حاجۃ مما اوتوا ویؤثرون علی انفسھم ولو کان بھم خصاصۃ ومن یوق شح نفسہ فاولئک ھم المفلحون۔ (سورۃ حشر: ۲۸)

اور جنہوں نے پہلے سے اس شہر اور ایمان میں گھر بنالیا، دوست رکھتے ہیں انہیں جو ان کی طرف ہجرت کر کے گئے اور اپنے دلوں میں کوئی حاجت نہیں پاتے اس چیز کی جو دیئے گئے اور اپنی جانوں پر ان کو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ انہیں شدید محتاجی ہو اور جو اپنے نفس کے لالچ سے بچایا گیا تو وہی کامیاب ہیں۔

اس آیت کریمہ میں انصار کا اخلاص، مہاجرین سے محبت اور ان کو اپنی ذات پر اور ان کی حاجات کو اپنی حاجات پر ترجیح دینا خواہ خود محتاج ہی کیوں نہ ہوں، بیان کیا گیا ہے جس سے ان کا اعزاز و اکرام نمایاں ہے اور بغیر کسی لالچ کے

کے اسلام، بانی اسلام اور شیدائیاں اسلام کی خدمات سرانجام دینا ثابت اور علی الخصوص مہاجرین سے محبت کرنا روشن اور پھر انہی خصائص کی بدولت فلاح پانا اور کامیاب ہونا ثابت ہے جب خدائے علیم و خبیر نے ان کی یہ نمایاں خصوصیات بیان فرما دیں اور ان کی فلاح کا اعلان واجب الاذعان بھی فرما دیا تو انہیں کسی دوسرے شخص سے اخلاص اور کمال ایمان کی سند لینے کی ضرورت نہیں ہو سکتی، نیز جب مہاجرین کے ساتھ محبت، ان کی فلاح کی ضامن بنے تو ہمارے لیے فلاح کا اس کے علاوہ دوسرا کونسا پختہ وسیلہ اور مضبوط ذریعہ ہو سکتا ہے! بلکہ جب ان کی محبت موجب فلاح ہے تو ان کی دشمنی یقیناً موجب ذلت اور رسوائی ہوگی اور باعث عذاب و عقاب۔

(۴) قال اللہ تعالیٰ: محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم تراھم رکعا سجدا یبتغون فضلا من اللہ ورضوانا۔
(سورۃ فتح: ۲۹)

محمد اللہ کے رسول ہیں اور ان کے ساتھ والے کافروں پر سخت ہیں۔ اور آپس میں نرم دل تو انہیں دیکھے گا رکوع کرتے سجدہ کرتے اللہ کا فضل اور رضا چاہتے۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر پندرہ سو کے قریب مہاجرین و انصار نبی الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ یہ آیت کریمہ ان کے کفار پر سخت ہونے اور آپس میں نرم دل اور مہربان ہونے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف و مشغول ہونے اور اس کے فضل اور رضا کے طلب گار ہونے کی گواہ ہے علاوہ ازیں تورات و انجیل میں ان کی شان ارفع و اعلیٰ اسی تمثیلی رنگ میں مذکور ہونے پر شاہد ہے۔ ذلک مثلھم فی التوراۃ ومثلھم فی الانجیل۔ پھر ان پر اپنی خوشی اور اپنے محبوب کی خوشی کا بیان ہے، یعجب الزراع، اور کفار کے دلوں میں ان کی وجہ سے غیظ و غضب اور بغض و حسد کی آگ بھڑکنے کا بیان لیغیظ بہم الکفار، الغرض ان کلمات مقدسہ نے مجموعی طور پر مہاجرین و انصار کے خصوصی مقام اور امتیازی شان اور

اخلاص کامل کو پوری طرح اجاگر کر دیا ہے۔

(۵) قال اللہ تعالیٰ: فالذین ھاجروا واوذوا فی سبیلی و قاتلوا وقتلوا لاکفرن عنہم سیئاتہم ولادخلنہم جنات تجری من تحتہا الانہار ثوابا من عند اللہ واللہ عندہ حسن الثواب۔ (سورہ آل عمران: ۴)

پس جن لوگوں نے ہجرت کی اور میری راہ میں ان کو ایذا پہنچائی گئی اور لڑے اور مارے گئے میں ضرور ان کے سب گناہ دور کر دوں گا۔ اور ضرور انہیں باغات میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ بطور ثواب کے اللہ تعالیٰ کے پاس سے، اور اللہ تعالیٰ کے پاس ہی اچھا ثواب ہے۔

اس آیت کریمہ میں ہجرت کرنے، ایذائیں برداشت کرنے جہاد و قتال میں حصہ لینے اور راہ خدا میں قربان ہو جانے والوں کے متعلق بشارت ہے کہ اگر بشری تقاضوں کے تحت ان سے کوئی غلطی سرزد ہو بھی گئی تو اللہ تعالیٰ ضرور اس گناہ کو ان سے دور کر دے گا اور جنات النعیم میں داخل فرمائے گا اس میں بھی عموم ہے اور جو بھی ان صفات عالیہ کے ساتھ موصوف و متصف ہوئے ان کے متعلق یہ مژدہ جانفزا ہے لہٰذا جب اللہ تعالیٰ نے مہاجرین اور مجاہدین کے مؤاخذہ اور باز پرس اور عقاب و عتاب کی کوئی گنجائش نہیں چھوڑی تو ہم کون ہیں جو اپنی تمام تر سیاہ کاریوں اور گناہگاریوں کے باوجود ان مقدس ہستیوں پر لعن و تشنیع کریں جن کی مغفرت و بخشش کا مژدہ غیر فانی اور ابدی کتاب خدا میں موجود ہے۔

اصحاب بدر اور شہادت قرآن:

(۶) قال اللہ تعالیٰ: اذ تستغیثون ربکم فاستجاب لکم انی ممدکم بالف من الملائکۃ مردفین (الی) وما النصر الا من

عند اللہ ان اللہ عزیز حکیم (سورہ انفال : ۹)

جب تم اپنے رب سے فریاد کرتے تھے تو اس نے تمہاری سن لی کہ میں تمہیں مدد دینے والا ہوں ساتھ ہزار فرشتے کے جو قطار در قطار ہوں اور یہ تو اللہ تعالیٰ نے صرف تمہاری خوشی کو کیا، اس لیے کہ تمہارے دل چین پائیں اور مدد نہیں مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بیشک اللہ غالب حکمت والا ہے۔

اس آیت مبارکہ میں مؤمنین کی فریاد سننا اور فرشتے امداد کو بھیجنا ثابت ہے۔ اجابت دعا ان کی کرامت ہے۔ اور ملائکہ کا ان کے ساتھ شامل ہو کر جنگ لڑنا ان کا امتیازی نشان ہے اور اللہ تعالیٰ رسل کرام اور اہل ایمان کی نصرت فرماتا ہے اور ظالمین اور کفار کے خلاف اپنے احباء اور مقبولین کی دعائیں قبول فرماتا ہے۔ لہٰذا ان مقدس کلمات سے اہل بدر کا مؤمن کامل ہونا اور عند اللہ محبوب اور معزز و مکرم ہونا واضح ہو گیا۔

(۷) قال تعالیٰ: واذ یوحی ربک الی الملائکۃ انی معکم فثبتوا الذین آمنوا (سورہ انفال : ۹)

جب اے محبوب تمہارا رب فرشتوں کو وحی بھیجتا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں تم مسلمانوں کو ثابت قدم رکھو،

اس ارشاد خداوندی سے بھی صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ اور ملائکہ بدری صحابہ کے ساتھ تھے اور ان کے حوصلے بلند کرنے والے اور ان کی ڈھارس بندھانے والے جب کہ اس نے نصرت خاصہ کا وعدہ صرف رسل کرام اور مخلص اہل ایمان کے ساتھ کر رکھا ہے۔ قال اللہ تعالیٰ: انا لننصر رسلنا والذین آمنوا فی الحیوۃ الدنیا ویوم یقوم الاشہاد ۔ بیشک ہم ضرور مدد کرتے ہیں اپنے رسولوں کی اور ایمان والوں کی دنیا کی زندگی میں بھی اور جب کہ شاہد اور گواہ قائم ہوں گے یعنی قیامت کے دن، لہٰذا اہل بدر مہاجرین و انصار کے اخلاص اور ایمان کامل پر ان،

کلمات قدسی نے مہر تصدیق لگادی۔

(۸) قال اللہ تعالیٰ: اذ یقول المنافقون والذین فی قلوبھم مرض غر ھٰؤلاء دینھم ومن یتوکل علی اللہ فان اللہ عزیز حکیم (سورہ انفال: ۴۹)

جب کہتے تھے منافق اور وہ جن کے دلوں میں آزار اور بیماری ہے کہ یہ مسلمان اپنے دین پر مغرور ہیں اور جو اللہ پر بھروسہ کرے تو بیشک اللہ غالب حکمت والا ہے۔

میدان بدر میں اہل اسلام کی قلیل تعداد دیکھ کر ان لوگوں نے کہا یہ لوگ اپنے اس دین کی وجہ سے مغرور ہو گئے ہیں ورنہ اس قدر قلیل تعداد اور بے سروسامانی کی حالت میں اس قدر کثیر التعداد اور ساز و سامان سے آراستہ لشکر کے مقابل صف بستہ نہ ہوتے۔ اس فرمان صداقت نشان سے واضح ہو گیا کہ منافقین اور مریض القلب لوگوں نے بھی اصحاب بدر کے کمال وثوق اور یقین کامل کی گواہی دی اور دین کے نشہ میں ان کو مخمور تسلیم کیا۔ اگر منافق اور مریض القلب بھی اس حقیقت کا اعتراف کئے بغیر نہ رہ سکیں تو مؤمنین کے لیے شک و تردد اور اضطراب و تذبذب کا کیا امکان باقی رہ جاتا ہے؟

غزوہ احد اور شہادت قرآن۔

(۹) وما اصابکم یوم التقی الجمعان فباذن اللہ ولیعلم المؤمنین ولیعلم الذین نافقوا وقیل لھم تعالوا قاتلوا فی سبیل اللہ اوادفعوا عن انفسکم قالوا لو نعلم قتالاً لا تبعناکم ھم للکفر یومئذ اقرب منھم للایمان (سورۂ آل عمران: ۴)

اور وہ مصیبت جو تم پر آئی جس دن دونوں فوجیں ملی تھیں وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے تھی اور اس لیے کہ پہچان کرا دے ایمان والوں کی اور

اور اس لیے کہ پہچان کرا دے ان کی جو منافق ہوئے اور ان منافقین سے کہا گیا آؤ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرو۔ یا دشمن کو ہٹاؤ تو کہا اگر ہم لڑائی ہوتی جانتے تو ضرور تمہارا ساتھ دیتے۔ اس دن وہ ظاہری ایمان کی نسبت کفر کے زیادہ قریب ہیں۔

ان کلمات طیبات میں جنگ احد کے دن اہل ایمان اور منافقین کے درمیان امتیاز کرانے کا اعلان ہے اور ان کی زبان سے نکلنے والے کلمات بیان کر کے اور ان کا عمل دکھا کر واضح کر کے بتلا دیا کہ مخلص مؤمن کون ہیں اور منافق کون۔ اگر اس کے بعد بھی کوئی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عملی طور ساتھ دینے والوں اور آپ کی خاطر ہر قسم کی مصیبت کو برداشت کرنے والوں کو مومن تسلیم نہیں کرتا بلکہ متذبذب اور متردد رہتے ہیں تو اسے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر ایمان نصیب نہیں اور وہ خود اس دولت سے محروم ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کو اپنے ارادہ اور مقصد میں ناکام سمجھنے والا ہے جس کے تحت اس نے اہل ایمان اور کفار کو آمنے سامنے لا کھڑا کیا یعنی اس نے مومنوں کا منافقین سے امتیاز نہ کیا حالانکہ اس حرب وقتال کا اولین مقصد یہی تھا۔

(۱۰) قال اللہ تعالیٰ ولن اللہ لا یضیع اجر المؤمنین الذین استجابوا للہ والرسول من بعد ما اصابہم القرح للذین احسنوا منہم واتقوا اجر عظیم الذین قال لہم الناس ان الناس قد جمعوا لکم فاخشوھم فزادھم ایمانا وقالوا حسبنا اللہ ونعم الوکیل فانقلبوا بنعمۃ من اللہ وفضل لم یمسسہم سوء واتبعوا رضوان اللہ واللہ ذو فضل عظیم۔ (آل عمران : ۴)

اور بیشک اللہ تعالیٰ نہیں ضائع کرتا اجر مؤمنین کا جنھوں نے اللہ تعالیٰ اور رسول گرامی کے لیے تعمیل ارشاد کی بعد اس کے کہ انہیں مشقت پہنچی اور زخم لگے تھے۔ ان میں سے محسنین کے لیے اور متقین کے لیے اجر عظیم ہے جنہیں لوگوں نے کہا کہ لوگوں (کفار) نے تمہارے

لیے بڑا لشکر تیار کر رکھا ہے پس ان سے ڈرو تو ان کا ایمان اور زیادہ
ہوا اور انہوں نے کہا ہمیں اللہ تعالیٰ کافی ہے اور کیا ہی اچھا کارساز
ہے تو واپس ہوئے اللہ تعالیٰ کی نعمت اور اس کے فضل کے ساتھ
انہیں کوئی تکلیف نہ پونہچی اور اللہ کی مرضی پر چلے اور اللہ تعالیٰ بڑے
فضل والا ہے ۔

جنگ احد سے واپس ہونے کے بعد کفار نے جب مدینہ منورہ کی طرف
پلٹ کر اسے العیاذ باللہ تس نس کر لینے کا ارادہ کیا تو سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم
جنگ احد میں شریک اہل اسلام اور میدان کا نداز میں تکلیف اور مشقت اٹھانے والوں
کا جتھا لے کر ان کے تعاقب میں نکلے آپ کے حکم کی تعمیل میں نکلنے والوں کی داد وتحسین اور
اور ان کی قوت ایمانی اور ان کے اخروی درجات کو ان کلمات طیبات میں بیان
کیا گیا ہے اور کفار کی تیاری کی خبر سن کر اس حالت درد و کرب میں بھی ان کا خوفزدہ نہ
ہونا بلکہ ان کے ایمان و ایقان کا بڑھنا بیان کیا گیا جو ان حضرات کے ایمان کامل
اور بے مثل اخلاص کی عظیم دلیل ہے ۔

(۱۱) ان الذین تولوا منکم یوم التقی الجمعان انما استزلھم الشیطان
ببعض ما کسبوا ولقد عفا اللہ عنھم ان اللہ غفور حلیم۔ (آل عمران)

بیشک وہ لوگ جو لوٹے تم میں سے جس دن دونوں فوجیں ملیں ۔
انہیں صرف شیطان نے ان کے بعض اعمال کی وجہ سے پھسلایا اور
یقیناً اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف کر دیا بیشک اللہ تعالیٰ بخشنے والا
بردبار ہے ۔

اس آیت مبارکہ میں تیر اندازوں کے اس خیال پر مرکز کو چھوڑ دینے کی وجہ
سے کہ اب دشمن بھاگ گیا ہے لہٰذا چلو مال غنیمت حاصل کرو جو صورت حال
پیش آئی اور میدان جنگ سے بعض مجاہدین پھر گئے تو ان کے متعلق بھی عفو و درگزر
کا اعلان کیا گیا ہے اور کسی بھی شخص کے لیے ان کے حق میں طعن و تشنیع کے لیے

کوئی گنجائش نہیں چھوڑی جس سے اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی معذوری بھی واضح ہوتی ہے اور ان پر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مہربانی بھی۔

غزوہ خندق اور شہادت قرآن :

(۱۲) قال اللہ تعالیٰ : ولما رأی المؤمنون الاحزاب قالوا ھذا ماوعدنا اللہ ورسولہ وصدق اللہ ورسولہ ومازادھم الا ایمانا وتسلیما۔ (سورۂ احزاب : ۲۱)

اور جب مومنوں نے کفار کے لشکر دیکھے تو کہا یہ ہے وہ جس کا ہمیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ نے وعدہ دیا اور سچ فرمایا اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسولؐ نے اور لشکر ہائے کفار دیکھ کر نہ بڑھا مگر ان کا ایمان اور حکم خداوند پر رضامندی و اطاعت

(۱۳) قال تعالیٰ : ورد اللہ الذین کفروا بغیظھم لم ینالوا خیرا وکفی اللہ المؤمنین القتال وکان اللہ قویا عزیزا۔

اور اللہ تعالیٰ نے کفار کو ان کے قلبی غیظ اور جلن کے ساتھ لوٹایا، وہ کچھ بھی بھلائی اور کامیابی حاصل نہ کر سکے اور اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کو لڑائی میں کفایت فرمائی اور اللہ تعالیٰ قوی اور غالب ہے

ان آیات مقدسہ میں بھی جنگ احزاب اور غزوہ خندق میں شامل مہاجرین و انصار کی ایمانی پختگی اور جذبہ جہاد و سرفروشی کا بیان ہے اور اللہ تعالیٰ کے ان پر خصوصی کرم کا کہ اپنی قدرت کاملہ سے کفار کو بھگا دیا اور انہیں کسی قسم کی پریشانی سے دوچار نہ ہونے دیا۔

معاہدہ حدیبیہ اور شہادت قرآن :

(۱۴) قال اللہ تعالیٰ : لقد رضی اللہ عن المؤمنین اذ یبایعونک

تحت الشجرۃ فعلم مافی قلوبھم فانزل السکینۃ علیھم
واثابھم فتحا قریبا الآیۃ (سورۃ فتح ۲۶)
البتہ تحقیق اللہ تعالیٰ راضی ہوا مومنین سے جب کہ وہ درخت کے نیچے
تمہارے ساتھ بیعت کرتے تھے پس جانا جوان کے دلوں میں ہے
توان پر اطمینان وسکون اتارا اور انہیں جلد آنیوالی فتح کا انعام دیا
اور بہت سی غنیمتوں کا جن کو حاصل کریں گے اور اللہ تعالیٰ عزیز حکمت
والا ہے۔
اس آیت مقدسہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے شہید کیے جانے کی اطلاع پر
جو بیعت لی گئی تھی اس میں صحابہ کرام کا خلوص اور ان سے اللہ تعالیٰ کے راضی ہونے
کا اعلان ہے اور ان پر خصوصی تسکین اور بردباری کے نزول کا اور جلد ہی فتح اور
اموال غنیمت کے حصول کا جس میں مہاجرین وانصار کی بھاری تعداد تھی اور پندرہ سو
کے قریب جانثاران مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم شامل تھے لہٰذا ان کے کمال ایمان اور
حدغایت بلکہ واصل اخلاص پر اللہ تعالیٰ کی اس گواہی کے بعد کسی مؤمن کے لیے
شک وتردد کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی
(۱۵) قال تعالیٰ۔ ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ
ید اللہ فوق ایدیھم (سورہ الفتح ۲۶)
بیشک جو لوگ آپؐ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں وہ تو صرف اللہ تعالیٰ
سے ہی بیعت کرتے ہیں۔ ان کے ہاتھوں پر اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے۔
اس آیت مقدسہ میں اس بیعت رضوان میں شامل حضرات کا کس قدر اعزاز و
اکرام ہے۔ اور رسول گرامی کا بھی وہ چشم بصیرت پر مخفی نہیں۔
(۱۶) قال تعالیٰ: سیقول لک المخلفون من الاعراب شغلتنا
اموالنا واھلونا فاستغفر لنا یقولون بالسنتھم مالیس
فی قلوبھم (الی) بل ظننتم ان لن ینقلب الرسول والمؤمنون الی اھلیھم

ابداً و زین ذٰلک فی قلوبکم و ظننتم ظن السوء و کنتم قوماً بوراً (سورۃ الفتح ۲۶)

عنقریب کہیں گے آپ کو وہ گنوار جو پیچھے رہ گئے تھے کہ ہمیں ہمارے اموال اور ہمارے گھر والوں نے مصروف و مشغول رکھا پس ہمارے لیے استغفار کیجئے۔ کہتے ہیں اپنی زبانوں سے جو ان کے دلوں میں نہیں ہے بلکہ تم نے تو یہ گمان کر رکھا تھا کہ رسول خدا اور مؤمنین ہرگز لوٹ کر اپنے گھروں کو نہیں آسکیں گے اور یہی امر تمہارے دلوں میں مزین کیا گیا تھا اور تم نے برا گمان کیا تھا۔ اور تم ہلاک ہونے والی قوم تھے۔

اس آیت مبارکہ میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ عمرہ کے لیے جانے والوں کے کمال ایمان کی گواہی ہے اور اعراب و گنوار لوگوں کے اندیشوں اور گمانوں کے برعکس مہاجرین و انصار کی اس عظیم جماعت کے صبر و سکون اور وثوق و اعتماد کی علیم و خبیر خدا کی طرف سے شہادت ہے جس کا ملاحظہ کرنے کے بعد کسی مؤمن کے لیے مقدس ہستیوں کے حق میں کسی قسم کے توہم کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

غزوۂ حنین اور شہادت قرآن:

(۱۷) قال تعالیٰ: لقد نصرکم اللّٰہ فی مواطن کثیرۃ و یوم حنین اذ اعجبتکم کثرتکم فلم تغن عنکم شیئاً و ضاقت علیکم الارض بما رحبت ثم ولیتم مدبرین ثم انزل اللّٰہ سکینتہ علی رسولہ و علی المؤمنین و انزل جنوداً لم تروھا و عذب الذین کفروا و ذٰلک جزاء الکافرین (سورہ توبہ ۱۰)

البتہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے بہت سے مقامات پر تمہاری مدد فرمائی اور علی الخصوص حنین کے دن جب کہ تمہیں تمہاری عددی کثرت بھلی معلوم ہوئی تو وہ کچھ تمہارے کام نہ آئی اور زمین وسیع ہونے کے باوجود تم پر تنگ ہو گئی پھر تم پیٹھ دے کر پھر گئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی تسکین

نازل کی اپنے رسول پر اور ایمان والوں پر اور ایسے لشکر اتارے جو
تم نہیں دیکھتے تھے اور کافروں کو عذاب دیا اور منکروں کی یہی
سزا ہے۔
اس آیت کریمہ میں غزوہ حنین کے شرکاء پر سکینت اور خصوصی اطمینان کا نزول،
ملائکہ کے ذریعے ان کی امداد کا صریح بیان ہے اور ظاہر ہے جن کو اللہ تعالیٰ مؤمن بھی
کہے، ان پر سکینت بھی نازل کرے اور ملائکہ کے ذریعے ان کی امداد و نصرت بھی فرمائے
کون سا مؤمن ہو گا۔ جو ان کے متعلق شک و شبہ کا شکار ہو گا اور تذبذب و اضطراب کا
مرتکب ، کیونکہ نصرت خداوندی کے حقدار انبیاء و رسل ہوتے ہیں۔ یا مؤمنین مخلصین۔
قال تعالیٰ انا لننصر رسلنا والذین آمنوا۔

غزوہ تبوک اور شہادت قرآن :

(۱۸) قال تعالیٰ : لقد تاب اللہ علی النبی والمہاجرین والانصار الذین
اتبعوہ فی ساعۃ العسرۃ من بعد ما کاد یزیغ قلوب فریق منہم
ثم تاب علیہم انہ بہم رؤف رحیم (سورۃ توبہ ۱۱)
البتہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم اور مہاجرین و انصار پر رحمت فرمائی
جنہوں نے مشکل گھڑی میں ان کا ساتھ دیا۔ بعد اس کے کہ قریب تھا کہ
ان میں سے ایک فریق کے دل پھر جائیں پھر ان پر رحمت کے ساتھ
متوجہ ہوا بیشک وہ ان پر مہربان رحم والا ہے۔
غزوہ تبوک میں شامل مجاہدین اسلام مہاجرین و انصار کے لیے اللہ تعالیٰ کی خصوصی
رحمتیں اور ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رافت و رحمت کا یہ ابدی اعلان اور مشکل ترین اوقات و
حالات میں انکا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وفاداری کا مظاہرہ اور جانثاری و جاں
سپاری کا عزم اس فرمان واجب الایمان سے پوری طرح عیاں ہے اس کے بعد کون
مؤمن ہونے کا دعویدار ہو گا جو ان کی وفاداری اور اخلاص میں شک کرے گا یا

ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی خصوصی عنایت کا منکر ہو گا۔

(۱۹) قال اللہ تعالیٰ: والسابقون الاولون من المھاجرین والانصار والذین اتبعوھم باحسان رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ واعد لھم جنات تجری تحتھا الانھار خالدین فیھا ابدًا ذلک الفوز العظیم (سورۃ توبہ ۱۱)

اور سبقت لے جانے والے مہاجرین اور انصار اور جو بھلائی کے ساتھ ان کے تابع ہوئے۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی اور ان کے لیے ایسے باغات تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہیں ہمیشہ ہمیشہ ان میں رہیں۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔

اس آیت مبارکہ میں مہاجرین اولین اور انصار اولین کے ساتھ ساتھ ان کی اتباع کرنے والے مہاجرین و انصار یعنی بعد میں ان کے ساتھ شامل ہونے والوں سے اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور ان کی اللہ تعالیٰ سے رضامندی کا بیان ہے اور سابقین کی اس امتیازی خصوصیت کو کہ ان کے نقش قدم پر چلنے والے خواہ مہاجرین و انصار لاحقین ہوں یا قیامت تک آنے والے مؤمنین ہوں وہ سبھی مستحق رضا و اجر جزیل ہیں تو پھر اس رضاء خداوندی نے واضح کر دیا کہ جب ان سابقین کے متبعین کا یہ مقام ہے تو ان کو یقیناً اس سے ارفع و اعلیٰ مرتبہ و مقام حاصل ہو گا،

(۲۰) قال تعالیٰ: لا یستوی منکم من انفق من قبل الفتح وقاتل اولئک اعظم درجۃ من الذین انفقوا من بعد وقاتلوا وکلا وعد اللہ الحسنیٰ واللہ بما تعملون خبیر (سورہ حدید ۲۷)

فتح مکہ سے پہلے راہ خدا میں خرچ کرنے والے اور جہاد کرنے والے تم میں برابر نہیں وہ ان سے درجات میں عظیم تر ہیں جنہوں نے بعد میں خرچ کیا اور جہاد کیا اور ہر فریق کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے جنت کا وعدہ کیا ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کی خبر رکھنے والا ہے۔

اس آیت کریمہ میں فتح مکہ سے قبل جہاد کرنے والوں اور راہ خدا میں مال صرف

کرنے والوں کے عظیم درجات اور بعد والوں پر ان کی فوقیت کا بیان ہے لیکن استحقاق جنت اور وعدۂ ثواب میں دونوں کو شریک کرنے کا اعلان بھی ہے جس کا حصول بغیر ایمان و اخلاص کے ممکن نہیں لہٰذا فتح سے قبل اور فتح سے بعد حلقۂ اسلام میں داخل ہونے والوں کی ایمانی کیفیت اور اخلاص پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس آیت کریمہ میں مہر تصدیق ثبت ہے اور ان کے اخروی فوز و فلاح کا اعلان واجب الاذعان ہے لہٰذا اول سے آخر تک جو حضرات ہر مقام اور ہر مرحلہ میں ساتھ رہے ان تمام تر آیات میں گنوائی گئی خوبیوں، اعلیٰ صفات اور انفرادی خدمات اور کامل اخلاص اور اجر جزیل اور ثواب جمیل میں ان کا شامل اور شریک ہونا علی الوجہ الاتم والاکمل ثابت ہے اور ہر باایمان شخص اور قرآن کی ان آیات کا ماننے والا اس اعتقاد حق اور یقینِ صادق کا پابند ہے ورنہ اس کا اپنا دعویٰ ایمان محض ابن ابی اور اس کے ساتھیوں کے دعویٰ ایمان کی مانند ہوگا۔

ہم نے صرف بیس آیات گنوائی ہیں اگر دامن اوراق تنگ نہ ہوتا تو حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز کے بیسیوں والے دعویٰ کو بھی بالکل عیاں اور مستغنی از بیان کر دیتے لیکن سعادت ازلیہ جن کے مقدر میں ہے ان کے لیے مذکورہ آیات کا بیسواں حصہ بھی کافی ہے اور جو ازلی بدبخت اور شقی ہیں۔ ان کے لیے ان سے بیس گنا بھی ناکافی ہیں۔ اس لیے یہ معاملہ بھی اہل انصاف کے غور و فکر اور ارباب اخلاص کے فہم و فراست پر چھوڑتا ہوں کہ خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم کی شان اقدس انہیں ان آیات سے معلوم ہوتی ہے یا نہیں اور ان کا سراپا اخلاص ہونا یہاں سے مشہود ہوتا ہے یا نہیں؛ یقیناً ان پر روز روشن کی طرح یہ حقیقت عیاں ہے۔

اخلاص صحابہؓ اور تعامل نبویؐ کی شہادت

حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز نے حکم خداوندی کی روشنی میں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان حضرات کے ساتھ سلوک اور برتاؤ سے ان کے اخلاص پر استدلال۔

اور استشہاد پیش کیا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

یاایھا النبی جاھد الکفار والمنافقین واغلظ علیھم وماواھم جھنم

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کفار کے ساتھ جہاد کرو اور منافقین کے خلاف جہاد کرو اور ان پر سختی اور تشدد کرو اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔

کہ جن ہستیوں کو اس حکم کے بعد اللہ تعالیٰ کے پیارے رسول نے اپنا ہمراز اور دمساز بنا کے رکھا اور اپنا وزیر و مشیر منتخب کیے رکھا۔ ان کی طرف نفاق اور کفر کی نسبت کرنے کا کیا جواز ہے۔ بلکہ ان کے صدق وصفا پر اعتراض براہ راست مہبط وحی صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض ہے اور آپ کو حکم خداوندی کا مخالف قرار دے کر آپ کی کھلی گستاخی ؟

اقول : اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے :

"ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار" ظالموں کی طرف ذرہ بھر میلان نہ رکھو ورنہ دوزخ کی آگ کا عذاب تمہیں پہنچے گا، اس فرمان خداوندی کے باوجود ان سے محبت و پیار، ان کی تمام صحابہ کرام سے زیادہ عزت افزائی اور ان کی مجمع عام میں تحسین و توصیف، ان کے ساتھ باہم رشتہ دارانہ روابط حضرت صدیق کو شرف دامادی بخشنا اور اپنی بھاوج حضرت اسماء زوجہ جعفر طیار رضی اللہ عنہا کا ان سے نکاح کر دینا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو شرف دامادی بخشنا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا سسر بننا اس امر کی بین دلیل ہیں کہ یہ مقدس ہستیاں نگاہ خدا اور نگاہ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں پاکیزہ، مقدس اور سراپا اخلاص تھیں ورنہ خود سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ان قرآنی احکام کے برعکس عمل پیرا ہونا لازم آئے گا۔ العیاذ باللہ

اہل بدر اور شہادت نبوی :

قرآن حکیم کے حکیمانہ ارشادات کے بعد ذرا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بدری صحابہ کے متعلق ارشاد بھی ملاحظہ کرتے چلیں۔

(۱) فی المجمع عن الباقر علیہ السلام ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لما نظر الی کثرۃ عدد المشرکین وقلۃ عدد المسلمین استقبل القبلۃ وقال: اللھم انجز لی ما وعدتنی، اللھم ان تھلک ھذہ العصابۃ لاتعبد فی الارض فما زال یھتف ربہ مادا یدیہ حتی سقط رداؤہ عن منکبیہ فانزل اللہ اذ تستغیثون ۔ الآیۃ،

امام محمد باقر سے تفسیر مجمع البیان میں منقول ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب لشکر کفار و مشرکین کی کثرت دیکھی اور اہل اسلام کی قلت تو قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر دعا کی اور عرض کیا۔ اے اللہ۔ میرے ساتھ کیا ہوا وعدہ نصرت پورا فرما، اے اللہ اگر یہ جماعت ہلاک ہو گئی تو زمین میں تیری عبادت نہیں کی جائے گی۔ آپ اسی طرح دست دعا دراز کر کے التجا کرتے رہے حتی کہ آپ کے کندھوں سے چادر مبارک گر گئی تو اللہ تعالی نے بشارت دیتے ہوئے یہ آیت نازل فرمائی (تفسیر صافی جلد اول ص ۲۳۳)

اور دوسری روایت میں اس طرح وارد ہے کہ جب اہل مکہ کفار و منافقین نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کی قلت کو دیکھا تو کہا۔

مساکین ھولاء غرھم دینھم فیقتلون الساعۃ (الی) فقال: یارب ان تھلک ھذہ العصابۃ لم تعبد و ان شئت لا تعبد لا تعبد۔

یہ مساکین ہیں ان کو ان کے دین نے ذبح کر دیا یہ تو ابھی قتل ہو جائیں گے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دست دعا دراز کر کے عرض کیا اگر یہ جماعت ہلاک ہو گئی تو تیری عبادت نہیں ہو گی۔

اور اگر تو یہی چاہتا ہے کہ تیری عبادت نہ کی جائے تو اسی طرح سہی پھر آپ

پر استغراقی حالت طاری ہوئی اور ملائکہ کی آمد کا مژدہ سنایا گیا تو آپ نے صحابہ کو مبارکباد دی (صافی ص۲۲۳ وکذافی تفسیر مجمع البیان ۲/ ۵۲۵)

۲۔ ابوعوانہ سے مروی ہے کہ عبدالرحمٰن بن عطیہ اور ابوعبدالرحمٰن سلمی کے درمیان حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق بات چلی (اور یہ ابوعبدالرحمٰن حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منحرف ہونے والوں میں سے تھا) تو اس نے حیان کی طرف متوجہ ہو کر کہا کیا جانتا ہے کہ تیرے امام کو کس چیز نے خون بہانے اور قتل وقتال کرنے پر برانگیختہ کیا ہے؟ تو اس نے دریافت کیا۔ "تو انہیں کس چیز نے اس امر پر برانگیختہ کیا ہے" اس نے کہا:

حدثنا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لاھل بدر: اعملوا ما شئتم فقد غفرت لکم او کلاما ھذا معناہ" (شرح نہج البلاغہ جدیدی ص۱۰)

انہوں نے ہمیں بیان کیا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل بدر کے متعلق فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ تم جو چاہو کرو کیونکہ میں نے تمہیں بخش دیا ہے۔

۳۔ تفسیر مجمع البیان جلد پنجم ص۲۷۱ اور تفسیر منہج الصادقین جلد نہم ص۲۴۱ پر بھی اہل بدر کے لیے یہی بشارت موجود ہے جس کا سبب ورود حضرت حاطب بن ابی بلتعہ بدری صحابی کی اہل مکہ کے لیے مخبری تھی جس کی وجہ سے ان کو منافق سمجھا گیا اور ان کے قتل کرنے کی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی گئی تو آپ نے فرمایا یہ بدری صحابی ہے۔ اور مجاہدین بدر کے متعلق اللہ تعالیٰ کا اعلان ہے "اعملوا ما شئتم فقد غفرت لکم" جو چاہو کرو میں نے تمہیں بخش دیا ہے۔ سبحان اللہ اس قسم کی سنگین غلطی کے باوجود نہ اس صحابی کے حق میں نفاق کا طعن قابل برداشت اور نہ ہی تعزیری اور تادیبی کارروائی فرمائی حالانکہ ان کو بارگاہ نبوت میں وہ قرب بھی حاصل نہیں تھا جو خلفاء ثلاثہ کو

حاصل تھا لیکن میاں ڈھکو صاحب کو اور اس کے ہم مذہب علماء کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اعلان عام نظر آتا ہے اور نہ اس پر اعتقاد اور عمل کی ضرورت محسوس ہوتی ہے نعوذ باللہ من ھذا الشقاء۔

۴۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہؓ کے اس اعتراض کا کہ انہوں نے ہمارے صلاح و مشورہ کے بغیر خلافت کو سنبھالا ہے اور ہم اس اجماع میں شریک نہیں ہیں جواب دیتے ہوئے فرمایا۔

ان الناس تبع المهاجرين والانصار وهم شهود للمسلمين فى البلاد على ولاتهم وامرائهم فرضوابى وبايعونى،

باقی لوگ مہاجرین و انصار کے تابع ہیں اور صرف وہی مسلمانوں کے شہروں میں ان ولاۃ امراء اور امراء پر شہود اور گواہ ہیں اور وہ مجھ پر راضی ہیں اور انہوں نے میری بیعت کر لی ہے تو امیر معاویہؓ نے کہا، ہمارے ہاں شام میں بھی مہاجرین و انصار موجود ہیں جو آپ کی بیعت میں شامل نہیں ہوئے اور نہ آپ کی خلافت پر راضی ہوئے للہذا یہ دعوی کیونکر قابل قبول ہو سکتا ہے، تو آپ نے جواب میں فرمایا

ويحكم هذا للبدريين دون الصحابة ليس فى الارض بدرى الا وقد بايعنى وهو معى او قد قام ورضى فلا يغرنكم معاوية من انفسكم ودينكم۔

تمہارے لیے افسوس ہے یہ اختیار اور تصرف بدری مہاجرین و انصار کے لیے ہے نہ کہ تمام صحابہ مہاجرین و انصار کے لیے اور روئے زمین پر کوئی بدری صحابی نہیں جس نے میرے ساتھ بیعت نہ کی ہو اور میرے ساتھ شریک کار نہ ہو یا بیعت کر کے اٹھا ہوا اور

مجھ سے راضی نہ ہو لہٰذا معاویہ تمہیں اپنے نفوس اور دین کے متعلق
دھوکہ میں نہ ڈالے (شرح حدیدی ص۱۵ جلد چہارم)

الغرض ان روایات سے بدری صحابہ کرام مہاجرین وانصار کا مدار اسلام وایمان ہونا اور عبادت خداوندی کا ان کی حیات اور بقا سے وابستہ ہونا واضح ہے اور اللہ تعالیٰ کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اس قولی اور دعویٰ کی وجہ سے اعتراض نہ کرنا اس امر واقعہ کی بین دلیل و برہان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عالم اسباب میں اہل بدر کی حیات و بقا اور فتح اور کامیابی پر تا قیام قیامت اسلام وایمان اور توحید وعبادت کے موقوف ومترتب ہونے کو مان لیا ہے اور اس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ موافقت فرمائی۔ اور انہیں مرضیٔ محبوب کے مطابق فتح وکامرانی بھی عطا فرمائی اور ساتھ ہی یہ اعزاز بھی بخشا کہ آج کے بعد جو چاہو کرو تم پر عذاب وعقاب نہیں ہے اور اسی طرح یہ بھی واضح ہوا کہ امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نگاہ ولایت میں بھی یہ حضرات مقتدا ئے اہل اسلام ہیں۔ انہیں پر امراء وحکام کا انتخاب موقوف ہے اور ان کی بیعت ان امراء و حکام کے لیے موزونیت واستحقاق کی حتمی سند اور شہادت ہے۔

اہل حنین اور شہادت نبوی:

(۱) ثم رفع رأسه الى السماء فقال اللهم ان تهلك هذه العصابة لم تعبد وان شئت ان لا تعبد (لا تعبد) (صافی جلد اول)

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اہل اسلام کے وقتی طور پر پیچھے ہٹنے پر) آسمان کی طرف سر اٹھایا اور عرض کیا اے اللہ اگر تو نے اس جماعت کو ہلاک کیا (یا یہ جماعت کفار کے ہاتھوں ہلاک ہو گئی) تو تیری عبادت نہیں کی جائے گی اور اگر تو یہی چاہتا ہے کہ تیری عبادت نہ کی جائے تو پھر تیری عبادت نہ ہی کی جائے، اور یہی مضمون تفسیر قمی ص۲۸ پر موجود ہے۔

غزوہ بدر میں تین سو تیرہ مہاجرین وانصار تھے اور غزوہ حنین میں بارہ ہزار مع مہاجرین وانصار کے اور فتح مکہ کے بعد اسلام لانے والوں کے، اور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں گروہوں کو مدار اسلام اور بنیاد توحید ورسالت قرار دیا اور اساس عبادت خداوند تعالیٰ اور عرض کیا اے اللہ اگر یہ جماعت بدر میں اور وہ جماعت حنین میں ہلاک ہوگئی تو پھر تیری عبادت کبھی بھی نہیں ہو سکے گی تو جو ہستیاں مدار اسلام ہوں اور بنیاد شریعت اور ان کے حق میں یہ اعلان کرنے والے محمد رسول اللہ ہوں اور مہر تصدیق لگانے والا اللہ تعالیٰ ہو، وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحیٰ تو ان کے ایمان واخلاص میں کون مسلمان شک کر سکتا ہے۔

تنزیہہ الامامیہ (ص ۵۴ / از علامہ محمد حسین ڈھکو صاحب)

کیا اصحاب ثلاثہ اسلام لانے میں مخلص تھے

پیر سیالوی نے اپنے رسالہ کے ص ۱۲ وص ۱۳ پر دو مسئلوں کا تذکرہ کیا ہے پہلا یہ کہ اصحاب ثلاثہ اخلاص سے ایمان لائے تھے دوسرا یہ کہ منافق عہد رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم میں ختم ہو گئے تھے۔

تحفۂ حسینیہ : امر اول : حضرت شیخ الاسلام بلکہ تمام عالم اسلام کا ماسوائے روافض کے یہی عقیدہ اور ایمان ہے کہ اصحاب ثلاثہ واقعی اسلام لانے میں مخلص تھے اور دلائل عقلیہ ونقلیہ اس کے شاہد ہیں جس طرح حضرت شیخ الاسلام نے بیان فرمائے اور ہم نے بھی بطور تتمہ ذرا تفصیل سے ان کا ذکر کر دیا۔

امر دوم " یہ کہ منافق عہد رسالت میں ختم ہو گئے ، یہ جملہ دیکھ کر جی چاہتا ہے کہ آیہ علامہ پر پڑھ ہی دیں ، لعنۃ اللہ علی الکاذبین ۔

حضرت شیخ الاسلام کی عبارت اٹھیں تو ملاحظہ و مطالعہ فرمادیں اور بتائیں کہ یہ لفظ وہاں موجود ہیں یا آپ کی عبارت سے یہ مطلب کشید کیا جا سکتا ہے؟ آپ نے آیت کریمہ یاایھا النبی جاھد الکفار والمنافقین الآیہ کو نقل کر کے دعوت فکر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم جہاد اور تغلیظ و تشدید کا ہو تو آپ جن کو ہمراز و مسافر بنائیں اور وزیر و مشیر تو یقیناً اُن کے متعلق کفر و نفاق کا گمان خود سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ بدعقیدگی پیدا کرے گا کہ آپ نے قرآن پر عمل نہیں فرمایا نہ یہ کہ مطلقاً منافق ختم ہو گئے تھے۔ مطالب کشید کرنے کے اس انداز پر تو ابن سبا بلکہ شیطان لعین بھی ڈھکو صاحب کو رشک بلکہ حسد کی نگاہ سے دیکھتے ہوں گے۔

تنزیہہ الامامیہ ص ۵۴: الجواب واللہ المعین علی الصواب ارباب دانش و بینش کا قول ہے کہ۔

"عدم العلم لا یدل علی العدم"

یعنی کسی چیز کا معلوم نہ ہونا اس کے نہ ہونے کی دلیل نہیں ہے۔

اگر مؤلف کو اصحاب ثلاثہ کے اسلام لانے کے کسی دنیوی داعیہ اور محرک کا علم نہیں ہے تو اس سے یہ کب لازم آتا ہے کہ سوائے خلوص و ایمان کے اس کا کوئی اور دنیوی داعیہ موجود نہ تھا۔

تحفہ حسینیہ: ڈھکو صاحب یہ قاعدہ اس وقت استعمال کرتے جب حضرت شیخ الاسلام نے دلائل پیش نہ کیے ہوتے جب آپ نے اجمالاً قرآنی اور عقلی دلائل کی طرف اشارہ فرما دیا جن کی تفصیل ہم نے عرض کر دی ہے تو یہ عدم علم سے عدم شئی پر استدلال نہیں بلکہ دلائل و براہین قاہرہ کے وجود سے مدلول و مطلوب کے تحقق و وجود پر استدلال ہے علامہ ڈھکو صاحب دل کی آنکھیں چلو نہ سہی مگر سر کی آنکھوں سے دیکھ لیتے کہ یہاں ارباب دانش و بینش کے اس قاعدہ کا ذکر کر کے تم نے کس قدر دانش و بینش سے محرومی کا ثبوت فراہم کیا ہے۔

تنزیہہ الامامیہ — فصل اوّل

ابوبکرؓ صاحب کے اسلام لانے کا اصل محرک

جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ابھی تک اعلان نبوت بھی نہیں فرمایا تھا کہ جناب ابوبکر کی سفر تجارت کے سلسلہ میں شام جاتے ہوئے بحیرہ راہب سے ملاقات ہوئی۔ اس نے رسمی احوال پرسی کے بعد یہ پیش گوئی کی کہ عنقریب تم میں ایک شخص نبوت کا دعوٰی کرے گا اور تکالیف شاقہ برداشت کرنے کے بعد وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائے گا تم اس کی تصدیق کرنا کیونکہ اس نبی کے بعد زمام اقتدار تمہیں ملے گی۔

(ملاحظہ ہو: سیرت حلبیہ ج 1: ۳۱۰، تاریخ الخلفاء ۲۳، صواعق محرقہ ۵۰)

(۱) چونکہ ابوبکر صاحب کو راہب کی بات پر پختہ یقین تھا۔ اس لیے جب آنحضرتؐ نے اعلان نبوت فرمایا تو یہ بظاہر دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے اور حصول اقتدار اور عروس حکومت سے ہمکنار ہونے کے لیے تمام تر تکالیف کو بطیب خاطر برداشت کیا۔

(۲) خلیفہ صاحب کے قلبی مرض کی طرف اشارہ کرتے ہوئے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شرک تم میں چیونٹی کی چال سے بھی زیادہ مخفی چلتا ہے۔

(در منثور ۲، ۵۴، کنز العمال ۲: ۱۶۹)

(۳) نیز آنحضرتؐ نے یہ فرما کر ابوبکر کی سبقت اسلامی کا بھانڈا بھی چوراہے پر پھوڑا ہے۔ "ما سبقکم ابو بکر بصوم ولا صلوٰۃ الا بشی وقر فی قلبہ" یعنی ابوبکر نے روزہ رکھنے، نماز پڑھنے میں تم پر سبقت حاصل نہیں کی بلکہ ایک ایسی چیز کی وجہ سے کی ہے جو ان کے دل میں راسخ تھی،، یعنی بحیرا راہب کی پیشگوئی۔

ع ۔ نہاں کئے ماند آں رازے کزو سازند محفلہا ۔

تحفہ حسینیہ ؛ از ابوالحسنات محمد اشرف السیالوی ۔

ڈھکو صاحب نے قرآن مجید اور ارشادات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ارشادات ائمہ جو اصحاب ثلاثہ کے اخلاص پر دلالت کرتے ہیں ان کے مقابل اور معارض اقوال پیش کر کے حضرت شیخ الاسلام کے استدلال کا توڑ پیش کرنا چاہا ہے اور اس میں ترتیب خلافت کو ہی ملحوظ رکھ کر اپنے قلبی بغض کا اظہار کیا ہے ۔ سیرت حلبیہ اور صواعق محرقہ میں مرقوم روایت بجا مگر اس سے جو نتیجہ اخذ کیا گیا ہے وہ ڈھکو صاحب کی اپنی افتاد طبع ہے ۔ اس قول میں کوئی ایسی دلالت تو کجا اشارہ بھی موجود نہیں ہے اور اسی کشید کردہ بلکہ فرض کردہ مقصد کو مدنظر رکھ کر تیسری دلیل بھی تیار کر لی ہے لہٰذا ڈھکو صاحب کے استدلال کا دارومدار دو امور پر ہوا ایک اپنے مفروضہ پر اور دوسرا ایک حدیث پر اب ہم ذیل میں اس استدلال کی عقلی اور نقلی حیثیت کو واضح کرتے ہیں اور فیصلہ قارئین کرام پر چھوڑتے ہیں ۔

(۱) قابل توجہ امر یہ ہے کہ آیا قرآن مجید کے آیات صریحہ اور احادیث صحیحہ کے مقابل سیرت حلبیہ کی روایت سے خود ساختہ اور تراشیدہ مطلوب پیش کرنا کسی با اصول عالم دین بلکہ مسلمان کے نزدیک قابل قبول ہو سکتا ہے ظاہر ہے دلائل کے مقابلہ میں جوابی طور پر دلائل پیش کرتے وقت قوت کا ملحوظ رکھنا ضروری ہے ۔ اگر دلیل وزنی ہو گی تو مستدل کا موقف وزنی ہو گا اور برابر درجہ کی ہونگی تو دونوں احکام موقوف اور معلق ہو کر رہ جائیں گے اور کمزور دلیل بلکہ شبہ پیش کیا جائے گا تو طفلانہ حرکت اور مجنونانہ گپ قرار پائے گی ۔ اس پس منظر میں دیکھو تو شیخ الاسلام قرآن مجید کی آیات کا خلاصہ اور مغز پیش کر رہے ہیں اور ڈھکو صاحب ایسی روایت جس میں قطعاً ان کے مدعا پر کسی پہلو سے دلالت موجود ہی نہیں بلکہ صرف اپنا مزعومہ اور مفروضہ ہے جس کو صرف طفلانہ بلکہ مجنونانہ حرکت ہی قرار دیا جا سکتا ہے ۔

(۲) دلیل وہ ہونی چاہیئے جو دعویٰ اور مدلول کو مستلزم ہو اور عقلاً تحقق دلیل کے بعد مدلول کا متحقق نہ ہونا باطل ہو لیکن اس روایت میں اس طرح کا کوئی استلزام موجود نہیں یہ خبر سن کر حضرت ابوبکر، ہو سکتا ہے خلوص سے ایمان لائے ہوں اور راہب کی خبر کے ہر دو حصوں کا یقین کیا ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے برحق رسول ہیں اور میں ان کی زندگی میں وزیر و مشیر اور بعد از وصال خلیفہ اور نائب ہوں گا۔ جب یہ احتمال موجود ہے بلکہ دلائل کتاب و سنت کی روشنی میں متعین ہے تو دوسرے احتمال کی وجہ ترجیح تو کجا، اس کا تصور بھی کوئی ہوش اور عقلمند نہیں کر سکتا۔ اس کے تحت پہلی صورت کو رد کیونکر کیا جا سکتا ہے اور کم زکم

اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال والے عقلی قاعدہ کے تحت باعزت انسان کو اپنے استدلال سے دست بردار ہونا پڑتا ہے۔ جب اس کے استدلال میں دوسرا احتمال موجود ہو چہ جائیکہ جب دوسرا احتمال ہی متعین ہو۔

تذییل: یہی حال تیسری دلیل کا بھی ہے (کہ جناب ابوبکر نے اسی چیز کی وجہ سے سبقت کی ہے جو ان کے دل میں راسخ ہے)

(۵) کیونکہ ظاہر ہے دل میں حرص و لالچ بھی ہوا کرتا ہے اور ایمان و اخلاص بھی اور عشق و محبت بھی، جب دونوں احتمال موجود ہیں تو از روئے عقل اور دیانت یہ استدلال بھی لغو اور باطل ٹھہرا

(ب) تحریف معنوی اور ستم بالائے ستم: ڈھکو صاحب نے اپنی جان پر ظلم یہ کیا ہے کہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں تحریف معنوی کر دی ہے۔

"ما سبقکم ابوبکر بصوم ولا بصلوٰۃ الا بشئ وقر فی قلبہ"

جس کا صحیح ترجمہ تو یہ تھا۔ کہ تم سے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نہ روزہ کے ذریعے سبقت لے گئے ہیں اور نہ نماز کے سبب سے لیکن اس چیز کی وجہ سے جو ان کے دل میں راسخ ہے۔

یعنی ان کی سبقت اہل اسلام پر مسلم ہے مگر سبب اس کا کثرت صوم و صلوٰۃ نہیں بلکہ یہ تو اعمال ظاہرہ ہیں اور وہ سبب ان کے دل سے تعلق رکھتا ہے۔ لیکن ڈھکو صاحب نے طالب علموں کے سامنے شرمندگی کا خوف کیے بغیر اپنی مرضی کا ترجمہ داغ دیا۔ طلبہ جانتے ہیں کہ جس چیز کی طرف سبقت مراد ہو اس پر (الی) داخل کیا جاتا ہے کما قال تعالیٰ : سابقوا الیٰ مغفرۃ من ربکم۔ الآیۃ نہ کہ اس پر باء داخل کی جاتی ہے جو کہ سببیت پر دلالت کرتی ہے لیکن اگر یہ معنی کرتے جو قواعد کے مطابق ہے تو قلبی بغض کا اظہار نہیں ہو سکتا تھا اس لیے شرم خلق اور شرم خدا سے بے نیاز ہو کر یہ ترجمہ کر دیا۔

الغرض جب اس میں بھی احتمال ہے کہ وہ شئی ایمان و یقین کامل اور اخلاص اکمل ہو تو استدلال باطل ہو گیا بلکہ یہی احتمال متعین ہے کیونکہ تمام اہل اسلام پر سبقت طلب جاہ اور حرص سلطنت سے تو ثابت نہیں ہو سکتی بلکہ ایمان و اخلاص کامل اور حب صادق سے کیونکہ اعمال ظاہرہ مجسمے ہوا کرتے ہیں اور یقین محکم اور حب صادق اور عشق کامل ان کی جان اور ان کے پر پرواز ہوا کرتے ہیں جو سبقت کا موجب بنتے ہیں۔ قال الحسد فقط الشیرازی۔

آنجا کہ زاہداں بہ ہزار اربعین رسند — مست شراب عشق بیک آہ میرسد

(ج) علاوہ ازیں یہ تیسری دلیل ڈھکو صاحب کی پہلی دلیل کی فرع ہے جب اس کے پرخچے فضاء آسمانی میں بکھرے ہوئے ہر آنکھ والے کو نظر آجائیں گے تو اس کا فیصلہ وہ خود کر لیں گے۔

(۳) بحیرا راہب نے جو کچھ آپ کو بتلایا تھا اس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نبی آخر الزمان ہونا بھی داخل تھا اور سب اہل کتاب کا ان کی راہ میں آنکھیں بچھائے ہونا بھی۔ اگر آپ کو اس کی بات سن کر اپنے وزیر اور خلیفہ ہونے کا یقین آگیا تھا تو آپ کی نبوت و رسالت کا یقین کیونکر نہ ہوا اور جب آپ کو اس کی خوشخبری کے تحت دونوں امر کا یقین ہو گیا تو اس سے آپ کے علو مرتبت اور احترام

کی کیا گنجائش ہو سکتی ہے مثلاً ہمیں یقین ہے کہ آپ کی غلامی میں آکر جنت ملے گی اور حور و غلمان اور نہ ختم ہونے والی زندگی تو کیا ہمارا ایمان صرف اس لالچ کے تحت ہوگا اللہ اعلم اس کا اعتبار ہی نہیں ہوگا؟ نعوذ باللہ من ذلک جب یہ بشارت ہمارے اخلاص میں مخل نہیں تو وہ بشارت حضرت صدیقؓ کے اخلاص میں کیونکر خلل انداز ہو سکتی ہیں۔

(۴) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ملک عرب کے مالک بن چکے ہوتے یا آپ کے لیے حالات سازگار ہوتے تو پھر تو اس توہم کی کوئی گنجائش ہو سکتی تھی لیکن مکی زندگی کے تیرہ سال انتہائی پر آشوب تھے، پھر مدنی زندگی میں کبھی جنگ بدر کبھی جنگ احد اور کبھی خندق وغیرہ، علاوہ ازیں وطن سے بے وطن ہونا، گھر بار سے الگ ہونا اور کفار کی طرف سے زد و کوب کیا جانا، (جس کو خود ڈھکو صاحب نے تقیہ نہ کرنے کے خوفناک انجام کے تحت ذکر کیا ہے) قریبی رشتہ داروں بلکہ اولاد کے ساتھ جنگ و جدال صرف اس موہوم امید پر کون برداشت کر سکتا ہے اگر دل میں حلاوت ایمان گھر نہ کر چکی ہو اور عشق نبوی کے شراب نے مست بنا کر دنیا کی ہر تکلیف کو سہل نہ کر دیا ہو تو ایسے مصائب و شدائد کبھی برداشت نہیں ہو سکتے۔

(۵) راہب نے جس وزارت اور خلافت کی خبر دی تھی وہ ذاتی رائے اور نجوم و رمل کے علم پر مبنی تھی یا اللہ تعالیٰ کی منزل کتب میں ازلی فیصلہ اور محیط علم غیب کی بناء پر، صورت اولیٰ میں اس قدر جزم اور یقین کس کو آسکتا ہے بالخصوص ان مشکل اور تکلیف دہ احوال میں اور دوسری صورت میں اخلاص کی نفی نہیں ہو سکتی ورنہ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر بھی یہی فتویٰ لگے گا کیونکہ ولادت شریفہ کے وقت سے لے کر اعلان نبوت سے پہلے تک مختلف رہبان اور احبار آپ کی نبوت و رسالت کی خبریں دیتے رہے اور اس وجہ سے آپ کو جناب ابوطالب نے سفر تجارت میں شام کی طرف لے جاتے وقت راہ

سے واپس کر دیا تھا کیونکہ راہب نے آپ سے کہا تھا کہ یہ پیغمبر آخر الزمان ہیں۔ اور مجھے ان کے متعلق یہود کی بد باطنی اور دشمنی کا خطرہ ہے اور اس قسم کے بے شمار واقعات کتب سیرت میں موجود ہیں تو کیا یہاں بھی اس قسم کے توہم کی گنجائش ہو گی۔

(۶) اگر یہ خلافت ظالمانہ تھی تو راہب کو بطور بشارت اور مژدہ اس کو ذکر کرنے کا کوئی مطلب نہیں ہو سکتا تھا۔ اور نہ اس کے حصول کے لیے کوشش کرنے کی ترغیب دینے کی کوئی وجہ ہو سکتی تھی اور اگر اللہ تعالیٰ کے خصوصی انعام اور عطیہ کے طور پر تھی تو اس سے حضرت صدیقؓ کا اعزاز و اکرام ظاہر ہے کہ جس طرح حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق سے قبل ان کی خلافت کا اعلان ملائکہ اور جنوں میں کیا گیا۔ آدم علیہ السلام کے اس فرزند ارجمند کی خلافت کا اعلان بھی ان کی پیدائش سے قبل آسمانی کتابوں اور رسل و انبیاء علیہم السلام کی زبانی کرایا گیا اور مقدر کی بات ہے کہ پہلی امتوں کا بھی اس پر ایمان اور اعتقاد ہے لیکن یہ بدقسمت لوگ محمدؐ عربی کے حلقہ غلامی میں داخل ہونے کے مدعی ہو کر اس پستی میں گر رہے ہیں کہ اس عظیم خلافت پر ایمان نہیں لاتے بلکہ اس کے انکار کو جزو ایمان بلکہ عین ایمان تسلیم کرتے ہیں۔

(۷) نیز یہ بھی واضح ہو گیا کہ یہ محض شورائی خلافت نہیں تھی بلکہ اس کے فیصلے اللہ تعالیٰ کے ازلی کلام میں ہو چکے تھے اور کتب سابقہ میں بھی ہاں البتہ زبان خلق نقارۂ خدا کے تحت اس اجماع و اتفاق نے اس ازلی فیصلہ پر تصدیق لگا دی ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کو یہ خلافت پسند نہیں تھی تو اس کے اعلان کرا کر اور رائج دلا کر وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ کونسی مہربانی کا اظہار کر رہا تھا، جو برحق خلیفہ ہے اس کا اعلان نہ ہو اور کسی کتاب سماوی میں نام نہ ہو اور جو ناحق ہیں ان کی خلافت کا ہر دور میں اعلان ہو اور ہر ایک کا اس پر ایمان ہو آخر یہ خدائے عادل کے عدل کے کہاں تک مطابق اور موافق ہے اور اگر ان کی خلافت کا ذکر بھی تھا

تو لازماً ان کو بھی علم ہوگا ورنہ علم میں ناقص ہونا لازم آئے گا اور عالم ما کان وما یکون ہونے کے خلاف، جو کہ عقیدہ روافض ہے۔ تو آپ کے اخلاص پر بھی حرف آسکتا ہے صرف ابوبکر صدیق پر اعتراض کیوں؟ پھر ایسے لالچی لوگوں کے ذریعے اسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کو سہارا دینے کی کیا ضرورت تھی کیا وہ خود اور حضرت علی کافی نہیں تھے۔

(۸) چلئے ڈھکو صاحب آپ کے ادعاء باطل کے مطابق ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو تو یہ حرص اور لالچ تھا لہٰذا مشکلات بھی برداشت کر لیں اور بظاہر اسلام بھی لے آئے مگر دوسرے مہاجرین و انصار کو کس نے مجبور کیا، اس راہب کی بشارت نے یا ابوبکر کی افواج اور سپاہ نے، ان کا اخلاص اور صدق دل سے اسلام لانا قرآن سے ثابت ہے اور علی الخصوص انصار کا ایثار کہ اپنے شہر میں آنے والے مسلمانوں کو ہی اپنا خلیفہ اور سردار بنالیا تو آخر ان کو کس نے مجبور کر لیا تھا کم از کم وہ اپنے علاقہ میں تو اپنی حکومت قائم کر لیتے اور دنیا میں ایسا کون سا دشمن عقل و دین ہوگا جو دین بھی گنوا لے اور دنیا بھی گنوائے۔ اگر انصار نے تقاضائے دین کے برعکس ہی کرنا تھا تو آپ خلیفہ اور حاکم بنتے یا پھر دنیا کو نظر انداز کرتے اور دین کو برقرار رکھتے اور جو صحیح خلیفہ تھا اس کی خلافت کو تسلیم کرتے۔ الغرض واضح ہوگیا کہ راہب کی خبر نے اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو تو مجبور نہیں کیا تھا انہوں نے جو فیصلہ دیا وہ اپنی مرضی سے دیا لہٰذا یہ خلافت حق تھی اور عند اللہ اسی کا فیصلہ تھا اور اسی صدیق کے ہاتھوں اللہ تعالیٰ اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی بنیاد رکھوانا چاہتا تھا۔ اس لیے اس کے اعلانات پہلے سے ہی کرا دئیے گئے اور تمام اہل اسلام مہاجرین اور انصار کو آپ کی خلافت پر متفق کر دیا۔

(۹) مہاجرین کا اخلاص قول باری تعالیٰ۔ یبتغون فضلا من اللہ و رضوانا سے واضح ہے اور ارشاد خداوندی "الذین اخرجوا من دیارھم بغیر حق الا ان یقولوا ربنا اللہ" سے ظاہر ہے اور ان سب کے

امام و پیشوا صدیق اکبرؓ ٹھہرے تو ان کے اخلاص میں کیا شک و شبہ ہو سکتا ہے نیز مہاجرین کو اولئك هم الصادقون فرمایا گیا اور انصار کو اولئك هم المفلحون. جب کہ صدیق اکبر صادقین و مفلحین کے بھی امام و پیشوا تو پھر ان کے اخلاص اور صدق دلی پر کسی کافر کو بھی شک و شبہ نہیں ہو سکتا۔

(۱۰) راہب نے آپ کے خواب کی کہ "چاند طلوع ہوا اور اس کا ایک ایک ٹکڑا مکہ شریف کے ہر گھر میں گرا اور پھر وہ مکمل ہو کر آپ کی گود میں آگیا" تعبیر بیان کی تھی۔ یہ شیطانی تو ہو نہیں سکتا کیونکہ اس میں نبوی عظمت کا اظہار تھا اور آپ کے فیوض کے عموم کا بیان۔ لہذا یہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو ترغیب تھی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں لانے کی۔ تدبیر جس میں نہ ابو بکرؓ کا دخل اور نہ راہب کا کیونکہ اگر آپ کو خواب نہ آتا تو نہ تعبیر پوچھتے اور نہ ہی خلافت حقہ کے غصب ہونے کا راستہ کھلتا، لہذا حضرت صدیق کی ذات اقدس پر ناراض ہونے کی بجائے اللہ تعالیٰ کے متعلق فیصلہ کرنا چاہیے کہ اسے روافض کے عقیدہ پر کاری ضرب لگانے میں دلچسپی کیوں ہے۔ اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت بلافصل کی راہ میں روڑے اٹکانے کا خیال کیوں!

تلك عشرة كاملة فهاتوا برهانكم ان كنتم صادقين۔

فائدہ: ڈھکو صاحب کی بنیادی دلیل کا حال دیکھ کر اب آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ جب اصل کی حالت یہ ہے تو فرع کی کیا ہوگی۔ یعنی تیسری دلیل کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابو بکرؓ تم پر صرف اس چیز کی وجہ سے سبقت لے گیا ہے جو اس کے دل میں راسخ ہو چکی ہے یعنی بحیرا راہب کی پیش گوئی کی وجہ سے حکومت کا حرص، لیکن اس شبہ کا بھی علمی تجزیہ ہو جائے تو بہتر ہوگا۔ قرآن مجید نے غلامان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرمایا۔

(۱) والسابقون الاولون من المهاجرین والانصار والذین اتبعوھم باحسان
یہاں بھی سبقت کا لفظ ہے تو اس سے اخروی درجات مراد ہیں اور ایمان و استسلام میں سبقت مراد ہے اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ ان سابقین کے ایک اہم اور مقدم رکن ہیں۔ لہٰذا حدیث شریف میں بھی ان کی اس سبقت کا ذکر ہے اور اس کی بنیادی وجہ اور حقیقی سبب کا جس نے ان کو سابقین کا بھی رئیس اور سردار بنا دیا ہے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا: الا ان الیوم مضمار و غداً السباق والسبقۃ الجنۃ (نہج مع الشرح الحدیدی صفحہ ۹۲) یعنی آج ریاضت و مشقت ہے اور کل سبقت ہے اور وہ جنت ہے۔

(۲) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔ فکنتم فیمن دخل فی ھذا الدین اما رغبۃ واما رھبۃ فکنتم فیمن دخل فی ھذا الدین اما رغبۃ واما رھبۃ علی حین فاز اھل السبق بسبقھم وفاز المھاجرون الاولون بفضلھم (شرح حدیدی جلد سوم صفحہ ۲۱۰)
تم ان لوگوں میں سے تھے جو اس دین میں رغبت کی وجہ سے داخل ہوئے یا خوف کی وجہ سے جس وقت کہ سبقت لے جانے والے اپنی سبقت کی وجہ سے کامیاب ہو چکے تھے اور مہاجرون اولین اپنے فضل و مرتبہ کی وجہ سے۔
جس سے صاف ظاہر ہے کہ یہاں بھی سبقت سے مراد وہی سبقت ہے جو موجب فوز و فلاح ہے اور ضامن ترقی درجات اور یہی تحقیق لفظ سبق کی امام راغب نے ذکر کی ہے والسبق لاحراز الفضل والتبریز وعلی ذلک (والسابقون السابقون) الخ (مفردات ص ۲۲۲) لہٰذا ڈھکو صاحب کا یہ شبہ بیت عنکبوت سے بھی کمزور تر ہے۔
موئلف کا دوسرا شبہ اور اس کا جواب: ڈھکو صاحب نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی طرف روئے سخن ہونے کی وجہ سے آپ کو مورد الزام ٹھہرا لیا اور ان کے

دل کی مرض کی تشخیص کا دعویٰ کر دیا حالانکہ دیگر دلائل کتاب وسنت کے مقابل اس شبہ کا سہارا لینا بے سود ہے جو ان کے اخلاص پر صریح الدلالت ہیں۔ علاوہ ازیں یہاں چند امور توجہ طلب ہیں۔

(۱) بسا اوقات ایک اہم ہستی کی طرف روئے سخن کیا جاتا ہے لیکن مراد دوسرے لوگ ہوتے ہیں اور اس خطاب کا مقصد دوسروں کے دلوں میں اس حکم کی اہمیت کا راسخ کرنا ہوتا ہے جس طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"ولا تمدن عینیك الی ما متعنا به ازواجا منهم زهرة الحیوٰة الدنیا۔"

آپ آنکھیں بڑھا کر اور اٹھا کر ہرگز نہ دیکھیں ان چیزوں کی طرف جو ہم نے ان میں سے مختلف لوگوں کو عطا کی ہیں حیواۃ دینویہ کی زینت کے طور پر۔

حالانکہ اس ذات مقدس نے کونین کی نعمتوں کو بھی خاطر میں نہ لاتے ہوئے فقر و مسکنت کو اختیار فرمایا ہوا تھا لہٰذا یہاں روئے سخن آپ کی طرف ہے۔ اور مراد دوسرے لوگ ہیں اور یہی معاملہ حضرت صدیق کا ہے لہٰذا حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے مرض قلب کی نشاندہی تو اس سے نہیں ہوتی البتہ مؤلف صاحب کے مرض قلب و روح کی نشاندہی ضرور ہوتی ہے۔

(۲) الشرك اخفی فیکم۔ کا خطاب اگرچہ عام ہے لیکن کبھی عام سے عموم والا معنی مراد نہیں ہوتا بلکہ بعض کا فعل ہوتا ہے مگر اس کی نسبت سب کی طرف کر دی جاتی ہے جس طرح بنی اسرائیل میں سے بعض نے قتل کا ارتکاب کیا لیکن نسبت سب کی طرف کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ واذ قتلتم نفسا فادارئتم فیها، اس وقت کو یاد کرو جب تم نے ایک شخص کو قتل کیا پھر اس قتل کو ایک دوسرے پر ڈالا۔ اسی طرح حضرت علی رضی اللہ کا ارشاد ہے۔ فابدلنا بعد الضلالة بالهدی واعطانا البصیرة

بعد النعمی (نہج البلاغہ مصری ۵۳۹/۱)
اللہ تعالیٰ نے ہمیں گمراہی کے بعد اس کے بدلے ہدایت عطا فرمائی اور دل کے نابینا اور اندھا ہونے کے بعد قلبی بصیرت عطا فرمائی اگر اس کلام کو اپنے ظاہر پہ رکھو تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بھی پہلے گمراہ ہونا اور قلبی بصیرت سے محروم ہونا لازم آئے گا، حالانکہ نہ شیعہ اس کے قائل ہیں اور نہ ہی ہم اس کے معتقد ہیں، اسی طرح حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں بھی دوسرے دلائل کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہی تاویل متعین ہوگی ورنہ خطاب عام ہونے کی صورت میں خود حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی اس میں داخل ہوں گے اور شرک خفی کا آپ میں بھی سرایت کرنا لازم آئے گا اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے۔ کہ اس مضمون کو دوسری روایت میں الشرک فی ھذہ الامۃ اخفی من دبیب النمل سے تعبیر کیا گیا ہے (مفردات راغب ص: ۲۶۰) اور امت میں حضرت علی، حضرت ابوذر، حضرت مقداد اور حضرت سلمان رضی اللہ عنہم اجمعین بھی داخل ہیں حالانکہ وہ اس سے منزہ و مبرا ہیں لہٰذا حضرت صدیق رضی اللہ عنہ بھی مبرا و منزہ ہیں اور خطاب چونکہ امت کے متعلق ہے لہٰذا قیامت تک پیدا ہونے والے لوگوں میں سے کوئی بھی اس شرک خفی میں مبتلا ہو تو آپ کا فرمان بھی صادق ہو جائے گا لیکن صدر اول اور مہاجرین و انصار اور علی الخصوص بدری صحابی ہی اس کا نشانہ بنانے کیوں ضروری ہیں۔ کیا صرف اس لئے کہ ابن سبا کی قوم اور مجوسیوں کو ان سے تکلیف پہنچی۔

لمحہ فکریہ: وعدہ خلافت ہو تو پھر خطاب کی ضمیر ہونے کے باوجود مصداق حضرت مہدی علیہ السلام بن جائیں گے جیسے کہ تفسیر صافی وغیرہ میں زیر آیت: وعد اللہ الذین آمنوا منکم وعملوا الصالحات لیستخلفنھم (الآیہ) لکھا ہے کہ اس سے مراد حضرت مہدی علیہ السلام کی امامت و خلافت کا وعدہ ہے اور اگر ریاکاری اور شرک خفی کے بیان میں ضمیر خطاب وارد ہو تو پھر صرف ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ذات

مراد ہو گی کیا یہ انصاف کا تقاضا ہے یا علم تحقیق اور شان اجتہادی کا کہ کہیں تو ضمیر خطاب سے ڈیڑھ ہزار سال بعد والے یا اس سے بھی متاخر لوگ مراد ہوں اور کہیں صرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ اور قریبی صحابی مراد ہوں جو مہاجرین اولین میں سے ہوں اور مجاہدین بدر و احد، خندق و خیبر اور غازیان تبوک میں سے جن کا اخلاص بیسیوں آیات، سینکڑوں احادیث اور ارشادات ائمہ سے مہر نیمروز کی طرح واضح اور عیاں ہو، بریں عقل و دانش بباید گریست۔

(۳) خود حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے اخلاص کی گواہی دیتے ہوئے فرمایا:

کان افضلھم فی الاسلام کما زعمت۔ وانصحھم للہ ولرسولہ الخلیفۃ الصدیق وخلیفۃ الخلیفۃ الفاروق ولعمری ان مکانھما فی الاسلام لعظیم وان المصاب بھما لجرح فی الاسلام شدید الخ شرح ابن میثم بحرانی ۴۸۸/۳

ان سب مہاجرین میں سے افضل جیسے کہ تیرا قول اور نظریہ ہے اور سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خلوص رکھنے والے خلیفۂ رسول ابوبکر صدیق ہیں اور ان کے خلیفہ عمر فاروق اور مجھے اپنی حیات کے خالق کی قسم ان کا مرتبہ اسلام میں بہت بڑا ہے اور ان کا دنیا سے رخصت ہونا اسلام کے لیے ناقابل تلافی نقصان اور نہ مندمل ہونے والا زخم ہے۔

ایک طرف قرآن مجید ان کے اخلاص کی گواہی دے دوسری طرف سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے فضائل و مناقب بیان کریں اور خود علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ان کو سب سے زیادہ افضل اور مخلص للہ ولرسول قرار دیں اور ان کی جدائی کو اسلام کے قلب و جگر کا نہ مندمل ہونے والا زخم قرار دیں اللہ تعالیٰ اور رسول گرامی اور معدن ولایت علی مرتضیٰ سے بڑھ کر کون زیادہ حکیم ہے کہ اس نے تو مرض قلب کی

تشخیص کرلی لیکن ان حضرات کو کچھ پتہ نہ چل سکا۔ نعوذ باللہ من ذلک۔

(۴) علاوہ ازیں شرک خفی نام ہے ریاکاری کا اور کبھی اس کی طرف توجہ نہیں دی جاتی اور وہ اندر ہی اندر ترقی کرتا رہتا ہے لہٰذا طبیب روحانی نے زیر تربیت اپنے غلاموں کو اس کی اہمیت جتلانے کے لیے فرمایا کہ ریا بہ چیونٹی کی چال میں غیر محسوس طریقہ پر انسان میں سرایت کرتا رہتا ہے لہٰذا اس سے ہوشیار اور چوکس رہنے کی ضرورت ہے اور دل کی پاسبانی اور نگرانی کی ضرورت ہے لہٰذا یہ تربیت اخلاق اور اعلیٰ ترین اوصاف کے ساتھ متصف ہونے کی ترغیب ہے نہ کہ مرض قلب کا اثبات اور اس کے لاعلاج ہونے کا بیان۔ نعوذ باللہ من ذلک۔

وہی روایت جس کا ایک جملہ ڈھکو صاحب نے مفید مطلب سمجھ کر لکھ دیا خود اسی روایت سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہے آپ نے فرمایا، الا ادلک علی شی اذا قلتہ ذھب قلیلہ وکثیرہ کیا میں تجھے ایسا وظیفہ نہ بتلاؤں کہ جب تو اسے پڑھے تو قلیل اور کثیر ہر طرح کا شرک دور ہو جائے۔

قل اللھم انی اعوذبک ان اشرک بک وانا اعلم واستغفرک لما لا اعلم (تفسیر درمنثور ۵۲) اسی طرح کہا کرو اے اللہ میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں اس کی کہ تیرے ساتھ شرک کروں دیدہ دانستہ اور میں تجھ سے استغفار کرتا ہوں اور بخشش طلب کرتا ہوں اس کی جو میں نہیں جانتا، تو کس قدر مطلب اور مفہوم واضح ہے کہ طبیب روحانی اپنے مخلص غلام کو تربیت دے رہا ہے اور امکانی صورت کا تدارک بتلا رہا ہے لہٰذا اس صورت میں حضرت صدیق رضی اللہ عنہ پر اعتراض کا کیا جواز ہے؟ اور اگر حضرت صدیقؓ کے دل میں شرک تھا تو ان سے ازدواجی مراسم قائم کرنا اور برادرانہ روابط روا رکھنا کیا قرآن مجید کے اس ارشاد کی کھلی خلاف ورزی نہیں ہوگی۔

"یا ایھا النبی جاھد الکفار والمنافقین واغلظ علیھم"

یعنی اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کفار و منافقین کے ساتھ جہاد کرو اور ان پر سختی کرو۔

اور اسی طرح فرمان باری تعالیٰ کی بھی

" ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار"

ظالموں کی طرف ادنیٰ میلان اور معمولی رغبت بھی نہ رکھو ورنہ تمہیں دوزخ کی آگ اپنی لپیٹ میں لے لے گی اور کونسا مسلمان ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں اس خلاف ورزی کو روا رکھے۔

تنبیہ: ڈھکو صاحب نے لفظ شرک مطلق لکھ کر یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ یہاں شرک جلی اور شرک اکبر مراد ہے حالانکہ یہ قطعاً غلط ہے اس میں چیونٹی کی چال کی طرح چلنے کا کیا مطلب۔ بلکہ یہاں ریا مراد ہے جیسے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ ان یسیر الریاء شرك" معمولی سی ریاکاری بھی شرک ہے اور ریاء کا صدور انسان کو کافر و مشرک شرعی نہیں بناتا لہٰذا یہاں بھی ڈنڈی ماری گئی ہے خود اسی روایت میں یہ تصریح ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

هل الشرك الا من جعل مع الله الها آخر" اور دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے عرض کیا۔ هل الشرك الا ما عبد من دون الله او ما دعی مع الله، یعنی کیا شرک تو صرف یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو الٰہ اور معبود مانا جائے اور ہم تو آپ کے غلام ہیں۔ اور توحید و رسالت کے عقیدہ پر کاربند ہیں تو آپ نے فرمایا نہیں وہ چیونٹی کی طرح سرایت کرنے والا بھی ہوتا ہے اور رفع اس کا طریقہ بتلاتے ہوئے اس کا اثر بھی یہی بتلایا کہ اس سے قلیل اور کثیر ہر دو شرک دور ہو جائیں گے حالانکہ شرک جلی تو قلیل نہیں ہو سکتا وہ تو "ان الشرك لظلم عظیم" کا مصداق ہے اور کثیر و عظیم ہی ہے۔ اس صورت میں بھی ڈھکو صاحب کی تشخیص غلط ہو گئی اور اس کی دھاندلی واضح ہو گئی۔ کیونکہ شرک جلی منافی ایمان ہے، شرک خفی تو ایمان کے منافی نہیں البتہ کمال صدیق کے منافی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو قرآن مجید میں الاتقی فرمایا ہے۔

"سیجنبها الاتقی الذی یوتی ماله یتزکیٰ" دوزخ کی دہکتی آگ سے

وہ شخص ضرور دور رکھا جائے گا جو بہت زیادہ پرہیزگار ہے جو کہ مال کو تزکیہ قلب کے حصول کے لیے راہِ خدا میں دیتا ہے اس آیت کریمہ کے تحت ابو علی طبرسی نے مجمع البیان میں کہا کہ اس سے مراد ابوبکر ہیں :

عن ابن الزبیر قال ان الایۃ نزلت فی ابی بکر لانہ اشتری المالیک الذین اسلموا مثل بلال و عامر ابن فھیرۃ وغیرھما واعتقھما۔ (مجمع البیان ۵۰۲/۵)

ابن الزبیر سے مروی ہے کہ یہ آیت کریمہ ابوبکر صدیق کے حق میں نازل ہوئی کیونکہ انہوں نے ان غلاموں کو خرید کر آزاد کیا جو اسلام لا چکے تھے مثلاً حضرت بلال، عامر بن فہیرہ اور دیگر غلام۔

لہٰذا ایسی ہستی میں قلیل ترین ریاکاری بھی قابلِ برداشت نہیں ہو سکتی تھی اس لیے اس کی اہمیت بھی واضح فرمائی اور اس کا علاج بھی بتلایا اس لیے یہ روایت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خصوصی تربیت اور اعلیٰ تہذیب کی دلیل ہے نہ کہ تنقیص شان کی ؎

چشم بد بین کہ برکندہ باد — عیب نماید ہنرش در نظر۔

تنزیہہ الامامیہ — از علامہ محمد حسین ڈھکو صاحب

اسلام عمر کی حقیقت: کتب سیر و تواریخ کی ورق گردانی کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبر اسلامؐ کے اعلان نبوت کے چھ سال بعد تک عمر صاحب اسلامی دائرہ میں داخل نہیں ہوئے بلکہ اس اثناء میں مختلف طریقوں سے آنحضرتؐ کو اذیت پہنچاتے رہے حتیٰ کہ ایک مرتبہ جب ابوجہل نے آنحضرتؐ کو قتل کرنے پر ایک ہزار سرخ و سیاہ اونٹ اور ایک ہزار اوقیہ چاندی دینے کا اعلان کیا تو عمر صاحب قتل رسول کے ارادہ سے شمشیر بکف ہو کر رسولِ خدا کو قتل کرنے کے بد ارادہ

سے روانہ ہوئے اور جب اسی حالت میں بارگاہ نبوی میں پہنچے تو آنحضرتؐ باہر تشریف لائے اور عمر صاحب کے دامن اور برہنہ تلوار کو جھنجھوڑ کر فرمایا، اے عمر معلوم ہوتا ہے کہ تم اس وقت تک ان حرکات سے باز نہیں آؤ گے۔ جب تک تمہارے متعلق خدا ذلت و رسوائی کی وہی باتیں نہ نازل کر دے جو اس نے ولید بن مغیرہ کے متعلق نازل کی ہیں۔ یہ دھمکی سن کر عمر نے کلمہ شہادتین زبان پر جاری کیا (ملاحظہ ہو تاریخ الخلفا ص۶۵ صواعق محرقہ ص ۵۵، شرح نہج البلاغہ حدیدی ۳/۱۵ وغیرہ)

لمحہ فکریہ : یہ درست ہے کہ عمر صاحب کے ظاہری کلمہ پڑھنے سے وہ آیت نہ اتری جس کی رسول خداؐ نے دھمکی دی تھی، مگر صاحبانِ عقل و دانش کے لیے لمحہ فکریہ ہے کہ آیا اس کلمہ پڑھنے سے ولید بن مغیرہ کے ساتھ مشابہت کے اسباب بھی بدل گئے تھے یا بدستور قائم تھے؟ صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لیے (ص ۴۷، ۴۸)

تحفہ حسینیہ

امیر المؤمنین عمرؓ بن الخطاب کی حقیقتِ اسلام

ڈھکو صاحب نے حضرت عمرؓ بن الخطاب کی شانِ اقدس میں گستاخی اور آپ کے ایمان و اخلاص کا انکار کرنے کے لیے جس روایت کا سہارا لیا ہے اس کے استدلال کا نچوڑ یہ ہے۔ کہ چونکہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو ولید بن مغیرہ جیسے انجام سے ڈرایا اور اس کی دھمکی دی۔ لہٰذا آپ اسلام میں مخلص نہیں تھے سبحان اللہ کتاب و سنت کے دلائل کے مقابل ایسی دلیل وہی پیش کر سکتا ہے جس کی کھوپڑی میں مغز نام کی کوئی شئی نہ ہو۔ آیئے اس دلیل کی حقیقت پر بھی نظر ڈالتے چلیں۔

(۱) اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وعید سنانے پر لایا ہوا ایمان قابلِ اعتماد اور لائقِ اعتبار نہیں کیونکہ کفر و شرک کی صورت میں جہنم کی دہکتی آگ کا ایندھن بنتا اور

ہمیشہ کے لیے اس میں رہنا ہاتھوں اور پاؤں میں ہتھکڑیاں اور بیڑیاں آگ کی۔ ڈالے جانے کی نیز ابلتا گرم پانی انتڑیوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے باہر نکال دے گا۔ وغیرہ وغیرہ قرآن مجید میں جا بجا موجود ہیں۔ لہٰذا اس دلیل کے تحت کسی کا ایمان بھی قابلِ قبول نہیں ہوگا۔ گویا جنت اور اس کی نعمتوں کا ذکر لالچ و حرص کی خاطر ایمان کو مستلزم ہو گیا۔ اور دوزخ اور اس کے شدائد کا ذکر خوف و دہشت کی وجہ سے ایمان لانے کو مستلزم اور دونوں ایمان ڈھکو صاحب کی شریعت میں ناقابلِ قبول۔

(۲) علامہ ڈھکو صاحب نے اسلاف کی اتباع میں یہاں بھی تحریف کا حق ادا کر دیا ہے۔ اور روایت کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے کی ناپاک سعی کی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ جب بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اس سے پہلے اپنے سابقہ ارادہ سے توبہ کر چکے تھے۔ اور اپنی بہن اور بہنوئی سے قرآنِ مجید کی آیات سن کر اور صحیفہ میں پڑھ کر اسلام کی طرف راغب ہو چکے تھے۔ اور اسی نعمت سے مالا مال ہونے کے لیے وہاں حاضرِ بارگاہ ہوئے تھے۔ لہٰذا اس میں جبر و اکراہ اور وعید و تشدید کا کیا دخل ہو سکتا تھا۔ یہ تو اس صورت میں تھا جب وہ خود حاضر نہ ہوتے اور آپ انہیں گھر سے یا کہیں جنگل سے پکڑ لیتے اور ڈرا دھمکا کر اسلام کی طرف مائل کر لیتے۔ یا دارِ ابی ارقم میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور اہلِ اسلام کے ساتھ حرب و قتال کے لیے جاتے جب حقیقت اس کے برعکس ہے تو مؤلف کا استدلال بالکل لغو اور باطل۔

(۳) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ان کلمات پر اکتفا نہیں کیا تھا جو ڈھکو صاحب نے ذکر کرنے پر اکتفا کیا ہے۔ بلکہ اس کے آخری حصہ کے الفاظ یوں ہیں

"اللھم ھذا عمر اللھم اعز الاسلام بعمر فقال عمر اشھد ان لا الٰہ الا اللہ واشھد ان محمدا رسول اللہ" شرح نہج البلاغہ حدیدی جلد اول ص۱۲۰

اے اللہ یہ عمر ہے۔ اے اللہ اسلام کو عمر کے ساتھ عزیز اور

غالب فرما۔

اور ابتدائی حصہ میں یہ الفاظ ہیں۔

"ثم ندم ورق وجلس واجمًا فخرج اليه خباب فقال ابشر يا عمر فاني ارجو ان تكون دعوة رسول الله صلى الله عليه وسلم لك الليلة فانه لم يزل يدعو منذ الليلة اللهم اعز الاسلام بعمر بن الخطاب او بعمرو بن هشام"

یعنی بہن اور بہنوئی کے ساتھ لڑائی اور ان دونوں کی پٹائی کرنے کے بعد آپ نادم ہوئے اور آپ کا دل نرم ہو گیا۔ اور غمگین ہو کر بیٹھ رہے۔ تو حضرت خباب رض جو چھپے ہوئے تھے وہ حوصلہ پاکر باہر نکلے۔ اور کہا اے عمر رض تیرے لیے بشارت اور مبارکباد ہو کہ آج رات کی دعائے مصطفیٰ تیرے حق میں منظور ہو گئی ہے۔ کیونکہ آج آپ صلی اللہ علیہ وسلم ساری رات یہی دعا فرماتے رہے۔ اے اللہ اسلام کو عمر بن الخطاب یا عمرو بن ہشام کے ذریعے عزت عطا فرما۔

اور میں سمجھتا ہوں کہ اس دعا سے آپ کا مقدر سنور گیا ہے۔

غور کیجئے روایت کا پہلا حصہ بھی عظمت عمر بن الخطاب کی دلیل اور آخری حصہ بھی مگر ڈھکو صاحب اس کو تو شیر مادر سمجھ کر ہضم کر گئے اور درمیانہ حصے کو اپنی طرف سے حاشیہ چڑھانا شروع کر دیا۔ استدلال کبھی برہانی انداز میں ہوتا ہے اور کبھی جدلی انداز میں پہلا مفید یقین ہوتا ہے اور دوسرے میں صرف خصم اور مدمقابل کو خاموش کرانا مقصود ہوتا ہے۔ آخر ڈھکو صاحب بتلائیں کہ یہ استدلال کا کون سا قسم ہے۔ اور پھر یہود کی وراثت میں ملنے والی تحریف کو یہاں کیونکر استعمال کیا۔ کیا دوسرے لوگوں کے پاس کتابیں نہیں یا مطالعہ نہیں رکھتے۔ دن دھاڑے اتنی اندھیر کیوں؟

بہر حال اس روایت سے تو یہ واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ سے آپ نے ان کو مانگ

کرلیا۔ اور عمر بن الخطاب اور عمرو بن ہشام میں سے ایک کا آپ کی طرف سے مطالبہ تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کا انتخاب کیا اور تاریخ اسلام اور تاریخ عالم کے اوراق گواہ ہیں کہ واقعی آپ کی بدولت اسلام کو چار چاند لگ گئے۔

(۴) ڈھکو صاحب کا عقیدہ ہے کہ چونکہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ولید بن مغیرہ کے انجام سے آپ کو ڈرایا لہٰذا لازماً جو حقیقت باعتبار نسب کے اس کی تھی آپ کی بھی وہی ہے۔ مگر یہ تو فیصلہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کرنا تھا کہ ایسے شخص کو سسر کیوں بناؤں اور ان کو یہ اعزاز کیوں بخشوں۔ اگر ڈھکو صاحب۔ عام قسم کے خاندان سے متعلق ہو کر اور معمولی قسم کے مولوی ہو کر ایسے لوگوں سے تعلق اور رشتہ داری گوارا نہیں کر سکتے تو پھر سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور فخر آدم و بنی آدم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ایسا گمان کیونکر ہو سکتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سطور لکھتے وقت یہ مؤلف نشے میں تھا اور شعور و ادراک سے محروم ورنہ اپنے اس استدلال سے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں لازم آنے والی توہین اور بے ادبی اور گستاخی سے بے خبر کیوں کر رہ سکتا تھا۔

(۵) علاوہ ازیں کوئی اس مدعی علم بلکہ دعویدار اجتہاد سے دریافت کرے کیا تشبیہ جمیع امور میں اشتراک اور مساوات کو مستلزم ہوتی ہے۔ مثلاً۔ ڈھکو صاحب کو ہی شیر اہل تشیع کہہ دیا جائے تو اس کا مطلب کیا ہوگا شیر کی دم ہوتی ہے لہٰذا اس کی بھی دم ہے۔ یا وہ چار ٹانگوں والا ہوتا ہے تو اس کی بھی چار ٹانگیں ہیں، وہ شریعت کا پابند نہیں لہٰذا یہ بھی اس کا تولد نکاح سے نہیں لہٰذا .... آخر کسی کی عداوت میں یوں تو بے ہوش اور بدحواس نہیں ہو جانا چاہیئے کہ قواعد و ضوابط اور اصول و قوانین اور آداب اخلاق انسانی کو بھی خیر باد کہہ دیا جائے۔ ولید بن مغیرہ کا انجام یہ ہوا کہ اس کو ناک پر زخم آیا۔ اور وہ سوج کر انتہائی بھیانک بن گیا۔ اور اسی حالت میں مر گیا۔ تو تشبیہ اسلام نہ لانے کی صورت میں اس قسم کے خوفناک انجام

ہیں بھی ہو سکتی تھی۔ لیکن آپ کا ذہن جو ایک خاص نکتے کی طرف راغب ہوتا ہے تو اس سے خود جناب کے جوہر کا اندازہ ہوتا ہے اگر آپ کے محسن جناب سید نوازش علی شاہ کے بھائی جناب سید عنایت علی شاہ کی تالیفی آپ کو منظور ہو تو ہمیں تامل نہیں ہوگا۔ گمانِ غالب بلکہ یقین کامل ہے کہ وہ میرے اندیشہ کو سو فیصد درست ثابت کر دیں گے۔ بلکہ نجی محفلوں میں کرتے رہتے ہیں۔

(۶) پھر شارح حدیدی نے اس روایت کو بلا سند اور بلا حوالہ نقل کیا۔ جب کہ انکی باحوالہ روایت بھی معتبر نہیں ہوتی۔ جوہری جیسے فرضی نام استعمال کرتا ہے تو بے سند اور بے حوالہ روایت کا کیا اعتبار ہو سکتا ہے۔ جب کہ وہ پکا خبیث تھا اور ابن علقمی جیسے غدار شیعی کا نمک خوار لہٰذا اس کی وہ روایت جو اہلِ سنت کے خلاف ہو اس کا کیا اعتبار ہو سکتا ہے۔ کتب اہل سنت میں صرف

"اللھم اعز الاسلام بعمر بن الخطاب او بعمرو بن ھشام" موجود ہے۔ یا اللھم اعز الاسلام بعمر بن الخطاب خاصۃ مروی ہے یا پھر "لو کان بعدی نبی لکان عمر"

اگر میرے بعد نبی ہوتا تو عمر بن الخطاب ہوتے۔

اور انبیاء تو ایسے امور سے قطعاً منزہ و مبرا ہوتے ہیں جو عوام میں قابلِ نفرت سمجھے جاتے ہیں۔ لہٰذا جن کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کی سر فرازی کیلئے منتخب کیا اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے منصبِ نبوت کے شایانِ شان سمجھا۔ اس کی شان اقدس میں اس قسم کی گستاخی سر کوفتہ یہودی اور مجوسی ہی کر سکتا ہے جن کو عمر بن الخطاب کی وجہ سے ذلت و رسوائی سے دو چار ہونا پڑا نہ کہ حقیقی مسلمان اور مؤمن۔

(۷) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دھمکی دے کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے جو کلمہ پڑھوایا تھا اسی طرح ابولہب اور ابوجہل سے کیوں نہ پڑھوالیا۔ کیا انہیں دھمکیاں نہیں دی گئی تھیں۔ ذرا سورہ لہب پڑھ کر دیکھیں۔ لیکن کوئی نتیجہ مترتب ہوا۔ معلوم ہوا کہ دھمکی اور ترغیب و ترہیب بھی اس وقت کام دیتی ہے۔ جب کہ سعادت اور نیک بختی مقدر میں ہو۔ اور جوہر قابل ہو۔ اور صلاحیتیں مسلوب نہ ہو چکی ہوں۔ لہٰذا آپ کا دھمکی سن کر ہدایت قبول کر لینا بھی سعادتِ ازلی کی علامت ہے۔ بلکہ روشن دلیل۔

(۸) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دھمکی اور تھدید و تشدید کے ذریعے پڑھائے ہوئے کلمہ کو حضرت عمرؓ سے قبول کیا یا نہ۔؟ اور اس پر خوشی اور مسرت کا اظہار کیا یا نہ؟ دارِ ابی ارقم میں نعرۂ تکبیر بلند ہوا تو اسی عمر کے اسلام پر اور جبریل امین نے بھی اسی اسلام پر آکر بشارت دی۔

" لقد استبشر اهل السماء باسلام عمر" کہ آسمان والے بھی حضرت عمرؓ کے اسلام لانے سے خوش ہوئے ہیں اور جب آپ نے اس اسلام کو قبول کر لیا اور اس پر خوشی منائی تو آخر مؤلف کو کیوں غم اور رنج والم لاحق ہے حسرت اس لیے کہ یہودیوں کو ان کے ہاتھوں تکلیف پہنچی اور ابنِ سبا ان سے ناراض تھا؟

(۹) ڈھکو صاحب کہتے ہیں۔ کہ آپ چھ سال بعد اسلام لائے تو کیا چھ سال بعد والا اسلام قابلِ قبول نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو فتح مکہ کے بعد والے اسلام پر بھی جنت کی خوشخبری دی ہے۔

" كلا وعد الله الحسنٰى " اگر اعلانِ نبوت کے اکیس سال بعد اسلام لانا قابلِ قبول ہے تو چھ سال بعد والا کیونکر قابلِ قبول نہیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

" الاسلام يهدم ما كان قبله "

سلام پہلے گناہوں کو گرا دیتا ہے اور معدوم کر دیتا ہے شرک و کفر ہو یا فسق و فجور۔

الغرض ڈھکو صاحب کا اس روایت کو پیش کرنا نہ عقلاً درست ہے نہ نقلاً درست اور نہ کسی طرح اس میں اس کے قلبی غیظ و غضب اور عناد و بغض کے لیے سامان تسکین ہے۔ سوائے اپنی تذلیل اور سیاہ بختی کے اظہار کے۔

عجیبہ :۔ ڈھکو صاحب نے ینزل بك کا لفظ دیکھ کر سمجھ لیا کہ نزول کا لفظ آیت اترنے کے معنی میں ہی ہوتا ہے۔ لہٰذا سمجھ لیا کہ آیت اترنے کی دھمکی دی گئی تھی اور کلمہ پڑھنے سے وہ آیت نہ اتری۔

بریں عقل و دانش بباید گریست۔

وہاں تو خزی اور نکال کے نزول کا ذکر ہے۔ اس کے لیے آیت اترنی ہی ضروری تھی دوسرے جو لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرتے رہتے تھے کیا ان کے خلاف جوابی کاروائی میں صرف آیت اتار دی گئی تھی۔ بات صرف اتنی تھی کہ اگر تم مخالفت سے باز نہ آئے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انتقامی کاروائی کا نشانہ بن جاؤ گے۔ اور آپ پہلے ہی اسلام لانے اور کلمہ پڑھنے کے لیے حاضر ہوئے تھے۔ لہٰذا اس مشروط انتقامی کاروائی کا امکان بھی باقی نہ رہا جیسے کلامِ مجید میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا گیا ہے۔

"لئن اشرکت لیحبطن عملك"

اگر آپ شرک کرو گے تو آپ کے عمل بیکار ہو جائیں گے لیکن جب شرط ہی موجود نہ ہوئی تو اعمال کا بے اثر اور بے نتیجہ ہونا لازم نہ آیا وہی صورت یہاں بھی ہے۔

اسلام عثمان کی ماہیت

تنزیہہ الامامیہ

بعض ارباب تاریخ کے بیان سے واضح و عیاں ہوتا ہے کہ جناب عثمان غنیؓ

دینِ اسلام کو دین برحق سمجھ کر اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے۔ بلکہ رقیہ بنت رسول بڑے جمال۔ کمال کی مالک تھیں۔ ان کا عقد پہلے عتبہ سے ہوا تھا۔ جب ان کو وہاں سے طلاق مل گئی۔ تو عثمان صاحب ان سے شادی کرنے کے شوق میں اسلام لائے۔

اس سے بھی قطع نظر یہ تو سب مانتے ہیں کہ جناب عثمانؓ حضرت ابوبکرؓ کی تحریک پر اسلامی برادری میں داخل ہوئے تھے۔ لہٰذا جو خلوص اول میں تھا۔ اسی کا عکس ثالث بالخیر میں بھی نمایاں ہوگا

تحفہ حسینیہ:

حضرت سیدنا عثمانؓ ابن عفان کے خلاف زہر افشانی کے لیے قرآنِ مجید سے کوئی آیت نہ ملی۔ اور پورے ذخیرہ احادیث سے کوئی ایک حدیث بھی نہ ملی۔ صرف ایک روایت ذکر کی جس میں خود حضرت عثمان نے اپنے اسلام لانے کا واقعہ بیان فرمایا ہے۔ اس سے بڑھ کر بے بسی اور بے چارگی بھی کوئی ہو سکتی ہے کہ نہ لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں اور دوسری طرف بیسیوں آیات اور سینکڑوں احادیث جو مستقل ابواب قائم کرکے بیان کی گئی ہیں۔ اور بخاری شریف مسلم شریف جیسی اہم کتابوں میں مذکور ہیں اور شیعہ صاحبان کی مستند کتابوں میں بھی اگر ذرا بھر بھی شرم و حیاء ہو بلکہ اس کی رمق کسی میں ہو تو ہزار دشمنی حضرت عثمانؓ کے ساتھ ہونے کے باوجود ایسا عنوان کبھی قائم نہ کرتا اور عوام کے سامنے اس قسم کا دعویٰ قطعاً نہ کرتا۔

آئیے اب اس روایت کو اصل کتاب سے دیکھیں اور اس میں کی گئی سبائی ہیرا پھیری اور تحریف و تغییر کا ملاحظہ کریں۔

(۱) حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ میں نے جب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی کا نکاح عتبہ بن ابی لہب کے ساتھ ہو جانے کی خبر سنی تو میرے دل میں حسرت پیدا ہوئی کہ میں نے کیوں نکاح کے لیے سبقت نہ کی۔ اور نہ

شرف کیوں حاصل نہ کر سکا یاد رہے آپ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد بن ام اروی کے لخت جگر تھے اور جدی برادری سے بھی اگرچہ عتبہ زیادہ قریبی تھا) اس کے بعد آپ اپنی خالہ کے پاس پہنچے اور انہیں علم کہانت میں مہارت تھی۔ اس نے آپ کو اس حال میں دیکھتے ہی بشارتیں دینا شروع کر دیں جن میں یہ بھی تھی۔

انکحت واللہ حصانا زھرا وانت ماجد ابنت عظیم قدرا

کہ تیرا عقد پاک دامن اور چمکدار رنگت والی عظیم القدر شخص کی بیٹی سے ہوگا۔

فرماتے ہیں میں نے اس سے کہا خالہ تم کیا کہہ رہی ہو اور کیسی بشارتیں دے رہی ہو۔ تو اس نے کہا عثمان تو صاحب جمال بھی ہے۔ اور صاحب لسان بھی اور یہ نبی ہیں جن کے پاس صداقت وحقانیت کا برہان ہے۔ انہیں دیان نے حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے اور ان کے پاس تنزیل اور قرآن آیا۔ لہذا ان کے حلقہ غلامی میں آجاؤ اور اوثان واصنام تجھے غارت نہ کرتے رہیں۔ آپ نے کہا اے خالہ تم جس امر کا ذکر کر رہی ہو تمہارے اس شہر مکہ میں تو قرآن وتنزیل اور نبوت ورسالت کو جانتا کوئی نہیں۔ لہذا اس کی ذرا وضاحت کرو۔ تو اس نے کہا۔

محمد بن عبداللہ۔ رسول من عند اللہ

جاء بتنزیل اللہ۔ یدعوا الی اللہ

محمد رسول اللہ ہیں۔ جو اللہ کی طرف سے نازل کردہ کتاب کے ساتھ مبعوث ہوئے ہیں اور لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتے ہیں

آپ کا چراغ ہی نور پھیلانے والا ہے۔ اور آپ کے دین میں سراسر فلاح ہے۔ آپ کے امر میں ہی نجات اور کامیابی ہے۔ آپ کے لیے وادیاں سرنگوں ہو چکی ہیں۔ اگر آپ نے جہاد شروع کر لیا اور مخالفین کا قتل تو پھر چیخ و پکار فائدہ نہیں دے گی۔ اور نہ ہی جب تلواریں میانوں سے باہر آگئیں اور نیزے بلند کر دیئے گئے۔ قال ثم انصرفت ووقع کلامھا فی

قلبی و جعلت افکر فیہ ۔ فرماتے ہیں میں واپس ہوا تو ان کا کلام میرے دل میں گھر کر چکا تھا ۔ اور میں نے اس میں غور و فکر کرنا شروع کر دیا ۔ اور میرا ابوبکر صدیق کے ساتھ بیٹھنا اٹھنا بھی تھا ۔ میں نے اپنی خالہ سے جو کچھ سنا تھا ان کے سامنے بیان کیا تو انہوں نے کہا عثمان تجھ پر افسوس ہے تو عقلمند آدمی ہے اور حق کی باطل سے پہچان تجھ پر مشکل نہیں ہے ۔ یہ کیا پتھر ہیں جن کی عبادت ہماری قوم کرتی ہے ۔ کیا وہ سخت پتھروں سے تیار شدہ نہیں ہیں جو نہ سن سکتے ہیں اور نہ دیکھ سکتے ہیں ۔ اور نہ نفع و ضرر پہنچا سکتے ہیں ۔ میں نے کہا ہاں یہ تو بالکل ٹھیک ہے تو انہوں نے کہا تمہاری خالہ نے بالکل درست کہا ہے ۔ یہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں محمد بن عبداللہ جن کو اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی طرف اپنی رسالت کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے ۔ کیا تم سے یہ نہیں ہو سکتا کہ ان کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام کی باتیں سنو میں نے کہا کیوں نہیں ۔ چنانچہ میں بارگاہ نبوت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا ۔

یا عثمان اجب اللہ الی جنتہ فانی رسول اللہ الیك والی خلقہ قال فواللہ ما تمالکت حین سمعت قولہ ان اسلمت ثم لم البث ان تزوجت رقیۃ بنت رسول اللہ فکان یقال احسن زوج رقیۃ و عثمان. (خصائص کبری جلد اول صفحہ ۱۳۱)

اے عثمان اللہ تعالیٰ کی جنت کی طرف دعوت کو قبول کر کیونکہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں تیری طرف بھی اور ساری مخلوق کی طرف بھی ۔ آپ نے کہا بخدا جب میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان سنا تو میں اسلام قبول کرنے میں زمام کار ہاتھ سے دے بیٹھا اور حلقہ بگوش اسلام ہو گیا پھر زیادہ عرصہ نہ گزرا کہ حضرت رقیہؓ سے میری شادی بھی ہو گئی چنانچہ کہا جاتا تھا کہ جوڑا رقیہ اور عثمانؓ والا کس قدر خوبصورت ہے ۔

یہ ہے وہ روایت جس کو ڈھکو صاحب نے اپنے دعویٰ کی دلیل بنایا ہے۔ اسے بار بار غور سے پڑھیں اور سبائی ذہنیت کی داد دیں۔ کہ بات کیا ہے۔ اور اسے کیا بنا دیا ہے۔ اب اس روایت کا علمی رنگ میں تجزیہ کرتے ہیں اور مستدل کے مدعا سے اس کا کوسوں دور ہونا واضح کرتے ہیں۔

(۱) اہل اسلام اور کفار کی باہمی رشتے داری کی حرمت والا حکم جنگِ بدر کے بعد نازل ہوا۔ پہلے یہ رشتے داریاں جائز تھیں اس لیے عتبہ کے ساتھ نکاح ہو گیا۔ حالانکہ وہ بھی مشرف باسلام نہیں تھا۔ لہٰذا طلاق ہو جانے کے بعد بھی اس نکاح کے لیے اسلام کی کوئی شرط ہی نہیں تھی۔ اس لیے حضرت زینب رض اور حضرت ابو العاص ابن الربیع کا نکاح برقرار رہا۔ اور جنگِ بدر کے بعد جب یہ حکم نازل ہوا۔ "لا تنکحوا المشرکین حتی یؤمنوا" تب آپ نے ان کو رہا کرتے وقت اس امر کا پابند کیا کہ وہ حضرت زینب رض کو مدینہ منورہ بھیج دے۔ چنانچہ اس نے وفائے عہد کرتے ہوئے انہیں مدینہ منورہ روانہ کر دیا۔

(۲) حضرت رقیہ رض کا تو نکاح ہو چکا اور طلاق کا تو اس میں ذکر ہی نہیں۔ لہٰذا منکوحہ رقیہ رض کے نکاح کی رغبت اسلام لانے کا باعث کیسے بن گئی۔

(۳) اس روایت کی رو سے آپ کی خالہ نے نکاح کا ذکر ضرور کیا۔ لیکن کس سے ہو گا۔ کب ہو گا کیونکر ہو گا۔ قطعاً اس کا ذکر نہیں۔ صرف اتنا کہ منجملہ دوسری بشارتوں کے ایک یہ بھی بشارت دی کہ ایک عظیم القدر شخص کی حسین و جمیل بچی سے تیرا نکاح ہو گا۔ اس سے یہ کب معلوم ہو گیا کہ وہ حضرت رقیہ رض ہی ہیں اور انہیں طلاق بھی ہو گی اور اسلام لائے بغیر انہیں یہ رشتہ نہیں مل سکے گا۔

(۴) بقیہ پوری روایت میں خالہ کی طرف سے حقانیتِ اسلام بیان کی گئی ہے۔ اور حضرت صدیق کی طرف سے بھی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے

بھی صرف اعلانِ رسالت اور جنت کی بشارت پر اکتفاء فرمایا ہے۔
اور خود حضرت عثمانؓ کا بارگاہِ نبوی میں حاضر ہونے سے قبل حضرت صدیقؓ
کی تقریر پر بتوں کی بے بسی اور بیچارگی کا اعتراف کرنا منقول ہے۔ وہاں
نہ ڈر نہ خوف۔ نہ حرص۔ نہ لالچ۔ تو پھر کونسا شیطان آپ کے اعداء پر
نازل ہو گیا ہے جس نے انہیں یہ الہام کیا ہے کہ بس صرف اور صرف یہی
باعث تھا اسلام لانے کا۔ واقعی وہ بہت بڑا شیطان ہے جس نے یہ
کام سرانجام دیا۔ ان الشیاطین لیوحون الی اولیائھم

(۵) اگر دلیل کوئی ہے تو صرف اتنی کہ پہلے نکاح ہو جانے پر اطلاع ملی تو دل میں
حسرت پیدا ہوئی۔ لیکن وقت گزر چکا تھا اور اسلام لانے کے بعد خالہ کی
پیش گوئی کے مطابق اس عظیم القدر ہستی کی عظیم القدر لخت جگر سے نکاح
ہو گیا۔ تو کیا ڈھکو صاحب کے دعویٰ کے ساتھ اس کو کوئی تعلق ہے۔ اور
برہانی یا جدلی انداز میں اس روایت کے ساتھ مدعا کا اثبات یا زعم فاسد
کا دفاع ممکن ہے۔ اور کیا یہ بچگانہ حرکت نہیں اور طلبۂ علم کے لیے
مقامِ حیرت اور تعجب نہیں ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جو ازلی بدبخت ہو قرآن و حدیث کے دلائل اور روشن
عقلی اور نقلی براہین اس کے دل کی تاریکی اور دھندلکوں کو قطعاً دور نہیں
کر سکتے۔

گلیم بخت کسے کہ بافند سیاہ
بآب زمزم و کوثر سفید نتواں کرد

(۶) حضرت عثمانؓ کے اسلام کی جو ماہیت ڈھکو صاحب کو سمجھ آ گئی۔ وہ نبی اکرم
صلی اللہ علیہ وسلم کو سمجھ نہ آسکی نہ پہلا رشتہ دیتے وقت نہ بدر کے بعد دوسرا
رشتہ ام کلثوم کا دیتے وقت نہ جنتی ہونے کا اعلان کرتے وقت نعوذ باللہ
منہ اور نہ حضرت علی کو سمجھ آئی۔ ورنہ مجلس شوریٰ کے فیصلے پر یہی سوال کھڑا

کر دیتے۔ مہاجرین نہیں تو انصار کو ہی اس دلیل سے مطمئن کر لیتے مگر آپ نے قطعاً کوئی ایسا شک و شبہ ظاہر نہیں کیا جس سے صاف ظاہر کہ اس اعتراض و تنقید کے پیچھے نبوی سوجھ اور فراستِ ولایت کارفرما نہیں ہے۔ بلکہ صرف ابلیسی اور سبائی ذہنیت ہی کارفرما ہے۔

(۷) اگر العیاذ باللہ ثم العیاذ باللہ آپ کو ان کے متعلق پوری طرح آگاہی تھی اور اس کے باوجود صرف مریدین اور امتیوں میں ایک فرد کے اضافے کے لیے رشتہ دیا تو اس سے نبوت کی حقانیت اور صداقتِ رسالت کا دامن تار تار نہیں ہو جائے گا۔ مگر آپ کو اس سے کیا۔ آپ کا مطمحِ نظر تو صرف اپنے شیخ ابن سبا کو راضی رکھنا ہے۔

(۸) ڈھکو صاحب کے مذہب میں تو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی ہی ایک ہے۔ ایسی صورت میں تحقیق سے تو اس دلیل کو کوئی نسبت ہی نہ رہی آجا کے رہ گئی الزامی کاروائی اور جدلی انداز تو جدل میں مسلمات خصم پیش کئے جاتے ہیں۔ کیا ہمارے نزدیک حضرت عثمانؓ کا اسلام قبول کرتے میں یہ باعث اور داعیہ قابلِ قبول ہے۔ جب نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر الزامی کاروائی بھی نہ رہی۔ چلو مسلمات سے تنزل کرتے ہوئے کہتے کہ روایت اس پر دلالت کرتی ہے پھر بھی کوئی وجہ تھی۔ جب روایت میں کسی طرح اس اختراعی نظریہ پر دلالت نہیں تو کسی طرح بھی استدلال نہ پایا گیا۔ بلکہ ادنیٰ درجہ کا شبہ بھی ثابت نہ ہو سکا۔ چہ جائیکہ دلیل لہٰذا اس تاریخی روایت کو اپنے عقیدہ فاسدہ کے اثبات میں پیش کرنا طفلانہ حرکت سے زیادہ کچھ حیثیت نہیں رکھتا

(۹) پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ یہ حدیث نہیں بلکہ حضرت عثمانؓ کا اپنا بیان کردہ واقعہ ہے۔ تو کیا آپ سے یہ توقع کی جا سکتی تھی کہ اپنے اسلام لاتے کا باعث اور سبب موجب ایسے امر کو قرار دیں جو ان کے اسلام کو مشکوک

بناوے۔ لہٰذا اس شبہ پر مرادِ متکلم کے لحاظ سے بھی کوئی دلالت موجود نہیں ہے۔ جو ڈھکو صاحب نے یہاں بیان کیا ہے۔

(۱۰) ڈھکو صاحب کہتے ہیں اسلام عثمانؓ فرع اور تابع ہے اسلام ابوبکر کے لہٰذا جو خلوص اول میں تھا وہی ثالث بالخیر میں بھی ہوگا۔ اول کا خلوص بھی بحمداللہ آیات بینات اور واضح الدلالت روایات سے ثابت ہوچکا اور اگلے صفحات میں بھی ہوگا۔ اور ثالث بالخیر کا بھی ہوچکا اور آئندہ بھی ثبوت پیش کیا جائے گا۔ صرف ایک روایت یہاں درج کی جاتی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم احد پر تشریف فرما تھے۔ اور ابوبکر صدیق، عمر فاروق اور حضرت عثمانؓ ساتھ تھے۔ احد خوشی میں رقص کرنے لگا۔ اور اس کے پتھر لڑھک کر نیچے گرنے لگے۔ تو آپ نے پاؤں کی ٹھوکر مار کر فرمایا۔

اسکن احد فانما علیك نبی و صدیق وشھیدان۔

اے احد ٹھہر جا تجھ پر ایک نبی کی ذات ہے۔ اور ایک صدیق کی اور دو شہید موجود ہیں۔

اگر اخلاص نہ ہوتا تو صدیقیت اور شہادت کی بشارت کیوں ملتی۔

لمحہ فکریہ: پہاڑ اور پتھر تو ان کی قدر و منزلت پہچانیں اور ان کے مقدس قدم لگنے پر خوشی سے جھوم اٹھیں۔ اسی لیے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھ ان کا تذکرہ کیا۔ مگر انسان اور مسلمان ہونے کے دعویداران کا نام سن کر جل جائیں۔ اور ان کے غیظ و غضب کا لاوا بھڑک اٹھے۔ نعوذ باللہ من الشقاء۔

اگر حضرت عثمانؓ میں خلوص نہ ہوتا تو حبشہ کیطرف ہجرت کیوں کرتے پھر مدینہ منورہ کیطرف ہجرت کیوں کرتے اور گھر بار خویش و اقرباء سے علیحدگی کیوں اختیار کرتے یہ صرف اور صرف اخلاص ہی تھا۔ جس نے ان عظیم قربانیوں پر برانگیختہ کیا صرف شادی مقصود ہوتی تو وہ تو ہوچکی تھی۔ پھر ان تکالیف کو برداشت کرنے کی کیا ضرورت تھی۔

؎ ہنر بچشم عداوت بزرگ ترعیب است۔

تنزیہہ الامامیہ

فصل دوم

کیا آیت جاھد الکفار والمنفقین کے نزول کے بعد منافق ختم ہو گئے تھے

الجواب السوی بفضل اللہ القوی :

مؤلف کے اس بیان سے دو چیزیں عیاں ہوتی ہیں ۔

اوّل : یہ کہ اس آیت کے نزول کے بعد منافقوں کا وجود ختم ہو گیا تھا ۔

دوم : یہ کہ اس حکم کے نزول کے بعد جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ باقی رہ گئے تھے وہ مخلص مؤمن اور کامل مسلمان تھے ۔ حالانکہ اسلامی حقائق پر معمولی نگاہ رکھنے والے حضرات جانتے ہیں کہ یہ دونوں باتیں غلط اور بے بنیاد ہیں اور اس آیت مبارکہ کے صحیح مفہوم نہ سمجھنے کی پیداوار ہیں ۔

چنانچہ جب لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ منافقین کے ساتھ جہاد بالسیف کیوں نہیں فرماتے ۔ تو فرمایا

یقول راو یتحدث) الناس ان محمد ایقتل اصحابہ

لوگ کہیں گے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کو قتل کرتے ہیں

(اور اس سے تبلیغ نبوت رک جائے گی)

اس سے معلوم ہوا کہ صحابیوں کے لباس میں کچھ منافق بھی موجود تھے اور اگر بفرض محال اس جہاد سے جہاد بالسیف مراد ہوتا اور آپ اس پر عملدرآمد بھی کرتے تو اس سے یہ کب لازم آتا ہے کہ منافقین ختم ہو گئے ؟ کیونکہ جب وہ کفار جن کے ساتھ ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیسیوں جہاد فرمائے ختم نہیں ہوئے بلکہ آج تک بدستور موجود ہیں۔ تو منافقین کس طرح ختم ہو سکتے تھے۔

اخبار و آثار سے واضح و آشکار ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سانحہ رحلت کے بعد منافقوں کی حالت بد سے بدتر ہو گئی تھی اور ان کی تخریبی کاروائیاں تیز سے تیز تر ہو گئیں تھیں۔ چنانچہ جناب حذیفہ یمانی سے منقول ہے۔ فرمایا۔

آج منافقوں کی حالت عہد نبوی سے بدتر ہے کیونکہ اس وقت یہ لوگ خفیہ ریشہ دوانیاں کرتے تھے مگر آج کھلم کھلا (اپنی خباثت کا اظہار) کر رہے ہیں۔

ملاحظہ ہو بخاری۔ جلد ۴ ص ۱۴۱۔ طبع مصر

فصل دوم کا رد

تحفہ حسینیہ؛ علامہ ڈھکو صاحب کی اس فصل کا جواب پہلے آچکا ہے۔ حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز نے قطعاً نہ یہ فرمایا کہ منافق ختم ہو گئے تھے اور نہ یہ کہ جو لوگ کلمہ پڑھتے تھے اور آپ کے پیچھے نمازیں پڑھا کرتے تھے۔ وہ سبھی مؤمن تھے۔ آپ کا صرف اور صرف یہ مطلب ہے جو دوپہر کے اجالے سے بھی زیادہ واضح اور آشکارا ہے۔ کہ اس آیتِ کریمہ کے نزول کے بعد منافقین کو دمساز و ہمراز بنانا اور انہیں وزیر و مشیر بنانا اور سفر و حضر میں ساتھی اور رفیق بنانا اس امر کو مستلزم ہو گا۔ کہ آپ نے اس آیت مبارکہ پر عمل نہیں کیا۔ یاایھا النبی جاھد الکفار والمنٰفقین واغلظ علیھم۔ الآیۃ۔ نعوذ باللہ من ذلک۔

اس برہانِ صداقت نشان کا کون انکار کر سکتا ہے؟ رہا ڈھکو صاحب کا یہ مطلب کشید کرنا کہ آپ نے منافقین کے ختم ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ تو یہ قطعاً غلط ہے۔

(۱) اس جگہ ڈھکو صاحب نے جو نئی منطق چلائی ہے وہ یہ ہے کہ اگر آپ جہاد کرتے بھی تو بھی منافق ختم نہیں ہو سکتے تھے؟ کیا خوب؟ اسی طرح کافر

بھی ختم تو نہیں ہو سکتے تھے لہٰذا ان کے خلاف جہاد کیوں کیا۔

(۲) منافقین مدینہ منورہ میں اور اس کے گرد و نواح میں موجود تھے ابھی اس میں کلام ہی کس نے کیا ہے۔ ہم تو کہتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کے دور میں اور زیادہ بڑھ گئے تھے۔ اور اتنا زور پکڑ گئے تھے۔ کہ خلیفہ وقت بھی ان کی سازشوں سے اپنے خون میں نہا گیا۔ سوال صرف یہ ہے کہ جن کو امام الانبیاء نے قرب خاص سے نوازا کہیں نائب امام بنایا۔ کبھی حج میں نائب امیر بنایا کبھی جنگوں میں علم ان کے حوالے کئے۔ اور امیرِ لشکرِ اسلام بنایا کبھی کفار کے ساتھ گفتگو اور عہد و پیمان کے لیے ان کو اپنا سفیر اور ترجمان بنایا۔ جن میں بعض کو اپنا سسر بنایا اور بعض کو اپنا شرفِ دامادی بخشا۔ ان کا معاملہ کیا ہے۔ اگر وہ واقعی مخلص ہیں۔ تو جھگڑا ختم اور اگر العیاذ باللہ نہیں تو دامنِ رسالت پر اس آیت مبارکہ کی خلاف ورزی کا داغ ضرور لگ جائے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ کا جو یہ ارشادِ گرامی ہے۔

ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار۔

ظالموں کی طرف میلان سے دوزخ کی آگ تمہیں اپنی لپیٹ میں لے لیگی۔

خلاف ورزی کی صورت میں مزید نازک صورتحال پیدا کر دے گا۔ لہٰذا ماننا پڑے گا۔ کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا خصوصی ربط و تعلق ہی مؤمن مخلص اور منافق کی پہچان میں معیار اور کسوٹی ہے۔

(۳) ڈھکو صاحب نے مزید ترقی کرتے ہوئے "لا تعلمھم نحن نعلمھم" بھی پڑھ دیا۔ گویا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو منافقین کا علم ہی نہیں تھا۔

"علم منافقین"

(الف) کہیں تو ڈھکو صاحب کی مذہبی کتابیں ہر امام کے لیے ماکان وما یکون کا علم اور ادراک لازمی ٹھہراتی ہیں۔ اور اس موضوع پر مؤلف کتابیں ان کے

پاس موجود ہیں۔ اور کہیں امام الانبیاء اور معدنِ امامت کے لیے بھی منافقین کے علم کا انکار۔ اور وہ بھی ایسے منافق جو پاس موجود تھے۔ سچ ہے آدمی ایک غلطی کو چھپانے کے لیے ہزار غلطیاں کرتا ہے۔ مگر وہ غلطی مستور ہونے کے بجائے زیادہ قباحت و شناعت کے ساتھ ظہور پذیر ہوتی ہے۔

(ب) اللہ تعالیٰ نے آپ کو جہاد کا حکم دیا۔ چلو وہ جہاد بالسیف نہ سہی جہاد لسانی سہی۔ لیکن اگر منافقین کا علم ہی نہ ہو تو ان کے خلاف کسی قسم کا جہاد کیونکر ہو سکتا ہے۔

(ج) اللہ تعالیٰ نے ان پر نماز جنازہ پڑھنے سے منع فرمایا۔

ولا تصل علی احد منھم مات ابداً و لا تقم علی قبرہ۔ (الآیہ)

اور جب مخلص اور منافق میں تمیز اور باہمی پہچان ہی نہ ہو سکے تو ان پر نماز جنازہ پڑھنے سے کس طرح رک سکتے تھے۔ لہٰذا قطعی طور پر آپ کو ان کا معلوم ہونا ضروری ٹھہرا۔

(د) اللہ رب العزۃ ارشاد فرماتے ہیں۔

وما کان اللہ لیذر المؤمنین علی ما انتم علیہ حتی یمیز الخبیث من الطیب۔

اللہ تعالیٰ کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ تمہیں اس مخلوط حالت میں رکھے یہاں تک کہ وہ خبیث کو طیب اور پلید کو پاک سے علیٰحدہ نہ کر دے اور طیب و خبیث کی پہچان غیب ہے۔ جس کی اطلاع ہر ایک کو نہیں دی جا سکتی۔ ولکن اللہ یجتبی من رسلہ من یشاء۔

لیکن اللہ تعالیٰ اس اطلاع اور تمیز و پہچان کے لیے اور غیبی اطلاعات کے لیے اپنے رسل کرام کو منتخب فرما لیتا ہے۔

(ھ) فرمانِ خداوندی ہے۔

ولو نشاء لاریناکھم فلعرفتھم بسیماھم ولتعرفنھم فی لحن القول

اگر ہم چاہیں تو آپ کو منافق دکھلا دیں۔ پس آپ ان کو چہرہ سے پہچان لو گے۔ اور ضرور بالضرور آپ ان کو اندازِ گفتگو اور لب و لہجہ سے معلوم کر لو گے۔

اور اللہ تعالیٰ کے دکھلانے اور علم خصوصی عطا کرتے پر آپ نے جمعہ کے دن بہت بڑی تعداد کو دھتکار کر مسجد سے نکال دیا۔ نام لے کر فرماتے۔

اخرج یا فلان فانك منافق۔

اے فلاں نکل میری مسجد سے کیونکہ تو منافق ہے۔

(د) عبداللہ بن ابی میدان احد سے تین سو ساتھیوں کے ساتھ واپس ہوا تھا۔ تو مسلمانوں میں سے بعض نے کہا۔ ان کے خلاف کاروائی کر لیں۔ اور بعض نے نے کہا فی الحال مشرکین سے نمٹ لیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

ما لکم فی المنافقین فئتین۔

تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ منافقین کے متعلق دو گروہ ہو گئے ہو۔ اور رائے میں مختلف۔

(ز) جن لوگوں نے مسجد ضرار بنائی تھی اور آپ کو اس میں نماز پڑھنے کی دعوت دی تھی کیا ان کا نفاق کسی سے اوجھل اور مخفی رہ گیا تھا۔

ان الذین اتخذوا مسجدًا ضرارًا وکفرًا وتفریقًا بین المؤمنین وارصادًا لمن حارب اللہ ورسولہ الغرض منافقین نبی الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم سے مخفی نہیں تھے۔ اور آیت مذکورہ جس سے ڈھکو صاحب نے استدلال کیا اس کا مطلب ان دلائلِ قرآنیہ کی روشنی میں یہی ہے کہ بذاتِ خود نہیں جانتے جب تک ہم نہ بتلائیں کیونکہ نحن نعلمہم میں علم ذاتی استقلالی مراد ہے۔ لہذا لا تعلمھم میں بھی نفی اسی کی ہو گی۔ اور جب واضح ہو گیا کہ وہ معلوم و ممتاز تھے۔ تو پھر مخلصین اور ان کے درمیان ربط و تعلق میں ہمرازی و دمسازی میں اور وزارت و مشاورت میں فرق ہونا چاہیئے تھا۔ یا نہیں؟ اور وہی امتیازی سلوک ہی عام اہلِ اسلام کے لیے کسی کو مخلص

یا منافق سمجھنے کے لیے معیار ہونا چاہیئے یا نہیں؛

قال اللہ تعالیٰ

لا یتخذ المؤمنون الکافرین اولیاء من دون المؤمنین۔

مؤمنین مخلصین کے بجائے کفار کے ساتھ دوستی اور قلبی محبت مؤمنین کو نہیں رکھنی چاہیئے۔

آخر اس فرمان پر عمل کی بھی کوئی ظاہر اور محسوس صورت ہے یا نہیں؟

یہی مقصد تھا حضرت شیخ الاسلام کا کہ ان حضرات خلفائے ثلاثہ کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جو خصوصی روابط اور تعلقات تھے اور ان پر جو خصوصی کرم تھا وہ ہمیں ان کے اخلاص کا بین ثبوت فراہم کرتا ہے۔ ورنہ آپ کا نصوص قرآنی کی مخالفت کا مرتکب ہونا لازم آئے گا۔ جو قطعاً غلط ہے اور ناممکن۔

(۴) ڈھکو صاحب نے حضرت خدیفہؓ کا قول بھی پیش کیا ہے کہ آج منافقین کی حالت عہد نبوی سے بدتر ہے ان پر تو ڈھکو صاحب کو اعتماد ہو گیا ہے انہیں کے عمل اور برتاؤ کی روشنی میں معلوم کر لیتے ہیں۔ کہ کون منافق تھے اور کون مخلص ان کا معاملہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت فاروقؓ کے ساتھ کیسا تھا۔ کیا تاریخ کے اوراق گواہ نہیں ہیں۔ کہ وہ ہمیشہ ان کے معاون و مددگار بلکہ عام سپاہی اور خادم کی حیثیت سے رہے۔ آخر کسی پر تو اعتماد کرو۔ اور کسی کے تعلقات اور روابط کو ان حضرات کے نظریہ اور عقیدہ کو معلوم کرنے کے لیے معیار اور کسوٹی بناؤ۔ ہم اسی کے عمل سے اور اقوال سے آپ کو جواب دینگے اور ان مقدس ہستیوں کا اخلاص اور کمال ایقان ثابت کر دینگے۔

(۵) ڈھکو صاحب نے یہ سوال بھی اٹھایا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے منافقین کو قتل نہ کرنے کے متعلق دریافت کیا گیا۔ تو آپ نے فرمایا۔ لوگ یہ نہ کہیں کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے قریب آنے والوں کو قتل کر دیتے ہیں۔ اور تبلیغ رسالت کا کام رک نہ جائے۔ اس سے کیا ثابت ہوا کہ

حضرات خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم میں اخلاص نہیں تھا۔ آخر بات کرنے کا موقع و محل بھی کوئی ہونا چاہیئے کیا پوچھنے والے نے انہیں کے متعلق دریافت کیا تھا! ذرا ابن ابی کی گستاخی اور اللہ تعالیٰ کا جواب ہی ملاحظہ کر لو۔ تاکہ سمجھ آجائے کہ مہاجرین کا مقام کیا ہے۔ ایمان لانا تو مقدر کی بات ہے۔ اس رئیس المنافقین نے کہا تھا۔

لئن رجعنا الی المدینۃ لیخرجن الاعز منہا الاذل۔

ہم واپس مدینہ پہنچ لیتے ہیں تو اہل مدینہ جو مقامی ہیں۔ اور عزت والے ہیں۔ وہ ان مہاجرین کو نکال باہر کریں گے۔ جو ہمارے محتاج ہیں اور بے سرو ساماں تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

للہ العزۃ ولرسولہ وللمؤمنین ولکن المنافقین لا یعلمون۔

عزت اللہ کے لیے ہے اور اس کے رسول کے لیے اور مؤمنین کے لیے لیکن منافقین ان کی عزت کو نہیں جانتے۔ یہ کون مؤمنین ہیں۔ جن کی عزت کو اللہ تعالیٰ نے اپنے اور اپنے رسول کی عزت میں داخل فرمایا۔ اور ان کو ایک قرار دیا ہے اور ان کی شانِ اقدس اور مقامِ ارفع و اعلیٰ سے منافقین کو بے خبر اور نادان قرار دیا۔ وہ ہیں مہاجرین جو یبتغون فضلا من اللہ ورضوانا کی شان کے ساتھ اور اخرجوا من دیارھم بغیر حق الا ان یقولوا ربنا اللہ کے شایان کے ساتھ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ آئے تھے۔ دیکھا ڈھکو صاحب اللہ تعالیٰ کا فرمان کس قدر سچا ہے۔ نہ اس وقت منافقین نے ان کا مقام جانا پہچانا اور نہ ہی آج کے دن اس وقت ان کو ذلیل کہتے تھے۔ اور آج بھی ان کی شانِ اقدس میں توہین و تحقیر کا کوئی موقعہ ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔

مزید تفصیل اس آیت مبارکہ کی دیکھنی ہو تو مندرجہ ذیل کتب کا مطالعہ کریں۔

تفسیر صافی۔ جلد ثانی صفحہ نمبر ۲۲۹ مجمع البیان جلد پنجم صفحہ نمبر ۲۹۵۔

منہج الصادقین جلد نہم صفحہ نمبر ۲۹۷ اور قمی جلد ثانی صفحہ نمبر ۳۶۹، ۳۷۰۔

اور دیکھیں کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو کس قدر دکھ ہوا اور آپ نے اس منافق کے قول پر مع مہاجرین مدینہ واپسی کا ارادہ ترک کر دیا جب کہ منافق کے اس قول کے وقت آپ مریسیع میں تھے۔ لیکن حضرت سعد بن عبادہ اور مخلصین انصار کی منت سماجت پر آپ مدینہ منورہ تشریف لائے اور بقول قمی یہ غزوہ پانچ ہجری میں وقوع پذیر ہوا۔

(۶) ڈھکو صاحب نے کہا سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم منافقین کے ساتھ زیادہ لطف و مدارات فرماتے تھے۔ اور ان کو زیادہ مال و منال سے نوازتے تھے۔ اور قریب تر بٹھاتے تھے۔ ڈھکو صاحب ہی بتلائیں کہ اللہ تعالیٰ تو ان پر سختی کا حکم دے۔ اور نماز جنازہ سے بھی روک دے اور آپ ان کے ساتھ یہ سلوک کریں تو مطلب یہی ہوا کہ آپ نے واقعی حکم خداوند تعالیٰ پر عمل نہیں فرمایا۔ نعوذ باللہ من ذلك۔

آئیے اس معاملہ میں مزید غور و فکر کریں کہ آیا منافقین پر روز اول سے ہی سختی اور تشدد کا حکم تھا۔ اور نماز جنازہ وغیرہ ترک کرنے کا یا بعد میں نازل ہوا جب یقیناً یہ بات ثابت ہے کہ پہلے مدارات کا حکم تھا۔ اور بعد میں وہ منسوخ گیا۔ تو اب اس سے استدلال کی کیا گنجائش ہے۔ عبداللہ بن ابی کا جنازہ ہی اس آیت کریمہ کے نزول کا سبب بنا۔ ولا تصل علی احد منھم الآیۃ۔ لہٰذا خلط ملط اور گڑبڑ کرنے کی کوشش ارباب تحصیل کو زیب نہیں دیتی۔ یہ بازاری اور مجمع بازجہال کا پیشہ ہوا کرتی ہے۔

(ب) مؤلفۃ القلوب کا ذکر مصارف صدقات کے اندر موجود ہے۔ لیکن ہمارا کلام تو ان لوگوں میں ہے جو صدقات دینے والے ہیں۔ خذ من اموالھم صدقۃ تطھرھم وتزکیھم بھا وصل علیھم۔ ان صلوٰتك سکن لھم ان کے اموال سے صدقات وصول کرو۔ اور ان کے ظاہر و باطن کو ان صدقات کے ذریعے پاک کرتے ہوئے اور ان کے لیے دعا

کیجئے کیونکہ تمہاری دعا ان کے لیے سامانِ تسکین ہے۔

ہمارا کلام ان میں ہے جنہوں نے اسلام کی خاطر جان اور مال کی بازی لگا رکھی تھی جہاں بھی سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مال خرچ کرنے کو کہا مال خرچ کیا اور جہاد کرنے کو کہا تو بلاچون وچرا اپنی جانوں کو قربان کرنے کے لیے نکل پڑے۔ انہیں کی شانِ جانثاری اور ایثار کو بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

لکن الرسول والذین اٰمنوا معه جاھدوا باموالھم وانفسھم واولئك لھم الخیرات واولئك ھم المفلحون (سورۃ توبہ)

لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھ ایمان لانے والوں نے اپنے اموال کے ساتھ اور نفوس کے ساتھ جہاد کیا۔ انہیں کے لیے بھلائیاں ہیں اور وہی کامیاب ہیں۔

جن کی مالی قربانیوں کو اور پھر اجر و جزاء کو بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

سیجنبھا الاتقی الذی یؤتی ماله یتزکی۔ ومالاحد عندہ من نعمة تجزی۔ الا ابتغاء وجه ربه الاعلی ولسوف یرضی۔

عنقریب دوزخ کی دہکتی ہوئی آگ سے اس کو دور رکھا جائے گا۔ جو بہت پرہیزگار ہے جو اپنا مال اس لیے دیتا ہے تاکہ تزکیہ حاصل ہو اور کسی کے لیے اس کے پاس نعمت اور احسان نہیں جس کا اس کی طرف سے بدلہ دیا جائے۔ لیکن اس انفاق اور تصدق کا مقصد صرف رب اعلیٰ کی رضا حاصل کرنا ہے۔

اور وہ ضرور اس سے راضی ہو گا۔ جن کے متعلق فرمایا۔

ولا یأتل اولوا الفضل منکم والسعة ان یؤتوا اولی القربی والمساکین والمھاجرین فی سبیل اللہ ولیعفوا ولیصفحوا الا تحبون ان یغفر اللہ لکم واللہ غفور رحیم۔ (سورۃ نور پ۱۸)

اور قسم نہ اٹھائیں تم سے جو فضیلت والے اور گنجائش والے ہیں کہ
دیں قرابت والوں اور مساکین کو ۔ اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے
والوں کو ۔ اور چاہیئے کہ معاف کریں اور درگزر کریں ۔ کیا تم دوست
نہیں رکھتے اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور بخشش کو اللہ تعالیٰ بخشنے والا
مہربان ہے ۔

تنبیہہ : اس سے پہلی آیت کے متعلق ذکر ہو چکا کہ اس سے مراد ابوبکر صدیقؓ ہیں ۔ اور بعض نے کہا حضرت ابوالدحداح اور طبرسی نے کہا کہ اولی اور انسب یہ ہے کہ اس کو عام رکھا جائے بہرحال اس صورت میں بھی حضرت ابوبکر کا اس میں داخل ہونا یقینی ہے ۔

اور دوسری آیت کے متعلق تفسیر صافی جلد نمبر ۲ صفحہ نمبر ۱۵ میں ہے کہ اس سے مراد صحابہ کرامؓ کی جماعت ہے جنہوں نے قسم اٹھائی تھی کہ افک میں حصہ لینے والوں پر خرچ نہیں کریں گے ۔ اس صورت میں بھی حضرت ابوبکرؓ کا یہاں داخل ہونا قطعی طور پر ثابت ہو گیا ۔ کیونکہ افک اور بہتان کا تعلق ہی انہیں کی لخت جگر حضرت صدیقہؓ کے ساتھ تھا ۔ اور طبرسی نے مجمع البیان صفحہ نمبر ۱۳۲ جلد چہارم پر اس آیت کریمہ کے حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت مسطح کے حق میں نازل ہونے کی تصریح کی ہے ۔ جب کہ عموم والا قول بھی ذکر کیا ہے ۔ اور یہی مضمون کاشانی نے منہج الصادقین جلد ششم صفحہ نمبر ۲۸۷ پر ذکر کیا ہے ۔ اور ہمارا کلام ان میں ہے جو مظلومیت کی حالت میں وطن کو خیر باد کہہ کر مدینہ میں آ گئے ۔

(۵) قال اللہ تعالیٰ :

والذین ھاجروا فی اللہ من بعد ما ظلموا لنبوئنھم
فی الدنیا حسنۃ ولاجر الآخرۃ اکبر لو کانوا یعلمون ۔
الذین صبروا وعلی ربھم یتوکلون ۔ (سورۂ نحل)

اور وہ لوگ جنہوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی بعد اس کے کہ

ان پر ظلم کیا گیا ہم ضرور ان کو دنیا میں اچھا ٹھکانہ دیں گے اور آخرت کا اجر البتہ بہت بڑا ہے۔ اگر جانتے ہوتے جنہوں نے صبر کیا اور اپنے رب پر ہی توکل کرتے ہیں۔

الغرض ہم نے ان لوگوں کی بات نہیں کی جن کے شر سے بچنے کے لیے ان کو مال دیا جاتا تھا۔ اور ان کی تالیف قلب کی جاتی تھی۔ ہم نے کلام ان میں کیا جو خود صدقات دیتے تھے۔ اور مال کو میل سمجھ کر اس کو راہِ خدا میں دے کر دل کا تزکیہ حاصل کرتے تھے۔ اور مقصود صرف اللہ تعالیٰ کی رضامندی ہوا کرتی تھی۔ اور محبت خدا و مصطفےٰ کے تحت وطن۔ گھر بار، خان و ماں، خویش و اقربا، سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر مدینہ طیبہ آ گئے۔ اور ان پر نظر کرم اور نگاہِ لطف ان کے شر سے بچنے کے لیے نہیں بلکہ ان کے ایثار اور قربانیوں کے تحت ہوا کرتی تھی۔ لہٰذا ان مقدس ہستیوں کا قیاس ایسے مؤلفۃ القلوب پر کیونکر درست ہو سکتا ہے۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا لطف و کرم حضرت علی مرتضیٰ حسنین کریمین اور سیدہ فاطمہ زہراء، حضرت عباس اور ان کی اولاد۔ حضرت جعفر اور ان کی اولاد پر بھی تھا۔ تو کیا کوئی کم بخت بلکہ بد بخت اور شقی ازلی کہہ سکتا ہے کہ اس لطف و مدارات اور مہربانی اور نوازش سے ان کا کوئی امتیازی شان ثابت نہیں ہو سکتا۔ آپ کی مہربانی تو منافقین پر بھی ہوا کرتی تھی۔ جس طرح یہاں پر ہر مؤمن اپنے نورِ ایمان سے فیصلہ کر سکتا ہے۔ کہ مہربانی مہربانی میں فرق ہے۔ اس طرح یہاں بھی فرق بین ہے۔ مگر ہر شخص اس کو محسوس نہیں کر سکتا۔ صرف وہی کر سکتا ہے۔ جس کی ظاہری اور دل کی آنکھ پر بغض و عناد کا کالا موتیانہ چڑھا ہوا ہو۔ ورنہ کتاب اللہ کے ان واضح دلائل کے بعد کون سی دلیل درکار ہو سکتی ہے فبای حدیث بعدہٗ یؤمنون ناظرین کرام ہر ایک پر یہ حقیقت پوری طرح عیاں ہو گئی ہو گی کہ مہاجرین و انصار بالعموم اور خلفاء اربعہ بالخصوص کس عظیم شان کے مالک ہیں اور ان کے اخلاص و ایثار اور راہِ حق میں دی ہوئی قربانیوں کا اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں کس صراحت اور وضاحت

کے ساتھ اعلان کیا۔ اور ان کے اخروی درجات و مراتب بیان فرمائے صرف آیات ذکر کرتے جائیں تو بہت بڑا دفتر تیار ہو جائے گا پھر کتب اہل سنت میں منقول صحیح اور متواتر معنوی احادیث مزید برآں ہیں۔ جن کا عشر عشیر بلکہ ہزارہیں سے ایک حصّہ بھی بیان کریں تو ضخیم کتاب تیار ہو جائے۔ اور اس کے مقابل ڈھکو صاحب نے اصحاب ثلاثہ کی شان اقدس کو گھٹانے کے لیے جو ناقابلِ اعتبار و التفات شبہات پیش کئے ہیں۔ وہ بھی آپ ملاحظہ کر چکے اور ان کے جوابات بھی اب ترازو ہے انصاف تمہارے ہاتھ میں ہے۔ خود ہی فیصلہ کر لو۔ کہ ڈھکو صاحب کے ترکش میں کوئی تیر ہے یا ان کے محن سر میں عقل و فہم اور ادراک و علم نے کبھی قدم بھی رکھا ہے۔ تا بہ نوطن چہ رسد۔ لیکن اس تہی دامنی کے باوجود تعلیاں اور شیخیاں ہیں اور بلند بانگ دعوے۔

؎ شرم تم کو مگر نہیں آتی۔

رسالہ مذہب شیعہ : از حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ

محبوب رب العالمین علیہ وعلی آلہ وصحبہ الصلوٰۃ والسلام کے تمام صحابہ مہاجرین و انصار کے فضائل و مناقب میں آیات کلام اللہ اور احادیث صحاح اس کثرت کے ساتھ وارد ہیں۔ کہ جن کو لکھا جائے تو ایک بہت بڑی مستقل کتاب تیار ہو جائیگی تشیع حضرات کی معتبر ترین تصانیف بھی اگر غور سے مطالعہ کی جائیں تو جھگڑا ختم ہو جاتا ہے بطور نمونہ چند روایات اہل بصیرت کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ اور بغور مطالعہ کرنے کی درخواست کرتا ہوں۔

رسالہ مذہب شیعہ صفحہ نمبر ۱۳

تحفہ حسینیہ : از ابوالحسنات محمد اشرف سیالوی

حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ کی اس تحریر کو دیکھتے ہی علامہ ڈھکو صاحب بہت طیش میں آ گئے اور قلم غیظ و غضب کا آتش فشاں بن گئی۔ لیکن جوابی کاروائی میں وہ

یہ بھول گئے۔ کہ واقعی کلامِ مجید میں کوئی آیت ہے جو فضیلتِ صحابہ کرام پر دلالت کرتی ہے۔ یا سارا قرآن مجید ان کی العیاذ تنقیص و تنقید پر مشتمل ہے۔ کیونکہ اگر شیعہ صاحبان کے زبانی دعاوی کو دیکھا جائے جن میں اس قرآن کو اصلی ماننے اور اس پر ایمان لانے کے تذکرے ہیں۔ تو پھر صرف یہی ایک کتاب ہے جو اہل سنت اور ان روافض کے درمیان قدرے مشترک بن سکتی ہے۔ اور ہر فریق کے لیے اس کی آیات کریمہ حجت اور برہان کا درجہ رکھتی ہیں اور دوسرے فریق کے ساتھ محض جدل اور الزامی کارروائی پر موقوف اور منحصر نہیں رہتی جب کہ دوسری کتب ہر فریق کی علیحدہ علیحدہ ہیں۔ نہ اہل سنت کی کتابوں پر اہل تشیع کا ایمان ہے خواہ ان کا تعلق احادیثِ رسول سے ہی کیوں نہ ہو اور نہ اہل تشیع کی کتابوں پر اہل سنت کو اعتماد و اعتبار ہے خواہ روایات آئمہ کی طرف ہی منسوب کیوں نہ ہوں اور نہ ہی ان دونوں فریق کو اپنے مذہب کی ان کتابوں کے تمام مندرجات کے صحیح ہونے کا دعویٰ ہے بلکہ ہر فریق کو تسلیم ہے کہ کتب میں صحت و سقم اور قوت و ضعف کے لحاظ سے تفاوت بھی ہے۔ اور صحاح کے اندر بھی بعض ضعیف روایات موجود ہیں جس طرح آئندہ صفحات پر یہ تفصیلات ہدیہ ناظرین ہوں گی۔ ایسی صورت میں ڈھکو صاحب کو پہلا کام یہ کرنا چاہیئے تھا۔ کہ

قرآنِ مجید کی آیات سے استدلال کرتے۔ اور پھر ان کی تائید میں اہل سنت کی مستند کتب سے روایات پیش کرتے اور اپنی کتب کی بھی وہ روایات جو کلام مجید کے مطابق ہوتیں۔ کیونکہ جب قرآنِ مجید پر ایمان کا دعویٰ کیا جائے تو پھر انسانی تصنیفات کو اس پر ترجیح نہیں دی جا سکتی بلکہ ان مصنفہ کتب کی صحت کی کسوٹی صرف اور صرف کلامِ مجید کی مطابقت و موافقت ہو گی۔ لیکن افسوس صد افسوس حضرت شیخ الاسلام نے ابتدائی کلمات میں جن آیات کی طرف اشارہ فرمایا اور آئندہ صفحات میں ان کی تصریحات فرمائیں علامہ ڈھکو صاحب نے ان کا جواب دینے کی بالکل تکلیف نہیں فرمائی۔

حضرت شیخ الاسلامؒ نے فرمایا۔

قرآن کی بیسیوں آیات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت کرنے والوں اور انصار و مہاجرین کے حق میں نازل ہوئیں کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہو گئے۔ ان کے لیے جنت کے اعلیٰ وارفع مراتب اور نعمتیں مہیا ہیں۔ ان کو بھی سامنے رکھا جائے۔ رسالہ مذہب شیعہ صفحہ نمبر ۱۳-۱ اور اسی رسالہ کے صفحہ نمبر ۱۴ پر حضرت علیؓ کے ارشاد اور یہ آیت کلام مجید والسابقون الاولون من المہاجرین والانصار والذین اتبعوھو باحسان رضی اللہ عنھو ورضوا عنہ ۔ الایہ کو ذکر فرمایا جس میں ثقلین کی متفقہ شہادت کے ذریعے اپنے دعویٰ کو ثابت فرمایا جو صفحہ نمبر ۱۳ پر ذکر کیا۔ اسی طرح امام زین العابدین کا ارشاد اور قرآن مجید کی شہادت کو صفحہ نمبر ۱۹ پر نقل فرمایا۔ جو اس دعویٰ پر ثقلین کی متفقہ شہادت ہے۔ اسی طرح آپ نے رسالہ مذکورہ کے صفحہ نمبر ۵۵ سے ص ۹۵ تک۔

حضرت علیؓ اور قرآن مجید کی شہادت سے صحابہ کرام بالخصوص حضرت فاروقؓ کا ایمان اور عمل صالح اور ان کی خلافت کا خلافتِ موعودہ اور خلافتِ الٰہیہ ہونا ثابت کیا ہے۔ اور یہی اصولی انداز ہے بحث کا اور یہی صحیح طریقہ ہے استدلال کا لیکن علامہ موصوف ہیں کہ انہوں نے نہ کوئی آیت پیش کی ہے۔ نہ ان آیات کا ہی جواب دیا ہے۔ اور نہ ہی اپنی پیش کردہ روایات میں اس معیارِ صحت کو ملحوظ رکھا ہے۔ جو ائمہ کرام نے بیان فرمایا ہے۔ کہ قرآن مجید کے مطابق روایت و حدیث سچی ہے۔ اور جو مخالف ہے وہ جھوٹی ہے۔ اور سراسر بہتان (تفصیل روایات بعد میں ذکر کی جائیں گی)

بلکہ حضرت شیخ الاسلامؒ کی پیش کردہ نہج البلاغہ اور شرح نہج البلاغہ۔ لابن میثم کی اکثر عبارات کا سرے سے کوئی جواب ہی نہیں دیا۔ حالانکہ۔ نہج البلاغہ شیعہ مذہب کی صحیح ترین کتاب ہے۔ اور اس کی روایات کو قطعاً نظر انداز

نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی کسی نے ڈھکو صاحب سے پہلے ان کو نظر انداز کرنے کی جسارت کی ہے۔ تو اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ علامہ موصوف نے چند اوراق سیاہ کرنے کی سعی ضرور کی ہے۔ لیکن نہ اپنے ساتھ انصاف کیا ہے نہ اپنے مذہب کے ساتھ اور نہ ان کے ساتھ جن کے مصارف خورد برد کرنے کے لیے قلم کے حقوق کا خون کیا ہے۔ کیونکہ بہت بھاری قرض اسی طرح اس کے اور دیگر اس کے ہم مذہب علماء کے ذمہ واجب الاداء ہے۔ جو انشاء اللہ العزیز قیامت تک ادا نہیں ہو سکتا۔

لمحہ فکریہ : جب حضرت شیخ الاسلام نے شیعہ مذہب کی کتابوں سے ثابت کیا کہ ان کے نزدیک موجودہ قرآن اصلی قرآن نہیں ہے۔ اور نہ ان کا اس پر ایمان ہے تو اس وقت علامہ ڈھکو صاحب نے بڑی دھواں دھار تقریر کی اور یہ دعویٰ کیا۔

یہی قرآن شیعیان حیدر کرار کے سینہائے بے کینہ میں بھی موجود ہے۔ اور بحکم ائمہ اطہار ہماری مساجد اور ہمارے مدارس میں بچوں سے بوڑھوں تک اسے پڑھتے اور پڑھاتے ہیں۔ ہمارے علمائے اسلام اس سے احکام شرعیہ کا استنباط کرتے ہیں۔ اسی قرآن کو شیعہ حق و باطل کا معیار اور صحیح و سقیم کے معلوم کرنے کا میزان سمجھتے ہیں۔ تنزیہ الامامیہ صفحہ نمبر ۲۹

لیکن شیخ الاسلام کے منقولہ روایات اور مستند کتب بالخصوص نہج البلاغہ جیسی اہم اور صحیح ترین کتاب کی عبارات جن پر قرآنِ مجید کی شہادات بھی ساتھ ہی پیش فرمائیں۔ تو اس وقت اس قرآنِ مجید کا معیار حق و باطل ہونا اور صحیح و سقیم حدیث کے لیے میزان ہونا بھول گیا۔ اور صرف روایات متواترہ کی اور احادیث صحیحہ کی آڑ لینے پر اکتفا کیا گیا۔ حالانکہ جب معیارِ حق قرآن ہے۔ اور صحیح و سقیم کا میزانِ صحت و سقم وہی ہے۔ تو جو اس کے خلاف ہو گی وہ بہر حال مردود ہو گی کیونکہ قرآن کا تواتر اور اس کی صحت حسب ادعاء علماء شیعہ مسلم بین الفریقین۔ لیکن ان روایات کے تواتر اور ان کی صحت کا صرف علماء شیعہ ہی دعویٰ کرنے والے ہیں دوسرے تمام

اہلِ اسلام ان کو موضوع اور من گھڑت تسلیم کرتے ہیں جن میں حضرات صحابہ اور بالخصوص خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی تنقیص شان ہو۔ یا اہلِ بیت کرام اور ان میں مستقل دائمی مناقشت اور منافرت ثابت ہوتی ہو۔ اور عداوت و دشمنی لہٰذا مزعوم اور موہوم تواتر اور صحت کا دعویٰ ثقلین کی شہادت کے مقابل پر کاہ کی حیثیت بھی نہیں رکھتا اور سوائے عجز اور بے بسی کے اظہار کے اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ اور بندہ نے جو آیات نقل کی ہیں اور ان کے مفاہیم و مطالب سیاق و سباق ائمہ کرام اور ائمہ کرام کی روایات اور ان کے ارشادات کی روشنی میں بیان کئے ہیں۔ ان پر ذرا دوبارہ نظر ڈال لیں اور پھر ڈھکو صاحب اور اس کے طبیب روحانی و جسمانی کا خبط اور بدحواسی ملاحظہ کریں اور اصول و قواعد اور قوانین و ضوابط سے انحراف اور فرار کا اندازہ کریں اور بغض صحابہ کرام میں کلام اللہ اور کلام ائمہ سے عدول اور روگردانی کا مشاہدہ کریں۔

باب چہارم

رسالہ تنزیہہ الامامیہ ـــــــــ از علامہ محمد حسین ڈھکو صاحب

اہل بیت نبوت اور اصحاب ثلاثہ کے باہمی تعلقات کا بیان

جناب پیر صاحب سیالوی کی ساری تگ وتاز اور کدو کاوش سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ اس رسالہ کی نگارش سے ان کا اصل مدعا یہی ہے۔ کہ ائمہ اہل بیت اور اصحاب ثلاثہ کے باہمی تعلقات اور مراسم کا خوشگوار ہونا اور ان لوگوں کا ممدوح اہل بیت ہونا ثابت کیا جائے۔ اور اس مقصد کے لیے انہوں نے اپنے رسالہ کے صفحہ نمبر ۱۴ سے صفحہ نمبر ۸۰ تک پورے سرسٹھ صفحات اپنے نامۂ اعمال کی طرح دجل و فریب۔ کذب و افتراء، حق کشی اور باطل کوشی سے سیاہ کیے ہیں (تا) مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ خلفاء مسلمین کے بارے میں ائمہ طاہرین کے حقیقی نظریات اپنی کتب معتبرہ سے پیش کریں۔ اور اس کی تائید مزید کتب معتمدہ اہل سنت سے پیش کر دیں (تا)، اس سلسلہ میں اپنی طرف سے کچھ کہنے کے بجائے ہم۔ اس طویل معلوماتی مقالہ کو ہی سپرد قرطاس کرنا کافی سمجھتے ہیں۔ جو.. حکیم امیر الدین نے اپنے رسالہ "ابطال الاستدلال" میں حوالۂ قلم فرمایا۔ (جو کہ ڈھکو صاحب کے رسالہ کے صفحہ ۵۳ سے صفحہ ۶۹ تک پورے سترہ صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ اور اس میں اپنے مسلک کی چند کتابوں سے متعدد روایات نقل کرنے کے بعد خلاصۂ بحث یوں بیان کیا ہے)

اس قدر متواتر اور صحیح احادیث کے برخلاف اگر کوئی خبر واحد کہیں سے

ملے جس سے بظاہر ثلاثہ کی مدح مترشح ہوتی ہو۔ تو اس کو شاذ۔ مرجوح اور ساقط عن الاعتبار سمجھا جائے گا۔ یا اس کا ایسا معنیٰ مراد لیا جائے۔ جو ان احادیث کے مطابق ہو۔ ح

تحفہ حسینیہ از محمد اشرف سیالوی

علامہ ڈھکو صاحب فضائل ثلاثہ اور اہل بیت کرام کے ساتھ ان کے محبانہ مراسم اور نیازمندانہ تعلقات دیکھ کر ایسے گھبرائے کہ حکیم صاحب کے نسخوں کا سہارا لیے بغیر کوئی چارہ کار نظر نہ آیا۔ لیکن ناظرین کرام دیکھیں گے ان کی دوائیں بھی ان کی گھبراہٹ اور اختلاجِ قلب کا قطعاً سامان فراہم نہ کر سکیں گی۔ بلکہ ان کے لیے۔

مریض بغض پر لعنت خدا کی۔
مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

والا معاملہ بن گیا۔ مندرجہ بالا اقتباس میں چند امور غور طلب ہیں۔

(۱) ڈھکو صاحب فرماتے ہیں۔ کہ حقیقی نظریات ائمہ اہل بیت کے معلوم کرنے کے لیے ہم اپنے مذہب کی کتب معتبرہ سے حوالہ پیش کریں گے۔
مگر جب خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے خلاف زہر اگلنے کی ٹھانی تھی تو اس وقت بھی یہ خیال کیا تھا۔ کہ آیا یہ کتابیں اہل سنت کی ہیں بھی یا نہیں؟ یا آگے چل کر جو۔ پیش کی ہیں۔ وہ کتب اہل سنت ہیں معتبر ہیں۔ کہیں ابن ابی الحدید معتزلی شیعی کی۔ روایات درج کی ہیں۔ جو ابن علقمی شیعہ وزیر اعظم خلیفہ مستعصم کا نمک خوار اور بندۂ درگاہ تھا کہیں مروج الذہب مسعودی کے حوالے جو پکا شیعہ تھا۔ اور اعلیٰ درجہ کا تقیہ باز۔

(۲) علاوہ ازیں اپنی کتب معتبرہ کے چند حوالے پیش کرنے کے بعد اگر ڈھکو صاحب اور اس کے ماہر طبیب کو حق حاصل ہے۔ کہ وہ اہل سنت کی جس کتاب سے بھی چاہیں حوالے پیش کر سکتے ہیں۔ اور اپنی طرف سے ان کی طرف منسوب کر کے بھی۔ تو حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ کو یہ حق کیوں نہیں دیتے کہ وہ کتب متداولہ معتبرہ کے حوالے کتاب وسنت سے استشہاد کے

بند پیش کرسکیں۔

کہیں متواتر ساقط الاعتبار اور کہیں اخبار احاد حجت و دلیل

(۳) ڈھکو صاحب اور ان کے روحانی پیشوا فرماتے ہیں۔ کہ اس قدر متواتر اور صحیح احادیث کے برخلاف جو خبر واحد ملے گی وہ شاذ۔ مرجوح اور درجۂ اعتبار سے ساقط ہو گی۔ مگر جو ضابطہ یہاں یاد آیا وہ تحریف القرآن کے باب میں کیوں نہ یاد آیا۔ کہ جب متواتر اور صحیح ترین احادیث اور کتب معتمدہ متداولہ میں منقول احادیث اور ایسے ناقلین کی نقل کردہ جن کے متعلق ۔ ضعف کا گمان تک نہ کیا جاسکتا ہو۔ اور نہ ان کے مذہب میں راسخ ۔ ہونے بلکہ امام اور مقتداء ہونے میں شک وشبہ کیا جاسکتا ہو ایسی روایات جب تحریف پر دلالت کرتی ہوں تو انکی مخالف روایات بھی مرجوح اور ساقط عن الاعتبار ہونگی معلوم ہوتا ہے کہ شیعی علماء کا نہ کوئی ضابطہ ہے۔ اور نہ اصول وقواعد۔ بس جدھر سے جان چھوٹتی نظر آئی ادھر ہی دوڑ پڑا۔ جی چاہا تو متواتر کو اخبار احاد بلکہ اپنے عقل اور قیاس سے رد کر دیا۔ اور جی چاہا تو من گھڑت اخبار احاد کو متواترات کا درجہ دیکر ان کے ساتھ صحیح اور واقعی اور قرآن مجید کی تائید و تقویت یافتہ متواتر یا مشہور روایات کو اور نہج البلاغہ جیسی اصح الکتب میں منقول ۔ روایات کو بھی رد کر دیا۔ جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

ائمہ کرام کا بیان فرمودہ صحت روایات کا معیار

آیئے سب سے پہلے یہ دیکھیں کہ خود ائمہ کرام نے اختلاف کی صورت میں سب سے مضبوط اور اہم معیار کون سا بیان فرمایا اور اس پر پوری اترنے والی روایات کونسی ہیں حضرت علیؓ نے امام حسن مجتبیٰؓ کو فرمایا۔

انی اوصیک بتقوی اللہ ولزوم امرہ وعمارۃ قلبک بذکرہ والاعتصام بحبلہ وای سبب اوثق من

سیب بینک وبین اللہ ان انت اخذت بہ۔ (نہج البلاغۃ جلد ثانی صفحہ ۴۹)

میں تجھے اللہ سے ڈرتے رہنے اور اس کے احکام کو اپنے اوپر لازم سمجھتے رہنے اور دل کو اس کے ذکر سے آباد رکھنے اور اللہ تعالیٰ کی رسی سے چنگل مارنے اور چمٹے رہنے کی وصیت کرتا ہوں اور کون سا سبب ہے۔ جو اس سبب اور رشتہ سے مضبوط اور پائیدار ہے۔ جو تیرے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہے۔ بشرطیکہ تم اسی کے ساتھ تمسک کرو۔

یہاں پر اللہ تعالیٰ کی رسی سے مراد قرآن مجید ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ۔

واعتصموا بحبل اللہ جمیعًا۔

(۲) خیر الناس فی حالاً النمط الاوسط فالزموہ والزموا السواد الاعظم فان ید اللہ علی الجماعۃ وایاکم والفرقۃ فان الشاذ من الناس للشیطان کما ان الشاذ من الغنم للذئب۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ دمیرے اندر دو گروہ ہلاک ہوں گے ایک حد سے تجاوز کرنے والا محب اور دوسرا میرے خداداد مقام میں تقصیر و کوتاہی کرنے والا مبغض اور میرے حق میں اور میری وجہ سے جو سب سے بہتر حالت پر ہے۔ وہ صرف ایسا گروہ ہے جو افراط و تفریط اور تجاوز و تقصیر سے محفوظ ہے لہذا تم اسی کو لازم پکڑو اور سوادِ اعظم کا دامن تھامو کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ جماعت پر ہے۔ اور اپنے آپ کو افتراق اور علیحدگی سے بچاؤ۔ کیونکہ جماعت سے الگ ہونے والا انسان شیطان کے تصرف میں ہوتا ہے۔ جس طرح ریوڑ سے الگ ہونے والی بکری بھیڑیئے کا لقمہ ہوتی ہے

(۳) فلا تکونوا انصاب الفتن واعلام البدع والزموا ما عقد علیہ حبل الجماعۃ وبنیت علیہ ارکان الطاعۃ (نہج البلاغۃ جلد اول ص ۳۳۷)

نہ فتنوں کے لیے نشان اور نہ بدعات کے لیے اعلام ہو بلکہ اس امر کو لازم پکڑ لو جس پر جماعت کی رسی مضبوط اور بندھی ہے۔ اور جس پر ارکان طاعت کی بنیاد رکھی گئی ہے۔

(نوٹ) یہ تحقیق پہلے ہدیہ قارئین ہو چکی کہ ہر دور میں سواد اعظم اور عظیم جماعت کی صورت میں اہل سنت والجماعت ہی موجود رہے ہیں۔ نہ کہ دوسرے فرقے۔

(۴) حضرت امام حسنؓ کو فرمایا۔

واردد الی اللہ ورسولہ مایضلعك من الخطوب و یشتبه علیك من الامور فقد قال اللہ تعالی لقوم احب ارشادھم " یاایھا الذین امنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم فان تنازعتم فی شئ فردوہ الی اللہ والرسول"

فالرد الی اللہ الحکم بمحکم کتابه والرد الی الرسول الاخذ بسنته الجامعة غیر المفرقة (نہج البلاغہ جلد ثانی ص۱۲۲)

جو اہم امور تجھ پر ملتبس ہو جائیں اور مشتبہ ہو جائیں تو ان کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس قوم کو فرمایا۔ جن کی رہنمائی اور بھلائی اس کو محبوب تھی۔ "اے ایمان والو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو۔ اور اس کے رسول اور اولوالامر کی اطاعت کرو۔ پس اگر تمہارے اندر کسی امر میں باہم نزاع پیدا ہو جائے۔ تو اس کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹاؤ۔" تو اللہ تعالیٰ کی طرف رد کرنے کا معنی ہے اس کی کتاب کے آیات محکمات اور صریح الدلالت کی طرف لوٹانا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹانے کا مطلب ہے آپ کی۔ سنت جامعہ کے ساتھ تمسک کرنا۔ اور سہارا لینا جو اجتماع و اتفاق پیدا

کرنے والی ہے۔ اور تفریق و اختلاف پیدا کرنے والی نہیں ہے

ف ، اس عبارت سے اللہ تعالیٰ کا حکم اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم۔ واجب الاطاعت ہونا ثابت ہوا اور آپ نے صرف اپنی طرف سے اس کو نہیں بلکہ قرآنِ مجید سے دلیل پیش کر کے اس کو لازم اور ضروری ٹھہرا دیا تو قرآن مجید کے ساتھ معدنِ ولایت اور ابو الائمہ حضرت علی کے ارشاد نے یہ حقیقت واضح کر دی کہ صحیح اور غیر صحیح قابل اعتقاد و عمل اور ناقابل اعتقاد و عمل کو پرکھنے کا معیار قرآنِ مجید کے واضح ارشادات ہیں۔ اور وہ سنت جو جماعت میں اجتماع و اتفاق اور اتحاد و یکجہتی کی موجب ہو نہ کہ افتراق و انتشار کی۔ اور اہلسنت کی وجہ تسمیہ میں ہم نے واضح کر دیا ہے۔ کہ جو جماعت اور سوادِ اعظم ان عبارات میں مذکور ہے۔ وہ صرف اور صرف اہلسنت والجماعت ہی ہیں اور ان کے مقتداء و پیشوا جو اہل بیت کرام کی عزت و حرمت کو بھی ملحوظ رکھنے والے تھے۔ اور اکابر صحابہ مہاجرین و انصار کے خداداد منصب و مقام کا بھی پاس کرنے والے تھے۔ لہٰذا اس ارشادِ گرامی کے تحت صحیح روایت وہی ہو سکتی ہے۔ جو قرآنِ مجید کی آیات محکمات کے۔ مطابق ہو۔ جیسے کہ چند ایک آیات قبل ازیں ہم نے ذکر کی ہیں۔ اور اس سنت کے مطابق ہو۔ جس میں سوادِ اعظم اور جماعت عظیمہ کی موافقت ہو۔ لیکن جو قرآن کے خلاف ہوں یا سنت جامعہ غیر مفرقہ کے خلاف ہوں۔ وہ قطعاً قابلِ قبول نہ ہوں گی۔

(۵) نیز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کے ہدایت پر قائم رہنے اور صراطِ مستقیم پر گامزن رہنے کے لیے جو سامانِ ہدایت اور استقامت عطا فرمایا ہے وہ کیا ہے۔ فرمایا۔

" انی تارك فیکم ما ان تمسکتم به لن تضلوا بعدی احدهما اعظم من الآخر کتاب اللہ حبل ممدود من السماء الی الارض وعترتی اهل بیتی ولن یتفرقا حتی یردا علی الحوض فانظروا

کیف تخلفونی فیهما" (رواہ الترمذی)

"انی مخلف فیکم الثقلین ما ان تمسکتم بهما لن تضلوا کتاب اللہ وعترتی اهل بیتی ولن یتفرقا حتی یردا علی الحوض" (تفسیر صافی: ص۱۵)

بے شک میں تمہارے اندر دو قیمتی چیزیں چھوڑ رہا ہوں۔ کہ جب تک ان کا سہارا لیے رہو گے اور ان کے ساتھ وابستہ رہو گے تو میرے بعد ہرگز گمراہ نہیں ہو گے۔ ان چیزوں میں سے ایک کتاب اللہ ہے۔ جو دوسری سے عظیم ہے۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کی رسی ہے جو آسمان سے زمین کی طرف لٹکی ہوئی ہے۔ اور دوسری میری عترت اور اہل بیت ہیں اور وہ دونوں جدا نہیں ہوں گے۔ حتیٰ کہ مجھ پر حوض کوثر پر وارد ہوں گے اچھی طرح خیال رکھو کہ تم ان کے حق میں میری نیابت کا حق کس طرح ادا کرتے ہو۔

(ف) یہ وہ روایت ہے۔ جو فریقین کے نزدیک متفق علیہ ہے اور مسلم الثبوت اور معروف الصحت جس سے واضح ہے کہ قرآن اور اہل بیت مجتمع اور متفق رہیں گے۔ اور ان کی راہ ایک ہی ہو گی۔ اور منزل بھی ایک ہی ہو گی۔ اور باہم مل کر صاحب شرع صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حوض کوثر پر پہنچیں گے۔ اس سے بھی واضح ہوتا ہے۔ کہ ائمہ کے اقوال وارشادات فی الواقع وہی ہوں گے جو قرآن عظیم کے موافق اور مطابق ہوں گے۔ ورنہ راہیں جدا ہو جائیں گے اور افتراق پیدا ہو جائے گا۔ اور کتاب کو دوسرے ثقل سے اعظم کہا گیا ہے۔ تو واضح ہوا کہ اصل دلیل کتاب اللہ ہو گی اور اقوال ائمہ اس کے تابع نہ کہ قرآن کو ان کے اقوال کے تابع کر دیا جائے یا اس کو چھوڑ دیا جائے۔ پہلی صورت میں اس کا اعظم اور اصل ہونا ختم ہو جاتا ہے اور دوسری صورت میں ان کا اجتماع واتفاق کالعدم ہو جاتا ہے۔ لہٰذا ایسے اقوال وارشادات

جو ائمہ کی طرف منسوب ہوں لیکن خلافِ قرآن ہوں۔ ان کے متعلق موضوع اور من گھڑت ہونے کا یقین کرنا پڑے گا۔ اور ان کو سبائی سازش قرار دینا لازم ہوگا۔

معیارِ حق کے مطابق کونسی روایات درست ہیں

جب یہ معیار متعین ہوگیا۔ اور قرآنِ مجید کے چند ایک ارشادات اور آیات بینات بھی ملاحظہ کر چکے تو ایسا تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں رہے گا۔ کہ جو ارشاداتِ ائمہ حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ نے بیان فرمائے ہیں یا راقم عرض کرے گا۔ تو وہی اور صرف وہی برحق ہیں۔ اور دوسرے موضوع اور مفتریات ہیں۔ جو یہود کی تقیہ بازی اسلام اور اہلِ اسلام بلکہ بانیانِ اسلام کی دشمنی اور عداوت پر مبنی ہیں۔

تواتر کونسا معتبر ہے

ڈھکو صاحب اور ان کے روحانی اور جسمانی طبیب نے صحابہ کرام کی عداوت اور دشمنی پر مبنی روایات کو متواتر قرار دیا ہے۔ اور واجب القبول۔ لیکن امیر المؤمنین حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے جماعت اور سوادِ اعظم کے عقائد اور نظریات کی موافقت پر زور دیا ہے۔ اور اس کے ماسوا کو غلط قرار دیا ہے۔ اور ساتھ ہی علت بھی بیان کردی۔ کہ بعض لوگوں نے میرے حق میں افراط سے کام لیا۔ (جیسے شیعہ اور روافض) اور بعض نے تفریط سے کام لیا ہے۔ (جیسے خوارج اور حروریہ) لہٰذا ان دونوں سے ہٹ کر جو معتدل اور افراط و تفریط سے محفوظ اور مصئون جماعت ہے اس کے نقشِ قدم پر چلو۔ تو آپ کے اس ارشاد کی روشنی میں نہ شیعہ کی انفرادی روایات کا اعتبار ہو سکتا ہے۔ اور نہ خوارج کی انفرادی روایات کا۔ کیونکہ فریقِ اوّل

نے اہل بیت کے غلو محبت میں روایات کا اختراع کیا۔ یا دیگر صحابہ کے ساتھ عداوت کا اظہار کرتے ہوئے ان کی تنقیص شان کی روایات وضع کیں۔ اور خوارج نے حضرت امیر کی عداوت میں تفریط پر مشتمل روایات گھڑلیں۔ یا پھر ان پر اپنے پسندیدہ نظریات کے تحت دوسرے صحابہ کرام کو فوقیت دینے میں حدود سے تجاوز کیا۔ لہٰذا اگر معتبر ہیں تو وہ متواتر روایات جن کا تواتر اہل سنت کے ہاں بھی مسلم ہو۔ نہ کہ صرف شیعہ کے ہاں متواتر ہوں۔

شیعہ صاحبان اور تحریف روایات

شیعہ صاحبان نے حب علی مرتضیٰؓ میں افراط کا لازمی تقاضہ یہ بھی سمجھا کہ دیگر اکابر صحابہ کی شان میں تقصیر اور تنقیص کی جائے۔ لہٰذا مقدور بھر سعی کر کے ان روایات کے الفاظ میں تبدیلی کی اور کہیں بیان معنی و مقصود میں تبدیلی کی کوشش کی جو کہ فضائل صحابہ اور ان کے ساتھ اہل بیت کے بہتر تعلقات پر دلالت کرتی تھیں اور یا پھر اس حقیقت کو چھپانے کی مقدور بھر سعی کی کہ ان حضرات کا یہ ارشاد کس ہستی کے متعلق ہے۔ چند ایک مثالیں اس کی عرض کرتا ہوں تاکہ حقیقت حال واضح ہو جائے۔

۱۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے واقعہ ہجرت اور رفاقت نبویہ جیسے اعزاز کو کم کرنے اور آپ کی اس امتیازی حیثیت کو نگاہ مؤمنین سے اوجھل کرنے کیلئے بلکہ بالکل الٹا اور بر عکس تاثر دینے کے لیے ابوالحسن القمی نے جو کارنامہ سرانجام دیا ہے وہ ملاحظہ ہو۔

قوله تعالیٰ : اذ هما فی الغار اذ یقول لصاحبه لاتحزن (الآیة)

حدثنی ابی عن بعض رجاله رفعه الی ابی عبد الله علیه السلام قال لما کان رسول الله صلی الله علیه وسلم فی الغار قال لفلان کانی انظر الی سفینة جعفر فی اصحابه یقوم فی البحر وانظر الی الانصار محتبین فی افنیتهم فقال فلان وتراهم یارسول الله؟ قال نعم. قال فارنیهم فسخ علی عینیه فرآهم فقال فی نفسه الآن

صدقت انک ساحر) فقال له رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انت الصدیق ۔

ترجمہ: مجھے میرے باپ نے اپنے بعض شیوخ روایت کے واسطے سے امام ابوعبداللہ جعفر صادق تک مرفوع روایت بیان کی کہ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم غار میں تھے۔ تو آپ نے فلاں (ابوبکرؓ) کو فرمایا۔ کہ میں جعفر کی کشتی مع ان کے ساتھیوں کے سمندر میں کھڑی دیکھ رہا ہوں اور انصار کو اپنے گھروں کے سامنے بیٹھے ہوئے۔ تو فلاں نے کہا۔ یارسول اللہ آپ ان کو دیکھ رہے ہو؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ تو انہوں نے کہا وہ مجھے بھی دکھلائیے۔ آپ نے ان کی آنکھوں پر دست کرم پھیرا تو انہوں نے مہاجرین حبشہ اور انصار کو دیکھ لیا۔ (تو دل ہی دل میں کہا۔ کہ اب میں اس امر کی تصدیق کرتا ہوں کہ تم ساحر اور جادوگر ہو) تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو ہی صدیق ہے۔

تبصرہ: الف: اس روایت میں دو جگہ ابوبکر کا نام لینے کی جگہ فلاں کا لفظ ذکر کیا گیا ہے۔ اس میں جو نیک نیتی کارفرما ہے وہ واضح ہے۔ یعنی نام کو ابہام پیدا کرنے کے لیے فلاں کے لفظ سے بدلا دیا۔

ب: بریکٹ میں اپنی طرف سے ابوبکر کے دل کا حال معلوم کر کے لکھ دیا کہ انہوں نے کہا کہ اب مجھے تمہارے جادوگر ہونے کا یقین ہو گیا۔

ج: اس کے متصل بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کہہ دیا کہ آپ نے فرمایا۔ انت الصدیق تو ہی سچا ہے۔ جس کا لازمی نتیجہ بریکٹ کے اندر دیئے ہوئے جملہ کی درستی کی صورت میں خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کا ابطال ہے۔ العیاذ باللہ۔ کیونکہ ابوبکر نے آپ کے ساحر ہونے کا یقین کر لیا۔ اور آپ نے فرمایا۔ تم سچے ہو۔ اگر آپ کو جادوگر سمجھنے والا سچا ہے۔ تو نبی سمجھنے والا جھوٹا۔ اور جو جھوٹا ہو اس کو صادق کہنا بھی غلط ہے۔ چہ جائیکہ صدیق کہا جائے بہرحال روایت کا اس طرح ستیاناس کیا ہے کہ۔

عظمت ابوبکر کے ساتھ عظمتِ رسالت کو بھی گہنا کر رکھ دیا ہے۔

للہ بلاد فلان فقد قوم الاود وداوی العمد خلف الفتنۃ الخ نہج البلاغ

یہاں یہ امر قابل غور ہے۔ کہ حضرت امیرؓ نے تو یقیناً اس ہستی کا نام لے کر اور اس کی پوری طرح نشاندہی کر کے یہ خوبیاں بیان فرمائیں لیکن اس میں سبائی چال چلتے ہوئے ناقلین نے فلاں کا لفظ لکھ دیا تاکہ کسی کو پتہ ہی نہ چل سکے۔ کہ یہ فضائل کس کے بیان کئے گئے ہیں یعنی اللہ ہی جزائے خیر دے فلاں کو جس نے کجی کو درست کیا اور مرض جہالت کی دوا کی الخ

(۳) تحریف لفظی اور قطع و برید اور کتر بیونت کے ساتھ ساتھ بعض عبارات کے مطلب میں گڑبڑ کرنے کے لیے ترتیب خطبہ کو اس طرح بدلا کہ جس کی تعریف حضرت مرتضیٰ نے کی تھی اس کی تنقیص لازم آجائے۔ اور یہ اس قدر بھیانک اور سنگین جرم اور حق پوشی اور باطل کوشی کی رذیل اور گھٹیا چال تھی۔ کہ اپنے بھی چلا اٹھے اور اس ذلیل حرکت پر اپنا اضطراب چھپا نہ سکے۔

(الف) حضرت علی رضی اللہ عنہ کا طویل خط جو آپ نے امیر معاویہؓ کے خط کے جواب میں تحریر فرمایا تھا۔ اس سے فضیلت شیخین پر دلالت کرنے والے جملے سبائی ذہنیت کے بھینٹ چڑھے۔ ذرا وہ جملے دیکھ لیں۔ تاکہ مؤلف کی مجبوری واضح ہو جائے اور کتر بیونت کا موجب معلوم ہو جائے۔

کان افضلھم فی الاسلام کما زعمت وانصحھم للہ ولرسولہ الخلیفۃ الصدیق وخلیفۃ الخلیفۃ الفاروق ولعمری ان مکانھما فی الاسلام عظیم وان المصاب بھما لجرح فی الاسلام شدید یرحمھما اللہ وجزاھما باحسن ما عملا (ای) نما سمعت باحد ھو انصح للہ فی طاعۃ رسولہ ولا اطوع لرسول اللہ فی طاعۃ ربہ ولا اصبر علی الاذی والضراء حین الباس و مواطن المکروہ مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم من ھؤلاء النفر الذین سمیت۔ کذلک وفی المہاجرین خیر کثیر تعرفہ جزاھم اللہ باحسن اعمالھم۔ (شرح ابن میثم)

اس عبارت کے ترجمہ کا کچھ حصّہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔ اور بقیہ شیخ الاسلام کی عبارت میں ملاحظہ کر دگے۔ یہاں یہ تبلانا ہے کہ یہ تمام تر عبارت جو عظمتِ صدیق اور مرتبت فاروق کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اور نصف النہار کی طرح واضح اور روشن برہان دہ ہے مؤلف نہج البلاغہ نے حذف کر کے بغض شیخین کا بھرپور اظہار کیا ہے۔ اور کیوں نہ کرتا۔ اگر حضرت مرتضیٰ کی زبانی ان کا صدیق اور فاروق ہونا اور سب سے افضل اور سب سے زیادہ مخلص ہونا عوام پر ظاہر ہو جائے تو پھر مذہب رفض کب پنپ سکتا ہے اور کون اسے قبول کر سکتا ہے۔ اس لیے یہ عبارت تو حذف کرنی شریعت رفض میں فرض تھی۔

(ب) اس کے علاوہ اس خطبہ کی ترتیب میں اس طرح الٹ پھیر سے کام لیا کہ مفہوم کچھ کا کچھ ہو گیا جس پر شارح ابن میثم کو بھی کہنا پڑا۔

وھذا اخبط عجیب من السید مع وجود کتبہ فی کثیر من التواریخ (شرح ابن میثم جلد ۴ ص ۳۶۳)

یہ سید رضی کی طرف سے عجیب خبط اور التباس واشتباہ ہے۔ حالانکہ حضرت علی کے خطوط بہت سی تاریخی کتب میں موجود ہیں۔ لہٰذا ان میں التباس واشتباہ کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی تھی۔ اور تلبیس و تخلیط کی بھی۔ کیونکہ ہر شخص اصل مراجع کی طرف رجوع کر سکتا ہے۔ جس کے بعد سوائے ذلت اور رسوائی کے کیا ہاتھ آ سکتا ہے۔

(۴) تحریف معنوی، اسی طرح شیعی علماء نے تحریف معنوی میں بھی وہ کمال کر دکھایا ہے کہ یہودی بھی سر پیٹ کر رہ گئے ہوں گے اور پھر لطف یہ کہ اس کی نسبت بھی آئمہ کرام اور اصدق الصادقین کی طرف کر دی ہے مثال کے طور پر ایک حوالہ پیشِ خدمت ہے، سید نعمت اللہ الجزائری موسوی نے انوار نعمانیہ میں نقل کیا ہے کہ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے خلیفہ وقت کے دربار میں شیخین رضی اللہ عنہما کے متعلق علی الاعلان فرمایا:

"ھما امامان عادلان قاسطان کانا علی الحق فماتا علیہ علیھما رحمۃ

الله یوم القیامة" (انوار نعمانیہ جلد اول صـ۹۹)

جس کا ترجمہ و مفہوم ظاہر ہے اور اہل دربار نے بمع خلیفہ آپ کا یہی ظاہری مقصد سمجھا کہ وہ دونوں امام عادل ہیں اور منصف، دونوں حق پرست تھے اور اسی پر ان کا وصال ہوا، ان دونوں پر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی رحمت اور عنایت ہے، مگر جب آپ مجلس سلطان سے باہر تشریف لائے تو آپ کے خواص میں سے ایک آپ کے پیچھے ہو لیا اور اس نے عرض کیا۔

یا ابن رسول اللہ قد مدحت ابا بکر و عمر ھذا الیوم فقال أنت لا تفھم معنی ما قلت فقال : بیّنه لی۔

اے لخت جگر رسول صلی اللہ علیہ وسلم آج آپ نے ابوبکر و عمر کی مدح وثنا اور تعریف و توصیف کر دی ہے آپ نے جواب میں فرمایا تو میرے قول کا معنی و مفہوم نہیں سمجھتا تو اس نے عرض کیا میرے لئے اس کی وضاحت کریں تو آپ نے بقول اس (مجہول اور نامعلوم مرید خاص) کے فرمایا۔

اما قولی ھما امامان فھو اشارۃ إلی قوله تعالیٰ : "ومنھم ائمة یدعون إلی النار" وأما قولی عادلان فھو اشارۃ إلی قوله تعالیٰ : "والذین کفروا بربھم یعدلون" واما قولی قاسطان فھو المراد من قوله عزمن قائل : "أما القاسطون فکانوا لجھنم حطبا" وأما قولی کانا علی الحق فھو من المکاونة أو الکون ومعناہ انھما کانا علی حق غیرھم لأن الخلافة حق علی بن أبی طالب وکذا ماتا علیه فانھما لم یتوبا بل استمرا علی افعالھم القبیحة إلی ان ماتوا و قولی علیھما رحمة اللہ المراد به النبی صلی اللہ علیه وسلم بدلیل قوله تعالیٰ : "وما ارسلناک الا رحمة للعالمین" فھو القاضی والحاکم والشاھد علی ما فعلوہ یوم القیامة۔

(انوار نعمانیہ جلد اول ص ۹۹)

(۱) میں نے جو یہ کہا کہ دونوں امام ہیں تو یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کی طرف اشارہ ہے کہ ان میں سے بعض امام ہیں جو نار جہنم کی طرف بلاتے ہیں۔

(۲) اور میں نے ان کو عادل کہا تو اس میں اللہ تعالیٰ کے اس قول کی طرف اشارہ ہے کہ وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اپنے رب کے ساتھ (غیروں کو) برابر ٹھہراتے ہیں یعنی عدالت والا معنی مراد نہیں تھا بلکہ برابری والا۔

(۳) لیکن میں نے جو ان کو قاسطان کہا تو اس سے مراد وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے اس قول میں مراد ہے لیکن قاسط تو جہنم کا ایندھن ہوں گے۔

(۴) اور میں نے یہ جو کہا کانا علی الحق تو اس کا معنی یہ ہے کہ دوسروں کے حق پر زبردستی قابض ہو گئے۔ کیونکہ خلافت علی رضی اللہ عنہ کا حق تھا اور وہ اس پر قابض ہو گئے تھے)

(۵) اسی طرح ماتا علیہ کہنے کا مطلب بھی یہ ہے کہ انہوں نے اس ظلم و زیادتی اور غصب و نہب سے توبہ نہ کی بلکہ مرتے دم تک انہیں افعال قبیحہ پر برقرار رہے۔

(۶) اور میں نے جو علیہما رحمۃ اللہ کہا ہے تو اس سے میری مراد ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس آیت کریمہ میں رحمت کہا ہے۔ "وما ارسلناك الا رحمة للعالمين" تو آپ ان دونوں پر قیامت کے دن حکم اور فیصلہ نافذ کریں گے اور جو کچھ انہوں نے کیا اس پر گواہی دیں گے۔

امام موصوف کا یہ تفصیلی جواب اور وضاحتی بیان سُن کر اس مرید خاص نے کہا:
"فرجت عني فرج الله عنك" آپ نے میری مشکل حل کر دی اللہ تعالیٰ آپ کی مشکل حل کرے۔

لمحہ فکریہ: امام صادق رضی اللہ عنہ نے بھرے دربار میں خلیفہ کے روبرو جو کچھ فرمایا۔ اس سے ہر ایک نے حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی

مدح وثنا اور تعریف و توصیف بھی اور ان کا آپ کے نزدیک امام برحق اور عادل
منصف ہونا، تا دم زیست حق پر قائم ہونا اور اسی پر دنیا سے رخصت ہونا اور رحمت
خداوند تعالیٰ سے مشرف ہونا سمجھا بلکہ آپ کے مرید خاص نے بھی یہی معنی و مفہوم اور مقصد
مطلب سمجھا اس لیے تڑپ اٹھا اور اپنے قلبی اضطراب اور دکھ درد کو چھپا نہ سکا بلکہ
شکوہ کیا آپ نے تو ابوبکر و عمر کی مدح و ثنا کر دی، جس سے صاف ظاہر اور آفتاب نیم
کی طرح روشن کہ عام اہل اسلام کے سامنے قطعاً ائمہ کے کلام سے ان حضرات کے متعلق
تنقیص و توہین اور تحقیر و تفریط پر مشتمل کوئی کلمہ سرزد نہیں ہوتا تھا بلکہ ان سب کو یہی
اور نظریہ یہاں سے ملتا تھا کہ ائمہ اہل بیت ان کی عظمت و رفعت کے قائل و معترف
ہیں اور ان کے لیے مدح سرا اور دعا گو تو گویا ان تمام اہل اسلام کو غلط راہ پر ڈالنے
اور انہیں گمراہی و ضلالت میں مبتلا کرنے کی ساری ذمہ داری انہیں ائمہ پر عائد ہوئی ا
بقول شیعہ یہ حضرات العیاذ باللہ ائمہ ہدیٰ ہونے کی بجائے ائمہ ضلالت بن گئے او
اگر یہ حضرات ایسی چالیں چلنے والے ہوتے اور عالم اسلام کو بے وقوف بنانے والے
ہوتے تو واقعہ ہائلہ کربلا والا کبھی پیش نہ آتا اور جب سب ائمہ کا مذہب ایک ہے
تو یقیناً آپ کا بھی ظاہر و باطن ایک ہونا لازم ہے اور پھر آپ کو بالخصوص صادق کا
لقب دیا جانا بھی اس امر کی بین دلیل ہے، کیا امام حسین رضی اللہ عنہ یزید کو اس طرح
امام عادل قاسط کہہ کر اپنی اور اپنے عزیزوں کی جان اور پردگیان عصمت
کی عزت و ناموس کا تحفظ نہیں کر سکتے تھے؟ جب کر سکتے تھے اور یقینی تحفظ بھی حاصل کر
سکتے تھے مگر جان کی بازی لگا دی اور یہ طریقہ اختیار نہ کیا تو واضح ہو گیا کہ یہ دورخی چال
اور دوغلی پالیسی اہل بیت کرام کے شایان شان نہیں ہے۔

امام جعفر صادق کے لیے تقیہ و کتمان کا عدم جواز:۔

نیز یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے لیے

تقیہ و کتمان جائز ہی نہیں تھا اور کسی امام جابر اور سلطان جائر کے ڈر اور خوف کی وجہ سے اس قسم کی حیلہ سازی اور اصل نظریہ و عقیدہ کا اخفاء آپ کے لیے قطعاً حرام تھا کیونکہ محمد بن یعقوب کلینی نے اصول کافی جلد اول ص ۲۸۱ مطبوعہ تہران پر خود امام جعفر صادق سے ہی یہ روایت نقل کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال شریف کے قریب جبرئیل علیہ السلام کے ذریعے ایک کتاب نازل فرمائی جس میں تمام ائمہ کے متعلق وصیتیں مرقوم تھیں اور ہر وصیت نامہ سربمہر تھا جو ہر امام اپنے دور امامت میں ہی کھول سکتا تھا چنانچہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے وصیت نامہ کی عبارت یہ تھی۔

حدث الناس وافتهم وانشر علوم اهل بيتك وصدق آباءك الصالحين ولا تخافن الا الله عزوجل وانت فی حرز وامان ففعل۔

یعنی لوگوں کو احادیث بیان کرو اور فتوے جاری کرو اور اپنے اہل بیت کے علوم کی نشر و اشاعت کرو اور اپنے اسلاف اور آباء و اجداد صلحاء کی تصدیق کرو۔ اور سوائے اللہ عزوجل کے ہرگز کسی سے نہ ڈرو کیونکہ تم اللہ تعالیٰ کے حفظ و امان میں ہو۔

اہل انصاف و دیانت اور اہل ایمان و امانت اس وصیت کو اس روایت کے ساتھ ملا کر ہمیں بتلائیں کہ وصیت پر عمل کس صورت میں پایا جا سکتا ہے، شیعی تاویل اور تحریف کی صورت میں یا ظاہری معنی و مفہوم جو عام اہل اسلام نے سمجھا، حتیٰ کہ اس مرید خاص نے بھی۔ وہ مراد ہونے کی صورت میں یقیناً وصیت پر عمل کی صورت صرف وہی ہے جو اہل السنت کے مذہب و مسلک کے بالکل مطابق ہے اور چونکہ آپ از روئے وصیت علوم اہل بیت کی نشر و اشاعت اور اپنے اسلاف کی تائید و تصدیق کے پابند تھے تو روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ تمام اہل بیت اور ائمہ کرام کا مذہب و مسلک بھی یہی تھا جس پر سواد اعظم اہل السنت والجماعت اب تک قائم ہیں اور بصورت دیگر جب آپ نے وصیت کی خلاف ورزی کی تو امامت ہی ختم ہو گئی۔ اور صدق

بھی ختم ہو گیا۔ نعوذ باللہ من ذلک ۔ پھر نہ آپ کو امام تسلیم کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی صادق کا لقب دیا جا سکتا ہے۔

محرفین کی وجہ سے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کا اضطراب

مراد ائمہ کی تشریح و توضیح پیش کرنے والوں سے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی پریشانی بھی ملاحظہ کرتے چلیں۔

رجال کشی میں مذکور ہے کہ امام موصوف نے فیض بن مختار کو فرمایا۔

إنّ الناس اولعوا بالكذب علينا كان الله افترض عليهم لا يريد منهم غيره وانى احدث احدهم بالحديث فلا يخرج من عندى حتى يتاوله على غير تاويله الخ (رجال الكشی ص ۱۲۲)

یعنی لوگ ہم پر بہتان باندھنے اور افترا کرنے کے عاشق ہو چکے ہیں گویا اللہ تعالیٰ نے یہی کام ان پر فرض کر دیا ہے اور اس کے علاوہ دوسرے کسی امر اور فعل کا ان سے ارادہ نہیں رکھتا، میں ان میں سے ایک کو حدیث بیان کرتا ہوں تو وہ میرے پاس سے نکل نہیں پاتا کہ اس کو میری مراد کے برعکس دوسرے معنی پر محمول کر دیتا ہے امام صادق کے اس ارشاد صادق کے بعد اس تاویل کے بطلان و خذلان اور اس کے ناقل کے افتراء اور بہتان میں قطعاً شک و شبہ کی کوئی صورت باقی نہیں رہ جاتی اور صرف یہ ایک روایت اور اس کی تاویل فاسد بطور نمونہ ذکر کی ہے ورنہ یہاں تو جھوٹی روایات کے انبار ہیں اور صحیح روایات کی تاویلات فاسدہ کے دفاتر اور بہت بڑی جماعت اسی شیطانی کام میں شب و روز مصروف تھی اور ائمہ کرام کی ان پر لعنتوں اور براءتوں اور تکذیب کے باوجود انہیں کے نام پر یہ ملعون گروہ اس مذموم مقصد کو جاری رکھے رہے۔

بعض انتہائی معتمد اور معتبر راویوں پر ائمہ کرام کے تبصرے دوسری جگہ ذکر

کیے گئے ہیں وہاں ملاحظہ فرمادیں اور خدا تعالیٰ موقعہ دے تو صرف رجال الکشی کا ہی مطالعہ کرلیں تو اندازہ ہو جائے گا کہ یہ کون لوگ تھے اور ان کا اصل مقصد کیا تھا یعنی یہود و مجوس تھے اور اسلام کو خاکم بدہن نیست و نابود کرنے کے درپے تھے نعوذ باللہ من شر الشیاطین من الجنۃ والناس۔

الغرض جب ایک فریق اس بات پر تلا ہوا ہو کہ کوئی کمال اور فضیلت صحابہ کرام کی ثابت نہیں ہونے دیں گے۔ تو اس کے تواتر کا جو حال ہوگا وہ بھی واضح ہے۔ ہم تو یہ بھی قدرتِ خداوند تعالیٰ کا اعجاز سمجھتے ہیں۔ کہ ایسے لوگوں کے ہاتھوں کہیں کوئی کلمہ خیر کا حضراتِ صحابہ اور خلفاء ثلاثہ کے حق میں صادر ہو جائے۔ اس لیے اگر کوئی تواتر یہاں حجت ہو سکتا ہے اور دلیل صداقت اور معیار حقانیت ہو سکتا تو وہ بالعموم اہل اسلام کی روایات کا ہے اگر کتب شیعہ میں بھی وہ روایت دستیاب ہو جائے اور تمام اہلِ اسلام کی کتابوں میں بھی تو اسی کو معیارِ حق سمجھا جائے گا۔ اور یہی حضرت علیؓ کا ارشادِ گرامی ہے جو کہ نظر نواز ہو چکا۔ اور قرآن مجید کی تائید اور موافقت ہی اصل معیارِ صداقت ہوگا۔ کیونکہ وہ بھی اہلِ اسلام میں متواتر ہے کامل و مکمل طور پر جس طرح کہ ہمارا مذہب ہے۔ یا جس قدر پہنچ گیا۔ جیسے کہ شیعہ صاحبان کا مذہب ہے۔

معیارِ حق کتاب اللہ اور سنت رسول جو اس کے موافق ہو

اب اس پر مزید تائیدی روایات پیش خدمت ہیں کہ معیارِ حق صرف کتاب اللہ ہے۔ اور وہی سنت قابلِ قبول ہے۔ جو اس کے موافق ہو۔

(۱) عن ابی عبد اللہ علیہ السلام ان علی کل حق حقیقۃ و علی کل ثواب نورا فما وافق کتاب اللہ فخذوہ وما خالف کتاب اللہ فھو زخرف۔

(۲) عن ایوب بن الحر قال سمعت ابا عبد اللہ علیہ السلام

کل شی مردود الی الکتاب والسنۃ وکل حدیث لایوافق کتاب اللہ فھو زخرف۔
(۳) عن ایوب بن راشد عن ابی عبد اللہ السلام قال مالم یوافق من الحدیث القرآن فھو زخرف (۴) عن ھشام بن الحکم وغیرہ عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال۔ خطب النبی صلی اللہ علیہ وسلم بمنی فقال ایھا الناس ما جاءکم عنی یوافق کتاب اللہ فانا قلتہ وماجاءکم یخالف کتاب اللہ فلم اقلہ۔
(۵) عن ابن ابی عمیر عن بعض اصحابہ قال سمعت ابا عبد اللہ علیہ السلام من خالف کتاب اللہ وسنۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم فقد کفر۔

اصول کافی باب الاخذ بالسنۃ وشواھد الکتاب جلد اول ص ۶۹۔۔ خلاصہ سب روایات کے معنی ومفہوم کا یہ ہے کہ ہر اختلاف ونزاع کا فیصلہ قرآن وسنت کے مطابق کرنا ضروری ہے۔ اور جو دونوں کا خلاف کرے وہ کافر ہے۔ اور جب ان میں تخالف آجائے تو ائمہ کا بھی اور سرور انبیاء اور امام الائمہ کا حکم بھی یہی ہے کہ قرآن مجید کے ساتھ تمسک کرو۔ اور اس سنت اور حدیث کے ساتھ جو اس کے موافق ہو۔ اور دوسری روایات کو موضوع۔ زخرف اور من گھڑت سمجھو۔
جب ائمہ کا بیان کردہ میار حق اور مدار صداقت یہ ہے۔ بلکہ خود رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان بھی یہی ہے۔ تو ڈھکو صاحب نے اور ان کے پیر طریقت اور طبیب جسمانی اور روحانی نے جو معیار قائم کیا ہے۔ یعنی ہماری متواترات کے مطابق ہو تو درست ہے۔ ورنہ ساقط عن الاعتبار وہ بالکل غلط ہے۔ اور ناقابلِ اعتبار۔ اور ان ارشاداتِ ائمہ کے سراسر مخالف ومعاکس اس لیے یہ جواب ان کا سراسر عجز اور بے بسی و بیچارگی پر مبنی ہے۔ اور اپنے مذہبی کتب میں بیان کردہ میار اور کسوٹی کے بھی خلاف ہے تا بہ جمیع اصول اہل اسلام متواترہ ومجمع علیہا چہ رسد

لمحہ فکریہ :

حضرت علی رضی اللہ عنہ ڈھکو صاحب اور ان کے طبیب محترم کے ارشاد کے مطابق

اور کتاب الروضہ کے مطابق اپنے مافی الضمیر کا اظہار بھی نہیں کرسکتے تھے۔ اور انہیں لشکر میں بغاوت اور ان کی علیحدگی کا کھٹکا لگا رہتا تھا۔ اس لیے خلفاء سابقین کے جاری کردہ احکام میں تبدیلی پیدا نہ کر سکے۔ اور صرف تراویح کو بند کرنا چاہا تو شور مچ گیا کہ عمری سنت بدلی جا رہی ہے۔ اور حضرت امیر کو مجبوراً خاموش ہونا پڑا۔ لہٰذا ہم پوچھتے ہیں کہ اس پوزیشن کا مالک کیا علانیہ ان پر تنقید کرسکتا تھا۔ اور ان کی عظمت شان کے خلاف کوئی لفظ زبان پر لا سکتا تھا۔ قطعاً نہیں۔ اس لیے ان کا عام خطبات میں یقیناً طریقہ کار یہی رہا کہ ان حضرات سابقین کی مدح و ثنا کرتے۔ اور ان کے معتقدین کو خوش رکھتے اور بقول شیعہ در پردہ ان کے خلاف ظلم و ستم اور غصب و نہب کے الزامات عائد کرتے تھے اور صرف خواص پر حقیقی نظریات کا اظہار کرتے تھے۔ ایسی صورت میں تواتر کہاں رہا۔ جو ظاہر اور متواتر ہے وہ شیعہ کیلئے قابل قبول نہیں۔ اور جو خفیہ اور رازداری سے چھنے والا حقیقی نظریہ ہے۔ اس کو متواتر کیونکر کہہ سکتے ہیں۔ اور اس پر ظاہر اور علانیہ کے مقابل اعتبار کیسے ہو سکتا ہے۔ لہٰذا ان خفیہ اور رازدارانہ انداز میں پروان چڑھنے والی روایات کو قطعاً متواتر نہیں کہہ سکتے۔

دوزخی پالیسی اور انصاف و عدالت کے مختلف ترازو اور پیمانے

جب خلفاء ثلاثہ پر اعتراض کرنا تھا۔ تو اہل سنت کی غیر اہم کتابوں کے حوالے اور قطع برید کر کے عبارات پیش کر دیں یا اپنے تراشیدہ مضمون اور معنی کو پیش کر دیا اور یہ خیال نہ آیا کہ آخر اہل سنت کے ہاں متواتر روایات اور صحیح ترین احادیث کیا ہیں۔ اور جو روایات ہم پیش کر رہے ہیں۔ ان کی حیثیت کیا ہے۔ بلکہ یہ بھی نہ سوچا کہ کتابیں بھی ان کی ہیں یا نہیں اور جب اپنی باری آئی تو اپنی کتابوں کی اور علی الخصوص اصح الکتب نہج البلاغہ کی روایات اور عبارات کو شاذ ضعیف خلاف متواتر اور ساقط عن الاعتبار قرار دے دیا آخر جو اپنے لیے پسند نہیں وہ دوسروں کے لیے پسند کیوں کیا گیا۔

علامہ ڈھکو صاحب اور مولوی امیر الدین کا راہِ اسلاف سے انحراف

نہج البلاغہ جیسی اہم کتاب کی روایات کے متعلق کسی شیعہ نے ایسی بے رحمی اور بے باکی کا اظہار نہیں کیا۔ بلکہ بظاہر اجماع شیعہ کے خلاف ہونے کے باوجود روایات کی صحت کو تسلیم کر کے تاویل و توجیہ کی کوشش کی ہے۔ مثلاً علامہ ابن میثم نے اور صاحب درۃ النجفیہ نے حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد للہ بلاد فلان ...... جس میں بقول بعض حضرت امیر المؤمنین ابوبکر رضی اللہ عنہ کی مدح و ثنا ہے اور بقول بعض حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی عظیم منقبت اور مدحت ہے۔ اس کے تحت یہ سوال نقل کیا ہے۔ کہ اگر یہ ارشاد آپ کا ہے تو شیعہ کا اجماع خطا اور غلطی پر لازم آتا ہے۔ اگر ان کا اجماع و اتفاق صحیح ہے۔ یعنی ان حضرات کو ظالم و غاصب وغیرہ کہنے پر تو پھر اس عبارت کی نسبت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف درست نہیں ہو سکتی۔ لیکن جواب میں اس عبارت کی نسبت آپ کی طرف درست تسلیم کر کے پہلا جواب یہ دیا کہ آپ نے عوام اہل اسلام کو اپنا ہمنوا اور موافق رکھنے کے لیے اور اپنا محمد و معاون رکھنے کے لیے بطور مصلحت اس طرح فرمایا۔ نہ کہ ذاتی نظریہ اور عقیدہ کے طور پر۔ اور دوسرا جواب یہ دیا کہ اگرچہ کلمات مدحیہ اور ستائش کے ذکر کیے لیکن مقصود ان حضرات کی مدح و ستائش نہیں تھی۔ بلکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی سرزنش مقصود تھی۔ کہ تمہارے پیش رو حضرات نے ایسے کام نہ کیے جو موجب نزاع و اختلاف اور باعث حرب و قتال بنے۔ بلکہ وہ صاف دامن اور پاکیزہ خصال دنیا سے کوچ کر گئے۔ لیکن تم اس معیار کو برقرار نہ رکھ سکے۔ ملاحظہ ہو شرح ابن میثم جلد نمبر ۴ ص ۹۷ اور درہ نجفیہ جلد نمبر ۲ ص ۲۵۷ اسی طرح علماء شیعہ نے حضرت علی کا یہ ارشاد تسلیم کر لیا۔ کہ آپ نے برسر منبر اعلان فرمایا۔

الا ان خیر ھذہ الامۃ بعد نبیھا۔ ابوبکر و عمر۔ شافی ص۱۷۶ و تلخیص ص۳

یعنی اس امت میں سب سے افضل حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور

عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔

اور اس پر ضعف اور وضع کا حکم نہیں لگایا۔ لیکن اس کا محمل یہ بیان کیا ہے۔ کہ لوگوں کو ہمنوا بنانے کے لیے آپ اس طرح کے ارشادات فرماتے رہتے تھے۔ جیسے کہ آئندہ کے صفحات میں اس کی مکمل بحث آتی ہے۔ یہاں صرف اتنا عرض کرنا مقصود ہے کہ ان اسلاف نے یہ ضابطہ اور قاعدہ قطعاً استعمال نہیں کیا۔ کہ جو فضائل ہیں وارد روایات ہیں وہ سب ضعیف شاذ اور ناقابلِ اعتبار ہیں۔ بلکہ انہوں نے تسلیم کیا کہ خطبات میں فضائلِ شیخین بیان کرنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کا معمول رہا ہے البتہ مذہب کا دفاع اس طرح کیا ہے۔ کہ صرف رعیت کو اپنے ساتھ وابستہ رکھنے کے لیے ان کے ممدوحین خلفاء کی تعریف فرماتے تھے۔

ان جوابات میں وجوہِ ضعف اور سقم جہالت۔ بطالت۔ سخافت ہر صاحبِ عقل و خرد پر روزِ روشن کی طرح عیاں اور تفصیل انشاء اللہ اسی عبارت کے ضمن میں بیان کی جائے گی۔ لیکن بہر حال ان لوگوں کو یہ جرأت نہ ہوئی کہ ان عبارات کو شاذ۔ ضعیف اور ساقط عن الاعتبار کہیں یہ صرف اور صرف ڈھکو صاحب اور اس کے بلیب کا دل گردہ ہے۔ کہ ارشاداتِ مرتضویہ کو رد کر دیا اور ساقط عن الاعتبار قرار دے دیا ہے خلاصہ مرام یہ ہے کہ ان کے ہاں کوئی ضابطہ اور قاعدہ نہیں ہے۔ اور نہ کوئی معیار اور میزان سوائے ہوائے نفس اور خواہش قلب کے اور عقیدہ فاسدہ مفروضہ مخترعہ کے کہ جو روایت اس کے مطابق وہ سچی اور صحیح خواہ ضعیف ترین کتاب میں ہی کیوں نہ ہو اور جو اس کے خلاف ہے وہ جھوٹی اور خلافِ واقع اور ناقابلِ اعتبار خواہ جس قدر بھی مستند اور اصح الکتب میں ہی موجود کیوں نہ ہو۔ اور قرآن مجید کے بھی مطابق اور موافق کیوں نہ ہو۔

تنبیہ

اب حضرت شیخ الاسلام کے رسالہ "مذہب شیعہ کی روایات جو کتب شیعہ سے منقول ہیں۔ اور ڈھکو صاحب نے ان کی تاویلات و تسویلات میں جو کچھ ذکر کیا ہے اور

ترتیب کتاب کو ملحوظ رکھے بغیر ادھر ادھر ذکر کیا ہے۔ ان کو بھی اسی ترتیب سے ذکر کر کے ساتھ ہی جوابات عرض کرتا جاؤں گا۔ اور حقیقتِ حال کا فیصلہ ارباب نظر و فکر اور اصحاب عقول سلیمہ و آراء صائبہ پر چھوڑ دونگا البتہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی عظمت اور کتاب خطبات نہج البلاغۃ کی اہمیت کے پیش نظر بندہ نے ان ارشادات و عبارات کو دوسرے حوالہ جات پر مقدم کر دیا ہے۔ اور اپنی طرف سے بھی چند عبارات تائید مزید کے طور پر ذکر کی ہیں۔

مذہب شیعہ از حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ

فضائل صحابہ اور نہج البلاغہ

پہلی روایت: (۱) حضرت سیدنا امیر المومنین علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اپنے زمانہ خلافت میں خطبہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

لقد رایت اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم فما اری احدًا منکم یشبہھم لقد کانوا یصبحون شعثا غبرًا قد باتوا سجدا وقیاما یراوحون بین جباھھم وخدودھم ویقفون علی مثل الجمر من ذکر معادھم کان بین اعینھم رکب المعزیٰ من طول سجودھم اذا ذکر اللہ ھملت اعینھم حتی تبل جیوبھم ومادوا کما یمید الشجر یوم الریح العاصف خوفا من العقاب ورجاء للثواب۔ (نہج البلاغہ ع۹۶ مطبوعہ تہران)

میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو دیکھا تم میں سے کسی کو بھی ان کے مشابہ نہیں دیکھتا وہ تمام رات سجدوں اور نمازوں میں گزارتے صبح کو اس حال میں ہوتے کہ ان کے بال پریشان اور غبار آلود ہوتے تھے۔ شب کو ان کا آرام جبینوں اور رخساروں کے درمیان (طویل سجدوں کی وجہ سے) ہوتا تھا۔ اپنی عاقبت کی یاد سے دہکتے ہوئے کوئلوں کی طرح بھڑک اٹھتے تھے۔ زیادہ لمبے لمبے سجدوں کی وجہ سے آنکھوں کے درمیان (جبینوں پر) دنبوں کے گھٹنوں کی طرح نشان ہو گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا نام جب ان کے سامنے لیا جاتا تو ان کی آنکھیں بہ پڑتیں۔ یہاں تک کہ ان کے گریبان بھیگ جاتے اور

اللہ تعالیٰ کے عذاب کے خوف سے اور اس کے ثواب کی امید میں اس طرح کانپتے تھے۔ جیسے سخت آندھی میں درخت کانپتا ہے۔

تحفہ حسینیہ:

اقول اس ارشادِ مرتضوی کے مناسب قرآنِ مجید میں ان حضرات کے صفات اس طرح بیان فرمائے گئے۔

محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم تراھم رکعا سجدا یبتغون فضلا من اللہ ورضوانا۔ سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود۔ (الآیہ)

یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ اور جو ان کے ساتھ ہیں۔ وہ کفار پر سخت آپس میں رحیم و کریم تم انہیں دیکھو گے رکوع کرتے سجود کرتے دراں حالیکہ وہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رضا کے طلبگار ہیں ان کے علامات ان کے چہروں میں ہیں سجود کے اثرات سے۔

اور ظاہر ہے کہ یہ علامات ان حضرات کے بیان کیے گئے ہیں جو صلح حدیبیہ کے موقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ لہٰذا حضرت امیرؑ کا خطبہ بھی تمام صحابہ کرام کو شامل نہیں تو ان حضرات کو تو لازماً شامل ہونا چاہیئے تاکہ ثقل اکبر اور ثقل اصغر میں باہمی اتحاد و اتفاق ثابت ہو جائے۔ اور افتراق و اختلاف نہ لازم آئے اور کون کہہ سکتا ہے۔ کہ حضرات شیخین بلکہ خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم بھی ان میں شامل نہیں تھے۔ لہٰذا ثقلین کے اتحاد و اتفاق سے بالعموم صحابہ کرام اور بالخصوص خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی فضیلت و منقبت یہاں سے روز روشن کی طرح واضح ہو گئی۔

تنزیہ الامامیہ۔ علامہ محمد حسین ڈھکو

علامہ موصوف کا عملی طور پر اعتراف عجز

نوٹ۔ علامہ ڈھکو صاحب نے نہج البلاغہ کی جملہ عبارات میں سے صرف اس عبارت کا جواب دیا ہے۔ اور وہ بھی ان الفاظ کے ساتھ "نہج البلاغہ کا یہ اقتباس۔

جو جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض مخلص اصحاب کے بارے ہیں۔
ہے مثل سلمان۔ ابوذر مقداد اور عمار وامثالہم کی مدح وثناء میں وارد ہے جن
کا تمام اصحاب اور بالخصوص پیر صاحب کے ممدوحین کے ساتھ دور کا بھی کوئی
تعلق نہیں۔ تحفہ حسینیہ۔ محمد اشرف سیالوی

لیکن ارباب عقل ودانش پر یہ حقیقت مخفی نہیں رہ سکتی کہ ڈھکو صاحب کا محض یہ
یہ دعویٰ ہے۔ اس پر دلیل پیش کرنا تو دور کی بات ہے کوئی قرینہ بھی قائم نہیں کر سکے
جب کہ ہم نے ثقلین کا اتحاد واتفاق ثابت کر کے قطعی طور پر خلفاء ثلاثہ کے حق میں
اس کا ورود ثابت کر دیا ہے۔

(۲) ڈھکو صاحب کو خود اعتراف ہے۔ کہ نصوص کو اپنے عموم پہ رکھا جائے گا۔
اور خصوصی مورد کا لحاظ نہیں کیا جائے گا۔ تنزیہہ الامامیہ صفحہ ۵۶ اور یہاں۔
مورد میں بھی کوئی تخصیص نہیں۔ پھر عموم الفاظ سے عدول کا باعث کیا ہو سکتا
ہے۔ یوں تو ڈھکو صاحب کا کوئی ملنگ کہہ سکتا ہے۔ کہ اقیموا الصلوٰۃ کا خطاب
اس دور کے لوگوں کے لیے نہیں ہے۔ وہ گزر گئے جو اس کے مخاطب تھے۔
پھر کیا جواب ہو سکے گا۔ اس طرح تو شریعت مذاق بن کر رہ جائے گی۔

(۳) جن کا ذکر ڈھکو صاحب نے کیا ہے۔ وہ حضرات امیر المؤمنین عمر بن الخطاب
رضی اللہ عنہ کے عامل اور نائب کی حیثیت سے کام کرتے رہے ہیں حضرت
سلمان فارسی ہوں یا حضرت عمار وغیرہ رضی اللہ عنہم اور سبھی جنگوں میں انکے سپاہی
کے طور پر تو کیا یہ انتہائی حیرت اور تعجب کی بات نہیں ہو گی کہ جو نائب اور ماتحت
رہے ہوں وہ تو ان فضائل کے مصداق ہوں اور جو انکے امیر اور امام وخلفاء
ہیں۔ وہ ان اوصاف سے دور کا تعلق بھی نہ رکھتے ہوں۔

چشم بدبیں کہ برکندہ باد عیب نماید ہنرش در نظر

مذہب شیعہ۔ حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز

دوسری روایت (۱) حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اپنے زمانہ خلافت میں خطبہ دیتے

ہوئے فرماتے ہیں۔

واعلموا عباد اللہ ان المتقین ذھبوا بعاجل الدنیا وآجل الاخرۃ فشارکوا اھل الدنیا فی دنیاھم ولم یشارکھم اھل الدنیا فی آخرتھم سکنوا الدنیا بافضل ما سکنت واکلوھا بافضل ما اکلت فحظوا من الدنیا بما حظی بہ المترفون واخذوا منھا ما اخذہ الجبابرۃ المتکبرون ثم انقلبوا عنھا بالزاد المبلغ والمتجر الرابح اصابوا لذۃ زھد الدنیا فی دنیاھم وتیقنوا انھم جیران اللہ غداً فی آخرتھم لا ترد لھم دعوۃ ولا ینقص لھم نصیب من لذۃ (نہج خطبہ ۲۷)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے بندو۔ اچھی طرح جان لو کہ متقی اور پرہیزگار لوگ وہی تھے۔ جو دنیا اور آخرت کی نعمتیں حاصل کر کے گزر چکے ہیں۔ وہ ہستیاں اہل دنیا کے ساتھ ان کی دنیا میں شریک ہوئیں۔ لیکن اہل دنیا ان کی آخرت میں ان کے ساتھ شریک نہ ہو سکے وہ مقدس ہستیاں دنیا میں اس طرح سکونت پذیر ہوئیں جیسا کہ سکونت اختیار کرنے کا حق تھا۔ اور دنیا کی ہر اس نعمت سے ان ہستیوں نے حصہ پایا جس سے بڑے بڑے متکبرین اہل دنیا نے حصہ پایا اور دنیوی مال و دولت۔ جاہ و حشمت جس قدر بھی بڑے بڑے جابرین متکبرین نے حاصل کی ہے۔ اسی قدر انہوں نے حاصل کی ہے۔ پھر یہ ہستیاں زادِ آخرت لے کر اور آخرت میں نفع دینے والی تجارت کو ساتھ لے کر دنیا سے بے رغبت ہوئیں۔ یہ لوگ دنیا سے بے رغبتی کی لذت کو اپنی دنیا میں حاصل کر چکے تھے۔ کہ کل اللہ تعالیٰ سے ملنے والے ہیں اپنی آخرت میں یہ وہ لوگ تھے جن کی کوئی دعا نامنظور نہیں ہوتی تھی۔ اور ان کی آخرت کا حصہ دنیاوی لذات کی وجہ سے

کم نہ ہوگا۔

اقول اس خطبہ کے اندر منقول ومذکو صفات کو بقائمی ہوش وحواس اور بقائے ایمان وانصاف سوائے خلفائے راشدین اور ان کے کمانڈروں اور جرنیلوں کے کسی پر منطبق نہیں کیا جا سکتا ہے جنہوں نے قیصر وکسریٰ کی سلطنتوں کو اپنے قبضہ وتصرف میں لیا اور ان کے تاج وتخت اپنے پاؤں تلے روندے اور ان کے اموال وخزائن اپنے سپاہیوں اور لشکریوں میں اور اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں تقسیم کئے۔ اور ایرانی شہزادیوں کو لونڈیوں کی صورت میں مدینہ منورہ لا کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مرضی کے مطابق ان کو بانٹنے اور تقسیم کرنے کا اختیار دیا۔ اسی خداداد عظمت وشوکت اور تصرف اقتدار کو بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

هوالذی جعلکم خلائف الارض ورفع بعضکم فوق بعض درجات لیبلوکم فیما آتاکم۔ (الآیہ)

اور وہ خدا ہی تو ہے جس نے تم کو زمین کا متصرف بنایا۔ اور تم میں سے بعض کو بعض پر درجوں میں فوقیت دی تاکہ جو نعمتیں تم کو دی ہیں اس میں تمہاری آزمائش کرے

ترجمہ مقبول اور اسی آیہ کریمہ کے حاشیہ میں مولوی مقبول نے لکھا خلائف الارض اس کے معنی ہیں۔ وہ گروہ جو پہلے گروہ کا قائم مقام ہو۔ اور زمین میں تصرف کرے جیسے کہ اہل اسلام جو یہود ونصاریٰ اور مجوس کی سلطنتوں کے فاتح اور ان کے تصرف اور تسلط کے قائم مقام بنے۔ حاشیہ نمبر ۳ صفحہ نمبر ۲۳۸ اور ان کا اس امتحان میں پورا اترنا اور کامیابی کے ساتھ ہمکنار ہونا حضرت علی ؓ کے فرمان سے ظاہر اور واضح ہوگیا۔ لہٰذا اس خطبہ میں ثقلین کا اتحاد واتفاق واضح اور ظاہر ہوگیا۔ اور بالعموم صحابہ کرام کے فضائل کے ساتھ ساتھ خلفاء ثلاثہ کے فضائل بھی بطریق اولیٰ واکمل ثابت ہو گئے۔

نوٹ۔ ڈھکو صاحب نے اس خطبہ کو بھی بالکل نہیں چھیڑا۔ اور ایک لفظ بھی اس کے متعلق کہنے کی ہمت نہیں ہوئی۔

تیسری روایت: (۳) سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم اپنے زمانۂ خلافت میں فرماتے ہیں۔

فانا اهل السبق بسبقهم و ذهب المهاجرون الاولون بفضلهم.

(نہج البلاغہ خطبہ ۱۷۰)

(اسلام اور ایمان کے ساتھ) سبقت لے جانے والے اپنی سبقت کے ساتھ فائز المرام ہو چکے۔ اور مہاجرین اولین اپنی فضیلت اور برتری کے ساتھ گزر چکے۔

(اس ارشاد حیدری کی تائید بلکہ تشریح ثقل اکبر اور اللہ تعالیٰ کے آخری پیغام میں بھی موجود ہے۔ اور ثقلین کا سابقین اولین مہاجرین و انصار کے فضائل و فواضل اور عالی درجات و منازل میں پورا پورا اتفاق ملاحظہ ہو)

صدق الله مولانا العظيم " والسابقون الاولون من المهاجرين والانصار والذين اتبعوهم باحسان رضى الله عنهم ورضوا عنه واعد لهم جنات تجرى تحتها الانهار خالدين فيها ابداً ذالك الفوز العظيم.

تحفہ حسینیہ:

تتمہ روایات نہج البلاغہ

حضرت امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کا ارشاد گرامی قرآن مجید کی اس آیت مبارکہ کے مطابق ہے اور دونوں ثقل اس حقیقت کے اظہار پر متفق نظر آتے ہیں۔ کہ۔ مہاجرین و انصار میں سے اسلام کی طرف سبقت لے جانے والے مہاجرین و انصار فائز المرام ہیں۔ اور کامیاب و کامران اور علی الخصوص مہاجرین اولین کو سب پر فوقیت

اور فضیلت حاصل ہے۔ اور آپ کے ارشادِ گرامی کی تائید اس سے ہوتی ہے۔ کہ ہر جگہ مہاجرین کو انصار سے پہلے ذکر کیا گیا ہے۔ بلکہ آپ کا فرمان اسی وجہ تقدیم کے راز کا ترجمان ہے۔

اور حضرت امیر المؤمنین کے کلام میں فوز و فلاح کا صرف ان سابقین اور مہاجرین اولین میں حصر نہیں۔ اور قرآنِ مجید نے والذین اتبعوھم باحسان فرما کر بعد میں ہجرت کر کے دامنِ مصطفوی میں پناہ لینے والوں کی عظمت بیان کر دی۔ بلکہ قیامت تک ان کے نقشِ قدم پر چلنے والوں کی فوز و فلاح اور کامیابی و کامرانی بیان کرتے ہوئے فرمایا۔ رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ ذلک الفوز العظیم لہذا اس فضیلت میں دو نوں نقل قرآن اور روایت متفق ہیں۔

۴۔ تحکیم قبول کرنے پر جب آپ کو اعتراضات کا سامنا کرنا پڑا تو اس وقت اپنے لشکریوں کو خطاب کرتے ہوئے جو کچھ فرمایا وہ ملاحظہ ہو۔

۴۔ این القوم الذین دعوا الی الاسلام فقبلوہ۔ وقرؤا القرآن فاحکموہ وھیجوا الی القتال فولھوہ ولہ اللقاح الی اولادھا وسلبوا السیوف اغمادھا واخذوا باطراف الارض زحفاً زحفاً وصفاً صفاً بعض ھلک وبعض نجا، لایبشرون بالاحیاء ولا یعزون بالموتی مرہ العیون من البکاء، خمص البطون من الصیام، ذبل الشفاہ من الدعاء، صفر الالوان من السھر۔ علی وجوھھم غبرۃ الخاشعین اولئک اخوانی الذاھبون فحق لنا ان نظمأ الیھم و نعض الایدی علی فراقھم ان الشیطان یسنی لکم طرقہ ویرید ان یحل دینکم عقدۃ عقدۃ ویعطیکم بالجماعۃ الفرقۃ فاصدفوا عن نزعاتہ ونفثاتہ واقبلوا النصیحۃ ممن اھداھا الیکم واعقلوھا علی انفسکم (نہج البلاغہ مصری جلد اول ص۲۳۵)

ترجمہ۔ کہاں ہیں وہ لوگ جن کو اسلام کی دعوت دی گئی تو فوراً انہوں نے
اس کو قبول کیا اور قرآنِ مجید کو پڑھا اور اسے اچھی طرح ضبط کیا۔ انہیں
جب جہاد و قتال کی طرف آمادہ اور برانگیختہ کیا گیا۔ تو اس محبت سے
اس کی طرف نکلے جیسے شیر دار اونٹنیاں اپنی اولاد کی طرف دوڑتی ہیں
اور انہوں نے تلواروں سے ان کی میانوں کو کھینچ لیا اور زمین کے
اطراف و کناف کو تھوڑا تھوڑا کر کے قبضہ میں لیتے گئے اور دشمنوں
کے سامنے صف بستہ رہے۔ بعض راہی ملک بقا ہو گئے اور
بعض نے نجات پائی۔ نہ ان کو زندہ لوگوں کی طرف سے بشارت
دی جاتی ہے۔ اور نہ فوت ہو جانے والوں کی طرف سے تعزیت کی
جاتی ہے۔ خوف خدا سے رو رو کر آنکھوں کو خراب کر دینے والے
ہیں۔ اور روزے رکھنے کی وجہ سے ان کے پیٹ پیٹھ سے لگے
ہوئے ہیں۔ بارگاہ خداوند تعالیٰ میں دعا و التجا کی وجہ سے ہونٹ
خشک ہیں۔ شب بیداری کی وجہ سے زرد رنگ، چہروں پر مجسمۂ خشوع و
خضوع لوگوں جیسی خاکستری رنگت، وہ عظیم شان والے میرے بھائی ہیں۔
جو اس دنیا سے کوچ کر کے جانے والے ہیں۔ ہم پر لازم ہے
کہ ہم ان کے دیدار کے پیاسے ہوں اور ان کے فراق پر
ہاتھ کاٹیں۔

بے شک شیطان تمہارے لیے اپنی طرف سے نئے راستے کھولتا
ہے۔ اور یہ چاہتا ہے۔ کہ تمہارے دین کی مضبوط گانٹھوں کو ایک
ایک کر کے کھول دے۔ اور تمہیں جماعت اور جمعیت کے بدلے
افتراق و انتشار دے۔ لہٰذا اس کے جذبات اور کشاکش اور
اس کے افسون اور منتر سے اپنے آپ کو دور رکھو۔ اور جو تمہیں
نصیحت کرے اس کی نصیحت کو قبول کرو۔ اور اسے پلے باندھو

اور اپنے عقول کا اس کو پابند بناؤ۔

ان کلمات صداقت نشان سے خلفاء راشدین اور مہاجرین وانصار کی عمومی اور خصوصی مدح سرائی ظاہر ہے ان کا فتوحات کرنا اور زمین کے اطراف واکناف کو اپنے قبضہ میں لینا سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں اور پھر خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے ادوار خلافت میں ہی پایا گیا۔ خود حضرت امیر کرم اللہ وجہہ کا دور خلافت تو باہمی اختلاف ونزاع کا شکار ہو گیا۔ لہٰذا وہ تو یہاں پر مراد ہو نہیں سکتا۔ اور پہلے ادوار میں جو فتوحات ہوئیں اور اسلام پھلا پھولا تو اس کا اعزاز اور کریڈٹ کس کو ملے گا وہ کسی چشم بینا سے مخفی نہیں۔ اور عبادت اور شب بیداریوں کے جو اثرات اور نشانات آپ نے بیان فرمائے ہیں۔ قرآن مجید اس کی تائید اس طرح فرماتا ہے۔

تراهم ركعا سجدا يبتغون فضلا من الله ورضوانا سيماهم فى وجوههم من اثر السجود۔

کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی کفار پر سخت ہیں۔ آپس میں رحیم وکریم ان کو دیکھو گے رکوع کرتے ہوئے سجدہ ریز ہوتے ہوئے درآنحالیکہ وہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رضامندی کے طلب گار ہیں۔ اور ان کے چہروں میں سجدہ ریزیوں کی وجہ سے نشانات اور علامات ہیں۔

اگرچہ حضرت امیر کے بیان کردہ علامات بالعموم سب صحابہ کرام میں موجود ہیں لیکن ان آیات مقدسہ نے ان میں سے اہل حدیبیہ کے امتیازی مقام کو ظاہر کر دیا لہٰذا ان کے حق میں بھی حضرت امیر اور ثقل اکبر قرآن مجید کا بیان باہم متوافق ہو گیا۔ اور لن یتفرقا کی غیبی خبر کی حرف بحرف تصدیق ہو گئی۔

۵۔ ابن خیارکم وصلحاءکم وسمحاؤکم وابن المتورعون فی مکاسبھم والمتنزھون فی مذاھبھم الیس قد ظعنوا جمیعاً عن ھذہ الدنیا الدنیه والعاجلة المتغصة ولا خلفتم الافی

نثالة لا تلتقی بذمهم الشفتان استصغاراً لقدرهم
وذهاباً عن ذکرهم فانا للّٰہ وانا الیہ راجعون
(نہج البلاغہ مصری صفحہ ۳۰۲)

کہاں ہیں تمہارے بہترین اور صلحاء اور مردانِ حر اور اصحاب جود و سخا
کہاں ہیں جو مکاسب اور ذرائع آمدنی میں تقویٰ اور احتیاط سے کام
لینے والے تھے اور مذاہب اور مسالک میں تنزہ اور ورع سے کام
لینے والے اور تم باقی نہیں رہ گئے مگر گیا وہ بھی اس گھٹیا دنیا سے کوچ نہیں کر گئے تھے مگر
ردی اور بے مقدار لوگوں میں جن کی قدر و منزلت اس سے بھی
کم ہے۔ کہ ان کی مذمت کی جائے یا زبان پر ان کا نام لایا جائے۔
انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔

وہ خیار و صلحاء کون ہیں۔ اور مردانِ حر اور اصحاب جود و سخا اور مجسمہ ہائے
تقویٰ اور تورع کون ہیں؟ ظاہر ہے جن کی سیرت اور روش و کردار سے حضرت علیؓ
کو بھی عدول کا چارہ نہیں تھا۔ اور آپ کے لشکری بھی اس کی اجازت نہیں دیتے تھے
کہ ان کی سنت صالحہ اور سیرت مرضیہ سے عدول کیا جائے ان کے علاوہ ان صفاتِ کاملہ
کے مصداق اور اخلاقِ عالیہ کے موصوف کون ہو سکتے ہیں۔ تمام شیعہ اسلاف و اخلاف
کو تسلیم ہے۔ کہ حضرت امیر قدس سرہ اپنے دورِ خلافت میں بھی سیرت شیخین پر عمل پیرا
رہے۔

۶۔ قد مضت اصول نحن فروعها فما بقاء الفروع بعد
ذهاب اصولها۔ (نہج البلاغہ مصری جلد اول ۳۲۴)

تحقیق ہمارے اصول گزر چکے جن کے ہم فروع ہیں اور اصول کے
چلے جانے کے بعد فروع کے لیے بقاء کی صورت کیا ہو سکتی ہے
انصار کی خدمات کو سراہتے ہوئے فرمایا۔
هم واللّٰہ ربوا الاسلام کما یربی الفلو مع غنائهم

بایدیھم السباط و السنتھم السلاط (نہج البلاغہ مصری جلد ثانی ص۲۱۵)

بخدا انہوں نے اسلام کی اس طرح تربیت کی اور اسے قوی و توانا اور مضبوط و مستحکم بنایا جیسے کہ بچھیرے کا مالک اس کی تربیت کر کے اس کو عظیم گھوڑا بنا دیتا ہے۔

اور اسلام کی تائید و تقویت ان کے سخاوت پیشہ ہاتھوں، بے ساختہ ہوئی اور اعداء اسلام پر سخت زبانوں کے ساتھ۔ اس کلام بلاغت نظام میں وجود اسلام کو گویا انصار کے انصار بننے سے قبل تسلیم کیا گیا ہے لیکن اس کی توانائی اور رعنائی اور اس میں رغبت اور میلان کا موجب انصار کو تسلیم کیا گیا۔ اور اس کو لوگوں کے لیے نفع بخش وجود کے طور پر پیش کرنے کا سہرا انصار کے سر باندھا گیا ہے۔ جس طرح بچھیرا کار آمد اور نفع بخش اسی وقت بنتا ہے۔ جب اس کی تربیت کر کے اسے قوی و توانا اور مضبوط و مستحکم بنا دیا جائے۔ قرآن مجید کا انہیں انصار فرمانا بھی اسی حکمت کے پیش نظر ہے۔ جو حضرت امیر کرم اللہ وجہہ نے بیان فرمائی۔ تو دونوں ثقل ان کی خدمات کے معترف دکھائی دیتے۔ اور وہ انصار متفقہ طور پر حضرات شیخین کے خادم اور جانثار سپاہی تھے

(۸) مہاجرین و انصار کے فیصلوں اور ان کے اجماع و اتفاق کی اہمیت حضرت امیر المؤمنین کے نزدیک کیا ہے۔ اسکا اندازہ آپ کے اس کلام حقیقت ترجمان سے کریں۔

انما الشوریٰ للمھاجرین والانصار فان اجتمعوا علی رجل و سموہ اماما کان ذلک للہ رضی فان خرج عن امرھم خارج بطعن او بدعۃ ردوہ الی ماخرج منہ فان ابی قاتلوہ علی اتباعہ غیر سبیل المؤمنین وولاہ اللہ ماتولی (نہج البلاغہ مصری جلد ثانی ص۸)

مشاورت کا حق فقط مہاجرین و انصار کے لیے ہے۔ اگر وہ کسی شخص پر اجتماع و اتفاق کر لیں۔ اور اس کو امام نامزد کریں تو وہی اللہ تعالیٰ

کے ہاں پسندیدہ ہوگا۔ اور ان کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کی رضا کا مظہر ہو گا۔ اگر کوئی شخص ان کے فیصلہ اور اجماع سے خروج کا ارتکاب کرتا ہے۔ اس پر طعن و تشنیع کی وجہ سے یا بدعت کی وجہ سے تو اس کو مجمع علیہ امر اور متفق علیہ امر کی طرف لوٹائیں پس اگر وہ اباء اور انکار کرے تو مؤمنین کی راہ چھوڑ کر علیحدہ راستہ اختیار کرنے پر اس کے ساتھ جنگ کرو۔ اور اللہ تعالیٰ اسے ادھر ہی پھیرے جدھر وہ خود پھرا ہے۔

دیکھئے کس صراحت اور وضاحت کے ساتھ آپ نے مہاجرین و انصار کے فیصلوں کو حق کا مظہر قرار دیا ہے۔ اور ان سے اختلاف کو گمراہی کا راستہ اور اس میں بھی ثقلین کا اتفاق واضح ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

"ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین له الهدی ویتبع غیر سبیل المؤمنین نوله ما تولی ونصله جهنم وساءت مصیرا۔

جو شخص رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرے بعد اس کے کہ اس پر راہِ ہدایت واضح ہو چکا۔ اور مؤمنین کا راستہ چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کرے ہم اس کو ادھر ہی پھیریں گے جدھر وہ خود پھرا۔ اور اس کو جہنم میں داخل کریں گے۔ اور وہ بہت برا ٹھکانا اور مقام بازگشت ہے۔

ان دونوں ارشادات کو سامنے رکھ کر دیکھو کہ قرآن میں مذکور مؤمنین جن کا راستہ راہ حق ہے۔ اور موجب نجات ان کا مصداق حضرت امیر کرم اللہ وجہ کے نزدیک مہاجرین و انصار ہیں۔ اور ان کے متفقہ فیصلہ کو اللہ تعالیٰ کے فیصلہ اور اس کے قضاء و قدر اور اس کی مرضی اور پسند کا درجہ حاصل ہے۔ ان کے مخالف کے خلاف تلوار اٹھانا لازم اور اس کو دوزخی سمجھنا ضروری اس کے بعد بھی ان ہستیوں کی عظمت شان اور ان کے مقتدا و پیشوا حضرات کی عظمت شان میں چوں و چرا کی

کوئی گنجائش ہے اور ایسے ارشادات کو متواترات کا خلاف قرار دینے کا کوئی امکان ہے جب کہ دونوں ثقل قرآن اور اہل بیت میں اس اعتراف واقرار پر اتحاد واتفاق ہے مزید بحث تمحیص اس کی بحث امامت میں ذکر کی جائے گی یہاں صرف اس قدر عرض کرنا ہے۔ کہ سابقہ عبارات میں بالعموم جن حضرات کے اوصاف وکمالات بیان کئے گئے ہیں۔ ان کو اس عبارت اور اس آیت کے پس منظر میں دیکھو تو یہ یقین کئے بغیر چارہ کار نہیں رہتا کہ ان سب کا مصداقِ اولی اور موصوف اصلی یہی مہاجرین و انصار ہیں۔ جن کی مخالفت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت قرار دی گئی ہے۔ جو مخالفتِ رسول کا حکم اس آیۂ کریمہ میں ہے۔ وہی ان کی مخالفت کا حکم ہے۔ اور ان کی موافقت کو راہِ حق پر گامزنی اور منزلِ مقصود تک رہنمائی قرار دیا گیا ہے۔ اور یہی وہ اصول ہیں۔ جن کی فرع ہونے کی تصریح حضرت امیر نے فرمائی ہے۔ اور یہی وہ لوگ ہیں جن کے فراق میں کف دست کاٹنے اور ہر وقت ان کے شوق لقاء و دیدار کا پیاسا اور شائق رہنے کی تلقین آپ نے فرمائی ہے۔

اسی مضمون کو دوسرے الفاظ میں بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

۹۔ لعمری لئن کانت الامامة لا تنعقد حتی تحضرها عامة الناس فما الی ذلك سبیل ولكن اهلها یحكمون علی من غاب عنها ثم لیس للشاهد ان یرجع ولا للغائب ان یختار۔

(نہج البلاغہ جلد اول صفحہ ۳۹۷)

مجھے اپنی حیات وزیست کی قسم اگر امامت اس وقت تک منعقد نہ ہو۔ سکے جب تک عام لوگ اس میں حاضر اور شامل نہ ہوں۔ تو پھر اس کے انعقاد کی سرے سے کوئی صورت ہی نہیں ہے۔ بلکہ جو اہل ولایت اور ارباب حل وعقد ہیں وہ غائبین پر حاکم ہیں۔ ان کے حکم اور فیصلہ کے بعد نہ حاضر اور موقعہ پر موجود شخص کو رجوع کا حق حاصل ہو سکتا ہے

اور نہ غائب کے لیے اختیار۔

اس بیانِ حق نشان میں حلف اور قسم اٹھا کر آپ نے واضح کر دیا کہ امامت کا انعقاد اہلِ ولایت اور اربابِ حل و عقد کے ہاتھوں میں ہے۔ اور پچھلی عبارت کی رو سے وہ مہاجرین و انصار ہیں۔ تو واضح ہو گیا۔ کہ حضرت امیر کی نگاہِ ولایت میں ان کا مرتبہ اور مقامِ اسلام میں کیا ہے۔ اور ان کے فیصلوں کی اہمیت کیا ہے اور یہ کہ نظامِ حکومت اور خلافت و امامت کا مستحق وہی ہے جس کے حق میں ان کا فیصلہ صادر ہو۔ اس کے بعد بھی ان کے اخلاص اور تقویٰ و تورع اور بے نفسی، اور للٰہیت میں کلام کی گنجائش ہو سکتی ہے۔

(۱۰) جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ سے اہل فارس کے خلاف جنگ میں بہ نفسِ نفیس حصّہ لینے کے متعلق مشورہ طلب کیا تو آپ نے فرمایا۔

ھو دین اللہ الذی اظھرہ وجندہ الذی اعدہ وامدہ حتی یلغ ما بلغ و طلع حیثما طلع ونحن علی موعود من اللہ واللہ منجز وعدہ وناصر جندہ (نہج البلاغہ مصری جلد اول صفحہ ۳۲۵)

اور وہ اللہ تعالیٰ کا دین ہے جسے اس نے غالب فرمایا۔ اور اس کا لشکر جس کو اس نے غلبۂ اسلام اور قہرِ اعداء کے لیے تیار فرمایا۔ اور اس کی مدد و معاونت فرمائی۔ یہاں تک کہ وہ پہنچا جہاں پہنچا اور طلوع ہوا جہاں کہ طلوع ہوا اور ہم اللہ تعالیٰ کی طرف سے فتح و نصرت کا وعدہ دیئے گئے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کو پورا کرنے والا ہے۔ اور اپنے لشکر کی نصرت فرمانے والا ہے۔

اس ارشاد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لشکر کو اللہ تعالیٰ کا لشکر قرار دیا اور اللہ تعالیٰ کا اس لشکر کے لیے ناصر و مددگار ہونا واضح ہے۔ اور یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ اللہ تعالیٰ کا لشکر ایمان و اخلاص کا پیکر ہوگا اور جب لشکر کا حال یہ ہوا تو ان کے امیر کا ایمان و اخلاص بھی اظہر من الشمس ہو گیا جس کے وہ تابع۔

فرمان اور مطیع و فرمانبردار ہیں۔ الحمد للہ فتلك عشرة كاملة۔

بقیہ مباحث اس عبارت سے متعلق بعد میں ذکر کئے جائیں گے۔

تنبیہ: ان عمومی ارشادات کے بعد ہم خاص اشخاص اور اہم ہستیوں کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نظریات بیان کرتے ہیں۔ لیکن ابھی صرف نہج البلاغت سے کیونکہ شیعہ برادری کی یہ سب سے اہم کتاب ہے۔ اور سب سے اصح بلکہ قرآن ثانی اسی لیے علامہ ڈھکو صاحب نے حضرت شیخ الاسلام کے پیش کردہ حوالہ جات کے تحت دوسری ہر کتاب پر تبصرہ کیا۔ لیکن نہج البلاغہ کے متعلق مکمل سکوت اختیار کیا۔ اگر اطمینانِ قلب مقصود ہو تو رسالہ کا ص ۹۶ تا ص ۹۷ ملاحظہ فرمائیں جہاں یہ عنوان قائم کر کے ہر کتاب کے متعلق یا اس کی روایات کے متعلق بحث کی ہے "فصل دوم فضائل ثلاثہ کے سلسلہ میں کتب شیعہ سے پیش کردہ روایات کے تحقیقی جوابات" مگر نہج البلاغہ اور اس کی پیش کردہ روایات کے متعلق جناب کو صرف وہی رٹ نظر آئے گی۔ جو اجمالی اور مبہم انداز میں جواب دیتے ہوئے کہی ہے کہ متواترات کے خلاف جو بھی روایت ہوگی وہ ساقط عن الاعتبار ہوگی اور اس ضابطہ کی حقیقت ہم پہلے واضح کر چکے ہیں۔

مذہب شیعہ ـــــ از حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز

شیخین کی فضیلت اور تقیہ کا رد

چوتھی روایت للہ بلاد فلان فلقد قوم الاود وداوی العمد اقام السنة وخلف الفتنة وذهب نقی الثوب قليل العيب اصاب خيرها وسبق شرها ادی الی اللہ سبحانہ طاعته

وانقاه بحقه رحل وترکھم فی طرق متشعبۃ لا یھتدی فیھا الضال ولا یستیقن فیھا المھتدی۔

(کتاب نہج البلاغہ)

یعنی اللہ تعالیٰ ہی جزائے خیر عطا کرے فلانے کو جس نے کج روی کو قطعی طور پر درست کیا اور جہالت کی مرض کی دوا کی جس نے سنت کو قائم کیا اور فتنہ کو پیچھے دھکیلا دینا سے پاک دامن ہو کر اور بے عیب ہو کر گیا بھلائی اور خیر کو حاصل کیا۔ اور فتنہ و شر سے پہلے چلا گیا۔ اللہ تعالیٰ کا خوف اور اس کی عبادت کما حقہ کی۔ وہ رخصت ہو گیا۔ اور لوگوں کو اس طرح پریشان حالت میں چھوڑ گیا۔ کہ گمراہ ہدایت نہیں پا سکتا اور ہدایت یافتہ یقین نہیں کر سکتا۔

حضرت امام الائمہ سیدنا علی مرتضیٰ رض کے اس خطبہ کی شرح میں صاحب بحجۃ الحدائق اور ابن ابی الحدید اور منہاج البراعہ لاہیجی اور ابن ہیثم تصریح کرتے ہیں کہ فلاں سے مراد عمر رض ہیں۔ البتہ ابن ہیثم ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے متعلق بھی کہتے ہیں۔ الدرۃ النجفیہ میں ہے۔ کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مراد ہیں۔ نہج البلاغہ کی یہ شرح متعصب اور غالی اہل تشیع کی ہیں۔ یہ ضرور ہے کہ صاحب بحجۃ الحدائق اس خطبہ کی شرح کے آخر میں کہتے ہیں۔ شیرِ خدا نے بطورِ تقیہ امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس قدر تعریف فرمائی ہے۔

بہرحال ہم نے مولا علی کرم اللہ وجہہ کا کلام پاک اور ان کا ارشادِ گرامی پیش کرنا ہے۔ ان کے مافی الضمیر کے متعلق خدا جانے اور وہ جانیں شاید امامِ عالی مقام علم الصدق والصفا شہید کربلا رضی اللہ عنہ کو تقیہ کرنے کا مسئلہ معلوم نہ ہو گا۔ ورنہ جب گھر میں تقیہ ضروری تھا۔ تو غربت اور سفر میں علی الخصوص جب کہ عترت معصومین ان کے ساتھ تھے۔ تو وہ بھی تقیہ کرتے اور خانوادۂ نبوت کو شہید نہ کراتے اور با من و امان مدینہ طیبہ تشریف لے جاتے اہل تشیع کو باطنی اور صدری علوم زندہ جاوید ہستیوں

کا ماتم منانے اور مقتدایانِ امت کے حق میں سب و شتم بکنے سے حاصل ہو گئے۔ بھائی یہ تو اپنی اپنی قسمت ہے۔ اگر باب مدینۃ العلوم کا نظریہ اور ان کا مذہب و عقیدہ ان کی رازداری کا شرف اور ان کے باطنی علوم نہ معلوم ہوں تو مظلومِ کربلا کو اور ان کے افکار و اسرار و مافی الضمیر کا علم حاصل ہو گیا تو شیعہ کو مگر۔

سر داد نہ داد دست در دستِ یزید
حقا کہ بنائے لا الہ است حسین

تقیہ نہ کرنے والے پر جو بے پناہ فتوی اور ان کی تکفیر اہل تشیع کی ام الکتب یعنی کافی کلینی میں موجود ہے۔ کہ ان کا مستقل باب باندھا ہے جس کو دیکھ کر الامان و الحفیظ بے ساختہ منہ سے نکل جاتا ہے۔ اور اہل تشیع کے صدق و صفا اور ان کی صاف باطنی کی داد دینا ضروری ہو جاتا ہے۔ جس کا نمونہ عرض کر چکا ہوں حضرت امام حسین حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہما کے فرزند۔ ان کے شاگرد۔ ان کے خلیفہ، ان کے فیض یافتہ اور شیعہ ان تمام نعمتوں سے محروم تو پھر یہ نعمت عظمیٰ ان کو نصیب ہو گئی۔ اور باطنی علوم سے صرف اور صرف یہی فیض حاصل کر سکے۔ اور امام معاذ اللہ محروم رہ گئے۔ تلک اذا قسمۃ ضیزی بہرحال ہم ظاہریوں کو مدعیانِ محبت و تولی کی انتہائی معتبر کتابوں میں آئمہ طاہرین معصومین کی سند سے جو روایات پہنچی ہیں۔ ہم تو انہیں پر اکتفاء کرتے ہوئے گزارش کرنے کے اہل ہیں۔ اور امام عالی مقام شہید کربلا رضی اللہ عنہ کے ظاہری طرز عمل اور ان کی ظاہری تعلیم کو اہل بیت کے صدق و صفا کا علم سمجھتے ہیں۔ اور اسی پر قناعت کر سکتے ہیں۔ میدان کربلا کا ذرہ ذرہ ہمیں جس صاف باطنی اور غیر خدا کے خوف سے بے دھڑک ہو کر صدق بیانی اور صاف گوئی کی طرف بلاتا رہے گا۔ ہم تو بھائی اسی کو شیر خدا کا نظریہ یقین کرتے رہیں گے اور جب تک روضۂ اطہر کو میدانِ کربلا میں دیکھتے رہیں گے ہماری آنکھیں تو کسی دوسرے صدری علم کو دیکھ نہیں سکتیں اپنی اپنی استعداد ہے۔

رسالہ مذہب شیعہ ص ۲۶ تا ص ۲۹

تحفہ حسینیہ :

نوٹ نہج البلاغۃ کی اس عبارت اور پہلی دو عبارات کے متعلق ڈھکو صاحب نے مکمل سکوت اور خاموشی سے کام لیا ہے۔ اس کا پورا رسالہ چھان مارو۔ کہیں ایک حرف بھی ان کے متعلق آپ کو نظر نہیں آئے گا۔ جس سے ان کا اعتراف عجز ظاہر و باہر ہے۔ اور حق کا غلبہ عیاں اور مستغنی از بیان علاوہ ازیں نہج البلاغۃ کی اس روایت کے متعلق چند امور قابلِ غور اور خصوصی توجہ کے لائق ہیں۔

اول : جب فضیلت خلفاء رضی اللہ عنہم کا بیان حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے ہو۔ تو اس کو چھپانے کی اور حقیقتِ حال سے لوگوں کو بے خبر رکھنے کی کس طرح مذموم اور ناپاک کوشش کی جاتی ہے۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ ان لوگوں کو حضرت ابو الائمہ معدن ولایت رضی اللہ عنہ کے نظریہ کو عام اہل اسلام تک پہنچانے میں قطعاً کوئی دلچسپی نہیں۔ بلکہ تحریف جیسے گھناؤنے عمل کو بھی اپنا کر غلط فہمی پیدا کرنے اور مغالطے دینے کی مقدور بھر سعی سے گریز نہیں کرتے کیونکہ یقیناً حضرت امیر کرم اللہ وجہہ نے حضرت ابو بکر یا حضرت عمر کا نام ذکر فرمایا۔ مگر وہ نذرِ تحریف ہو گیا۔ اور اس جگہ فلاں کا مبہم لفظ ذکر کر دیا گیا تاکہ حقیقتِ حال معلوم نہ ہو سکے۔

دوم : اس عبارت حق ترجمان اور صداقت نشان کا مصداق حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہوں یا حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ بہر حال حضرت امیر کا ان کی مدح سرائی فرمانا اور ان کی عظمت شان کو اجاگر کرنا اس سے صاف ظاہر ہے۔ اور اہلِ سنت کے نظریہ کی موافقت حضرت مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ اس سے بالکل واضح ہے۔ اور بجا طور پر کہا جا سکتا ہے۔ کہ نظریاتِ امیر کے امین صرف اور صرف اہل سنت ہیں نہ کہ روافض

سوم اس عبارت نے تشیع اور رفض کے بنے ہوئے منافرتوں اور عداوتوں۔

کے مصنوعی جال کو تار تار کر کے رکھ دیا اور اس مزخرف محل کو بیخ و بن سے اکھیڑ کر رکھ دیا ہے اور باہمی محبت والفت اور قدر دانی اور حق شناسی کا غیر فانی رشتہ اور ابدی تعلق واضح کر دیا جو ہمارے مذہب کی روح ہے۔

نہج البلاغہ کی عبارت اور اہل تشیع کا اضطراب

علامہ ابن میثم بحرانی نے مذہب رفض کا قلعہ منہدم ہوتا دیکھا تو اس کے تحفظ کے لیے لنگوٹ باندھ کر اور کمر کس کر میدان نقد و نظر میں اترے۔ پہلے ان کا جواب ملاحظہ فرمائیں اور پھر ہمارا تبصرہ۔

اعلم ان الشیعة قد اوردوا ههنا سوالا فقالوا ان هذه الممادح التی ذکرها علیه السلام فی حق احد الرجلین تنافی ما اجمعنا علیه من تخطئتهم واخذهما المنصب الخلافة فاما ان لایکون هذا الکلام من کلامه علیه السلام او ان یکون اجماعنا خطأ۔

ثم اجابوا من وجهین احدهما لا نسلم الثنا فی المذکور فانه جاز ان یکون ذلك منه علیه السلام علی وجه استصلاح من یعتقد صحة خلافة الشیخین واستجلاب قلوبهم بمثل هذا الکلام. الثانی۔ان یکون مدحه ذلك لاحدهما فی معرض توبیخ عثمان بوقوع الفتنة فی خلافته واضطراب الامر علیه واستثاره ببیت مال المسلمین هو وبنوابیه حتی کان ذلك سببًا لثوران المسلمین من الامصار الیه وقتلهم له ونبه علی ذلك بقوله تخلف الفتنة وذهب نقی الثوب قلیل العیب اصاب

خیرھا و سبق شرھا۔ شرح ابن میثم البحرانی جلد چہارم ص ۹۸)

اس بات کو ذہن نشین رکھیں کہ شیعہ نے اس مقام پر ایک سوال وارد کیا ہے اور پھر اپنی طرف سے اس کے دو جواب دیئے ہیں سوال و جواب ملاحظہ ہوں۔

سوال: یہ کلمات مدح و ثنا اور خصال خیر جو حضرت امیر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ یا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حق میں ذکر کئے ہیں۔ اس نظریہ و عقیدہ کے خلاف ہیں۔ جس پر اہل تشیع کا اجماع ہے۔ یعنی اہل تشیع کا ان کو خطا کار قرار دینا اور ان پر غصب خلافت کا الزام عائد کرنا یا تو یہ کلام حضرت امیر رضی اللہ عنہ کا نہیں ہونا چاہیئے۔ اور یا پھر ہمارا اجماع خطا اور باطل ہونا چاہیئے۔

جواب:۔ اس کلام کی دو طرح توجیہ کی گئی ہے۔ اول یہ ہے کہ اجماع شیعہ اور کلامِ مذکور میں کوئی منافات نہیں ہے کیونکہ ہو سکتا ہے آپ کا یہ کلام صرف ان لوگوں کی اصلاح اور درستگی اور ہمنوائی اور موافقت حاصل کرنے کے لیے ہو جو شیخین کی خلافت کو درست اور برحق سمجھتے ہیں اور ایسے کلام کے ذریعے صرف ان کے دلوں کو اپنی طرف مائل کرنا مقصود ہو۔ دوم یہ کہ اس کلام کا بنیادی مقصد عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو سرزنش کرنا ہو کہ تمہارے دورِ خلافت میں فتنے وقوع پذیر ہو گئے۔ اور امر خلافت میں اضطراب اور بے سکونی اور تم نے اہلِ اسلام کے بیت المال کو اپنے اور اپنی جدی برادری کے لیے مخصوص ٹھہرا لیا۔ جس کی وجہ سے شہروں سے لوگ اٹھ کر مدینہ منورہ آ گئے۔ اور ان کو قتل کر دیا۔ اور اس توجیہ اور مقصد پر تنبیہ اس عبارت سے ہوئی ہے۔ جس میں اس ممدوح کو فتنہ سے سبقت لے جانے والا اور پاکیزہ صفات، بے عیب قرار دیا جس نے امامت و خلافت

کے خیر یعنی ثواب عدل وانصاف کو پالیا۔ اور اس کے شر یعنی جور وجفا

سے سبقت لے جانے والا قرار دیا۔

تبصرہ: اہل تشیع کے پہلے جواب کا حاصل وہی ہے۔ جس کو تقیہ کے جامع لفظ سے تعبیر کیا گیا۔ اور حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز نے اس پر بہت مؤثر انداز میں رد فرما کر اس کی لغویت کو واضح کر دیا۔ اور اس جواب کو ائمہ کرام کے مذہب کے خلاف ثابت کر دیا کیونکہ علماء شیعہ کا اس پر اصرار ہے۔ کہ ائمہ میں سے جو ایک کا مذہب ہو سب کا مذہب وہی ہوتا ہے چنانچہ ڈھکو صاحب نے اس کو بڑے شد و مد سے ثابت کرنے کی کوشش فرمائی ہے۔

ملاحظہ تنزیہ الامامیہ ص ۹۹ ص ۷۰

لیکن امام حسین رضی اللہ عنہ کا مذہب معلوم کرنے کے لیے کسی روایت کی ضرورت نہیں صرف کربلا میں قائم مقدس روضہ جات اور قبہائے مقدس کو ایک نظر دیکھ لینا کافی ہے۔ اور جب اس امام مظلوم کا مذہب ثابت ہو گیا تو سب کا مذہب معلوم ہو گیا۔

آئین جواں مرداں حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

علاوہ ازیں حضرت امیر المؤمنین کا ارشاد اور عمل بھی سراسر اس جواب کی تکذیب کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا۔

(۱) ولعمری ما علی من قتال من خالف الحق وخابط الغی من ادھان ولا ایھان (نہج البلاغہ جلد اول صفحہ ۴۳)

مجھے اپنے حیات و زیست کی قسم جو شخص بھی حق کی مخالفت کرے اور گمراہی و ضلالت کے اندر بھٹکنے والا ہو مجھ پر اس کے خلاف حرب و قتال اور جنگ و جدال میں کسی زمانہ سازی اور موافقت یا کمزوری اور بزدلی کی کوئی صورت ممکن نہیں ہے۔

ظاہر ہے کہ جب حرب و قتال سے گریز نہیں ہو سکتا۔ تو زبانی تعریفات اور توصیفات کر کے عوام اہلِ اسلام میں ان کی اصلی پوزیشن واضح کرنے کی بجائے غلط تاثر دینے کی کیا صورت ہو سکتی ہے۔ لہٰذا یہ جواب آپ کے اس ارشاد کے بھی خلاف ہے۔

(۲) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے آپ کو خلافت سنبھالتے وقت حالات کی نزاکت اور اضطراب اور بے چینی کی فضا میں مصلحت سے کام لینے اور وقتی طور پر رواداری اور موافقت کا اظہار کرنے کا مشورہ دیتے ہوئے کہا۔

ولہ شہرا واعزلہ دھراً فانہ بعدان یبایعک لایقدر علی ان یعدل فی امرتہ ولا بدان یجور فتعزلہ بذلک فقال کلا ما کنت متخذ المضلین عضداً۔ (شرح ابن میثم بحرانی جلد چہارم صفحہ ۳۹۱)

امیر معاویہ کو ایک مہینے کے لیے شام کا عامل اور والی بنا دو۔ پھر ہمیشہ کے لیے معزول کر دینا۔ کیونکہ وہ تمہاری بیعت کرنے کے بعد بھی عدل و انصاف کے تقاضے پورے نہیں کر سکیں گے اور لازماً جور و ظلم کو اپنائیں گے۔ لہٰذا اس عذر کے تحت معزول کر دینا۔ تو آپ نے فرمایا میں گمراہ کرنے والوں کو اپنا دست و بازو نہیں بنا سکتا۔ اور نہ غلط کار لوگوں کا تعاون حاصل کرتا ہوں۔

اور دوسری روایت میں ہے کہ ابن عباس نے مشورہ دیا کہ طلحہ کو بصرہ کا گورنر بنا دو اور زبیر کو کوفہ کا عامل بنا دو اور معاویہ کو گورنری پر بحال رکھو اور اس کو قرابت اور صلہ رحمی کا واسطہ دے کر تعاون حاصل کرو تا، اور فتنے کے سمندروں میں اپنے آپ کو داخل نہ کرو۔ تو اس کے جواب میں آپ نے فرمایا۔ معاذ اللہ ان افسد دینی بدنیا غیری اللہ کی پناہ کہ میں کسی کی دنیا کے لیے اپنے دین کو تباہ کروں۔ و لک یا ابن عباس ان تشیر علی واری وان عصیتک فاطعنی۔ آپ کو مشورہ کا حق ہے

اور مجھے اس میں غور و فکر کا اور اگر میں تمہارے مشوروں کے برخلاف کروں تو تم پر میری اطاعت لازم ہے۔ نہج البلاغہ مع ابن میثم جلد پنجم ص ۴۰۳
بلکہ خود امیر معاویہ کے اس مطالبہ کو ٹھکراتے ہوئے فرمایا۔

واما طلبك الى الشام فانى لم اكن لاعطيك اليوم ما منعتك بالامس. واما قولك ان الحرب قد اكلت العرب الاحشاشات انفس بقيت الا ومن اكله الحق فالى الجنة ومن اكله الباطل فالى النار۔

(نہج البلاغہ مع ابن میثم جلد رابع صفحہ ۳۸۸)

رہا تیرا شام کی ولایت اور امارت کا مطالبہ کرنا تو میں آج وہ چیز تجھے عطا کرنے والا نہیں ہوں۔ جو کل میں نے تجھ سے روک رکھی تھی۔ رہا تیرا یہ عذر (مصالحت کی اہمیت اور اس کو قبول کرنے کی ضرورت کو بیان کرتے ہوئے) کہ ہماری باہمی جنگ عربوں کو نگل چکی ہے۔ مگر چند نفوس بچ گئے ہیں جو کٹ جانے والوں کے مقابل غیر اہم ہیں۔ تو اچھی طرح سن لے جس کو حق اپنا لقمہ بنا لے تو وہ جنت کی طرف جانے والا ہے اور جسے باطل اپنا لقمہ بنا لے تو وہ دوزخ کا ایندھن ہے۔ (لہٰذا حق پر کٹ مرنے والے سبھی مر جائیں تو قابلِ برداشت ہے۔ لیکن مداہنت اور زمانہ سازی ناقابلِ برداشت ہے۔

ابن میثم نے اسی عبارت کی تشریح میں کہا۔ اگرچہ دنیاوی مصلحت اور کاروبار خلافت کی ظاہری اصلاح اور استحکام کا تقاضا تو یہی تھا۔ لیکن آپ دین کے چھوٹے سے معاملہ میں بھی تساہل اور مداہنت سے کام لینے والے نہیں تھے۔ لہٰذا اس رائے کو مسترد کر دیا اور ہر قسم کی صورتِ حال سے نمٹنے کے لیے تیار ہو گئے۔

قد كان الرأى الدنياوى الخالص فى حفظ الملك لكنه م يكن ليتساهل فى شى من امر الدين اصلاوان قل. (شرح ابن میثم بحرانی صفحہ ۹۱ ج ۴)

تعجب کا مقام ہے۔ جو ہستی ایک مدینہ کے لیے اتنی عظیم خلافتی مصلحتوں کے حصول اور خونریزیوں اور جنگوں سے بچ سکنے کے واضح امکانات کے باوجود ایسی لچک روا نہیں رکھ سکتے تھے۔ اور زندہ امراء کے متعلقین کو اپنے ساتھ ملانے کی ایسی کوشش کرنے کے روادار نہیں تھے۔ وہ فوت شدہ امراء و خلفاء کے معتقدین کے ساتھ ملائے رکھنے کی خاطر ضمیر کے خلاف اقدام کو کیونکر گوارا کر سکتے تھے۔ لہذا یہ جواب نہ آپ کے ارشادات کے مطابق ہے۔ اور نہ ہی آپ کے طرزِ عمل کے۔ اور نہ ہی آپ کی تعلیم کے مطابق ہے۔ کیونکہ آپ فرماتے ہیں۔

لا یترك الناس شیئاً من امر دینهم لاستصلاح دنیاهم الا فتح الله علیهم ما هو اضر منه۔

جب لوگ امر دین میں سے کسی چیز کو اپنی دنیا کی اصلاح کے لیے ترک کرتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ ان پر اس سے زیادہ مضر چیز کا دروازہ کھول دیتا ہے۔

نہج مع شرح ابن میثم جلد پنجم ص ۲۹۵

بلکہ اصلاح عوام کا جو نسخہ کیمیا آپ نے تجویز فرمایا وہ یہ ہے

من اصلح ما بینه وبین الله اصلح الله ما بینه وبین الناس ومن اصلح امر آخرته اصلح الله امر دنیاه۔ صفحہ ۲۸۵

جس نے اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیانی تعلق کو درست کر لیا۔ تو اللہ تعالیٰ اس کے اور لوگوں کے درمیانی تعلق کو درست فرما دیتا ہے اور جس نے اپنی آخرت کی اصلاح کر لی۔ تو اللہ تعالیٰ اس کی دنیا کو اس کے لیے درست کر دیتا ہے۔

اور یہی مضمون ص ۲۲۷ پر بھی موجود ہے تو جو ہستی لوگوں کو یہ تعلیم دے اور مخلوق کے بجائے اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق درست کرنے کا حکم دے وہ خود ہی اس کا خلاف کیسے کر سکتی ہے۔

رہ گیا دوسرا احتمال کہ اس کلامِ صداقت نشان میں آپ نے اپنے حقیقی نظریہ کو نہیں بیان کیا۔ بلکہ صرف خلیفہ ثالث کے لیے توبیخ و سرزنش ہے۔ لیکن ہر عقلمند یہ جانتا ہے۔ اور کسی ادنیٰ طالب علم سے تو یہ حقیقت بالکل مخفی نہیں۔ کہ خلافِ اصل کے لیے قرینہ کا پایا جانا ضروری ہوتا ہے۔ اگر قرینہ نہ ہو تو پھر متبادر اور حقیقی معنی ہی مراد ہوگا اور بلا قرینہ صارفہ خلافِ حقیقت کا ارادہ کلام کو بلاغت و فصاحت تو در کنار عامیانہ سطح سے بھی گرا دے گا۔ بلکہ مہمل کلام بنا دے گا۔ مثلاً کوئی شخص رأیت اسداً کا ترجمہ کرے میں نے بہادر آدمی دیکھا تو اس کا بیان کردہ یہ معنی اگر درست تسلیم کیا جائے تو عبارت غیر معیاری اور عامیانہ بن جائے گی۔ ہاں جب رأیت اسداً فی الحمام یا یرمی کہا جائے تو پھر بے شک ترجمہ یہی متعین ہوگا۔ کہ میں نے بہادر شخص کو حمام میں دیکھا یا اسے تیر اندازی کرتے دیکھا۔ اور یہاں اس قسم کا قطعاً کوئی قرینہ نہیں ہے۔ بلکہ مثلہ بلا ذملان اپنے متبادر معنی کے تحت اس حقیقت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ہی اپنی قدرت کاملہ سے اس ممدوح کو صفات کمال اور اخلاقِ عالیہ سے نوازا ہے۔ اور یہ خوبیاں اور اعلیٰ اخلاقی قدریں کسی کے اپنے بس میں نہیں ہوا کرتیں گویا فرمایا۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست

تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

(۲) تعریض اور اشارات و کنایات کا استعمال وہاں ہوا کرتا ہے جہاں تصریح سے کوئی امر مانع ہو اور جب حضرت علی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے رو برو باہمی مکالمات ہوتے رہے۔ اور آپ نے لگی لپٹی رکھے بغیر دل کی بات ان کے سامنے کہی اور حضرت عثمان نے ان کو خلفاء سابقین سے مختلف رویہ ان کے ساتھ رکھنے پر بار ہا گلہ دیا تو پھر اس طرح کی تعریض وغیرہ کا کیا مطلب دونوں حضرات کے مکالمے ملاحظہ فرمائیں۔ اور اس حقیقت کا بچشمِ خود ملاحظہ کریں۔

(۱) حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا حضرت عثمان رضی اللہ کو نصیحت فرمانا۔

ان الناس ورائی وقد استسفرونی بینک وبینھم وواللہ مادری مااقول لک مااعرف شیئا تجھلہ ولاادلک علی شی لاتعرفہ. انک لتعلم مانعلم ما سبقناک الی شیئ فنخبرک عنہ ولاخلونا بشیئ فنبلغکہ وقد رأیت کما رأینا وقد سمعت کما سمعنا وصحبت رسول اللہ کما صحبنا وماابن ابی قحافہ ولاابن الخطاب اولی بعمل الحق منک وانت اقرب الی رسول اللہ وشیجۃ رحم منھما وقد نلت من صھرہ مالم ینالا.

فاللہ اللہ فی نفسک فانک واللہ ماتبصر من عمیً ولاتعلم من جھل وان الطرق لواضحۃ وان اعلام الدین لقائمۃ۔

(نہج البلاغہ مصری جلداول صفحہ ۳۷۳)

تحقیق لوگ میرے پیچھے ہیں۔ اور انہوں مجھے اپنے اور تمہارے درمیان سفیر بنایا ہے۔ اور بخدا میں نہیں جانتا کہ میں تمہیں کیا کہوں میں کوئی ایسی چیز نہیں جانتا جس سے تم بیخبر ہو۔ اور نہ میں کسی ایسی چیز پر تمہاری رہنمائی کرسکتا ہوں جو تمہیں معلوم نہیں۔ بے شک البتہ تم وہ جانتے ہو جو ہم جانتے ہیں ہم آپ سے کسی معاملہ میں سبقت نہیں لے گئے تاکہ اس اس کی خبر تمہیں دیں۔ اور نہ ہم نے خلوت میں بارگاہِ رسالت سے کوئی شئی حاصل کی۔ جو آپ تک پہنچائیں آپ نے دیکھا جس طرح کہ ہم نے دیکھا اور سنا جس طرح ہم نے سنا اور تمہیں رسولِ خدا، صلی اللہ علیہ وسلم کا شرفِ صحبت اس طرح حاصل ہے جیسے ہم نے شرف صحبت حاصل کیا۔

اور ابن ابی قحافہ (حضرت ابوبکر صدیق) اور ابن الخطاب (حضرت عمر)

تم سے زیادہ حق پر عمل پیرا ہونے کے حقدار نہیں خصوصاً جب کہ تم رحم والے رابطہ و تعلق میں ان کی نسبت رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم کے زیادہ قریب ہو اور تمہیں رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کی دامادی کا ایسا شرف حاصل ہے۔ جو ان دونوں کو حاصل نہ ہوا۔ لہٰذا اپنی ذات کے متعلق اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ بخدا تم نابینائی کے بعد بصیرت اور بینائی حاصل کرنے والے نہیں اور نہ جہل کے بعد علم حاصل کرنے والے اور بے شک راستے واضح ہیں اور دین کے اعلام قائم اور برقرار ہیں۔

فانی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول یوتی بالامام الجائر یوم القیامۃ ولیس معہ نصیر ولا عاذر فیلقی فی نار جہنم۔

یقین جانیئے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ امام جور پیشہ کو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں لایا جائے گا۔ درانحالیکہ اس کے لیے نہ کوئی معاون و مددگار ہوگا۔ اور نہ کوئی اس کی طرف سے عذر کرنے والا پس اسے جہنم کی آگ میں ڈال دیا جائے گا۔

اس سارے خطبہ کا مطالعہ کر کے اندازہ لگائیں۔ کہ ایسی حق گو اور صاف گو ہستی کو اس قسم کی تعریض وغیرہ کا سہارا لینے کی کیا ضرورت تھی۔ لہٰذا یہ توجیہ جو سابقہ خطبہ کی۔ اہل تشیع نے کی ہے وہ توجیہ الکلام بما لا یرضی بہ القائل کے قبیلے سے ہے۔

فوائد: اس خطبہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نظریہ بھی واضح ہو جاتا ہے۔ کہ جملہ کمالات علمی عرفانی۔ اور شرف صحبت اور اخلاص میں ان کو اپنے مماثل قرار دیا۔ اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ خونی رشتہ میں شیخین کی نسبت قرب کا اثبات بھی ہے۔ اور آپ کے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے شرف دامادی کے ساتھ مشرف ہونے کا بھی اعتراف ہے اور اس خطبہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے حق پر عمل پیرا ہونے کی صراحت بھی ہے۔ اس لیے دامادی اور خونی رشتہ

میں منسلک ہونے کا لازمی تقاضا بیان کر کے ترغیب دی کہ تمہیں بھی ان سے بڑھ کر نہیں تو کم از کم ان کے برابر عمل حق اور عدالت و انصاف کا مظاہرہ کرنا چاہیئے۔

البتہ قوم نے آپ کو جن مطالبات میں سفیر بنا کر حضرت عثمان کے پاس بھیجا تھا۔ ان کی ترجمانی کا حق ادا کرتے ہوئے آپ نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حق ادا کیا۔ اور امام کا منصب اور اس کے جور پر جزاء سزا کو واشگاف الفاظ میں بیان کیا۔ جس سے واضح ہوتا ہے۔ کہ عثمانی حکومت کے دور میں اللہ تعالیٰ کا یہ شیر ڈرنے والا اور مداہنت اور زمانہ سازی سے کام لینے والا نہیں تھا۔ تو اپنی خلافت کے دوران اس قسم کی زمانہ سازی اور موافقتِ ظاہرہ کی توقع آپ سے کیونکر کی جا سکتی ہے۔

(نوٹ: یہ سب کچھ خطبہ کے الفاظ کا جو مفاد و مدلول تھا وہ بیان کیا ہے۔ ورنہ ہم تو قطعاً اس کے قائل نہیں۔ کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جور و اعتساف سے کام لیا۔ اور جادۂ استقامت سے ہٹے۔ یہ صرف سبائی سازش تھی۔ اور معمولی معاملات کو ہوا دے کر اسلام کے خلاف بدترین سازش کا اہتمام کیا جا رہا تھا۔ اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو غلط سلط باتیں کر کے اپنا سفیر بنانے کا فلسفہ یہی تھا۔ کہ آئندہ بنو ہاشم اور بنو امیہ کے ٹکراؤ اور آویزش کے لیے فضا سازگار ہو جائے (جیسے کہ ابن سبا کی سازش مفصل طور پر بعد میں بیان کی جائے گی) اور ان کی یہ سازش اور گہری چال کافی حد تک مؤثر رہی اور وہ اسلام دشمنی کے اس منصوبہ میں کافی پیش رفت کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے شیخین رضی اللہ عنہما کی طرح موافقت اور معاونت کا مطالبہ کرنا۔

فقال له نشدتك الله ان تفتح للفرقة باباً فلعهدي بك انت تطيع عتيقاً وابن الخطاب طاعتك لرسول الله ولست بدون واحد منهما وانا امس بك رحما

واقرب الیک صهرًا (الی) فلم اقصر عنهما فی دینی وحسبی وقرابتی فکن لی کما کنت لهما الخ
(ناسخ التواریخ جلد دوم۔ کتاب دوم صفحہ ۵۱۹)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اپنے پاس بلا کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا میں تمہیں اللہ تعالیٰ کے نام کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ افتراق و انتشار کا دروازہ نہ کھولیں۔ میں آپ کے اس دور کو اچھی طرح جانتا ہوں جب کہ آپ عتیق (حضرت ابوبکر) اور ابن الخطاب (حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما) کی اس طرح اطاعت کرتے تھے۔ جیسے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتے تھے۔ اور میں ان دونوں حضرات میں سے کسی سے بھی کمتر نہیں ہوں جب کہ میں تمہارے ساتھ رحم اور خونی رشتہ میں زیادہ قریب ہوں۔ اور دامادی کے لحاظ سے بھی زیادہ قریب ہوں (تا) پس میں ان سے نہ دین میں کم ہوں اور نہ حسب و قرابت میں لہٰذا میرے ساتھ بھی وہی تعلق و ارتباط اور موافقت و معاونت اختیار کرو۔ اور اس کا مظاہرہ کرو۔ جیسے کہ ان دونوں کے لیے کیا کرتے تھے۔

فوائد:۔ اس خطبہ کا مفصل تذکرہ حضرت شیخ الاسلام رضی اللہ عنہ کے رسالہ میں ہے۔ اور عنقریب اپنی جگہ اس کے جملہ مالہ و ماعلیہ کو بیان کیا جائے گا۔ یہاں قدرِ ضرورت پر اکتفاء کیا ہے تاکہ واضح ہو جائے کہ جس طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے روبرو دل کی بات کی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی اسی لب ولہجہ میں ان سے متوقع موافقت اور معاونت کا پرزور مطالبہ کیا۔ اور شیخین کے ساتھ آپ کے سلوک کے مطابق سلوک کا مطالبہ کیا۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ استحقاق کا اظہار کیا۔

علاوہ ازیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا شیخین کی اطاعت اور معاونت میں۔

وہی طریقہ اختیار کرنا جو سید الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اختیار کرتے تھے ان حضرات کی عظمت خداداد کی ناقابلِ تردید شہادت ہے۔ اور جبر واکراہ اور تشدد و تہدید وغیرہ افسانوی روایات کا بھی اس سے بالکلیہ رد ہو جاتا ہے۔ جیسے کہ عنقریب ذکر کیا جائے گا سردست یہ بتلانا تھا۔ کہ اس خطبہ میں اس قسم کی توجیہات اور تاویلات و تسویلات کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اور وہ بحمد اللہ واضح ہو گیا۔

(۲) فضیلت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی خصوصی شہادت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

وولیھم وال فاقام واستقام حتی وضع الدین بجرانہ

نہج البلاغہ جلد دوم ص ۲۱۷

اور ان کا متولی امور بنا ایسا والی جس نے لوگوں کو درست کیا خود بھی درست رہا حتیٰ کہ دین نے اپنے حلقوم کو زمین پر رکھ دیا۔ یعنی راحت محسوس کی اور سکھ کا سانس لیا۔

یہ ایک طویل خطبہ سے لیا گیا جملہ ہے۔ اور شرح ابن میثم میں ذرا تفصیل سے اس کو درج کیا گیا ہے جس سے واضح ہو جاتا ہے کہ یہاں والی سے مراد رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس نہیں جیسے کہ مصری نہج البلاغہ کے حاشیہ میں ظاہراً اسی کو قرار دیا گیا ہے۔ اور قیل کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ذاتِ اقدس مراد ہونے کا قول نقل کیا ہے۔ جب کہ ابن میثم بحرانی نے کہا۔

والمنقول ان الوالی عمر بن الخطاب یعنی از روئے نقل جو کچھ ثابت ہے وہ یہی ہے کہ اس سے مراد حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ہیں۔ اور دراصل خطاب میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما دونوں کے متعلق اپنا نظریہ اور تاثر بیان فرمایا ہے۔ جب خطبہ کا ایک حصہ مسلم ہے تو لامحالہ سارا خطبہ مسلم ہونا چاہیئے۔

قال فیھا فاختار المسلمون بعدہ بآرائھم رجلا منھم فقارب وسدد حسب استطاعته علی ضعف وجد کانا فیه

ثم ولیھم بعدہ وال فاقام واستقام حتی ضرب الدین بجرانہ علی عسف وعجز کا تانیہ۔

شرح ابن میثم جلد خامس ص ۳۴۹

پس مسلمین نے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال شریف کے بعد اپنی رائے سے اپنے میں سے ایک شخص کو منصب خلافت کے لیے چن لیا تو اس نے حق کے ساتھ مقاربت اور غایت درجہ پختگی اور مضبوطی کا مظاہرہ کیا اور اپنی استطاعت اور استعداد کو پوری طرح بروئے کار لے آیا۔ باوجودیکہ اس میں ضعف اور ناتوانی (جسمانی) موجود تھی اور سعی وکوشش پھر ان کے بعد ایک اور شخص والی بنا اس نے دین اور اہل دین کو درست کیا۔ اور خود بھی درست اور راہِ راست پر قائم رہا۔ حتیٰ کہ دین نے اس اونٹ کی طرح سکون محسوس کیا جو پیٹ بھر کر کھا پی لینے کے بعد اپنا حلقوم زمین پر رکھ کر سو جاتا ہے۔ باوجود تشدد کے اور ضبط کامل سے عجز کے جو اس میں تھا۔ یعنی ذاتی طور پر دونوں میں بشری تقاضوں کے تحت کچھ نہ کچھ جسمانی ضعف یا قوتِ برداشت کی کمی وغیرہ موجود تھے۔ لیکن قدرتِ خداوندی ان کی دستگیر تھی۔ اور توفیقِ الٰہی ان کے شامل حال کہ انہوں نے اسلام کو از سرِ نو استحکام بخشا اور سداد و پختگی اور حق پر استقامت کا بھرپور مظاہرہ کیا اور نہ صرف خود حق پر ثابت قدم رہے بلکہ دوسروں کو بھی اس پر جرأت کے ساتھ گامزن کیا وکذافی شرح حدیدی جلد ۲ ص ۲۱۸

۲۔ جب حضرات شیخین ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی حق پرستی اور سداد قول وعمل اور استقامتِ دین واضح ہو چکی۔ تو اسی مناسبت سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے وہ خطبات بھی ملاحظہ کرتے چلیں جو آپ نے اپنی خلافت کے دوران مختلف مقامات پر دیئے۔

۹۔ ابوالحسن علی بن محمد المدائنی نے ذکر کیا ہے۔ کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے زمامِ خلافت سنبھالنے کے بعد پہلا خطبہ دیتے ہوئے فرمایا جس میں خلفاء کی تعریف یوں کی فولی الامر ولاۃ لم یالوا الناس خیراً پس امر خلافت

یے کے والی وہ لوگ بنے جنہوں نے لوگوں کی بھلائی اور بہتری میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی تھی ۔

(ب) بصرہ کی طرف روانگی کے وقت آپ نے خطبہ دیا جس کو کلبی نے مفصل طور پر نقل کیا ہے ۔ اس میں خلفاء سابقین کے حق میں آپ نے یہ الفاظ استعمال فرمائے ۔

فولی الامر قوم لم یالوا فی امرھم اجتھاداً ثم انتقلوا الی دار الجزاء واللہ ولی تمحیص سیئاتھم والعفو عن ھفواتھم

پس امر خلافت کے والی وہ لوگ بنے جنہوں نے اپنے فریضہ خلافت میں کوشش اور سعی کے اندر کوئی کسر اٹھا نہ رکھی ۔ اور مقدور بھر اس کو نبھانے کی جدوجہد کی پھر وہ دار جزاء کی طرف منتقل ہوئے ۔ اللہ ان سے ان کی سیئات کو مٹانے اور دور کرنے کا مالک ہے اور ان کی لغزشات سے درگزر کرنے کا ۔

(ج) زید بن صوحان نے ذی قار کے مقام پر دیئے گئے آپ کے خطبہ کو بیان کرتے ہوئے خلفاء سابقین کے حق میں آپ کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں ۔

ثم استخلف الناس ابا بکر فلم یال جھدہ ثم استخلف ابو بکر عمر فلم یال جھدہ ، ثم استخلف الناس عثمان فنال منکم ونلتم منہ حتی اذا کان من امرہ ما کان اتیتمونی لتبایعونی لا حاجۃ لی فی ذلک الخ شرح ابن ابی الحدید المعتزلی الشیعی جلد اول ص ۲۰۸، ۲۰۹

پھر لوگوں نے ابوبکر کو خلیفہ بنایا تو انہوں نے امر خلافت نبھانے میں جدوجہد میں کوئی کسر بقایا نہ چھوڑی ۔ پھر ابوبکر نے عمر کو خلیفہ بنایا تو انہوں نے بھی اس فرض کو ادا کرنے میں اپنی پوری قوت صرف کر دی بعد ازاں لوگوں نے عثمان کو خلیفہ بنایا اس نے تمہیں تکلیف پہنچائی اور تم نے ان پر تشدد کیا حتیٰ کہ ہوا جو ہوا تو تم میرے پاس آ گئے تاکہ میرے ۔

ساتھ بیعت کرو۔ حالانکہ مجھے اس کی کوئی ضرورت اور حاجت نہیں تھی

فائدہ: ان تینوں خطبات سے نہج البلاغہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق الفاظ کی بھی تائید ہوتی ہے۔ اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں صادر ارشاد امیر کی بھی جس کو شریف مرتضیٰ نے ذکر نہیں کیا تھا۔ مگر ابن ہیثم اور ابن ابی الحدید نے ذکر کیا تھا۔ اور گویا یہ بھی نہج البلاغہ کے خطبہ کا حصہ ہیں اس مناسبت ان کا یہاں ذکر درست ہوگیا۔ اور یہ بھی واضح ہوگیا کہ معدنِ ولایت کی نگاہ میں حضرات شیخین نے مہاجرین و انصار کے سونپے ہوئے فریضۂ خلافت کے نبھانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی ذات مورد طعن و تشنیع بنی۔ مگر ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے۔ اور وہی بخشش کا مالک ہے۔ کوئی اس کی مغفرت اور بخشش کو محدود نہیں کر سکتا۔ اور دوسرے نمبر پر دیئے گئے خطبہ کے الفاظ میں تمحیص اور عفو ہفوات کا اگرچہ ذکر ہے۔ مگر تیسرے خطبہ کے الفاظ نے اس کی وضاحت کر دی۔ کہ وہ نسبت تینوں حضرات کے مجموعی احوال کا لحاظ کرتے ہوئے تھی۔ نہ کہ انفرادی حالت میں جیسے کہ اگلے خطبہ کے الفاظ میں یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جائے گی

(د) اس ضمن میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا امیر معاویہ کی طرف سے مصالحت کی گفتگو کے لیے بھیجے ہوئے سفراء یعنی حبیب بن مسلمہ فہری شرجیل بن سمط اور معن بن یزید بن الاخنس اسلمی کے ساتھ کلام اور حضرات شیخین کے حق میں اپنے بیان کردہ تاثرات جن کو نصر بن مزاحم نے بیان کیا ہے ملاحظہ فرما دیں

اما بعد فان اللہ سبحانہ بعث محمدا صلی اللہ علیہ وسلم فانقذ بہ من الضلالۃ ونعش بہ من الھلکۃ وجمع بہ بعد الفرقۃ ثم قبضہ اللہ الیہ وقد ادی ما علیہ فاستخلف الناس ابابکر ثم استخلف ابوبکر عمر فاحسنا السیرۃ وعدلا فی الامۃ ووجدنا علیھما ان تولیا الامر

دوننا ونحن آل الرسول واحق بالامر فغفرنا ذلک لھما

شرح حدیدی جلد رابع ص ۲۴

بعد از حمد و صلوٰۃ واضح ہو کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا پس آپ کے ذریعے لوگوں کو گمراہی سے بچایا۔ اور ہلاکت سے حفظ و امان میں رکھا اور افتراق و اختلاف کے بعد جمعیت اور اتفاق بخشا اور پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی طرف بلالیا۔ جب کہ آپ اپنا فریضۂ رسالت ادا فرما چکے۔ پھر لوگوں نے ابوبکر کو خلیفہ بنایا بعد ازاں انہوں نے عمر کو پس انہوں نے اپنی سیرت اور کردار کو قابلِ ستائش رکھا۔ اور امت میں عدل و انصاف کے تقاضوں کو پورا کیا۔ اور ہمیں ان پر یہ ارمان تھا کہ وہ امر خلافت کے والی بن گئے بغیر ہمارے حالانکہ ہم آلِ رسول تھے اور اس امر کے زیادہ حقدار لیکن ہم نے ان کو معاف کر دیا اور ان سے درگزر کیا۔

اس بیان سے بھی ان کا حسنِ کردار اور شانِ عدل و انصاف بھی ظاہر اور یہ بھی ظاہر کہ آپ کو اگرچہ برادرانہ شکر رنجی تھی۔ کہ ہمیں صلاح و مشورہ میں بھی شامل نہ کیا گیا۔ لیکن خلافت کے بنیادی مقصد کی باحسن طریق تکمیل ہوتی دیکھ کر آپ نے رضامندی کا اظہار کیا۔ اور دل سے اس ارمان کو بھی دور کر دیا۔ اور رحماء بینھم کی شان عملی طور پر ظاہر فرمائی۔ والحمد للہ

(۴) حضرات شیخین رضی اللہ عنہما اور مہاجرین کی فضیلت ۔ قبل ازیں اجمالاً تحریفِ روایات کے ضمن میں اس کا کچھ حصہ ذکر کیا جا چکا ہے۔ اب مفصلاً اس عبارت کو ملاحظہ فرمائیں اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا حضرات شیخین کے متعلق بالخصوص اور حضرات مہاجرین کے متعلق بالعموم نظریہ اور تاثر معلوم کریں۔

(نوٹ) اور یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ جب اس خطبہ کا کچھ حصہ صاحب نہج البلاغہ نے ذکر کیا۔ خواہ ترتیب میں رد و بدل کر کے سہی بہر حال اس سے اتنا قدر

واضح ہوگیا۔ کہ اس کے نزدیک اس خطبہ کی نسبت حضرت امیر المؤمنین ۔ کرم اللہ وجہہ الکریم کی طرف بالکل صحیح ہے۔ لہٰذا یہ عبارت بظاہر شرح ابن میثم کی ہے لیکن حقیقت میں گویا نہج البلاغہ کی ہے۔ اور یہ خط آپ کا امیر معاویہ کے ایک خط کا طویل جواب ہے۔ جس میں ان کے خط کے مندرجات میں سے بعض کے ساتھ اتفاق کیا گیا ہے۔ اور بعض کے ساتھ اختلاف

وذکرت ان اللہ اجتبی لہ اعوانا من المسلمین ایدھم بہ فکانوا فی منازلھم عندہ علی قدر فضائلھم فی الاسلام وکان افضلھم فی الاسلام کما زعمت وانصحھم للہ ولرسولہ الخلیفۃ الصدیق وخلیفۃ الخلیفۃ الفاروق ولعمری ان مکانھما فی الاسلام عظیم وان المصاب بھما لجرح فی الاسلام شدید یرحمھما اللہ وجزاھما باحسن ما عملا غیرانک ذکرت امرًا ان تم اعتزلک کلہ وان نقص لم یلحقک ثلمۃ ومانت والصدیق؟ فالصدیق من صدق بحقنا وابطل باطل عدونا وما انت والفاروق؟ فالفاروق من فرق بیننا وبین اعدائنا وذکرت ان عثمان کان فی الفضل ثالثًا فان یک عثمان محسنًا فیسلقی ربا غفورًا لایتعاظمہ ذنب یغفرہ جزاھم اللہ باحسن اعمالھم ثم ما انت والتمییز بین المھاجرین الاولین وترتیب درجاتھم وتعریف طبقاتھم؟ (نہج البلاغہ مع شرح ابن میثم جلد نمبر ۴ ص ۳۶۲
نہج البلاغہ مع شرح حدیدی جلد نمبر ۱۵ ص ۷۶)

ترجمہ: تونے ذکر کیا کہ اللہ تعالیٰ نے رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اہل اسلام سے معاون اور مددگار منتخب فرمائے جن کے ساتھ آپ کی تائید و تقویت کا انتظام فرمایا۔ وہ آپ کے نزدیک اپنے انہیں مراتب و منازل میں تھے۔ جو ان کو اسلامی خدمات سرانجام

دینے اور اسلام میں حاصل کردہ فضائل کے مطابق حاصل تھے اور ان میں تیرے نظریہ کے مطابق افضل اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سب سے زیادہ مخلص اور ہمدرد خلیفہ صدیق تھے۔ اور پھر ان کے خلیفہ فاروق تھے مجھے اپنی زندگانی کی قسم ان دونوں کا مرتبہ اسلام میں البتہ عظیم ہے۔ اور ان کا وفات دیا جانا اسلام کے لیے ناقابلِ تلافی نقصان ہے اور نہ مندمل ہونے والا زخم۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں پر رحم فرمائے اور ان کو اپنے اچھے اعمال کی جزائے خیر عطا فرمائے۔

لیکن تو نے ایسے امر کا ذکر کیا ہے۔ کہ اگر وہ تام اور مکمل ہو جائے تو تجھ سے علیٰحدہ اور الگ تھلگ رہے گا۔ تجھے اس کا نفع نہیں پہنچے گا۔ اور اگر تام ا[illegible] مکمل نہ ہو تو تجھے اس کا نقصان نہیں پہنچے گا۔ لہٰذا تجھے اپنے اور میرے اختلاف کے دوران وہ حوالہ دینا اور ان حضرات کے منازل و مراتب کا اور فضائل کا ذکر کرنا کارآمد نہیں ہے۔ تم اپنی بات کرو) تمہیں صدیق سے کیا نسبت۔ حضرت صدیق تو وہ شخصیت ہیں۔ کہ جنہوں نے ہمارے حق کی تصدیق کی۔ اور ہمارے اعداء کے باطل کو باطل ٹھہرایا اور تمہیں فاروق سے کیا نسبت ہے۔ فاروق تو ایسی ذات والا ہیں۔ کہ انہوں نے ہمارے درمیان اور ہمارے اعداء کے درمیان فرق اور بعد پیدا کیا۔ اور اہلِ اسلام اور اہلِ کفر میں امتیاز پیدا کیا اور حق کو باطل سے جدا کیا۔

پھر تو نے یہ ذکر کیا کہ عثمان ان کے بعد تیسرے درجہ میں تھے۔ اگر عثمان محسن تھے تو اپنے رب سے ملاقات کرنے والے ہیں۔ جو غفور اور بخشنے والا اور کسی بھی گناہ کا بخشنا اس کے لیے دشوار نہیں ہے۔ اور مجھے اپنی زندگانی کی قسم میں البتہ اس امر

کی قوی امید رکھتا ہوں کہ جب اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کے فضائل اسلامیہ کے مطابق اجر اور ثواب عطا کرے گا۔ تو ہمارا حصہ بہت زیادہ ہو گا۔

اور بالعموم مہاجرین میں خیر کثیر ہے جو تجھے بھی معلوم ہے اللہ تعالیٰ ان کو ان کے اچھے اعمال کے مطابق جزائے خیر عطا فرمائے۔

لیکن تیرا یہ منصب نہیں اور تجھے اس سے واسطہ نہیں ہونا چاہیئے کہ تو مہاجرین اولین کے درمیان امتیاز قائم کرے اور ان کے درجات میں ترتیب بیان کرے اور ان کے طبقات کا تعارف کرائے۔

(نوٹ) اس خط کا کچھ حصہ حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ نے اپنے رسالہ کے ص ۲۷ پر نقل کیا۔ جس کا آغاز وذکرت ان اجتبنی لہ ہے اور اختتام جزاھا باحسن ما عملا ہے اور میں نے نہج البلاغہ میں صراحتاً یا ضمناً مذکور عبارات کو ایک جگہ اکٹھا کرنے کی غرض سے یہاں درج کیا ہے۔

تبصرہ و بیان فوائد: امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خط میں نہ حضرت ابوبکر کو صدیق لکھا گیا تھا۔ اور نہ حضرت عمر کو فاروق بلکہ صرف خلیفہ اور خلیفۃ الخلیفہ کہنے پر اکتفا کیا گیا تھا لیکن حضرت علی المرتضیٰ نے اپنی طرف سے ان کو صدیق اور فاروق کے القاب سے بھی نوازا۔ اور پھر شانِ صدیقی کا تقاضا اور شانِ فاروقی کا منطقی نتیجہ بھی بیان فرمایا۔ یعنی صدیق نے ہمارے حق کی تصدیق کی اور اعداء کے باطل کو باطل کر دکھلایا اور فاروق نے اہلِ حق کو اہلِ باطل سے ممتاز کر دکھایا۔ اس کے بعد بھی ان مقدس شخصیات کے ان اعزازات میں کسی شک وشبہ کی گنجائش ہے۔ چہ جائیکہ ان کے انکار کی محب علی ہونے اور ائمہ کے مذہب پر چلنے کا دعویٰ بھی ہو۔ اور آپ کی بیان کردہ شیخین کی اس شان کا انکار بھی یہ دونوں چیزیں قطعاً یکجا نہیں ہو سکتیں۔ اور یہ حقیقت بھی ذہن نشین رہے کہ نحوی قاعدہ کی رو سے اور اصولی قاعدہ کی رو سے بھی معرف باللام کو

معرف باللام کر کے لوٹایا جائے۔ تو پچھلا پہلے کا عین ہوتا ہے لھذا الخلیفۃ الصدیق اور فالصدیق من صدق بحقنا کا مصداق ایک ماننا ضروری ہے اور اسی طرح خلیفۃ الخلیفۃ الفاروق اور فالفاروق من فرق بیننا و بین اعدائنا میں بھی دونوں کا مصداق ایک ہونا ضروری ہے۔ لہٰذا قواعد و اصول کو نظر انداز کر کے مغالطہ دہی کی کوشش کارآمد نہیں ہو سکتی۔

(ب) آپ نے اعتراف کیا۔ کہ انکا مرتبہ و مقام اسلام میں عظیم ہے۔ اور ان کا وصال اسلام کے لیے ناقابلِ تلافی نقصان ہے۔ اور ان کی جدائی اسلام کے لیے نہ مندمل ہونے والا زخم ہے۔ اور پھر اس عقیدہ و نظریہ کو حلف اور قسم کے ساتھ آپ نے مؤکد بھی فرمایا۔ لہٰذا ان کی شان اور ان کے خداداد مقام کا انکار حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو جھٹلانے کے مترادف ہے بلکہ ڈھکو صاحب کا دعویٰ ہے۔ کہ سب ائمہ کا مذہب ایک ہے۔ لہٰذا صدیق و فاروق ماننا اور ان کے مرتبہ و مقام کو عظیم جاننا اور ان کی جدائی کو ناقابلِ تلافی نقصان قرار دینا سب ائمہ کا نظریہ ٹھہرا اور اس کی تکذیب گویا سب کی تکذیب ہوئی۔ اسی لیے تو امام محمد باقر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ جو ان کو صدیق نہ کہے۔ اللہ تعالیٰ اسے نہ دنیا میں سچا کرے۔ اور نہ آخرت میں کیونکہ یہ انکار صرف مقام صدیق کا انکار نہیں بلکہ بارہ اماموں کے عقیدہ کا انکار ہے اور ان کو جھٹلانے کے مترادف ہے

(ج) آپ کے اس خطہ میں مہاجرین کی فضیلت اعمالِ صالحہ کا اقرار ہے اور ان کے خیر کثیر کا اور ان کے لیے جزائے خیر کی دعا بھی موجود ہے۔ اگر۔ نعوذ باللہ وہ مرتد ہو چکے ہوتے تو نہ ان کے لیے اعمالِ خیر اور افعالِ حسنہ کا ثابت کرنا درست اور نہ ان میں کسی خیر کا پایا جانا درست۔ اور نہ ان کے لیے دعائے خیر کا شرعاً کوئی جواز باقی رہتا تھا۔ جس سے۔

صاف ظاہر ہوا کہ آپ کے نزدیک نہ ان مہاجرین اولین کے حق میں تنقیص و تنقید کا کوئی پہلو موجود تھا۔ اور نہ ان کے اور سب اہل اسلام کے مقتداء و پیشوا حضرت ابوبکر اور حضرت عمر پر اعتراض و انکار کا۔

(د) اس خطبہ میں سے نقل کی گئی عبارت میں جو دھاندلی روا رکھی گئی ہے۔ اس کے باوجود بھی مہاجرین اولین کی فضیلت اور شیخین رضی اللہ عنہما کی فضیلت پوری طرح آشکار ہے۔ شریف رضی نے اس خط کو نقل کرتے ہوئے یہ الفاظ روایت کئے ہیں۔ وزعمت ان افضل الناس فی الاسلام فلان وفلان فذکرت امراً ان تم اعتزلک کلہ وان نقص لم یلحقک ثلمہ وما انت والفاضل والمفضول والسائس والمسوس وما للطلقاء وابناء الطلقاء والتمییز بین المہاجرین الاولین وترتیب درجاتہم وتعریف طبقاتہم ہیہات لقد حن قدح لیس منہا وطفق یحکم فیہا من علیہ الحکم لا لہ۔ نہج البلاغہ ص ۳۸ ج ۲

تو نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ اسلام میں سب سے افضل فلاں اور فلاں ہیں۔ تو تو نے ایسے امر کا ذکر کیا ہے۔ کہ اگر پایہ تکمیل تک پہنچے تو تجھے اس کا نفع نہیں پہنچے گا اگر نا تمام رہے تو تجھے اس کا نقصان نہیں پہنچے گا۔ اور تجھے اس سے غرض ہی کیا ہے کہ فاضل کون ہے اور مفضول کون ہے؟ حاکم کون ہے اور رعایا کون؟ طلقاء اور ان کی اولاد کو مہاجرین اولین میں امتیاز قائم کرنے، ان کی ترتیب درجات بیان کرنے اور ان کے طبقات کا تعارف کرانے سے کیا کام قداح قمار سے وہی تیر چیخا جو ان میں سے نہیں تھا۔ یعنی جوہر کے تحائف سے اور وہی حکم کرنے لگا۔ جو حکم کرنے کے لائق نہیں تھا بلکہ محکوم تھا۔

(ف) اس عبارت سے بھی ظاہر ہوا کہ حضرت امیر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر و عمر کو مہاجرین اولین کے عظیم افراد شمار کیا۔ البتہ مہاجرین کے ترتیب درجات

اور تعریف طبقات کو امیر معاویہ کے ذہن اور مقام سے بالاتر قرار دیا
اور ظاہر ہے کہ مہاجرین اولین از روئے قرآن مجید اللہ تعالیٰ سے راضی
اور اللہ تعالیٰ ان سے راضی اور آخرت میں بلند درجات پر فائز ہیں۔
کما قال تعالیٰ. والسابقون الاولون من المهاجرين والانصار
والذين اتبعوهم باحسان رضي الله عنهم ورضوا عنه الآیہ
اور جب تمام مہاجرین و انصار کے وہ امام و خلیفہ اور مقتدا ٹھہرے
تو ان فضائل کا ان کے حق میں اکمل و اتم طریقہ پر ثابت ہونا یقینی ہے اور
اسی نکتہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے شرح حدیدی میں ابن ابی الحدید
نے کہا۔

هذا الكلام ينقض مايقول من يطعن في السلف فان امير
المؤمنين عليه السلام انكر على معاوية تعرضه بالمفاضلة
بين اعلام المهاجرين ولم يذكر معاوية الا المفاضلة بينه
عليه السلام وبين ابي بكر وعمر رضي الله عنهما فشهادة امير
المؤمنين عليه السلام بانهما من المهاجرين الاولين ومن
ذوي الدرجات والطبقات التي اشتبه الحال بينهما و
بينه في اي الرجال منهم افضل وان قدر معاوية
يصغر ان يدخل نفسه في مثل ذلك شهادة قاطعة
على علو شانهما وعظم منزلتهما۔

شرح حدیدی جلد پنجم ص ۱۹۱

یہ کلام اس شخص کے قول کا رد کرتا ہے جو اسلاف پر طعن و تشنیع
کرتا ہے کیونکہ امیر المؤمنین کرم اللہ وجہہ نے امیر معاویہ پر اگر
انکار کیا ہے تو ان کے اعلام مہاجرین اور ان کے رؤساء
کے درمیان باہمی فضیلت کے بیان کرنے پر اور انہوں نے

باہمی فضیلت کا ذکر شیخین اور مرتضیٰ رضی اللہ عنہم کے درمیان
ہی کیا تھا لہٰذا امیر المؤمنین نے اس فرمان میں یہ شہادت دی
کہ وہ دونوں حضرات مہاجرین اولین سے ہیں اور بلند درجات
اور عالی مراتب لوگوں میں سے ہیں جن کے اندر اس امر میں اشتباہ
التباس پیدا ہو چکا ہے کہ ان میں سے کون سا فرد افضل ہے
اور معاویہ کا مقام اس سے بہت کمتر ہے کہ وہ اس قسم کے
معاملات میں مداخلت کرے حضرت امیر کا یہ ارشاد ان دونوں
حضرات کے علو مرتبت اور عظمت شان کی عظیم شہادت ہے۔
اور شرح ابن میثم میں ہے استفہام علی سبیل الانکار والاستحقار علیہ
ان یخوض علی صغر شانہ ومقامہ فی ھذہ الامور الکبار ص ۲۷۴ جلد نمبر ۴ یعنی
مہاجرین اولین کے درجات میں ترتیب اور ان کے طبقات کی درجہ بندی۔
جیسے عظیم امور میں دخل دینا امیر معاویہ کے مقام و مرتبہ سے بعید ہے۔ اور
قابل انکار ہے اذلیس لک تصیب والاشترک فی درجاتھم ومراتبھم و
سابقتھم فی الاسلام کیونکہ تو نہ ان کے ساتھ درجات و مراتب میں شریک
اور حصہ دار اور نہ ان کے اسلام کی طرف سبقت لیجانے میں اور اس
عبارت سے یہ بھی بالکل واضح ہے کہ جن حضرات کے مراتب کی ترتیب
اور درجہ بندی کے لیے امیر معاویہ جیسے شخص کو اہل اور موزوں نہیں سمجھا گیا
ان کے درجات و مراتب کتنے عظیم ہوں گے۔

نہج البلاغہ کی ان عبارات کو ملاحظہ کرنے کے بعد جو بالعموم مہاجرین والانصار
کی عظمت شان پر دلالت کرتی ہیں۔ اور علی الخصوص شیخین رضی اللہ عنہما کی
شان پر اور اس ضمن میں دیگر خطبات کے عبارات بھی ملاحظہ ہو چکے جن کا اصل
نہج البلاغہ کے جامع اور مؤلف شریف رضی کے نزدیک مسلم تھا۔ اب ہم پھر
مذہب شیعہ مؤلفہ حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ کے رسالہ کی عبارات کا سلسلہ

شروع کرتے ہیں۔

مذہب شیعہ ص۱۶ تا ص۱۹ — حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز

اگرچہ اجماعی طور پر مہاجرین اولین اور انصار رضی اللہ عنہم کی مدح وثنا اور منقبت کے بارے میں اہل تشیع کی تقریباً ہر کتاب میں ائمہ معصومین طاہرین کے خطبات اور ملفوظات موجود ہیں لیکن خصوصیت کے ساتھ خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مناقب اور رفعت شان کے متعلق اہل تشیع کی مسلم اور معتبر کتابوں کی عبارات (نہج البلاغہ کے علاوہ بھی) بطور نمونہ ملاحظہ فرمائیں۔

کتاب کشف الغمہ فی مناقب الائمہ مصنفہ عیسیٰ بن ابی الفتح الاربلی جو اہل تشیع کی مستند اور معتبر ترین کتاب ہے اور مصنف مذکور غالی شیعہ ہے۔ جس کے غلو فی التشیع کا نمونہ ہدیۂ ناظرین کرتا ہوں۔

ومن اغرب الاشياء واعجبها انهم يقولون ان قوله عليه السلام في مرضه مروا ابا بكر يصل بالناس نص خفي في تولية الامر وتقليده امر الامة وهو على تقدير صحته لا يدل على ذالك ومتى سمعوا حديثا في امر علي عليه السلام نقلوه عن وجهه وصرفوه عن مدلوله واخذوا في تاويله بابعد محتملاته منكبين عن المفهوم عن صريحه اوطعنوا في راويه وضعفوه وان كان من اعيان رجالهم وذوي الامانة في غير ذالك عندهم، هذا مع كون معاوية بن ابي سفيان وعمرو بن العاص والمغيرة بن شعبة وعمران بن الحطان الخارجي وغيرهم من امثالهم من رجال الحديث عندهم ورواياتهم في كتب الصحاح عندهم ثابتة عالية يقطع بها ويعمل عليها في احكام الشرع وقواعد الدين۔

ومتی روی احد عن زین العابدین علی بن الحسین وعن ابنه الباقر وابنه الصادق وغیرهم من الآئمۃ علیهم السلام نبذ وا روایته وطرحوها واعرضوا عنها فلم یسمعوها وقالوا رافضی لا اعتماد علی مثله وان تلطفوا قالوا شیعی مالنا ولنقله مکابرۃ للحق وعدواۃ له ورغبة فی الباطل ومیلا الیه واتباعاً القول من قال انا وجدنا آباء نا علی امة "اولعلهم رأوا ما جرت الحال علیه اولامن الاستبداد بمنصب الامامة فقلموا بنصر ذالك محامین عنه غیر مظهرین لبطلانه وا معترفین به (کشف الغمہ ص مطبوعہ دار الطباعات کربلائی). سب سے عجیب و غریب یہ بات ہے کہ یہ لوگ یعنی اہل السنت والجماعت کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی بحالت بیماری میں فرمانا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں ان کی امر خلافت کے لیے اور حضور کی امت کی امامت و امارت کے لیے نص خفی ہے۔ اس روایت کو اگر سچا بھی مان لیا جائے تو بھی یہ روایت خلافت پر دلالت نہیں کرتی اور یہ لوگ جب علی علیہ السلام کی خلافت کے بارے میں کوئی حدیث سنتے ہیں تو اس حدیث کو صحیح توجیہ سے سے ہٹا دیتے ہیں اور اس کے اصل معنی سے اس کو پھیر دیتے ہیں اور اس میں تاویلیں کرنا شروع کر دیتے ہیں اور اس کو بعید ترین احتمالات پر محمول کر کے صریح مفہوم سے پھیر دیتے ہیں یا اس حدیث کے راویوں پر اعتراض کرتے ہیں اگرچہ وہ ان کے مشہور راویوں میں سے ہوں اور دوسری روایات میں ان کے نزدیک ثقہ اور امانت دار ہی کیوں نہ ہوں باوجود اس کے کہ معاویہ بن ابی سفیان، عمرو بن عاص، مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہم) اور عمران بن حطان خارجی ان کے نزدیک حدیث کے راوی ہیں اور ان کی روایات ان کی کتب صحاح میں مندرج ہیں جن کے ساتھ یقین کیا جاتا ہے اور شرعی احکام اور قواعد دین میں ان پر عمل کیا جاتا ہے۔

لیکن جب امام زین العابدین، ان کے صاحبزادے محمد باقر اور ان کے فرزند ارجمند جعفر صادق علیہم السلام سے کوئی شخص روایت کرتا ہے تو اس کو پھینک دیتے ہیں اور

اور اس سے روگردانی کرتے ہیں ۔پس اسے سنتے ہی نہیں اور کہتے ہیں کہ اس کا راوی رافضی ہے ایسے راویوں پر اعتماد اور بھروسہ نہیں کیا جا سکتا اور اگر مہربانی اور نرم دلی سے کام لیں تو کہتے ہیں کہ راوی شیعہ ہے ہمیں اس کی روایت اور نقل سے کیا غرض ہے، اور یہ سب کچھ حق کے ساتھ مکابرہ و مقابلہ اور اس سے اعراض اور روگردانی اور باطل کی طرف میلان اور رغبت کی وجہ سے کرتے ہیں اور ان لوگوں کی اتباع و تقلید میں ایسا کرتے ہیں جنہوں نے کہا تھا کہ ہم نے اپنے آباء کو ایک طریقہ اور راستہ پر پایا اور ہم انہیں کی اتباع اور پیروی کریں گے۔

یا شاید ان لوگوں نے ابتداء میں ہی منصب امامت کے ساتھ ظلم و استبداد والی حالت کو دیکھا تو اس جاری ظلم و استبداد کی امداد و اعانت کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے دراں حالیکہ اس سے الگ رہنے والے تھے اور اس کے بطلان و فساد کو ظاہر نہیں کرتے تھے اور نہ اس کو تسلیم ہی کرتے تھے۔

اس عبارت کو ملاحظہ کرنے کے بعد کتاب کشف الغمہ کے متعلق مزید تحقیق کی ضرورت باقی نہیں رہتی کہ اس کا مصنف سخت غالی شیعہ ہے اور خلافت راشدہ کا منکر و مخالف اور اہل السنت والجماعت اس کے نزدیک گمراہ ہیں اور اس کا ایک ایک لفظ اہل السنت والجماعت پر آتشباری کی مثال ہے، اس کے دعوے کی صداقت یا کذب کے متعلق تو اہل فکر و ہوش خود ہی فیصلہ کریں گے، اس موقعہ پر اس کتاب کے چند حوالے جو امام عالی مقام حضرت زین العابدین علی بن الحسین رضی اللہ عنہ اور ان کے صاحبزادے امام عالی مقام سیدنا محمد باقر رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں اس توقع کے ساتھ پیش کرتا ہوں کہ مدعیانِ محبت و ولا تو کسی صورت میں بھی ان کی روایات کو رد نہیں فرمائیں گے اور نہ پھینکیں گے اور نہ ہی ان سے روگردانی فرمائیں گے بلکہ سنیں گے اور سن کر ایمان لائیں گے

رسالہ مذہب شیعہ ص۱۶ تا ص۱۹

تنزیہہ الامامیہ　　از محمد حسین صاحب ڈھکو

پیر صاحب سیالوی نے اپنے رسالہ کے تقریباً تین صفحات ص ۱۶ تا ۱۸ کشف الغمہ کے مصنف جلیل جناب شیخ علی بن عیسیٰ بن ابی الفتح الاربلی کا تشیع ثابت کرنے کے لیے عبث و بے فائدہ سیاہ کیئے ہیں۔ کیونکہ ان کا تشیع محتاج اثبات نہیں ہے کیونکہ۔

آنجا کہ عیاں است چہ حاجت بیان است۔　　ص ۳۹

تحفہ حسینیہ: ہاں عیاں کرنے دینے کے بعد تو یہی کہنا تھا لیکن اثبات اور اظہار سے قبل تو تلبیس کی ہر ممکن کوشش کی جاتی ہے جس طرح ابن ابی الحدید کو اور مسعودی وغیرہ کو اہل سنت کے کھاتے میں ڈال دیا گیا۔ اور پھر ان کی ہر بے سروپا روایت کا جوابدہ اہل سنت کو قرار دے دیا گیا اس لیے حضرت شیخ الاسلام نے یہاں اس امر کی اشد ضرورت محسوس کرتے ہوئے اس کا اندرون اس کے زبانِ قلم سے صفحۂ قرطاس پر نقش کر دکھایا تاکہ اس بہانے راہِ فرار اختیار کرنے کا امکان باقی نہ رہے۔

تنزیہہ الامامیہ۔　　از علامہ محمد حسین ڈھکو صاحب

کشف الغمہ کی روایات کو ناقابلِ اعتبار ٹھہرانے کی سعی ناتمام اور حقیقتِ حال کا اظہار ڈھکو صاحب فرماتے ہیں مدیر موصوف اربلی صاحب کا طریقہ تالیف یہ ہے کہ وہ اپنے موضوع یعنی ائمہ اطہار رضی اللہ عنہم کے حالات اور ان کے فضائل و مناقب بیان کرنے میں زیادہ تر اہلِ سنت ہی کی کتب معتبرہ کی روایات و عبارات پیش کرتے ہیں۔ اور اپنی کتابوں سے شاذ و نادر ہی استفادہ کرتے ہیں تا ان حقائق کے چہرہ سے خود مؤلف نے اپنی کتاب کے مقدمہ ص ۳ پر نقاب کشائی

فرمائی ہے۔ (جس کی عبارت کا ترجمہ ڈھکو صاحب کی زبانِ قلم کا حاضر ہے)
میں نے زیادہ تر اہل سنت کی کتابوں سے (فضائل و مناقب) نقل کرنے
پر اعتماد کیا ہے۔ تاکہ زیادہ قابلِ قبول ہو۔ اور سب لوگوں کی رائے کے مطابق۔
ہو۔ کیونکہ جب خود مخالف کسی دلیل کی مضبوطی اور کسی فضیلت کے ثابت کرنے
کے درپے ہو جائے تو یقیناً وہ دلیل (فضیلت نہایت قوی اور مضبوط ہو جاتی ہے
ہاں جو فضیلت اہل سنت کی کتابوں میں نہیں ملی اسے اپنی کتابوں کے حوالے سے
درج کیا ہے (آتا)

اس کتاب کے حوالہ جات میں پیر سیالوی نے یہ چابک دستی دکھلائی ہے کہ
اس کتاب میں کتب اہل سنت سے باحوالہ بعض روایات مندرج ہیں۔ ان کو اپنے
رسالہ میں درج کر کے یہ ظاہر کیا ہے۔ کہ شیعوں کی معتبر کتاب کشف الغمہ میں یہ روایات
درج ہے۔ حالانکہ دراصل وہ روایت اہل سنت کی ہے نہ شیعوں کی صفحہ
۲۷ تا ۲۷۔

تحفہ حسینیہ: ابوالحسنات محمد اشرف سیالوی

علامہ ڈھکو صاحب نے کشف الغمہ میں مندرجہ روایات اور حضرت شیخ الاسلام
کی پیش کردہ عبارات سے گلو خلاصی کا یہ اہتمام فرمایا۔ کہ اس میں زیادہ تر روایات ہی
اہل سنت کی کتب معتبرہ سے لیے گئے ہیں۔ لٰہذا ہم ان کے جوابدہ ہی نہیں ہیں لیکن دریافت
طلب یہ امر ہے کہ

(۱) وزیر با تدبیر نے اس کتاب کو جمیع کی رائے کے مطابق بنانے کی سعی فرمائی
ہے جیسے کہ جناب کے ترجمہ اور ان کی عربی عبارت سے ظاہر ہے۔
"واعتمدت فی الغالب النقل من کتب الجمھور لیکون ادعیٰ الی تلقیہ
بالقبول وفق رأی الجمیع الخ اور شیعوں کے لیے قابلِ قبول
بنانے کی سعی فرمائی۔ اگر اس کتاب میں ایسی روایات درج ہیں۔ جو شیعہ

صاحبان کے نزدیک بالعموم اور اربلی صاحب کے نزدیک بالخصوص قابلِ قبول اور موافق رائے نہیں تھیں تو کتاب کے تالیف کرنے کا مقصد ہی ختم ہو کر گیا۔ شیعی روایات اہلِ سنت کے لیے قابلِ قبول نہیں۔ اور ان کے کتب سے منقولہ اہلِ تشیع کے لیے قابلِ قبول نہیں۔ تو یہ کتاب نہ شیعہ کے لیے قابلِ قبول اور موافق رائے و اعتقاد ٹھہری۔ اور نہ ہی خود اہلِ سنت کے لیے کیونکہ انہیں اہلِ بیت کے فضائل و مناقب معلوم کرنے کے لیے اپنی کثیر التعداد بلکہ ان گنت کتابیں چھوڑ کر اس وزیر صاحب کی کتابیں دیکھنے کی کیا ضرورت ہو سکتی تھی۔ الغرض ڈھکو صاحب کے قول کے مطابق یہ کتاب بے کار بے منفعت اور وزیر صاحب کی بے تدبیری کا شاہکار ٹھہری اور کسی فریق کے لیے بھی قابلِ قبول اور موافق اعتقاد نہ بن سکی۔

(۲) اربلی صاحب کی عبارت صاف صاف بتلا رہی ہے۔ کہ کتب اہلِ سنت سے روایات نقل کرنے کا یہ مقصد اور باعث نہ تھا۔ کہ کتب اہلِ تشیع میں وہ روایات موجود نہیں تھیں۔ بلکہ سابقاً بیان کردہ مقصد کے علاوہ یہ مقصد تھا۔ کہ ان کے فضائل اور مناقب کی پختگی اور روافقیت ثابت ہو جائے۔ جیسے ڈھکو صاحب کے ترجمہ اور اربلی صاحب کی عربی عبارت " لانه متى قام الخصم لتشييده الى كانت اقوى " سے ظاہر ہے لہٰذا جو کچھ روایات کتب اہلِ سنت سے لی گئی ہیں۔ وہ پختگی اور مضبوطی پیدا کرنے کے لیے لی گئی ہیں۔ کہ جب مخالف خود تسلیم کرتا ہے۔ تو اپنوں کے لیے تسلیم کرنے میں تردد و تذبذب کیونکر ہو سکتا ہے۔ لیکن ڈھکو صاحب کہتے ہیں کہ ہمیں ان روایات سے کوئی واسطہ ہی نہیں۔ وہ ہمارے مذہب کے خلاف ہیں۔ تو اربلی صاحب کس کی تقویت اور پختگی بیان کرنا چاہتے تھے۔ مذہب اہلِ سنت کی یا مذہب روافض کی۔ ان کے ذکر کرنے کا مقصد کیا رہا۔ یہی کہ مذہب رفض پر ساتھ ساتھ پانی پھرتا جائے۔

(۲) اربلی صاحب کہتے ہیں "نقلت من کتب اصحابنا مالم یتصدی الجمھور لذکرہ" میں نے اپنی مذہبی کتابوں سے صرف وہ فضیلت اور منقبت نقل کی ہے جس کو جمہور نے نقل نہیں کیا تھا اس سے بھی صاف ظاہر ہے۔ کہ شیعہ کتب سے صرف وہ روایات لی گئی ہیں۔ جن کے ساتھ اہل تشیع منفرد ہیں۔ اور جس میں منفرد نہیں ہیں وہ کتب جمہور سے نقل کی ہیں۔ تاکہ یہ کتاب سب کے نزدیک مقبول ہو اور سب کی رائے اور نظریہ کے مطابق۔ لہٰذا اگر اربلی صاحب سچے ہیں۔ تو ڈھکو صاحب نے جھوٹ فرمایا۔ اور اگر یہ سچے ہیں تو اربلی صاحب کا کذب دروغ بے فروغ اور بے تدبیری۔ ظاہر ہو گئی۔

لمحۂ فکریہ:۔ ڈھکو صاحب نے اربلی صاحب کی عربی عبارت بھی خود ذکر کی اور اس کا ترجمہ بھی خود کیا۔ لیکن خدا جانے پھر دماغ کیونکر چکر کھا گیا۔ اور بے ہوشی اور مدہوشی اور مخموری میں کہہ گئے۔ کہ اہل سنت کی روایات کے ہم ذمہ دار نہیں ہیں۔ تمہیں کس نے کہا تھا۔ کہ درج کرو۔ کیا مجبوری تھی۔ اور کون سا فائدہ اس سے اٹھانا چاہتے تھے۔ اپنے مدعا پر دلائل قائم کرنے کے دو طریقے ہوتے ہیں۔ برہانی اور جدلی۔ برہان میں واقعی اور یقینی مقدمات سے مؤلف اور مرکب دلیل پیش کی جاتی ہے جو قطعی طور پر مثبت مدعا ہوتی ہے۔ اور مفید یقین اور جدلی انداز میں۔ اپنے نظریہ کے تحفظ کے لیے مدمقابل کو اس کے مسلمات پیش کر کے خاموش کر دیا جاتا ہے۔ اور اس کو خاموش کر کے اپنے نظریہ اور عقیدہ کے تحفظ کا اہتمام۔ کیا جاتا ہے۔ جب اربلی صاحب نے ہماری روایات بیان کیں تو برہانی انداز میں۔ یا جدلی انداز میں اور ان سے حاصل کیا کیا صرف اپنی تذلیل اور تمام شیعہ برادری کی رسوائی کیا اسے اس کار بے خیر بلکہ مضر اور مذہب کے لیے تباہ کن کاروائی سے روکنے والا کوئی نہیں تھا۔ کیا وزیر یا تدبیر ایسے ہی ہوا کرتے ہیں۔

بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی ست

تنبیہ :۔ ڈھکو صاحب کے جواب کی لغویت ظاہر ہونے کے بعد اور حقیقت حال روز دوپہر کے اجالے کی طرح روشن ہونے کے بعد اب شیعہ صاحبان اپنے امام و پیشوا کی کتاب سے حضرت شیخ الاسلام کی زبانی وہ روایات ملاحظہ فرمادیں جو کہ شیعہ وسنی کی متفق علیہ ہیں۔ اور موجب اتفاق واتحاد ہیں۔ تاکہ باہمی اختلاف ختم نہ بھی ہو تو انتہائی کم ہو جائے۔

مذہب شیعہ : از حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ

کشف الغمہ اور فضائل صحابہ کرام علیہم الرضوان

اس موقعہ پر اسی کتاب کے چند حوالے حضرت امام عالیمقام زین العابدین علی بن الحسین اور ان کے صاحبزادے امام عالیمقام سیدنا امام باقر رضی اللہ عنہما سے مروی ہیں۔ اس توقع کے ساتھ پیش کرتا ہوں کہ مدعیاں محبت و تولاء تو کسی صورت میں بھی ان کی روایات کو رد نہیں فرمادیں گے۔ نہ پس پشت پھینکیں گے۔ اور نہ ہی ان سے روگردانی فرمائیں گے۔ بلکہ سنیں گے اور سن کر ایمان لائیں گے۔ ذرا با ادب ہو کر سنیئے۔

قدم علیه نفر من اهل العراق فقالوا فی ابی بکر وعمر وعثمان رضی الله عنهم فلما فرغوا من کلامهم قال لهم ألا تخبرونی انتم المهاجرون الاولون الذین اخرجوا من دیارهم واموالهم یبتغون فضلا من الله ورضوانا وینصرون الله ورسوله واولٰئك هم الصادقون؟ قالوا لا قال فانتم الذین تبوّؤا الدار و الایمان من قبلهم یحبون من هاجر الیهم ولا یجدون فی صدورهم حاجة مما اوتوا ویؤثرون علیٰ انفسهم ولو کان بهم خصاصة؟ قالوا لا! قال اما انتم فقد تبرأتم ان تکونوا من احد هذین الفریقین وانا اشهد انکم لستم من الذین قال الله فیهم والذین جاءوا من بعدهم یقولون ربنا

اغفرلنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان ولا تجعل فی قلوبنا غلاً للذین آمنوا ! اخرجوا عنی فعل اللہ بکم ۔

(کشف الغمہ ص ۱۹۹ مطبوعہ ایران)

اور امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عراقیوں کا ایک گروہ حاضر ہوا آتے ہی حضرت ابوبکر حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کی شان اقدس میں بکواس شروع کر دیا ۔ جب چپ ہوئے تو امام عالی مقام نے ان سے دریافت فرمایا کہ کیا تم یہ بتا سکتے ہو کہ تم وہ مہاجرین اولین ہو جو اپنے گھروں اور مالوں سے ایسی حالت میں نکالے گئے تھے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رضا چاہنے والے تھے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد و اعانت کرتے تھے اور وہی سچے تھے۔ تو عراقی کہنے لگے کہ ہم وہ نہیں ہیں ۔

امام عالی مقام رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ پھر تم وہ لوگ ہو گے جنہوں نے اپنے گھر بار اور ایمان کو ان مہاجرین کے آنے سے پہلے تیار کیا ہوا تھا ایسی حالت میں کہ وہ اپنی طرف ہجرت کرنے والوں کو دل سے چاہتے تھے اور جو کچھ مال و متاع مہاجرین کو دیا گیا تھا اس کے متعلق اپنے دلوں میں کسی قسم کا حسد یا بغض یا کینہ نہیں پلتے اور اگرچہ وہ خود حاجتمند تھے مگر پھر بھی مہاجرین کو اپنے اوپر ترجیح دیتے تھے ؟ تو اہل عراق کہنے لگے ہم وہ بھی نہیں ہیں ۔

امام عالی مقام سید الساجدین رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم اپنے اقرار سے ان دونوں جماعتوں میں سے کسی ایک یعنی مہاجرین یا انصار سے ہونے کی براءت ظاہر کر چکے ہو اور میں اس امر کی شہادت دیتا ہوں کہ تم ان مسلمانوں میں سے بھی نہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ۔ اور وہ مسلمان لوگ جو مہاجرین اولین اور انصار سابقین کے بعد آئیں گے وہ کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار ہمیں بخش اور ہمارے ان بھائیوں کو بخش جو ہم سے ایمان کے ساتھ سبقت لیجا چکے اور ایمان والوں کے

متعلق ہمارے دلوں میں کسی قسم کا کھوٹ، بغض اور کینہ، حسد یا عداوت نہ ڈال۔

یہ فرما کر امام عالی مقام زین العابدین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرے یہاں سے نکل جاؤ اللہ تمہیں ہلاک کرے آمین ثم آمین

رسالہ مذہب شیعہ صـ۱۹ و صـ۲۰

تنزیہ الامامیہ۔ از محمد حسین ڈھکو صاحب

مؤلف کشف الغمہ کی عادت اور روش یہ ہے۔ کہ وہ آئمہ اہل بیت کے حالات و کوائف اور فضائل و مناقب کتب اہل سنت سے نقل کرتے ہیں۔ اور اگر اس مذکورہ عبارت میں کوئی جملہ ان کے موقف و مسلک کے خلاف بھی آجائے تو وہ اپنی دیانت داری کی وجہ سے عبارت میں کسی قسم کا کوئی تغیر و تبدل نہیں کرتے اور پھر اس کا جواب نہیں دیتے تا کہ مناظرہ کی کتاب نہ بن جائے (تا) یہ عبارت جس پر مصنف رسالہ نے اپنے قصر استدلال کی بنیاد قائم کی ہے۔ یہ شیخ کمال الدین بن طلحہ شافعی کی ہے۔ جو ان کی کتاب نور الابصار میں موجود ہے اس لیے اس کو ہمارے خلاف بطور حجت ہرگز نہیں پیش کیا جا سکتا۔ اور ایسا کرنا اصول مناظرہ کے سراسر خلاف ہے۔ ص ۹۵ تا ۹۶

تحفہ حسینیہ:۔ مگر دریافت طلب یہ امر ہے کہ وزیر با تدبیر اربلی صاحب نے یہ کتاب کس کی ہدایت اور رہنمائی کے لیے تالیف فرمائی۔ اہل سنت تو اس کے ذریعے ہدایت اور رہنمائی حاصل کرنے سے رہے ان کے مسلک کی کتب میں ہی ان کے لیے سامان ہدایت اور اسباب رشد کافی و وافی طریقہ پر موجود ہیں۔ ایک غالی شیعہ کی کتاب سے وہ کیونکر اپنا دین حاصل کریں گے۔ اور اگر ان کو الزام دینا مقصود ہے کہ تمہاری کتابوں میں تصریح موجود ہے کہ ائمہ کرام شیخین رضی اللہ عنہما کو سب و شتم کرنے والوں کو مہاجرین و انصار اور ان کے علاوہ انکے متبعین باحسان میں

سے کسی فریق میں بھی شمار نہیں کرتے تھے۔ اور انہیں دھتکار کر اپنے در دولت سے اٹھا دیتے تھے۔ تو ہم ا۔ لیکن الزام دینے والا خود ہی اس کا قائل نہ ہو تو الزامی کارروائی بھی کالعدم ہو گئی۔ اور تحقیق و تدقیق بھی نہ رہی۔ تو آخر اوراق سیاہ کرنے کا فائدہ کیا رہا۔ صرف یہی کہ ڈھکو صاحب اور اس کے ساتھی ذلیل و خوار ہوتے رہیں۔ اور ہزار سعی و کوشش کے باوجود کوئی راستہ فرار کا نظر نہ آئے۔

(۲) ڈھکو صاحب۔ دیانت و امانت کے دعوی آسان ہیں۔ مگر عمل مشکل اور علی الخصوص آپ کے ہاں ے

خیال است و محال است و جنوں

جب ادبی صاحب اس کتاب کو مقبول عندالکل بنانے کا داعیہ رکھتے ہیں۔ اور سب کی رائے کے مطابق بنانے کا تو انہیں اس روایت کی معنوی صحت اور اس کے ثبوت او۔ واقعیت پر ایمان لانا بہرحال لازم اور ضروری ہے خواہ آپ ایمان نہ بھی لائیں۔

(۳) آپ نے کہا کوئی جملہ اپنے مسلک کے خلاف آجائے تو وہ من و عن نقل کرتے ہیں۔ اور بیچارے مناظرانہ انداز سے گریز کرتے ہوئے بالکل خاموشی سے آگے نکل جاتے ہیں۔ مگر یہ تو اول سے آخر تک ساری روایت ہی مسلک شیعہ پر برقِ آسمانی بن کر گری ہے۔ اور سارا محل ہی بھسم کر کے رکھ دیا ہے۔ صرف ایک جملہ کونسا ہے۔ جس پر آپ کے وزیر نے صبر سے کام لیا ہے۔

(۴) پھر امام عالی مقام نے قرآن مجید سے استدلال اور استشہاد کیا ہے مہاجرین کا شان اخلاص اور اسلام کی خاطر سب کچھ قربان کرنے اور اللہ و رسول کی نصرت اور فضل خداوندی حاصل کرنے کے لیے گھروں اور اموال اور امتاع کو چھوڑ دینا ذکر کر کے دریافت کیا۔ کیا تم ان لوگوں میں سے ہو۔ پھر انصار کی۔

خدمات اور امتیازی علامات گنوا کر دریافت کیا کہ تم ان میں سے ہو کیا
مہاجرین والانصار کی منصوص من اللہ شان اور امام کا ان کی شان میں سب وشتم
کرنے والوں سے سوال فرمانا بھی اربلی صاحب اور ان کے نیاز مند ڈھکو
صاحب کو مسلم ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو مذہب کا بھانڈا چوراہے میں پھوٹا۔
اور اگر نہیں تو قرآن مجید اور حقیقت وواقعہ کا انکار لازم آیا۔ کیونکہ قرآن سے
ان کی اس شان اور خداداد مقام اور مرتبہ کو کھرچنا تو ساری شیعہ برادری کے
بس کی بات نہیں۔ اور نہ ان معترضین کے حق میں مہاجرین و انصار ہونے کا دعویٰ
کیا جاسکتا ہے رہ گئی تیسری آیت تو اس کا انکار بھی ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ
قطع نظر ارشاد امام کے ہر ایک مومن اور مسلمان کو یہ ماننا لازم ہے کہ اہل اسلام
کے تیسرے گروہ کی علامت بہر حال یہی ہے کہ پہلے گزرے بھائیوں کے
حق میں دعائیں کریں اور ان کے خلاف اپنے دلوں میں کسی قسم کا کھوٹ
اور میل پیدا نہ ہونے دیں۔ لہٰذا یہ روایت ساری کی ساری مذہب شیعہ
کی بربادی اور اس کے بیخ و بن سے اکھڑنے کی موجب ہے اور اس میں
قرآن اور امام کی زبان کی مطابقت وموافقت بھی اہل سنت کے مسلک
کا اثبات واحقاق اور اہل تشیع کے مذہب ومسلک کا ابطال کرنے میں
کافی ووافی ہے کیونکہ یہ امر واقعہ ہے۔ کہ ائمہ اہل بیت بالخصوص خلاف۔
قرآن نہیں ہو سکتے ورنہ فرمان رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم۔ ولن یتفرقا
حتی یردا علی الحوض۔ کی خلاف ورزی لازم آئے گی۔ اور جب قرآن مجید
نے اس حقیقت کا واشگاف الفاظ میں اظہار کر دیا ہے۔ تو امام زین العابدین
بلکہ سب ائمہ کا اس کے ساتھ اتفاق تسلیم کرنا سب اہل ایمان کے لیے
جزو ایمان ہے۔ اور جو قرآن کے مخالف ہوں اور ثقل اکبر کے باغی اگر اہل بیت
انہیں اپنے در سے ہٹائیں اور نہ دھتکاریں تو . . . . اور کون ہے
جو قرآن کی عزت کا پاس کرے گا اور اس کی پاسبانی کرے گا اور تصریح مرتضیٰ

رضی اللہ عنہ نظر نواز ہو چکی کہ خلفاء و سابقین اور شیخین رضی اللہ عنہما۔ مہاجرین اولین میں سے ہیں۔ لہٰذا اپنے آباء کے مسلک کا آپ تحفظ نہ کریں تو اور کون کرے گا۔ اس لیے یہ کاروائی امام زین العابدین رضی اللہ عنہ پر لازم تھی۔ اور واقعی آپ نے اپنا فرض منصبی باحسن طریق ادا فرمایا فجزاہ اللہ احسن الجزاء۔

لہٰذا ڈھکو صاحب کی یہ ساری کوشش عبث اور بے کار ہے۔ اور اس کے لیے فرار کی راہیں بالکل مسدود کیونکہ اربلی صاحب نے خود ان کے پاؤں کاٹ ڈالے ہیں لہٰذا علامہ موصوف اربلی صاحب کے بارے میں یہی کہہ سکتے ہیں۔

من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم
کہ بامن ہر چہ کرد آں آشنا کرد

اور خود اربلی صاحب نے اپنا مطمح نظر واضح کر دیا ہے۔

خوش تر آں باشد کہ سر دلبراں
گفتہ آید در حدیث دیگراں

(نوٹ: ڈھکو صاحب نے امام محمد باقر رضی اللہ عنہ والی روایت میں بھی یہی چال چلی ہے لہٰذا اس کا جواب بھی یہیں سے معلوم ہو گیا۔ اور جو روایت، ہم اپنی طرف سے پیش کریں گے۔ اس کے متعلق بھی یہ حقیقت ذہن نشین رہنی ضروری ہے۔ کہ صرف نام اہل سنت کا لے کر یہ روایت نقل کی گئی ہے۔ لیکن فی الواقع متفق علیہ اور مسلم عند الکل ہے۔

ناسخ التواریخ اور فضائل صحابہ کرام علیہم الرضوان

کتاب ناسخ التواریخ جلد دوم، کتاب احوال امام زین العابدین رضی اللہ عنہ صفحہ ۵۹ پر امام الساجدین کے فرزند ارجمند حضرت زید کا ارشاد گرامی بھی ملاحظہ فرمالیں۔ ادعو اللہ تعالیٰ یہ بر حق الیقین کریں

"طائفۂ از معارف کوفہ با زید بیعت کردہ بودند در خدمتش حضور یافتہ گفتند۔ رحمک اللہ در حق ابی بکر (الصدیق) و عمر چہ میگوئی؟ فرمود دربارۂ ایشاں جز بخیر سخن نکنم و از اہل خود نیز در حق ایشاں جز سخن خیر نشنیدہ ام و ایں سخناں منافی آں روایتے است کہ از عبد اللہ بن العلاء مسطور افتاد بالجملہ زید فرمود ایشاں بر کسے ظلم و ستم نراندند و بکتاب خدا و سنت رسول کار کردند الخ"

(یعنی کوفہ کے مشہور ترین لوگوں کے ایک گروہ نے جس نے حضرت زید بن زین العابدین رضی اللہ عنہما سے بیعت کی ہوئی تھی ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ اللہ آپ پر رحمت کرے ابو بکر (صدیق) اور عمر (رضی اللہ عنہما) کے حق میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ آپ نے جواب دیا کہ میں ان کے حق میں سوائے کلمہ خیر کے اور کچھ کہنے کے لیے تیار نہیں اور اپنے خاندان سے بھی ان کے حق میں سوائے کلمہ خیر کے میں نے کچھ نہیں سنا صاحب ناسخ التواریخ کہتے ہیں کہ عبد اللہ بن علا سے جو روایت لی جاتی ہے۔ امام کا یہ فرمان اس روایت کے سراسر خلاف ہے۔ حاصل یہ ہے کہ حضرت زید بن علی نے فرمایا کہ ابو بکر اور عمر نے کسی پر بھی ظلم نہیں۔

کیا اور اللہ کی کتاب اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر
کار بند رہے۔ الخ)

اور کتاب ناسخ التواریخ جلد ۳ احوال زین العابدین رضی اللہ عنہ صفحہ ۹۱
سطر ۱ تا ۷ اکا بھی مطالعہ فرمائیں اور الولد سرلابیہ کی تصدیق فرمائیں۔

" بالجملہ چوں مرداں در حق عمر و ابوبکر (صدیق) رضی اللہ عنہما)
آں کلمات را از زید بشنیدند گفتند ہمانا تو صاحب ما نیستی۔ امام
از دست برفت ومقصود ایشاں امام محمد باقر علیہ السلام بود آنگہ
از اطراف زید متفرق شدند، زید فرمود " رفضونا الیوم " یعنی مارا
امروز گذاشتند وگزشتند واز اں ہنگام ایں جماعت را رافضیہ گفتند،
رَفض تحریک وتسکین ماندن چیزی را بگذاشتن ستوداست و
رفیض ورفوض بمعنی متروک است۔ روافض گروہے راگویند
کہ رہبر خود را راندند واز دے باز گشتند وجماعت از شیعاں
باشند، در مجمع البحرین مذکوراست کہ رافضہ وروافض کہ در
حدیث وارد است فرقہ از شیعہ ہستند کہ رفضوا یعنی ترکوا
زید بن علی بن الحسین علیہما السلام راگہ گاہے کہ ایشاں را از طعن
در حق صحابہ منع فرمود وچوں مقالہ اور ا بدانستند معلوم ساختند کہ
کہ از شیخین تبری بجست اور ا بگذاشتند وگزشتند واز ایں پس
ایں لفظ در حق کسے استعمال میشود کہ دریں مذہب غلو نماید وطعن
در بارہ صحابہ را نیز جائز بشمارد "

(حاصل یہ کہ جب ان عراقیوں نے حضرت امام زین العابدین کے
صاحبزادے حضرت زید کی زبان فیض ترجمان سے حضرت ابوبکر صدیق و
عمر رضی اللہ عنہما کی تعریف سنی تو کہنے لگے کہ یقیناً آپ ہمارے
امام نہیں ہیں اور امام (بھی آج کے دن سے، ہمارے ہاتھ سے

گیا۔ ان کا مقصود تھا۔ امام محمد باقر علیہ السلام۔ اس وقت زید کی طرف داری سے اور ان کی حاضری سے الگ ہو گئے۔ جس پر حضرت زید نے فرمایا کہ آج یہ لوگ رافضی بن چکے ہیں۔ یعنی ہمیں آج کے دن سے ان لوگوں نے چھوڑ دیا اور چلے گئے۔ اس وقت سے اس جماعت کو رافضی کہتے ہیں۔ رَفض اور رُفض کا معنیٰ ہے سواری کو واگزار کرنا اور رفیض اور مرفوض کا معنیٰ ہے متروک ہونا۔ روافض اس گروہ کو کہتے ہیں جس نے اپنے امام اور رہبر کو چھوڑ دیا اور اس سے منہ پھیر لیا اور شیعوں کی جماعت سے ہو گیا اور مجمع البحرین میں ہے کہ رافضہ اور روافض جو حدیث شریف میں آیا ہے اس سے مراد شیعوں کا فرقہ ہے کیونکہ یہ رافضی بن گئے اور انہوں نے۔

امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت زید کا انکار کر دیا اور ان کو چھوڑ دیا کیونکہ آپ نے ان کو صحابہ کرام کے شان میں طعن کرنے سے منع فرمایا تھا۔ جب ان لوگوں نے اپنے امام کا ارشاد سمجھ لیا اور معلوم کر لیا کہ وہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کے حق میں تبرا برداشت نہیں کرتے تو ان لوگوں نے ان کو چھوڑ دیا اور نکل گئے اس کے بعد لفظ رافضی اس شخص کے حق میں استعمال ہونے لگا جو اس مذہب میں غلو کرتا ہے اور صحابہ کرام کے حق میں طعن کرنا جائز سمجھتا ہے۔

بھائیو! جب حضرت امام عالی مقام زین العابدین رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام کے حق میں طعن کرنے والوں کو اپنی مجلس سے نکال دیا اور رد فرمایا اور فرمایا کہ نکل جاؤ اللہ تعالیٰ تمہیں ہلاک کرے۔ تو ان کے صاحبزادے اپنے والد ماجد کی سنت کو کیوں نہ اپناتے اور کیوں نہ سختی کے ساتھ اس پر عمل فرماتے الولد سرٌ لابیہ کا یہی معنی ہے اب رفض اور تشیع کا ہم معنی ہونا اور مصداقاً متحد ہونا تو اہل تشیع

کی اس معتبر ترین کتاب نے پوری اور مکمل تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا جو کسی تبصرہ کا محتاج نہیں۔

رہا یہ امر کہ جس حدیث کی طرف اہل تشیع کی معتبر کتاب مجمع البحرین نے اشارہ کیا اور صاحب ناسخ التواریخ نے اس کا ذکر کیا وہ کونسی حدیث ہے تو یہ وہی حدیث ہے جس حدیث کے متعلق کافی (کتاب الروضہ ص ۱۶) میں۔ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کی قسم ان لوگوں نے تو تمہارا نام رافضی نہیں رکھا بلکہ تمہارا نام اللہ تعالیٰ نے رافضی رکھا ہے کافی کی بعینہٖ عبارت پیش کرتا ہوں۔ (کافی شیعوں کی معتبر ترین کتاب ہے جس کے متعلق کئی دفعہ حوالے گزر چکے ہیں)

قال: قلت: جعلت فداك فانا قد نبزنا نبزاً انكسرت له ظهورنا وماتت به افئدتنا واستحلت له الولاة دماءنا في حديث رواه لهم فقهاءهم قال فقال ابوعبدالله عليه السلام الرافضة؟ قال قلت نعم قال لا والله ما هم سموكم بل الله سماكم الخ

یعنی ابو بصیر نے (جو حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کا خاص الخاص شیعہ ہے) حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض کیا کہ میں آپ پر قربان جاؤں ہمیں ایک ایسا لقب دیا گیا ہے جس لقب کی وجہ سے ہماری ریڑھ کی ہڈی ٹوٹ چکی ہے اور جس لقب کی وجہ سے ہمارے دل مردہ ہو چکے ہیں اور جس کی وجہ سے حاکموں نے ہمیں قتل کرنا مباح اور جائز قرار دیا ہے۔ وہ لقب ایک حدیث میں بیان ہے جس حدیث کو ان کے فقہا نے روایت کیا ہے ابو بصیر کہتے ہیں کہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رافضہ کے متعلق حدیث؟ ابو بصیر کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا جی ہاں امام صاحب

نے فرمایا کہ خدا کی قسم ان لوگوں نے تمہارا نام رافضی نہیں رکھا بلکہ اللہ تعالیٰ نے تمہارا نام رافضی رکھا ہے"

تتمہ مبحث:

تحفہ حسینیہ: حضرت زید بن زین العابدین رضی اللہ عنہ کا شیخین سے برأت کا اظہار نہ کرنا بلکہ تیروں کی بارش اور تلواروں کی چھاؤں میں اعلان حق کرنا اور برہنہ سولی پر لٹک جانا اور جان جان آفریں کے سپرد کر دینا چونکہ شیعہ مذہب کی جڑ اکھیڑ کر رکھ دینے والا واقعہ ہے۔ اس لیے شیعہ صاحبان نے اس میں اینچ پیچ اور ہیرا پھیری کی بہتیری کوشش کی ہے۔ لیکن۔

ع جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے

حق چھپانے سے چھپ نہیں سکتا۔ قاضی نور اللہ شوستری نے اس حقیقت کو بہت ٹال مٹول کے بعد تسلیم کر ہی لیا ہے۔ ملاحظہ ہو مجالس المومنین جلد دوم ۲۵۶،۲۵۵ شوستری صاحب نے کہا تحقیق یہ ہے۔ کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے اپنے لیے امامت کا دعویٰ نہیں کیا تھا۔ اور انہیں یقین تھا کہ اس زمانہ کے امام محمد باقر ہیں۔ بلکہ ان کا مقصد اس خروج سے یہ تھا۔ کہ متغلبان اہل زبان سے اہل بیت پر کئے گئے ظلم و ستم کا بدلہ لیا جائے۔ اور آپ ہر طرح لوگوں کو اپنے ساتھ ملانے میں کوشاں تھے تاکہ اپنے خاندان کے دشمنوں کو دور کرتے اور ان کو مغلوب کرنے کی کوشش کر سکیں اور اس وقت میں جو شخص بھی بنو امیہ کے شر و ر اور جور سے تنگ آیا ہوا تھا۔ خواہ سنی خواہ معتزلی وہ ان کے ساتھ موافقت کرتا گیا۔ اور معاون و مددگار ہو گیا اور اہل تشیع میں سے جو ان کے ساتھ ہوئے بعض اس سبب سے ان کا ساتھ چھوڑ گئے۔ جو پہلے ذکر ہو چکا۔ (کہ امام زماں کی طرف سے ان کو خروج کی اجازت نہیں ملی اور یہ صرف ان کا ذاتی فیصلہ ہے۔ لہٰذا وہ امام زماں یعنی امام محمد باقر کی اجازت کے بغیر ان کے بھائی کا ساتھ نہیں دے سکتے تھے اس لیے) جنگ کے کسی نتیجہ پر پہنچنے سے پہلے ان سے

جدا ہو گئے۔

اور جن کو اس سبب اور حقیقی موجب کی اطلاع نہیں ہو سکی تھی یا امام زماں کی اجازت کے بغیر جنگ کرنے کو جائز سمجھتے تھے۔ انہوں نے جنگ کرنے پر کمر ہمت باندھی۔ لیکن جب مخالفین کی جماعتوں کو بھی ان کے ساتھ دیکھا تو دو گروہوں میں بٹ گئے جن کا حضرت زید کے ساتھ حسن ظن تھا۔ اور ان کے حقیقی عقائد کی پوری معرفت اور پہچان ان کو تھی۔ وہ ان کے حق میں کسی شبہ اور بدگمانی کا شکار نہ ہوئے۔ اور مخالفین کے ساتھ ان کی الفت کو ان کے اعتقاد پر اعتراض و تنقید کا موجب نہ سمجھے بلکہ ان کو مؤلفۃ القلوب کے قسم سے سمجھتے ہوئے حضرت زید کی محبت اور ہمدردی میں ائمہ اطہار کے اعداء سے انتقام لینے کے جذبے سے سرشار ہو کر میدان انتقام میں کود پڑے۔

دبعضے کہ ایشاں را زیادتی معرفت بحال زید نبود یا در تشیع غالی بودند موافق بودن او را با مخالف دلیل اختلال اعتقاد او خیال نمودند در مقام امتحان او بودند تا آنکہ او را علی روس الاشھاد تکلیف برأت و سب شیخین نمودند و چون زید بنا بر رعایت مصلحت وقت و استمالت قلوب جمہور شیوۂ مدارا می ورزید لاجرم از اظہار تبرا امتناع نمود و آن جماعت معاملہ ناشناس او را در آں باب معذور نداشتند و در دست اعداء مخذول بکش گزاشتند۔

ترجمہ: اور شیعان کوفہ میں سے بعض جو زید بن زین العابدین رضی اللہ عنہما کے متعلق زیادہ معلومات نہیں رکھتے تھے یا تشیع میں غالی تھے انہوں نے آپ کو مخالفین کے ساتھ موافقت کرتے ہوئے دیکھ کر ان کے اعتقاد میں خلل اور فساد کا خیال کیا اور ان کا امتحان لینے کے درپے ہو گئے حتیٰ کہ ان سے مجمع عام میں شیخین سے برأت اور ان کو سب کرنے کا مطالبہ کر دیا مگر جب حضرت زید نے مصلحت وقت کو ملحوظ

رکھتے ہوئے ان کا مطالبہ پورا کرنے سے انکار کر دیا اور جمہور کی دلجوئی کو مقدم سمجھا تو لازمی طور پر اظہار تبرا اور سب وشتم سے گریز کیا اور اس معاملہ ناشناس اور حقیقت حال سے بے خبر جماعت نے ان کو معذور نہ سمجھا اور ان کو دشمنوں کے حوالے کر دیا اور امداد و اعانت سے دست کش ہو گئے۔

فوائد۔ شیعان کوفہ کے لیے گویا یہ پہلا موقعہ تھا کہ انہوں نے اپنے ساتھ اہل السنت کو بھی حضرت زید کی معاونت میں دیکھا تھا۔ حالانکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور میں تمام تر اہل السنت آپ کے ساتھ تھے اور کوفہ میں شیعی عقائد کے لوگ اقل قلیل تعداد میں تھے۔ لہٰذا اس پر برہم ہونے اور برافروختہ ہونے کی کیا ضرورت تھی؟ صرف اور صرف یہ کہ آل رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی آڑ میں ان کو بدترین دشمنی کا نشانہ بنایا جائے اور یہود و مجوس کا جگر ٹھنڈا کیا جائے ورنہ یہ دیکھنے کی ضرورت نہ تھی کہ ان کے ساتھ کون کون ہیں۔ بلکہ صرف اس پر نظر رکھنے کی ضرورت تھی کہ ہم کس کے ساتھ ہیں اور کس کیلئے قربانی دے رہے ہیں

(۲) اگر ان کے ساتھ اہل السنت کو دیکھ کر ان کے عقیدہ میں اختلال کا شبہ ہو گیا تو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے متعلق کیسے یقین رہا کہ وہ صحیح عقیدہ کے مالک ہیں، جب کہ ان کی طرف سے خطبات اور خطوط میں عظمت شیخین کا بارہا اعتراف پایا گیا اور کبھی آپ نے ان پر سب وشتم تو کجا امیر معاویہ پر سب وشتم کو بھی روا نہ رکھا بلکہ ان کے اور ان کے متبعین کے حق میں بھی دعا کرنے کا حکم دیا الغرض خلافت ملنے سے قبل آپ اہل السنت اور ان کے ائمہ کی موافقت و معاونت فرماتے رہے اور خلافت کی باگ ڈور سنبھالنے پر عالم اسلام کے اطراف واکناف کے اہل السنت آپ کے معاون و مددگار اور جانباز و جانثار بن گئے اور آپ کے مخالفین خواہ وہ کس قدر ہی عظیم المرتبت تھے ان سے ٹکرا گئے ماسوا شام کے محدود علاقہ کے لہٰذا یہ کوئی عذر اور واقعی بہانہ آپ کا ساتھ چھوڑنے

کا نہیں ہو سکتا تھا۔ اصل راز اس میں وہی ہے۔ جو عرض کیا جا چکا ہے۔

(۳) شوستری صاحب کو اعتراف ہے کہ غالی شیعوں نے تبرا اور سب و شتم کا مطالبہ کیا اور یہ بھی تسلیم ہے کہ آپ نے نتائج اور عواقب کی پروا کئے بغیر ان کے مطالبہ کو ٹھکرا دیا بلکہ شیخین رضی اللہ عنہما کی عزت و عظمت پر اپنی جان کو قربان کر دیا اور ہم مدت دراز تک سولی پر لٹک کر بتلا دیا کہ ہم اہل بیت ان محسنین اسلام اور مخلصین و وفاداران بانی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم پر جان تو قربان کر سکتے ہیں مگر ان کی شان میں ادنیٰ گستاخی گوارا نہیں کر سکتے۔

(۴) یہاں سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ تقیہ کو آپ نے قابل عمل نہ سمجھا اور نہ ان کو تقیہ کے ہتھیار سے رام کیا جا سکتا تھا۔ جیسے بقول شیعہ صاحبان حضرت علی رضی اللہ عنہ سر عام خلفاء راشدین کی تعریف بھی فرما لیتے تھے اور علیحدگی میں شیعہ صاحبان کو بھی خوش کر لیتے تھے۔ نہ امام حسین کو یہ سلیقہ آیا اور نہ ہی حضرت زید رضی اللہ عنہ کو العیاذ باللہ

(۵) اس قول کی رو سے امام زید نے غالیوں کا مطالبہ ٹھکرایا اور سابقہ روایت کی رو سے حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ نے غالیوں کو اپنے دربار اور در دولت سے بھگایا جس سے ثابت ہو گیا کہ واقعی یہ حضرت زین العابدین کی تربیت کا اعجاز تھا کہ ان سنگین حالات میں آپ نے وفا شعاری کا حق ادا کر دیا اور بتلا دیا کہ مرف میں خود ان کو اچھا نہیں سمجھتا بلکہ از اہل خویش نیز درحق ایشاں جز بسخن خیر نشیدہ ام۔ جس گھر میں میں نے آنکھ کھولی جن آغوش ہائے کرامت میں پرورش پائی وہاں کبھی ان کے متعلق بھلائی اور خیر کے علاوہ بات تک نہیں کی جاتی تھی بلکہ ہمیشہ ان کی مدح و ستائش کی جاتی تھی۔

والحمد للہ علیٰ ذالک

تنزیہہ الامامیہ:

ناسخ التواریخ کے متعلق تبصرہ اور گلو خلاصی کی ناکام کوشش

یہ کتاب تاریخ کی ہے اور جس طرح عام تاریخی کتابوں میں ہر قسم کا رطب ویابس موجود ہوتا ہے۔ اس کتاب میں بھی اس قسم کا مواد ہے بلکہ سب سے زیادہ ہے کیونکہ یہ ہے ناسخ التواریخ (تا)، یہ کوئی تفسیر اور حدیث کی کتاب نہیں اور اس میں تمام۔ اسلامی فرقوں کی روایات درج ہیں۔ مؤلف نے اس کتاب سے حوالہ جات، نقل کرنے میں وہی دھاندلی روا رکھی ہے جو کشف الغمہ وغیرہ میں کی ہے ص ۲۷ ، ۴۷

تحفہ حسینیہ:

(۱) جب اپنی باری آئی تو پتہ چلا کہ تاریخی کتابوں میں ہر قسم کے رطب ویابس ہوتے ہیں مگر جب اہل السنت کے خلاف بلکہ خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے خلاف باطنی غیظ وغضب اور بغض وعناد کا اظہار کرتا تھا اس وقت کیوں نہ خیال آیا کہ یہ تاریخی کتابیں ہیں اور ان میں ہر قسم کے رطب ویابس ہوتے ہیں۔ لہٰذا ان کے پیش کرنے سے حیاء کر جائیں لیکن وہ مرضی کے مطابق تھیں اس لیے بڑی دھوم دھام سے پیش کیں اور عنوان پہ قائم کر دیا۔ کتب سنیہ سے مضمون بالا کی تائید یعنی اہل بیت کرام کے خلفاء ثلاثہ کے ساتھ اختلاف اور باہمی کدورت کی تائید میں جو حوالے دیئے ان میں مروج الذہب مسعودی ، تاریخ کامل ، تاریخ طبری ، تاریخ ابوالفداء وغیرہ ذکر کی ہیں۔ اور یہ خیال نہ کیا کہ آیات واحادیث اور ارشادات ائمہ کے مقابل ان تاریخی کتابوں کی کیا اہمیت ہے پھر یہ دیانتی یہ کہ مسعودی شیعہ ہے اس کی کتاب کا حوالہ بھی دے دیا اور ابن ابی الحدید معتزلی

شیعی ہے اس کا حوالہ بھی دے دیا بلکہ زیادہ تر اسی کے حوالوں سے گزارا چلایا اور پھر لطف یہ کہ ہمارے خلاف جس مؤرخ کا حوالہ مل سکے وہ سبھی محقق زمانہ خواہ شبلی نعمانی ہو یا عبدالغنی کاشمیری ہو یا حافظ اسلم ہو اور اپنی باری آئے تو اتنا بڑا قلمکار بھی ناقابل اعتداد و اعتبار اور مردود۔

(۲) ڈھکو صاحب فرماتے ہیں کہ ناسخ التواریخ میں اس قسم کا زیادہ مواد ہے کیونکہ یہ ناسخ التواریخ ہے۔ کیا خوب کہا۔ کیا ناسخ کا معنی یہی ہوا کرتا ہے کہ منسوخ کی نسبت اس میں زیادہ خرابیاں اور کوتاہیاں ہوں قرآن۔ تورات و انجیل کے لیے ناسخ اور مذہب اسلام یہودیت و نصرانیت کے لیے ناسخ وہاں تو لامحالہ ناسخ کا یہی معنی ہو گا کہ قرآن نے اس زمانہ کے مصالح مطلوبہ پر منطبق نہ ہو سکنے والے احکام کو منسوخ ٹھہرایا یا محرفہ احکام کی حیثیت واضح کی اور مذہب اسلام نے اخلاق عالیہ کی تکمیل کر دی اور ادھورے معاملات کا نسخ کر دیا لیکن شیعہ صاحبان کا ناسخ وہ ہے جس میں منسوخ کی نسبت زیادہ خرابیاں۔ رطب و یابس اور موضوعات موجود ہوں، کیوں نہ ہو ان کی گنگا الٹی جو بہتی ہے

(۳) ناسخ کے مؤلف نے بھی آغاز کتاب میں اس امر کا دعویٰ کیا ہے کہ میں۔ شیعہ و سنی دونوں فریق سے متفق علیہ روایات پیش کروں گا تاکہ دونوں۔ فریق کے لیے یہ کتاب قابل قبول ہو سکے مگر جب اپنے ہی اس کو قبول۔ نہیں کر رہے تو اہل السنت کیسے کریں گے تو گویا اس مؤرخ نے یوں ہی ہزاروں اوراق سیاہ کئے اور اپنا وقت اور قوم کا سرمایہ برباد کیا۔ الغرض اس کی اپنی قلم سے اس کتاب کا مقصد تالیف اور اس کو اہم اور مقبول ترین بنانے کا طریقہ کار ملاحظہ ہو۔

ناسخ التواریخ میں متفق علیہ روایات ہیں

معلوم باد کہ راقم الحروف در تاریخ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم و آل او بیشتر خبر اہل سنت را بنگارد کہ شیعہ و سنی در آں اتفاق دارند اگر سخنی بر خلاف عقیدت علماء امامیہ اثنا عشریہ در میاں آید آں را باز نماید (ناسخ التواریخ جلد اول کتاب دوم ص ۳۵)

یہ بات اچھی طرح ذہن نشین رہے کہ راقم الحروف پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل کی تاریخ میں زیادہ تر اہل السنت کی ان روایات کو نقل کرتا ہے جن میں شیعہ اور سنی کا باہم اتفاق ہوتا ہے اور اگر کوئی روایت اور خبر علماء امامیہ اثنا عشریہ کے عقیدہ کے خلاف درمیان میں آتی ہے تو اس کی صراحت کر دیتا ہے اور حقیقت حال کی وضاحت کر دیتا ہے۔

دیکھا آپ نے ڈھکو صاحب! مؤلف خود کہتا ہے کہ اہل السنت کی روایات وہی نقل کرتا ہوں جس پر اہل تشیع کا بھی اتفاق ہوتا ہے اور اگر کوئی روایت شیعہ کتب کی یا اہل السنت کی کتابوں سے لی ہوئی شیعہ مسلک کے خلاف آتی ہے۔ تو اس کی وضاحت اپنے اوپر لازم اور ضروری سمجھتا ہے۔ آپ نے میرے خیال میں اپنی مذہبی کتابوں کو پڑھنے کی زحمت کبھی نہیں کی یا پھر ان کی عبارات پر غور و خوض کا موقعہ کم ملتا ہے ورنہ اس طرح جواب دینے کی جسارت نہ کرتے اور اپنے مصنفین کی محنت برباد نہ کرتے۔

(۲) اہل السنت کی روایات کے بغیر تمہارا کوئی معتبر اور سیرت نگار یا مؤرخ چل ہی نہیں سکتا کیونکہ جناب کا سلسلہ روایات منقطع ہے اور غیر مرفوع، زیادہ تر روایات کو حضرت امام جعفر صادق تک یا زیادہ ہمت کی تو امام محمد باقر تک پہنچا کر چھوڑ دیا اور جو واقعات ان کی پیدائش سے بھی پہلے گزر چکے۔ وہاں اہل السنت کی کتابوں سے ہی استفادہ کرنا پڑتا ہے تفسیر قمی میں اور صافی میں تفاسیر اہل السنت سے استفادہ نہیں کیا گیا تو انتہائی مختصر اور مہ

ناتمام تفسیریں نہیں۔ لیکن مجمع البیان اور منہج الصادقین وغیرہ میں بھرپور استفادہ کیا گیا ہے تو مبسوط ضخیم اور جامع تفاسیر بن گئیں لہٰذا یہ تمہاری مجبوری ہے اس کے بغیر تمہیں چارہ ہی نہیں اور نقل کرنے والے اس خیال سے نقل کرتے ہیں کہ یہ عقیدہ اہل تشیع کے منافی نہیں ہیں۔ خود نہج البلاغہ کے خطبات واقدی وغیرہ سے منقول ہیں۔ لہٰذا اس کو بھی مردود اور ناقابل اعتبار قرار دے دو لیکن یہ ایک حقیقت ذہن نشین رکھ کر کہ تمہارے اسلاف نے ان کو سنی سمجھ کر نہیں بلکہ واقعات نگار سمجھ کر دہ روایات لی ہیں اس لیے اس بہانے اور عذر کو چھوڑ کر اگر دامن عقل و دانش میں تحقیق و تدقیق کا کوئی ریزہ ہے تو اسے پیش کرو۔

ناسخ التواریخ کی پہلی روایت، ڈھکو صاحب کے جوابات اور ان کی لغویت

(۱) موصوف نے پہلا جواب تو حسب عادت یہی دیا ہے کہ روایت اہل السنت سے لی گئی ہے جس کا جواب دیا جا چکا ہے کہ اس نے متفق علیہ روایات کا التزام کیا ہے۔

(۲) دوسرا یہ کہ حضرت زید بن علی رضی اللہ عنہما سے ایک دوسری روایت بھی منقول ہے جو حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے متعلق ان کے اس عقیدہ کے برعکس عقیدہ پر دلالت کرتی ہے لہٰذا اسی کا اعتبار ہوگا لیکن ہم قاضی نور اللہ شوستری شہید ثالث رئیس تقیہ بازاں کا قول پیش کر چکے ہیں۔ جس کا آغاز انہوں نے اس طرح کیا ہے "مؤلف گوید تحقیق آنست" اور اس کے بعد شیعہ صاحبان کے تین گروہ کر ڈالے ایک آغاز جنگ سے بھاگ جانے والوں کا جنکی طرف سے عذر یہ بیان کیا کہ انہوں نے جب معلوم کر لیا کہ امام زمان حضرت ابوجعفر محمد باقر رضی اللہ عنہ کی اجازت کے بغیر انہوں نے خروج کیا ہے، تو ساتھ چھوڑ دیا اور ایک جماعت نے عین موقعہ پر سینوں کو امام موصوف

کے ساتھ دیکھ کر ان کے عقیدہ کے متعلق شکوک و شبہات پیدا ہونے پر شیخین کے متعلق سوال کر دیا اور جب آپ نے تبرا سے گریز کیا تو انہوں نے آپ کو میدان جنگ میں چھوڑ کر گھر کی راہ لی اور تیسرا گروہ ساتھ رہا یا لیس ہزار نے بیعت کی تھی اور میدان کارزار میں پانچ سو باقی رہ گئے تھے مگر امام موصوف نے ساڑھے انتالیس ہزار کی رعایت نہ کی۔

الغرض جب آپ کے قاضی القضاۃ اور شہید ثالث کی تحقیق یہ ہے تو آپ خلاف تحقیق بات کر کے اپنی آبرو اور ہمارا وقت کیوں برباد کرتے ہیں۔

(۱۳۰۱) ڈھکو صاحب فرماتے ہیں چونکہ دوسری روایت کی تائید بہت سی دیگر روایات سے ہوتی ہے اللہ وہی راجح ہوگی مگر تعجب ہے کہ روایات پر تو نظر جاتی ہے حقائق اور واقعات پر نظر کیوں نہیں جاتی کہ امام موصوف نے ان روٹھے ہوئے روافض کو ساتھ ملانے کی کیوں کوشش نہ فرمائی اور ان کو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا حوالہ کیوں نہ دے دیا کہ وہ بظاہر خلفاء ثلاثہ کی تعریف بھی کر لیتے تھے اور حقیقی عقیدہ بھی اس کے خلاف تھا تاکہ اہل السنت کی تائید حاصل ہو سکے، میں بھی الولد سر لابیہ پر عمل پیرا ہوں اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا واقعی یہی طرز تھا تو نہ آپ کو اس کے اظہار میں تامل ہو سکتا تھا اور نہ شیعہ کو اس عذر کے قبول کرنے میں لیکن ایسی کسی کوشش کا نہ پایا جانا بھی ہمارے لیے واضح دلیل ہے کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے قربان ہو جانا گوارا کر لیا لیکن ایسے ملعونوں کی معاونت کو ٹھکرا دیا۔

ب، حضرت زید رضی اللہ عنہ پر سوال سامنے آتے ہی یہ حقیقت تو پوشیدہ نہیں رہ سکتی تھی کہ اس جواب کا ردعمل کیا ہوگا۔ تو آپ شیعہ صاحبان کو ناراض کرنے کی بجائے حقیقی عقیدہ ظاہر کر دیتے خواہ سنی ساتھ چھوڑ ہی جاتے کیونکہ کسی بھی فریق کے چھوڑنے پر انجام تو وہی ہونا تھا لیکن اس صورت میں آتا تو کہا جا سکتا تھا کہ امام موصوف نے حق پر ثابت قدمی کا حق ادا کر دیا اور موت کی آنکھوں

میں آنکھیں ڈال کر بھی اظہار حق سے گریز نہ کیا۔ لیکن جب آپ نے شیعہ کا ساتھ چھوڑنا گوارا کر لیا اور جان دینا گوارا کر لیا مگر شیخین رضی اللہ عنہما کی شان میں سب و شتم اور ان سے برات کا اظہار نہ کیا تو یہ حقائق اور واقعات ہیں یہ عقیدہ رکھنے پر مجبور کرتے ہیں کہ آپ کا واقعی عقیدہ صرف اور صرف وہی تھا۔ جس پر آپ شہید ہوئے اور جس کے برعکس کہلوانے کی کوشش کے باوجود ان دشمنان دین و ایمان کو منہ کی کھانی پڑی۔ بلکہ صاحب مجالس کے قول کے مطابق چالیس ہزار نے بیعت کی تھی۔ اور میدان میں صرف پانچ سو باقی رہ گئے تھے تو مطالبہ کرنے والوں کا مطالبہ پورا کرنے پر کسی حد تک کامیابی کا امکان تھا لیکن تبرا نہ کرنے پر یقینی شکست اور شہادت پیش آنے والی تھی۔ لہٰذا ایسی صورتِ حال کے باوجود امام موصوف کی اس نظریہ پر استقامت اور روافض کو ٹھکراتے کی پالیسی ایسی ٹھوس اور ناقابل تردید و انکار شہادت ہے جس کے مقابلہ میں ہزاروں روایات کی بھی پرکاہ کے برابر حیثیت نہیں رہ جاتی۔

(۴) ——— ڈھکو صاحب فرماتے ہیں۔ یہ روایت درایت اور عقل کے خلاف ہے کیونکہ اس سے لازم آتا ہے کہ شیخین نے کتاب خدا اور سنتِ رسول پر عمل کیا اور کسی پر ظلم و ستم نہیں کیا اور یہ کہ وہ فرماتے ہیں میں نے اپنے اہل خاندان سے بھی ان کے حق میں سوائے خیر اور بھلائی کے کچھ نہیں سنا حالانکہ ہم قبل ازیں حقیقی اعتقادات ائمہ کے درباره خلفاء ثلاثہ میں ان کے خلاف اہل بیت کے نظریات بیان کر چکے ہیں اور ان کا ظلم بھی غصب فدک وغیرہ کے معاملہ میں ظاہر ہے تو اپنی جدہ ماجدہ کے ساتھ اس ظلم کا وہ انکار کیسے کر سکتے تھے۔ (ملخص از تنزیہ الامامیہ ص ۱۰۵)

(۵) ——— مگر کہاں روایات اور کہاں حقائق و واقعات جب حقائق و واقعات نے ثابت کر دیا کہ امام موصوف نے اہل تشیع پر اہل السنت کو اور شیخین رضی اللہ عنہما پر تبرا کی بجائے ان کی مدح و ثنا کو اختیار کر کے ہر چہ بادا باد کر۔

مظاہرہ کیا تو پھر روایات کی طرف بھاگنے کا کیا مطلب ؟

(ب) ——— ہم نے کتاب اللہ کے آیات محکمات سے اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ارشادات عامہ و خاصہ سے ان مقدس ہستیوں کا ایمان و اخلاص اور ان کا رضائے الٰہی کی خاطر گھر بار اور خویش و اقرباء کو خیر باد کہنا ثابت کر دیا اور حضرت امیر کی زبانی یہاں تک ثابت کر دیا کہ ان دونوں حضرات کا مرتبہ اسلام میں عظیم ہے اور ان کا وصال اسلام کے لیے ناقابل تلافی نقصان وغیرہ ذلک المذاجب ان روایات کے ساتھ ان واقعات کو اور آیات بینات کو ملائیں تو اہل ایمان کے لیے وہی عقیدہ اپنائے بغیر چارہ نہیں رہتا جو حضرت زید رضی اللہ عنہ نے تلواروں کی چھاؤں تیروں کی بارش اور نیزوں کی نوکوں کے سامنے بیان فرمایا۔ والحمد للہ

(ج) ——— حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کا فدک غصب ہوا اور ان پر ظلم ہوا یا نہیں اس کی بحث آئندہ اوراق میں فدک کی بحث میں آجائے گی۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ ڈھکو صاحب واقعات و حقائق کا مشاہدہ چھوڑ کر روایات کا سہارا لیتے ہیں حالانکہ وہ خود معترف ہیں کہ دوسری کتابوں کا تو کیا کہنا ہمارے نزدیک ہماری صحاح اربعہ بھی تمام تر صحیح نہیں عبارت۔ ملاحظہ ہو۔

"حقیقت یہ ہے کہ شیعہ علماء محققین اپنی کتب اربعہ کے متعلق بھی دعویٰ نہیں کرتے کہ ان کے تمام مندرجات قابل قبول ہیں ص ۱۰۲"

قیاس کن ز گلستان من بہار مرا۔ جب روایات کی کتب معتبرہ کا حال یہ ہو تو ان کے بل بوتے پر ان ہستیوں کو مورد الزام ٹھہرانا جن کی عظمتوں کا قرآن قصیدہ خواں ہو، کہاں کا انصاف ہے۔

دوسری روایت کے جوابات اور ان کا رد بلیغ

روایت کا ماحصل یہ تھا کہ شیعہ نے جب اپنی مرضی اور خواہش کے برعکس

حضرت زید رضی اللہ عنہ کی طرف سے اظہار برادت کی بجائے تعریفی کلمات سنے تو ان کا ساتھ چھوڑ دیا اور امام موصوف نے فرمایا رفضونا الیوم اس وقت سے اس جماعت کو رافضی کہتے ہیں یعنی چھوڑ جانے والے۔ اور جب اسی لقب کے متعلق ابو بصیر نے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں شکایت کی اور اس کی وجہ سے ہونے والے تشددات کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا بخدا ان لوگوں نے تمہارا نام رافضی نہیں رکھا بلکہ اللہ تعالیٰ نے تمہارا نام رافضی رکھا ہے۔

ڈھکو صاحب فرماتے ہیں اس ابو بصیر والی روایت کا ایک تتمہ بھی ہے جسے نظر انداز کیا گیا ہے ورنہ ہمیں جواب کی ضرورت نہ پڑتی اور وہ یہ ہے کہ جب فرعون کے جادوگر حضرت موسیٰ کا معجزہ دیکھ کر ایمان لے آئے تو خداوند عالم نے ان کا نام رافضہ رکھا یعنی فرعون اور اس کے انصار و اعوان کو ترک کرنے والے اور پھر یہ لقب باقی رہ گیا یعنی جو بھی اچھے لوگ برے لوگوں کو چھوڑ دیں ان کو رافضی کہا جاتا ہے الخ ص ۱۰۸۔

الجواب بفضل اللہ الوھاب

(۱) ــــــ حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ نے صرف ناسخ التواریخ اور مجمع البحرین میں جس حدیث کی طرح اشارہ کیا گیا تھا اس حدیث کی نشاندہی فرما دی۔ نہ آپ کا مقصد بالتفصیل وہ روایت بیان کرنا تھا۔ اور نہ ہی یہ آپ کی ذمہ داری تھی بلکہ صرف یہ بتلانا تھا کہ ابو بصیر نے اس لقب کی وجہ سے درپیش مشکلات کا امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے آگے رونا رویا جس سے واضح ہوا کہ جو شیعہ ہیں وہی رافضی ہیں ورنہ ابو بصیر جو خاص الخاص شیعہ تھا اس کو اس لقب کی وجہ سے اپنے امام کے سامنے اس آہ و بکا کی ضرورت کیا تھی جب مقصد اتنا تھا۔ تو وہ اس قدر حصہ کے ذکر سے ہی پورا ہو گیا ساری روایت کو ذکر کرنا مقصد سے خارج تھا لہٰذا آپ کیوں ذکر فرماتے

(۲) ـــــ رہا یہ سوال کہ روضہ کافی میں تو رافضہ کا لقب عظمت پر دلالت کرتا ہے کیونکہ فرعون کو چھوڑنے والوں کو رافضہ کہا گیا تھا اور وہ ابھی تک باقی تھا الخ اس کا جواب ناسخ التواریخ کے مؤلف اور مجمع البحرین کے مؤلف کی ذمہ داری ہے نہ کہ حضرت شیخ الاسلام کی کیونکہ یہ انہوں نے کہا ہے ازیں پس ایں لفظ در حق کسے استعمال میشود کہ درایں مذہب غلو نماید و طعن دربارہ صحابہ را نیز جائز بشمارد (یعنی اس واقعہ ہائلہ اور حادثہ فاجعہ (شہادت حضرت زید) کے بعد یہ لفظ رافضی کا اس شخص کے حق میں استعمال ہونے لگا ہے جو اس مذہب تشیع میں غلو اور تجاوز سے کام لے اور صحابہ کے حق میں طعن و تشنیع کو جائز شمار کرے۔ آپ تو اس کے ناقل ہیں۔

(۳) ـــــ چلو ہم سے ہی تطبیق کا مطالبہ کرتے ہو تو ہم ہی بتلا دیتے ہیں کہ یہ لقب یہودیوں کا تھا اور جب وہی یہودی عبداللہ بن سبا اور اس کے ساتھی اسلام میں داخل ہوئے اور اسلام کے خلاف سازشیں شروع کیں کبھی صحابہ کرام پر طعن و تشنیع سے کام لیا اور کبھی اہل بیت کرام کے ہمدرد بن کر ان کو میدانِ جنگ میں اتار دیتے اور پھر بہانے بنا کر ساتھ چھوڑ جاتے تو سابقہ نام سے ہی پکارے جانے لگے لہٰذا کوئی منافات اور مخالفت باقی نہ رہی یعنی اب بھی رافضی کو یہودیوں پر ہی استعمال کیا گیا اور آپ کے نزدیک جب صحابی رسول ہونا ایمان کی ضمانت مہیا نہیں کرتا تو رافضی جو یہود کا لقب تھا اور انہی کا رہا اس سے آپ لوگوں کی کون سی عظمت ثابت ہو سکتی ہے

(۴) ـــــ ڈھکو صاحب نے ساحران فرعون کا تائب ہو کر موسیٰ علیہ السلام کے حلقہ غلامی میں آنا رافضی کہلانے کا سبب بتلایا ہے حالانکہ یہ غلط محض ہے اور کذب قبیح کیونکہ روضہ کافی میں قطعاً اس طرح نہیں ہے عبارت ملاحظہ ہو۔ أما علمت یا ابا محمد ان سبعین رجلا من بنی اسرائیل رفضوا فرعون وقومه لما استبان لهم ضلالهم فلحقوا بموسی لما

استبیان لھم ھداہ فسموا فی عسکر موسی الرافضة صفحہ ۳۴ -

روضہ کافی مطبوعہ طہران یعنی بنی اسرائیل کے ستر آدمی جنہوں نے فرعون اور اس کی قوم کو چھوڑا جب کہ ان پر فرعونیوں کی گمراہی واضح ہو گئی تو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ لاحق ہو گئے جب ان کا حق ان پر واضح ہو گیا۔ تو ان کو رافضہ کہا گیا۔ اور یہ بات محتاج وضاحت نہیں ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام تمام اہل وعیال سمیت حضرت یوسف علیہ السلام کی دعوت پر مصر میں تشریف لے گئے اور وہیں آباد ہوئے تھے اور جادوگر مدائن سے بلائے گئے" کما قال تعالی حکایة عن آل فرعون: أرسل فی المدائن حاشرین یاتوك بکل ساحر علیم"

لہٰذا یہ روایت بذات خود غلط ہے اگر اس سے جادوگروں میں سے ستر آدمی مراد ہیں تو کیونکہ خلاف قرآن ہے رہا قوم بنی اسرائیل کا معاملہ تو ان کا صدق و اخلاص کبھی ساحل قلزم پر نظر آجاتا ہے جب موسیٰ علیہ السلام کو کہتے ہیں انا لمدرکون ہم مارے گئے اب کدھر جائیں آگے پانی پیچھے فرعون اور اس کا لشکر۔ اور کبھی بچھڑے کی پوجا پر اور راحص الخواص رافضہ کا حال طور پر ظاہر ہو جاتا ہے جب کہ اعلان کر دیا۔ لن نؤمن لك حتی نری اللہ جھرة " ہم محض تمہارے کہنے پر اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتے جب تک خود علانیہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ نہ لیں تو اللہ تعالیٰ نے بجلی گرا کر تباہ و برباد کر دیا اور تھے وہ بھی ستر ہی ذرا تحقیق کر کے بتلانا کہ وہ یہی ستر تو نہیں تھے کیونکہ ساری قوم سے موسیٰ علیہ السلام نے انہیں کو منتخب جو فرمایا تو ظاہر ہے کہ انہیں پر فرعون کا ضلال اور موسیٰ علیہ السلام کا حق اچھی طرح ہی واضح ہو چکا ہو گا اور بہت بڑے رافضی وہی ہوں گے جنہوں نے پہلے فرعون کو چھوڑا اور اب طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو چھوڑا۔

(۵) ——— ڈھکو صاحب فرماتے ہیں اس وقت کے رافضیوں نے فرعون کو چھوڑا اور اس وقت کے رافضی بھی فرعون صفت لوگوں کو چھوڑ رہے

ہوئے ہیں مگر اس وقت تو انہوں نے امام زین العابدین کے نور نظر کو اور محبوب فرزند کو چھوڑا جن کے منہ میں وہ اس وقت تک لقمہ نہیں رکھتے تھے۔ جب تک اسے اپنے منہ میں رکھ کر اطمینان نہ کر لیتے کہ گرم نہیں اور میرے بیٹے کو تکلیف نہیں دے گا اور انہوں نے امام محمد باقر رضی اللہ عنہ کے بھائی کو چھوڑا۔ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے چچا کو چھوڑا جن کی خبر شہادت سن کر وہ خون کے آنسو روتے رہے۔ تو اس کا مطلب یہ ہوا نعوذ باللہ نگاہ رفض و تشیع میں وہ بھی فرعون وقت تھے۔ علاوہ ازیں یہ لقب انہوں نے اور ان کے ساتھ بچ جانے والوں نے تجویز کیا۔ تو اگر اللہ تعالیٰ کی مخالفت کی ہے تو انہوں نے کی ہے نہ کہ ہم نے۔ قاضی نور اللہ شوستری نے تصریح کی ہے کہ حضرت زید نے فرمایا۔

رفضونی، مرا ترک کردند و آں قوم کہ با زید بماندند ایں قوم را رافضہ نام نہادند ص ۲۵۳ ج ۲ مجالس المؤمنین زید آں طائفہ را مخاطب گردانید گفت دیا قوم رفضتمونی بناء برایں سخن اسم رافضی بر شیعہ اطلاق یافت ص ۲۵۳ لہٰذا یہ سوال حضرت زید رضی اللہ عنہ سے کیا جانا چاہیے کہ روافض تو فرعونوں کو چھوڑنے والوں کا نام تھا۔ تم نے اہل بیت کے محبوں پر اس کا اطلاق کیوں کیا؟ جب کہ ہماری محبت کا ثبوت اپنی سر کی آنکھوں سے مشاہدہ کر چکے ہو۔

(۶) ——— علاوہ ازیں نام برقرار رہتے ہیں لیکن معنوی تبدیلی ہو ہی جاتی ہے فرعون کے دور میں اہل مصر کو شیعہ کہا جاتا تھا۔ حالانکہ وہ فرعون کے پجاری تھے اور اب ماشاء اللہ ان کو کہا جاتا ہے جو سفید گھوڑوں کے پجاری بناوٹی قبروں کے پجاری اور لکڑی کے تابوت کے پجاری ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو الوہیت کے منصب پر فائز ماننے والوں اور چودہ صدیاں گزرنے کے باوجود آل رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سے صرف بارہ کو کامل ماننے والوں، امام حسن رضی اللہ عنہ کی ساری اولاد اور امام حسین رضی اللہ عنہ

کی اولاد میں بعض کو کذاب اور بعض کو مرتد ماننے والوں پر اطلاق کیا جاتا۔
ہے اور مساجد چھوڑ کر نئے عبادت خانے تیار کرنے والوں اور نبی اکرم
صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام تر صحابہ الا ماشاء اللہ کو مرتد اور منافق سمجھنے والوں پر
لہٰذا اگر اس وقت رافضی کے معنی میں کوئی خیر والا پہلو تھا بھی تو اب وہ عنقا ہو گیا
جس طرح لقب شیعہ میں بقول شیعہ اس وقت کوئی شر والا پہلو موجود تھا تو اب
خیر ہی خیر رہ گیا چشم بد دور

مذہب شیعہ : حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز

رافضیوں والی حدیث احتجاج طبرسی

مطبوعہ ایران میں بھی موجود ہے اگرچہ اہل تشیع کی کتاب کافی کی روایت کے بعد
اہل تشیع کی خدمت میں اس حدیث کی توثیق کے لیے مزید شہادت کی ضرورت
نہیں علی الخصوص ایسی حالت میں کہ جب امام صاحب اس حدیث کی توثیق میں یہ
فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ کی قسم اللہ تعالیٰ نے تمہارا نام رافضی رکھا ہے مگر ہم چاہتے ہیں
کہ مومنین کو خوش کرنے کے لیے بطور استشہاد ایک حدیث پیش کر ہی دیں۔

عن علی قال یخرج فی آخر الزمان قوم لھم نبز یقال لھم الرفضة
یعرفون بہ فینتحلون شیعتنا ولیسوا من شیعتنا و آیة ذلك انھم یشتمون ابا بکر و عمر
ولیسوا من شیعتنا اینما ادرکتموھم فاقتلوھم فانھم مشرکون۔

حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آخر زمانہ میں ایک فرقہ نکلے گا جس
کا خاص لقب ہوگا جس کو لوگ رافضی کہیں گے اسی لقب کے ساتھ ان کی پہچان ہوگی
وہ لوگ ہمارے شیعہ ہونے کا دعویٰ کریں گے اور در حقیقت وہ ہماری جماعت سے
نہیں ہونگے اور ان کے ہماری جماعت سے نہ ہونے کی علامت یہ ہے کہ وہ لوگ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ)
اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ) کے حق میں سب بکیں گے تو وہ تمہیں جہاں کہیں
ملیں ان کو قتل کر دینا کیونکہ وہ مشرک ہوں گے۔

اس حدیث کی صحت کے متعلق صرف اس قدر کافی ہے کہ بعینہٖ وہی الفاظ اور
وہی مضمون جو حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش ہوا جس کی تصدیق
حضرت امام جعفر صادق نے فرمائی اس حدیث میں موجود ہے اس لیے اگرچہ یہ حدیث
ہم کنز العمال سے پیش کر رہے ہیں۔ اور یہ کتاب اہل تشیع کے نزدیک معتبر نہیں
ہے مگر اس حدیث کا ان کے نزدیک بھی صحیح ہونا کسی مزید دلیل کا محتاج نہیں ہے
جیسا کہ عرض کر چکا ہوں کنز العمال میں یہ حدیث اور اس کی ہم معنی باقی احادیث ملاحظہ
فرمانی ہوں تو جلد نمبر ۶ ص ۸۱ پر دیکھیں در رسالہ مذہب شیعہ ص ۲۴، ۲۵

تنزیہ الامامیہ از علامہ محمد حسین ڈھکو صاحب

جواباً عرض ہے پیر صاحب نے جس روایت پر اعتماد کر کے مظلوم شیعوں کے
قتل کا جواز پیش کرنے کی ناکام کوشش کی ہے وہ اصول روایت اور درایت کے
مطابق ناقابلِ اعتماد ہے۔ روایت کے لحاظ سے اس طرح کہ یہ ان کی اپنی مذہبی
کتاب کی روایت ہے جسے ہمارے خلاف بطور حجت پیش نہیں کیا جا سکتا کیونکہ
مناظرہ کا یہ مسلمہ قاعدہ ہے کہ استدلال میں مدمقابل کے مسلمات پیش کیے جاتے
ہیں ان سے کون پوچھے کہ آیا کنز العمال بھی شیعوں کی معتبر ترین کتاب ہے۔ اور
درایت کے لحاظ سے اس طرح کہ اس روایت میں مذکورہ ہے کہ ابوبکر و عمر کو برا کہلا
کہنے والے رافضی آخر زمانہ میں پیدا ہوں گے مگر خود پیر صاحب بیان کر چکے
ہیں کہ جو لوگ حضرت زید کو چھوڑ گئے وہ رافضی تھے اور وہ شیخین کو برا سمجھتے
تھے ص ۱۰۹، ۱۰۸۔

تحفہ حسینیہ، از محمد اشرف السیالوی

(۱) ـــــــــ ڈھکو صاحب نے کنز العمال والی روایت کا پیش کرنا اصول روایت
اور درایت کے خلاف قرار دیا ہے جس میں روایتی پہلو یہ بیان کیا کہ اہل السنت

کی مذہبی کتاب ہے مگر شیخ الاسلام قدس سرہ نے کب کہا کہ یہ مذہب شیعہ
کی ہے اور ان کے نزدیک معتبر ہے آپ نے تو اس کو صرف اس مناسبت
سے پیش فرمایا کہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ان کے خاص الخواص
شیعہ نے کہا کہ ایک لقب ہمیں دیا گیا ہے جس نے ہماری کمر توڑ کر رکھ دی اور
قلوب کو مردہ بنا دیا ہے اور حکام وقت نے اس کی وجہ سے ہمارا خون بہانا
مباح سمجھ رکھا ہے اس حدیث کی وجہ سے جو ان کے فقہا نے روایت کی
ہے تو امام صاحب نے فرمایا کون سا لقب رافضہ والا؟ تو ابو بصیر نے کہا بالکل
وہی لقب تو آپ نے فرمایا یہ لقب تمہیں اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔

نوٹ:۔ ڈھکو صاحب کو اگر صدق سالبہ کے صور محتملہ کا علم ہوتا تو وہ حضرت شیخ الاسلام
کے اس جملہ کا معنی باآسانی سمجھ جاتے کہ یہ کتاب اگرچہ شیعہ کے نزدیک معتبر
نہیں "کے صدق کی یہ صورت ہے کہ ان کی مذہبی کتاب ہے نہ ان کے ہاں
معتبر یعنی یہ سالبہ سلب موضوع کے ساتھ سچا آیا مگر علامہ صاحب اس جملہ کا
معنی ومفہوم سوچے سمجھے بغیر گرجنے کے درپے ہیں۔

جب امام صاحب رضی اللہ عنہ کے سامنے اس شیعہ شخص نے حدیث کی آڑ
میں اس لقب سے ملقب لوگوں کے قتل وغیرہ کا ذکر کیا اور آپ نے اس حدیث
یا اس کے لازمی تقاضے کے متعلق کچھ کہنے سے پہلے ہی اس لقب کی نشاندہی کر دی
تو معلوم ہوا کہ آپ اس کو جانتے اور مانتے تھے جس کو اصطلاحی زبان میں حدیث تقریری
کہا جاتا ہے اور جو کچھ کتاب کافی سے حدیث تقریری کے طور پر ثابت ہوا وہی
کنز العمال والی روایت سے تصریح کے طور پر ثابت ہو گیا لہٰذا دونوں کی موافقت
کے بعد مزید توثیق کی ضرورت ہی نہ رہی اور اس کا پیش کرنا صحیح ہو گیا۔ لیکن نہ اس
لحاظ سے کہ یہ کتاب اہل تشیع کی ہے یا ان کے ہاں معتبر ہے بلکہ اس لیے کہ جو مضمون
اس میں ادا کیا گیا ہے وہی مضمون کافی والی روایت میں بھی ادا کیا گیا ہے۔

(۲) ——— اور ابھی قاضی القضاۃ نور اللہ شوستری صاحب کی زبانی یہ بات

نظر نواز ہو چکی کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ کی شہادت والے حادثہ فاجعہ کے بعد رافضہ کا لقب انہیں لوگوں کو دیا گیا بلکہ خود حضرت زید نے دیا جو ان سے سب وشتم اور تبرا کا مطالبہ کر رہے تھے اور بالآخر میدان کارزار میں چھوڑ گئے اور عملی طور پر مروانیوں کو تقویت بہم پہنچائی اور ان کے غلبہ اور کامیابی کا سامان فراہم کیا۔ اس پس منظر میں دیکھیں تو روضہ کافی والی روایت میں جو تمہ موجود ہے اور جس پر ڈھکو صاحب نے نظر جما رکھی ہے وہ سراسر موضوع و من گھڑت ہے ورنہ خود حضرت زید رضی اللہ عنہ پر کیا فتویٰ لگے گا؟ حالانکہ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کو جب اطلاع ملی کہ حکم بن عباس کلبی نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کی شہادت پر یہ دو شعر کہے ہیں۔

صلبنا لکم زیدا علی جذع نخلۃ ۔ ولم نر مھدیا علی الجذع یصلب

وقستم بعثمان علیا سفاھۃ ۔ وعثمان خیر من علی واطیب

ہم نے تمہارے زید کو سولی پر لٹکایا یعنی کھجور کے تنا پر اور ہم نے نہیں دیکھا کہ کسی مہدی کو تنا پر سولی دیا گیا ہو اور تم نے کم عقلی سے علی (المرتضی رضی اللہ عنہ) کو عثمان (ذوالنورین رضی اللہ عنہ) کے برابر قرار دیا حالانکہ عثمان علی سے بہتر اور پاکیزہ تر ہیں۔ تو آپ نے کہا "اللھم ان کان عندك کاذبا فسلط علیہ کلبك" اے اللہ اگر یہ کلبی تیرے نزدیک کاذب ہے تو اس پر درندہ کو مسلط فرما چنانچہ آپ کی دعا کو اللہ تعالیٰ نے شرف قبولیت بخشا اور ایک شیر نے اس کو کوفہ کے راستہ میں پھاڑ کھایا اور آپ نے یہ خبر سن کر فرمایا "الحمد للہ الذی انجزما وعدنا" لہٰذا حضرت زید رضی اللہ عنہ کا مہدی اور مہتدی ہونا اور حق پر ہونا جب مسلم ہے اور ان کو چھوڑ جانے والوں کا رافضی ہونا بھی مسلم تو پھر تمہ کا من گھڑت ہونا بھی مسلم ہی ہونا چاہیے اور یہ خود ڈھکو صاحب کو تسلیم ہے کہ شیعہ علماء و محققین کے نزدیک ان کے صحاح اربعہ کے مندرجات بھی تمام تر صحیح اور قابل اعتبار نہیں ہیں۔

(۳) ــــــــ علاوہ ازیں ناسخ التواریخ اور مجمع البحرین کی عبارت سے واضح ہو چکا کہ رافضہ غالیوں کا لقب ہے اور غالی و مفرط خود حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کے فرمان کے مطابق ہلاک ہونے والے ہیں۔ دنیوی عذاب کے لحاظ سے نہ ہوں تو آخروی تو لازمی ہے جیسے کہ فرمایا سیهلك فی صنفان محب مفرط یذهب به الحب الی غیر الحق ومبغض مفرط یذهب به البغض الی غیر الحق وخیر الناس فی حالاً النمط الاوسط فالزموه والزموا السواد الاعظم فان ید الله علی الجماعة۔"

یعنی میری وجہ سے دو گروہ ہلاک ہوں گے ایک محبت میں افراط اور غلو سے کام لینے والا گروہ جس کو میری محبت راہِ حق کی بجائے باطل اور گمراہی کے راستہ پر ڈال دے گی اور دوسرا بغض و عناد رکھنے والا گروہ جو میری عداوت کی وجہ سے میری شان میں کمی اور کوتاہی کرے گا اور راہِ حق سے بھٹکنے والا ہوگا اور میرے حق میں بہتر حالت اور اچھی عاقبت والا وہ گروہ ہے جو درمیانی راہ اختیار کرنے والا ہے لہٰذا اسی کو لازم پکڑو اور سواد اعظم اور جمہور کے راستہ کو اپناؤ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ جماعت اور جمہور پر ہے۔

لہٰذا ان غالیوں اور حد سے متجاوز لوگوں کی وکالت کر کے ڈھکو صاحب، انہیں عذاب دنیا و آخرت سے بچا نہیں سکتے اور نہ کنز العمال والی روایت کی معنوی صداقت کو چیلنج کر سکتے ہیں اور نہ کتاب الروضہ کے تتمہ کو ان غالیوں پر چسپاں کر سکتے ہیں۔ اس لیے اصول روایت کی مخالفت کا دعویٰ لغو اور باطل ہوگیا والحمد للہ

(۴) ــــــــ اب لیجئے درایت والے پہلو کو کہ کنز العمال والی روایت کی رد سے ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو سب و شتم کرنے والے آخر زمانہ میں پیدا ہونے چاہئیں حالانکہ خود پیر صاحب کو اعتراف ہے کہ وہ

رافضی حضرت زید کے زمانہ میں پیدا ہو چکے تھے۔ مطلب یہ ہوا کہ آخر زمانہ۔
کہتے ہیں بالکل قیامت کے ساتھ متصل وقت کو اور ان کا ظہور ہو گیا تھا ۱۲۱ھ
میں لہٰذا یہ روایت عقل کے خلاف ہو گئی کیونکہ ۱۲۱ھ کو آخر زمانہ کہنا ناممکن
ہے اور محال۔ مگر ڈھکو صاحب کو یہ خیال نہ رہا کہ آخر کبھی حقیقی ہوتا ہے
اور کبھی اضافی، دیکھئے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق پیغمبر آخر الزمان ہونا
امتیازی وصف ہے حالانکہ پندرھویں صدی جا رہی ہے اور خدا جانے کتنی
صدیاں مزید گزریں گی تب قیامت قائم ہو گی تو پھر آپ بھی نعوذ باللہ پیغمبر
آخر الزمان نہ ہوئے بلکہ قیامت کے نزدیک تشریف لاتے تب آخر الزمان
کہلا سکتے تھے۔

۵ ۔ بریں درایت بباید گریست۔

اسی طرح حدیث خوارج میں یہی الفاظ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہیں
سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول یخرج فی آخر الزمان
قوم احداث الاسنان سفہاء الاحکام۔ الحدیث
الحدیث (شرح حدیدی جلد ثانی ص ۲۶۷) اگر آخر الزمان کا وہ معنیٰ ہے جو
ڈھکو صاحب نے بیان کیا ہے تو پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت
میں ان کا خروج کیونکر متصور ہو سکتا ہے! الغرض آخر زمانہ میں ظہور کا مطلب
یہی ہے کہ ہمارے بعد والے زمانہ میں قریب ہو یا قدرے بعید، اس
لیے یہ استحالہ یہاں پیش کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے؟

(۵) ـــــ نیز ڈھکو صاحب کو یہ بھی اعتراض ہے کہ شاہ عبدالعزیز صاحب تو
تسلیم کرتے ہیں کہ یہ فرقہ حضرت امیر کی عین حیات ۳۵ھ میں پیدا ہو گیا تھا۔
(ص ۱۵) تو پھر آخر زمانہ کہاں رہا بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اپنا دور ہی
ان کے خروج کا دور ہوا مگر یہاں بھی مجتہد صاحب کو خطا اجتہادی ہو گئی۔
کیونکہ روایت میں یخرج فی آخر الزمان قوم لہم نبز یقال لہم الرافضۃ ہے جس

کا واضح مطلب یہ ہے کہ وہ تعداد میں بھی زیادہ ہوں گے اور اس لقب خاص کے ساتھ ممتاز بھی ہوں گے اور حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے جو کچھ فرمایا ہے۔ وہ بھی برحق ہے اس وقت بھی ابن سبا ملعون کی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے اس قسم کے عقائد کا بیج بو دیا گیا تھا۔ لیکن حضرت امیرالمؤمنین کی سطوت اور محاسبہ کی وجہ سے ان کو کھل کھیلنے کا موقع نہ مل سکا لیکن بعد والے دور میں اس حد تک بے باک ہو گئے کہ میدان کارزار میں لشکر اسلام کے سامنے علانیہ ایسے مطالبے شروع کر دیے اور پھر کسی ڈر جھجک کے بغیر مطالبہ پورا نہ ہونے پر علیحدہ ہو گئے اس کا نام ہے خروج و ظہور، اور یہ واقعی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے عرصہ دراز بعد ظہور پذیر ہوا لہٰذا آپ۔ کا فرمان "یخرج فی آخر الزمان" بالکل درست اور برمحل ہو گیا جیسے کہ خوارج کی بنیاد سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پڑ چکی تھی لیکن فرمایا کہ آخر زمانہ میں ایسے لوگ ظاہر ہوں گے جن کی نمازوں کے مقابل تم اپنی نمازوں کو حقیر سمجھو گے اور ان کے روزوں کے مقابل اپنے روزوں کو الخ لہٰذا رفض اور تشیع کے نظریات مخصوصہ کی بنیاد اگرچہ حضرت امیر کے دور امارت میں ابن سبا کے ہاتھوں رکھی جا چکی تھی لیکن کما حقہ، ان کا ظہور بعد میں ہوا۔

(۲) ———— نیز ڈھکو صاحب فرماتے ہیں کہ اس روایت میں "فانہم مشرکون" کہا گیا ہے اور یہ بات حقائق کے سراسر خلاف ہے کہ شیعہ مشرک ہیں حالانکہ وہ خداوند عالم کو ذات و صفات اور افعال و عبادت میں واحد و یکتا مانتے ہیں ویسے اگر پیر صاحب کو بلا وجہ صرف ولایت اہل بیت کے جرم میں ہمارے خون ناحق میں ہاتھ رنگین کرنے کا شوق ہے تو

؎ تو مشق ناز کر خون دو عالم میری گردن پر

گویا اس وجہ سے بھی یہ روایت خلاف درایت ہے۔

لیکن اس ظالم ۔مظلوم نما ۔ سے کوئی پوچھے کہ رافضہ تو غالیوں کو کہتے ہیں
اور ان کا مذہب ہی سب وشتم اور تبرا ہے تو بلا وجہ صرف ولایت اہل بیت کا
عقیدہ رکھنے کا جرم اور اس کی یہ سزا کیوں ٹھہرالی ہے معلوم ہوتا ہے ڈھکو صاحب
خود کو غالیوں میں ہی شمار کرتے ہیں اگر کسی دوسرے زمرہ میں داخل ہوتے تو پھر
سیخ پا ہونے کی ضرورت نہیں تھی ۔ اسی طرح شرک کی نفی اور انکار زبانی تو آسان ہے ۔
مگر عمل و کردار کی دنیا میں اس حقیقت کو جھٹلانے کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی جیسے ذوالجناح
جیسے فرضی نام رکھ کر گھوڑوں کی پوجا پاٹ، مصنوعی قبریں بنا کر ان کی پوجا پاٹ اور
تابوت و تعزیہ بنا کر اس کی پوجا پاٹ وغیرہ جہاں بھی اصل) کے مناسب سلوک نقل ۔
کے ساتھ شروع کر دیا جائے تو یہی شرک قرار پاتا ہے ۔

ڈھکو صاحب خود اپنی کتاب اصول الشریعہ میں تصریح کرتے ہیں کہ امام رضا
رضی اللہ عنہ سے غالیوں اور مفوضہ کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا ۔
"الغلاۃ کفار والمفوضۃ مشرکون رجوانہ عیون اخبار یعنی غالی کافر ہیں اور مفوضہ
مشرک ہیں اور توضیح کرتے ہوئے کہا جو مذمت غالیوں کی کی گئی ہے مفوضہ بھی
اس میں داخل ہیں کیونکہ مفوضہ بھی غالیوں کی ہی ایک قسم ہے اور مامقانی کے حوالہ ۔
سے کہا ہے اجمع العلماء علی کفر الغالی" غالیوں کے کفر پر علماء کا اجماع ہے جب
کفر اور شرک مفوضہ کے حق میں خود تسلیم کر لیا اور ان کو مشرک بھی تسلیم کر لیا تو پھر
درایت کے خلاف قرار دے کر اس روایت پر اعتراض کا کیا معنیٰ مزید تفصیل غلو
اور افراط کی دیکھنی ہو تو ڈھکو صاحب کی کتاب اصول الشریعہ صہ۳۲ تا صہ۳۲ مطالعہ
فرماویں ۔

(۷) ——— علاوہ ازیں مقام حیرت اور محل تعجب یہ ہے کہ کہیں تو ڈھکو صاحب
کو صحابۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم مشرک نظر آنے لگتے ہیں اور الشرک اخفی
فیکم من دبیب النمل والی روایت کو سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے
اخص تلامذہ اور انتہائی مقرب صحابہ پر منطبق کر دیا جاتا ہے اور کہیں ۔ بنا سبا

کے نااہموار اور روحانی فرزندوں کے حق میں شرک کا امکان بھی نظر نہیں آتا کیا
وہ حضرات نماز نہیں پڑھتے تھے۔ تشہد تہیں ان کی زبان پر جاری نہیں ہوتی
تھی۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں کسی دوسرے کو شریک ٹھہراتے تھے یا افعال
میں، آخر وہ ان سب امور سے منزہ مبرا ہونے کے باوجود مشرک ہو گئے
تو آپ اس قدر غیر شرعی افعال کا ارتکاب کر کے بلکہ غلط عقائد اور نظریات
کے حامل ہو کر کیسے مشرک نہیں ہو سکتے۔ کبھی خیال کیا ہے جناب نے؟
آپ کے فرقوں میں کئی حضرت علی کو خدا ماننے والے ہیں۔ کئی نبوت کا
حقدار حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مانتے ہیں۔ اور محمدی نبوت کو جبرائیل علیہ السلام
کی غلطی قرار دیتے ہیں اور کئی بظاہر حضرت علی کو عبد مانتے ہیں مگر حلول واتحاد
کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ آخر ان حقائق سے تفرقہ کرنے کی کیا ضرورت پڑی؟
اور ان کے اعتراف و تسلیم میں کونسا جان و مال کا خطرہ لاحق ہو گیا۔

مذہب شیعہ از حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز

حضرت زید رضی اللہ عنہ کا شیخین رضی اللہ عنہما کے متعلق عقیدہ آپ نے
ملاحظہ فرما لیا اور ان کے والد گرامی کا سلوک ان غالیوں کے ساتھ
جو شیخین کی جناب میں گستاخی کے مرتکب ہوئے آپ ملاحظہ کر
چکے تو اب بتلائیے۔
مسلمانوں کے کسی گروہ سے بھی امام صاحب نے جن کو شمار نہیں کیا وہ کون
ہیں؛ جن کو امام عالی مقام نے اپنی مجلس سے دفع فرمایا اور ان کے ساتھ وہی
سلوک فرمایا جو کفار کے ساتھ کرنا واجب ہے "واغلظ علیھم" ان کا عقیدہ اور
مذہب کیا تھا۔ ان غالیوں کے حق میں آپ کا یہ فرمانا، "اللہ تعالیٰ تمہیں ہلاک کرے"
کس نظریہ کے ماتحت ہے اب ہم امید رکھتے ہیں کہ مدعیان محبت و تولی تو امام
عالی مقام سیدنا زین العابدین کو نہ جھٹلائیں گے بلکہ ان پر ایمان لائیں گے اور ان کے

مذہب اور عقیدہ کی تقلید کریں گے اور ان کے صاحبزادے حضرت زید بن زین العابدین رضی اللہ عنہما کا ارشاد اقدس۔

اور عمل و کردار اور شیخین پر جان قربان کرنے کے جذبہ اور ان کی عزت و ناموس کے تحفظ کی خاطر ہر مصیبت کا مقابلہ کرنے کا عزم

مشعل راہ بنائیں گے بلکہ ان کے صاحبزادے امام محمد باقر رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد گرامی کو بھی مشعل راہ بنائیں گے جو ابھی پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ امام محمد باقر رضی اللہ عنہ کا مذہب اقدس اور آپ کا نظریہ بھی اسی کتاب کشف الغمہ کے ص ۲۲۰ پر ملاحظہ فرمادیں۔

وعن عروة عن عبد الله قال سئلت ابا جعفر محمد بن علی علیہما السلام عن حلیۃ السیوف فقال لا بأس بہ قد حلی ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ سیفہ، قلت فتقول الصدیق؟ وقال فوثب وثبۃ واستقبل القبلۃ فقال نعم الصدیق نعم الصدیق نعم الصدیق فمن لم یقل لہ الصدیق فلا صدق اللہ لہ قولاً فی الدنیا ولا فی الاخرۃ۔

امام عالی مقام محمد باقر رضی اللہ عنہ سے ایک شیعہ صاحب نے مسئلہ دریافت کیا کہ یا حضرت تلواروں کو زیور لگانا جائز ہے یا نہیں؟ امام صاحب نے فرمایا اس میں کوئی مضائقہ نہیں جب کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی تلوار کو زیور لگایا ہوا تھا۔ شیعہ صاحب نے عرض کیا کہ آپ بھی ان کو صدیق کہتے ہیں اس پر امام عالی مقام اچھل پڑے اور قبلہ شریف کی طرف رخ انور کر کے فرمایا کہ ہاں وہ صدیق ہیں۔ ہاں وہ صدیق ہیں۔ ہاں وہ صدیق ہیں۔ جو ان کو صدیق نہیں کہتا، اللہ اس کے کسی قول کو نہ دنیا میں سچا کرے نہ آخرت میں۔

اب ذرا ٹھنڈے دل سے سوچیں کہ امام عالی مقام کے ارشاد گرامی کے

کا ایمان ہے اور کون ان کے ارشاد کو نہیں مانتا؟ اہل السنۃ والجماعت عزیب تو امام عالی مقام کے ایک دفعہ فرمانے پر آمنّا وصدّقنا کا نعرہ لگاتے ہیں مدعیان محبّت و تولّی کے انتظار میں ہیں کہ پانچ دفعہ فرمانے کے باوجود بھی ایمان لاتے ہیں یا نہیں؟

کیوں جناب امام عالی مقام کا نظریہ کیا تھا؟ اور ان کے سچے غلام اور سچے حلقہ بگوش کون ہیں۔ اب رہا یہ امر کہ جو شخص صدیق اکبر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو صدیق نہیں کہتا اس کے متعلق امام عالی مقام کی یہ بددعا کہ "اللہ تعالیٰ اس کے کسی قول کو دنیا و آخرت میں سچا نہ کرے"، خطا تو جا نہیں سکتی۔ غالباً بلکہ یقیناً یہی تقیہ کی لعنت ہی ہو سکتی ہے جس سے کوئی شخص ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو صدیق نہ کہنے والا۔ خالی نہیں۔ غرضیکہ تمام ائمہ معصومین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے نزدیک ابوبکر صدیق ہیں۔

بہت ممکن ہے کہ مدعیان محبت اہل بیت اپنے عقیدے پر امام عالی مقام کے مذہب اور ان کے عقیدے کو قربان کرتے ہوئے یہ کہنا شروع کر دیں کہ امام صاحب نے قبلہ رو ہو کر عمداً جان بوجھ کر خلاف واقعہ فرمایا۔ مگر کوئی مسلمان ان علمبرداران صدق و صفا کے شان اقدس میں اس قسم کی گستاخی کی جراُت نہیں کر سکتا۔

سب سے بڑی بات یہ ہے کہ کذب بیانی اور خلاف واقعہ امر کا اظہار ان کی شان ارفع سے بہت دور ہے بلکہ منافی ہے۔

دو سرا نقل کفر کفر نباشد۔ اگر کذب بیانی یا تقیہ جائز سمجھتے تو کسی مخالف کے سامنے نہ کہ اپنے شیعہ کے سامنے جو منکر خلفائے راشدین تھا بلکہ اہل تشیع کے نظریہ کے ماتحت تو برعکس تقیہ کرتے کیونکہ ایک ہمراز و دمساز کے سامنے تقیہ کرنا سخت بے محل بات ہو سکتی ہے شاید شیعہ مذہب میں قسم اٹھا کر ہمیشہ اور ہر بات میں ہر جگہ جھوٹ بولنا عبادت ہو۔

(د) ——— یہ روایت جسے مؤلف نے شیعی روایت ظاہر کیا ہے ابن الجوزی جیسے متعصب سنی عالم کی کتاب صفوۃ الصفوۃ سے منقول ہے اور صاحب کشف الغمہ نے اس کی ابتدا اور انتہا معین کر دی ہے۔

(ب) ——— اس روایت کے راوی عروہ بن عبد اللہ کو شیعہ ظاہر کیا گیا حالانکہ وہ سنی العقیدہ ہے۔

(ج) ——— اس کلام اہل نظام میں امام عالی مقام کے فرمان پر آمنّا وصدقنّا کا نعرہ مستانہ لگانے کا تذکرہ کیا گیا ہے کیا ہم دریافت کر سکتے ہیں کہ آپ کی صحاح ستہ میں اہل بیت سے کس قدر روایات لی گئی ہیں کیا فقہی کتابوں میں ڈھونڈے سے ائمہ اہل بیت کا نام مل سکتا ہے کتب تفسیر میں کہاں تک تفسیر اہل بیت پر انحصار کیا گیا ہے۔ پھر یہ چیز سمجھ سے بالاتر ہے۔ کہ حضرت صاحب ائمہ اہل بیت کو مانتے کیا ہیں۔؟

اگر نعرہ مستانہ لگانے میں صادق ہیں تو ہم نے اس رسالہ کی ابتداء میں ائمہ اثنا عشر کے ارشادات کی روشنی میں ثابت کر دیا ہے کہ یہ ذوات مقدسہ اصحاب ثلاثہ کو آثم۔ غادر، خائن ظالم و جابر اور غاصب سمجھتے تھے۔ ہم انتظار میں ہیں کہ امام کے ایک دفعہ فرمانے پر آمنّا وصدقنّا کا نعرہ لگانے والے بیسیوں فرامین پر ایمان لاتے ہوئے خلافت ثلاثہ سے دستبردار ہو کر کب ولایت اہل بیت کا اقرار کرتے ہیں۔ ص ۹۷، ۹۸

الجواب وھو الموفق للصدق والصواب۔

(د) ——— ڈھکو صاحب ہر جگہ وہی راگ الاپتے رہیں گے کہ یہ سنی کی روایت ہے اور فلاں کی ہے فلاں کتاب سے ہے اور اس کا اول و آخر بیان کر دیا گیا ہے۔ اس کو ہمارے سامنے پیش کرنا تحکم اور سینہ زوری ہے وغیرہ وغیرہ مگر آپ کے وزیر باتدبیر اربلی صاحب نے اس روایت کو نقل کرنے میں جو تدبیر پیش نظر رکھی وہ بھی تو بتلائیے۔ اس روایت کو درج کر کے اس نے اہل السنت کو ہدایت کرنا چاہی اور ائمہ کے ان ارشادات پر عمل کرنے کی تلقین کرنا چاہی کہ ابو بکر کو صدیق مانو ورنہ مانو گے تو دنیا و آخرت میں جھوٹے اور کاذب قرار پاؤ گے یا اہل تشیع کو پہلی شق کا بطلان تو مستغنی از بیان ہے لہٰذا لازمی طور پر ماننا پڑے گا کہ شیعہ صاحبان کو غلو اور افراط سے باز رکھنا چاہتے تھے اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے عمل کو حجت شرعیہ اور ان کی صدیقیت کے عقیدہ کو مدار نجات قرار دینا چاہتے تھے لہٰذا اس کے مطابق اعتقاد و عمل شیعہ صاحبان کو لازم یا پھر وزیر صاحب کو بے تدبیر بلکہ بد تدبیر ماننا لازم کہ ایسی روایات کتاب میں بھر دیں جو اہل تشیع کی تذلیل اور ندامت کا موجب بن گئیں اور اہل السنت کے خلاف نہ حجت بن سکیں نہ الزام بلکہ اربلی صاحب نے یہ کہہ کر کہ اس قسم کی روایات ہمارے نزدیک مقبول ہیں اور ہمارے عقیدے کے مطابق ورنہ اس میں فقط شیعہ صاحبان کی ذلت و رسوائی کا سامان رہ جائے گا دوسرا کوئی مقصد پورا نہیں ہو سکے گا، ڈھکو صاحب کو اعتراض ہے کہ شیخ الاسلام کو تصنیف کا ڈھنگ نہیں آتا تھا مگر اربلی صاحب کے

ڈھنگ پر تو اعتراض نہ کرو اور ایمان لے آؤ۔

(ب) ـــــــ حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ نے عروہ بن عبد اللہ کا کہیں نام ہی نہیں لیا اور نہ اس کے شیعہ ہونے کا دعویٰ کیا ہے معلوم ہوتا ہے کہ ڈھکو صاحب پنک میں یہ الفاظ لکھ گئے ہیں البتہ اتنا فرمایا کہ صاحب کتاب تمہارا ہے اور راوی درحقیقت امامی ہیں لہٰذا ان کو سنی کہو گے تو بنا بنایا کھیل ختم ہو جائے گا جب آپ نے عروہ کا نام ہی نہیں لیا تو اس جواب کا بے محل و موقع ہونا ادنیٰ سمجھ رکھنے والے طالب علم پر بھی مخفی نہیں رہ سکتا پھر تقیہ باز شیعہ بھی تو سنی ہی سمجھے جاتے ہیں دل چیر کر کون دیکھ سکتا ہے؟

(ج) ـــــــ ڈھکو صاحب کو بہت غصہ آیا اور پیچ و تاب کھاتے ہوئے اور دانت پیستے ہوئے الزامات کی بارش کر دی کہ اگر آپ اتنے ہی محب اہل بیت تھے تو صحاح ستہ میں ان سے مروی روایات کیوں ذکر نہ کئے گئے وغیرہ وغیرہ۔

(۱) ـــــــ صحاح ستہ میں بھی بحمد اللہ ان کی روایات اور ان کی عظمت شان کے روایات موجود ہیں اور دوسری کتابوں میں بھی اور یہ روایات جنہوں نے آپ کو بہت پریشان کر رکھا ہے اور کوئی جواب ان کا نہیں بن رہا یہ بھی تو آپ کے اعتراف کے مطابق اہل سنت سے ہی لی گئی ہیں پھر اس الزام کا کیا مطلب؟

(۲) ـــــــ علاوہ ازیں حقیقت حال یہ ہے کہ احادیث و روایات میں علو اسناد اور قرب سند اور تقلیل رواۃ کو بڑی اہمیت حاصل ہے اور امام محمد باقر رضی اللہ عنہ مثلاً حضرت جابر عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کریں اور دوسرے محدث کو بھی ان سے براہِ راست سننے کا موقع میسر آیا ہو تو وہ براہِ راست حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ ہی کی طرف ہی نسبت کریں گے نہ کہ حضرت امام محمد باقر یا حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ

کی طرف اور شیعہ صاحبان کو روایات بنانے کا بعد میں خیال آیا اس لیئے۔
سوائے ان تابعین یا تبع تابعین کی طرف نسبت کرنے کے کوئی چارہ نہ رہا۔

(۳) ——— علاوہ ازیں قابل غور امر یہ ہے کہ اگر تین تین چار چار راویوں کے واسطہ کے باوجود وہ روایت اہل بیت کی رہتی ہے تو اتنے واسطوں سے جو روایت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی ہو وہ اہل بیت کی کیوں تصور نہیں کی جائے گی کیا سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اہل بیت سے خارج ہیں اور پانچ تن پاک میں سر فہرست نہیں ہیں۔ صرف امام جعفر صادق اور امام محمد باقر اہل بیت ہیں۔

(۴) ——— تفاسیر میں بھی سبھی حضرات کے اقوال موقع و محل کی مناسبت سے منقول ہیں اور جن دوسرے حضرات سے اہل السنت نے اقوال نقل کئے ہیں انہی کے اقوال شیعی مفسرین نے اہل السنت سے اپنی کتابوں میں نقل کئے ہیں لہٰذا یہ جرم تو برابر رہا۔

(۵) ——— رہ گیا فقہ کا معاملہ تو ہم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے ذاتی اقوال کو دین نہیں سمجھتے بلکہ جو کچھ انہوں نے احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام اور اکابر تابعین کے اقوال و اعمال سے سمجھا اس کو دین سمجھتے ہیں اور ان میں حضرات اہل بیت بھی داخل ہیں البتہ وہ بھی تابعی ہیں یا تبع تابعین اور امام محمد باقر اور امام جعفر صادق رضی اللہ عنہما کے ہم زمان لہٰذا وہ ہر قول ان سے نقل کرنے کے بجائے اوپر والے حضرات سے بھی نقل کریں گے۔ لہٰذا صرف ان کے اقوال میں انحصار کی نفی ہو سکتی ہے اعتبار کی نہیں ہو سکتی پھر ان حضرات نے ایک موضوع کو سامنے رکھ کر اس پر پوری محنت و کوشش صرف کر کے کتب تالیف فرمائیں اور جمع و تدوین اور تصنیف و تالیف کا کام سرانجام دیا جب کہ ائمہ اہل بیت میں سے کسی کی کوئی تصنیف نہیں ملتی ایک تفسیر امام حسن عسکری رضی اللہ عنہ کی تھی اس کو بھی ڈھکو صاحب

نے ضعیف اور ناقابل اعتبار قرار دے دیا اور اگر تمہارے راویوں کا نقل کردہ مذہب ان ائمہ کا مذہب ہو سکتا ہے تو ہمارے راویوں کا نقل کردہ مذہب ان ائمہ کا مذہب کیوں نہیں ہوگا؟ یقیناً یہ مذہب انہیں کا ہے لیکن ان جھوٹے اور کذاب راویوں کے اتہامات اور موضوع اقوال جو ائمہ کی طرف منسوب کردیے گئے ان سے امتیاز دینے کے لیے نسبت ان ائمہ مجتہدین کی طرف کردی گئی۔

(۶) ـــــــ نیز ڈھکو صاحب کو یہ بھی مغالطہ ہے کہ محبت اہل بیت کا دعویٰ بھی درست ہو سکتا ہے جب روایات صرف ان کی طرف منسوب کریں اور فقہ تفسیر ان کی طرف ہی منسوب ہو ذرا یہ تو بتلاؤ امام حسین اور امام حسن رضی اللہ عنہما یا حضرت امام موسیٰ کاظم کے بعد والے ائمہ سے تمہارے ہاں کتنی روایات اور تفسیری اقوال اور فقہی اقوال مروی و منقول ہیں؟ تو کیا شیعہ کو ان سے محبت نہیں ہے۔

(۷) ـــــــ علاوہ ازیں ہم چشتی قادری نقشبندی اور سہروردی ہیں اور ان سلاسل اربعہ کے روحانی بزرگ و پیشوا ہمارے محبوب اور ائمہ ہیں مگر روایات اور تفسیری اقوال یا فقہ کے لحاظ سے نہیں بلکہ علم و عمل اور شریعت و طریقت کے لحاظ سے اور وصول الی اللہ کے طرق سے آگاہی اور اس کی تعلیم و تربیت کے لحاظ سے اور اسی وجہ سے یہ حضرات ائمہ بھی ہمارے محبوب ہیں اور ان کے ارشادات ہمارے لیے مشعل راہ ہیں علیحدہ کتابوں کی تصنیف اس محبت و عقیدت کی موجب نہیں ہے بسلسلہ قادریہ میں امام حسن عسکری رضی اللہ عنہ تک سارے ائمہ سلسلہ اور شجرہ شریف میں بالترتیب مذکور ہیں اور روحانی پیشوا ہیں صرف ان کے نہیں بلکہ سب کے کیونکہ یہ محض راہیں ہیں منزل مقصود ایک ہے اور اللہ تعالیٰ کے سب اولیاء اور محبوبان بارگاہ کی محبت عین ایمان ہے لیکن اس کے لیے ہم بغض صحابہ کو لازمی شرط قرار نہیں دیتے جیسے ڈھکو صاحب اور ان کے ہم مشربوں کا خیال ہے۔

شیعی روایات کی صحت کی ضمانت کیا ہے

(۸) ـــــــ ڈھکو صاحب فرماتے ہیں اگرچہ پیر صاحب سیالوی اس آمنّا وصدقنا۔ کے دعویٰ میں سچے ہیں تو ہماری بیان کردہ بغض و عداوت والی روایات پر ایمان لائیں اور اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ظالم اور خائن و غادر سمجھیں مگر ڈھکو صاحب آپ کے مذہب کی دو ہزار سے زیادہ متواتر روایات جو تحریف قرآن پر دلالت کرتی تھیں وہ سب کی سب آپ کے اعتراف کے مطابق غلط ہیں۔ اور ناقابل اعتبار تو پھر صحابہ کرام علیہم الرضوان کے خلاف جو روایات درج کی ہیں ان کی صحت بھی ہمارے نزدیک ناقابل قبول ہے۔ بلکہ وہ موضوع اور من گھڑت ہیں اور سبائی سازش کا نتیجہ۔

(۹) ـــــــ پھر تم نے خود اعتراف کیا کہ اسی قرآن کو شیعہ حق و باطل کا معیار اور صحیح و سقیم احادیث کے معلوم کرنے کا میزان سمجھتے ہیں (تنزیہ الامامیہ ص) تو ذرا قبر اور قیامت اور دوزخ کو سامنے رکھ کر اور قوم کے عطیات اور خصوصاً جناب سید نوازش علی شاہ صاحب کی نوازشات اور تبرکات کو نظر سے ہٹا کر بتلائیں کہ قرآن مجید کی آیات مبارکہ جو ہم نے ذکر کی ہیں اور اس کے علاوہ بیسیوں روایات مہاجرین و انصار اور ان کے مقتداء و پیشواء خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم کے متعلق کیا گواہی دیتی ہیں اور ان کے نور میں آپ کی ان روایات کی ظلمت و کدورت چھٹ جاتی ہے یا نہیں؟ یقیناً ان مؤید بالقرآن روایات کے ہوتے ہوئے ان موضوعہ روایات کا کیا اعتبار ہے۔

عمومات نصوص کے تقاضا پر ایمان کس کا ہے؟

(۱۰) ـــــــ پھر تم نے یہ بھی اعتراف کیا ہے کہ نصوص کے عموم الفاظ کو سامنے

رکھا جاتا ہے خصوص واقعہ کو نہیں عقلائی قاعدہ ہے کسی مطلب کی عمومیت یا۔
خصوصیت کے لیے ہمیشہ الفاظ کے عموم وخصوص پر نظر رکھی جاتی ہے
نفس واقعہ کو مدنظر نہیں رکھا جاتا جس میں وہ الفاظ وارد ہوئے ہیں کما قیل العبرۃ
بعموم الالفاظ لا لخصوص المورد (ص ۱۵۶) تو کیا یہاں بھی اس عقلائی قاعدہ کو ملحوظ
رکھتے ہوتے مہاجرین وانصار اور فتح مکہ سے قبل اور فتح مکہ کے بعد مالی اور
جانی قربانیاں دینے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ کے انعام اور ابدی راحتوں
کے اعلان کلا وعد اللہ الحسنی پر یقین وایمان رکھا جا سکتا ہے اور اس
کے خلاف روایات کو رد کیا جا سکتا ہے۔ اور نہیں تو یہ دعوے جھوٹے
ثابت ہوئے اور صرف تقیہ بازی، اور اگر جواب اثبات میں ہے تو پھر جھگڑا
ہی ختم ہو جائے گا۔ کلا بل ران علی قلوبھم ما کانوا یکسبون۔

تتمہ روایات کشف الغمہ

روایات کشف الغمہ کے سلسلے میں حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کا
حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے متعلق اظہار اعزاز واکرام بھی ملاحظہ کرتے چلیں۔
قال جعفر علیہ السلام ولدنی ابوبکر مرتین۔ (کشف الغمہ ۲۔ ۱۶۱ مطبوعہ قم) امام جعفر صادق
رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے ابوبکر (رضی اللہ عنہ) نے دو مرتبہ جنم دیا۔ اس اجمال کی
تفصیل یہ ہے کہ آپ کی والدہ کا نام قریبہ اور کنیت ام فروہ ہے اور آپ قاسم بن
محمد بن ابی بکر کی بیٹی ہیں اور آپ کی والدہ ماجدہ اسماء بنت عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہم
ہیں گویا والدہ ماجدہ کے پردادے بھی ابوبکر صدیق ہیں اور نانی جان کے دادے بھی
ابوبکر صدیق ہیں۔ تو والدہ ماجدہ میں اس دوہری ابوت کو اپنی طرف نسبت کرتے
ہوئے فرمایا مجھے ابوبکر نے دو بار جنم دیا ہے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ
کے پوتے ہو کر اور سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے ہو کر ابوبکر کی اولاد

ہونے پر افتخار اور ناز حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی عظمت کا بین ثبوت ہے اور روشن برہان اور اس روایت کو بھی اربلی صاحب نے کتاب کو عند الکل مقبول بنانے کے لیے اور سب کی رائے کے مطابق و موافق بنانے کے لیے ذکر کیا ہے لہٰذا اس کا قبول کرنا اور اس کے مطابق حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی عقیدت اور ان کی محبت کا دل میں رکھنا اہل تشیع کے لیے از بس ضروری ہے کیونکہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے ان کی اولاد ہونے پر اظہار فخر فرمایا ہے۔

نعمۃ اللہ الجزائری الموسوی نے شیعہ کی طرف سے حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت زبیر و دیگر اکابر صحابہ کے نسب پر طعن و تشنیع اور بےحیائی و بیباکی کے اظہار کے باوجود حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر اس قسم کے طعن و طنز سے گریز کی وجہ بیان کرتے ہوئے کہا۔ وأما عدم الطعن عليه بالسوء كما سيأتي في انساب امثاله فلعله لأن الائمة من نسله وذلك لان ام فروة هي ام الصادق بنت القاسم بن محمد بن ابی بکر (انوار نعمانیہ جلد اول ص۔۰) کہ آپ پر ایسے طعن ذکر نہ کرنے وجہ یہ ہے کہ ائمہ کرام علیہم الرضوان آپ کی نسل سے ہیں کیونکہ حضرت امام جعفر صادق کی والدہ ماجدہ ام فروہ قاسم بن محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہم کی بیٹی ہیں اور حضرت موسیٰ کاظم سے آخر الزمان امام تک سبھی ان کی اولاد ہیں۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بےحیائی

ایک طرف ائمہ کا ادب آتنا زیادہ کہ اس قدر دور کی نسبت کے باوجود بھی ایسے طعن و تشنیع سے گریز کیا لیکن دوسری طرف سید انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں اس قدر بےادبی و بےحیائی کہ ان کے سسر حضرت عمر اور ان کے پھوپھی زاد بھائی زبیر کے نسب پر طعن کیا یعنی آنحضورؐ کی پھوپھی کو مورد الزام ٹھہرایا اور آنحضرتؐ کی پھوپھی زاد بنت ام اروی جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ ہیں ان کو بھی

موردِ الزام ٹھرایا اور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دوہرے داماد حضرت عثمان پر اور آپکے بالواسطہ دلاد حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر نسب کے لحاظ سے طعن و تشنیع کی۔ (کیونکہ آپ حضرت علی اور حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کی لختِ جگر حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے خاوند ہیں جیساکہ ناقابلِ تردید دلائل و براہین سے اس کو ثابت کیا گیا ہے) گویا شیعی مذہب میں نہ رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب واحترام کی ضرورت ہے۔ اور نہ ان کی لختِ جگر حضرت زہرا کی اور آپ کے بھائی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نہ۔ پھوپھی کی اور نہ پھوپھی زاد بہن کی۔ نعوذ باللہ من ذلك کیا کسی مسلمان سے اس قسم کی بے حیائی اور بے باکی کا صادر ہونا ممکن ہے؟ قطعاً نہیں، اور کیا عقلِ سلیم اور فکرِ رسا کے نزدیک اس قسم کے افراط و تفریط کی کوئی گنجائش ہو سکتی ہے؟ قطعاً نہیں۔

افراط و تفریط کا اہم نمونہ

ایک طرف شیعہ صاحبان نے ان حضرات کے نسب پر بزعم خویش اعتراض و تنقید کر کے ان کے ایمان و اسلام کو ناقابلِ اعتبار بنانے کی سعی مذموم کی لیکن دوسری طرف اس بارے میں غلو اور افراط کا عالم یہ ہے کہ زنا کار پیشہ ور عورت کو توبہ کے بعد انبیاء علیہم السلام کی ماں تسلیم کر لیا ہے۔ اسی نعمۃ اللہ الجزائری کا بیان ملاحظہ فرمادیں۔

روی انه کان فی بنی اسرائیل امرأة بغیة وکانت مفتتنة بجمالها وکان باب دارها ابداً مفتوحا (الی) فتابت الی الله و اغلقت بابها ولبست ثیابا خلقة واقبلت علی العبادة (الی) فتزوجته فولد له منها خمسة اولاد کلهم صاروا انبیاء فی بنی اسرائیل۔ (انوار نعمانیة جلد اول ص ۲۴۶، ۲۴۷)

خلاصۃ المرام یہ ہے کہ بنی اسرائیل میں زنا کار عورت تھی اور اپنے

جمال پر فخر و ناز کرنے والی تھی اور اس کا دروازہ ہر دولت مند شہوت پرست کے لیے کھلا رہتا تھا۔ ایک فقیر کی نظر اس پر پڑی تو بے اختیار اس کے قدموں پر جا گرا اس نے اپنے متعہ کی قیمت بتلائی تو اسے تن بدن کے کپڑے بھی فروخت کرنے پڑے مگر جب تکمیل مقاصد کا وقت آیا تو خوف خدا دامنگیر ہو گیا اور وہ بھاگ نکلا اس حالت کو دیکھ کر اس زنا کار رنڈی کے دل پر بھی خوف خدا طاری ہوا کہ یہ شخص پہلی دفعہ گناہ کرنے لگا تو اس کا یہ حال ہو گیا اور میں تو اس دھندے میں عمر گزار رہی ہوں تو اس نے توبہ کی اور پرانے کپڑے پہنے اور عبادت خداوند تعالیٰ میں مصروف ہو گئی۔ پھر اس شخص سے شادی کا خیال آیا اس کے پاس پہنچی، آنے کا مقصد بتلایا اور اپنا تعارف کرایا تو وہ غش کھا کر گرا اور مر گیا۔ چنانچہ اس نے اس کے مفلس بھائی سے شادی کر لی جس سے پانچ بچے پیدا ہوئے اور وہ سبھی بنی اسرائیل میں منصب نبوت پر فائز ہوئے۔

کیا ہے کوئی صاحب عقل اور مالک فہم جو یہ بتلائے کہ بنی اسرائیل کی رنڈیوں کی توبہ بھی قبول ہو سکتی تھی اور پھر ان کے انبیاء و رسل بھی پیدا ہو سکتے تھے۔ مگر عرب کے دور جاہلیت کے بعد نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر لبیک کہنے والوں کی نہ توبہ قبول ہو سکتی تھی اور نہ ان سے مومن کامل پیدا ہو سکتے تھے اور نہ مجاہدین اسلام تو پھر میں کیوں نہ کہوں کہ اس مذہب رفض و تشیع کے بانی فقط یہود ہیں جو اپنی بد باطنی کے اظہار کے لیے اور میدان کارزار میں ذلت و رسوائی اٹھانے کے بعد ان ذلیل حرکات پر اتر آئے اور اس رنگ میں ان محسنین اسلام اور بانیان شریعت و ملت سے بدلے لینے کی ناپاک کوشش میں مصروف ہو گئے

مذہب شیعہ از حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز

اہل تشیع کی معتبر ترین کتاب شافی مصنفہ علم الھدیٰ سید مرتضی و تلخیص الشافی مصنفہ محقق طوسی امام الطائفہ جلد نمبر ۲ ص ۴۲۸ کی روایات بطور نمونہ پیش کرتا ہوں اور اہل تشیع کی محبت اور تولی کا جائزہ لیتا ہوں۔

وروی عن جعفر بن محمد عن ابیہ ان رجلا من قریش جاء الی امیر المؤمنین علیہ السلام فقال سمعتہ یقول فی الخطبۃ آنفا اللھم اصلحنا بما اصلحت بہ الخلفاء الراشدین فمن ھما؟ قال ھما حبیبای وعماک ابوبکر وعمر اماما الھدی وشیخا الاسلام ورجلا قریش والمقتدی بھما بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اقتدی بھما عصم ومن اتبع آثارھما ھدی الی صراط مستقیم۔

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ اپنے والد ماجد امام محمد باقر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک قریش کا جوان امیر المومنین سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الشریف کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یا حضرت! میں نے آپ سے ابھی خطبہ میں فرماتے ہوئے سنا ہے کہ آپ فرما رہے تھے کہ اے میرے پروردگار ہم پر اسی مہربانی کے ساتھ کرم فرما جو مہربانی و کرم تو نے خلفائے راشدین پر فرمایا ہے تو وہ خلفائے راشدین کون ہیں۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ میرے پیارے ہیں اور تیرے چچا ہیں۔ ابوبکر اور عمر وہ دونوں ہدایت کے امام ہیں اور وہ دونوں اسلام کے پیشوا ہیں، جس نے ان کی پیروی کی وہ جہنم سے بچ گیا اور جس شخص نے ان کی اقتدا کی اس نے صراط مستقیم کی ہدایت پالی۔

علم الصدق والصفا سیدنا امیر المؤمنین علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے صریح اور

واضح وغیر مبہم ارشاد کی شان دیکھئے اور روایت بھی تمام تر ائمہ صادقین طاہرین معصومین سے ہے۔ میں انتظار میں ہوں کہ محبت و تولی کے دم بھرنے والے اس فرمان پر کہاں تک ایمان لانے کے لیے تیار ہوتے ہیں؟ ایک عجیب وغریب اعتراض بھی اس روایت پرسن لیں۔ جو شیعوں کے محقق طوسی نے اپنی کتاب تلخیص الشافی میں لکھ دیا ہے کہتا ہے کہ روایت بیشک ائمہ کرام سے ہے مگر اس کے راوی ایک ایک ہیں۔ اس لیے اس پر اعتبار نہیں کرتا یعنی امام جعفر صادق صاحب اپنے والد امام محمد باقر سے روایت کرتے ہیں اور صرف امام محمد باقر صاحب اپنے والد امام زین العابدین سے روایت کرتے ہیں اور صرف زین العابدین اس روایت کو حضرت علی سے بیان فرماتے ہیں لہٰذا یہ خبر احاد اور ناقابل اعتبار الشیعہ ہے مگر غالباً یہ کہنا بھول گیا کہ صرف حضرت علی خلفائے راشدین کو امام الھدیٰ شیخ الاسلام اور مقتدائے پیشوا کہہ رہے ہیں اور صرف وہی ان کو پیارے فرما رہے ہیں لہٰذا اس پر کیا اعتبار؟

مگر ہم شیعوں کی تسلی کے لیے چودہ (۱۴) آدمیوں سے بیک وقت روایت پیش کرتے ہیں جو کتاب الشافی جلد دوم ص ۴۲۸ مطبوعہ نجف اشرف میں موجود ہے

ان علیاً علیہ السلام قال فی خطبتہ خیر ھذہ الامۃ بعد نبیھا ابو بکر و عمر و فی بعض الاخبار انہ علیہ السلام خطب بذالک بعد ما أنھی إلیہ ان رجلاً تناول ابا بکر و عمر بالشتیمۃ فدعی بہ و تقدم بعقوبتہ بعد ان شھدوا علیہ بذلک۔

یعنی حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنے خطبے میں فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضورؐ کی تمام امت سے افضل ابو بکر اور عمر ہیں، بعض روایتوں میں واقعہ تفصیل کے ساتھ بیان ہوا ہے کہ حضرت شیر خدا حیدر کرار رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اطلاع پہنچی کہ ایک شخص نے (غالباً کسی شیعہ نے) حضرت ابو بکر (صدیق) اور حضرت عمر (رضی اللہ عنہما) کی شان میں سب بکا ہے۔ جس پر

امیرالمومنین رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو بلایا اور اس کے سب بکنے پر شہادت
طلب فرمائی (یعنی باقاعدہ مقدمہ چلایا) اور شہادت گزرنے کے بعد اپنے دست
حیدری کے ساتھ اس کو داخل جہنم فرمایا اور مبتلا عقوبت گردانا (شافی وتلخیص الشافی
جلد دوم ص ۴۲۸)

تنزیہہ الامامیہ از محمد حسین ڈھکو صاحب

(۱) کچھ کتاب شافی کے متعلق :- یہ کتاب فن مناظرہ اور مسئلہ
امامت پر ہے، مسئلہ امامت پر قاضی عبدالجبار کی معرکۃ الآرا کتاب
"المغنی" کا محققانہ اور شافی وکافی جواب ہے جناب سید نے قاضی اور
اپنے کلام میں امتیاز کرنے کے لیے قال اور اقول کی اصطلاح مقرر کی ہے
قاضی کا کلام قال سے نقل کرتے ہیں اور اپنے کلام کا آغاز اقول سے
کرتے ہیں۔ تمام مناظرین اہل السنت بالعموم اور ہدایت خلق اور
شیخ الاسلامی کے دعوے دار پیر سیالوی کی بالخصوص یہ عادت شریفہ
ہے کہ جہاں قاضی عبدالجبار کی کلام درج ہوتی ہے نقل کر دیتے ہیں۔
اور پھر یہ ڈھنڈورا پیٹتے ہیں کہ شیعہ کی معتبر ترین کتاب میں اصحاب ثلاثہ
کی مدح لکھی ہوئی ہے۔

ع نالمقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیے (ملخص از ص ۱۷)

وہ روایت جس کو اہل السنت جناب امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ
سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے آباء کرام کے سلسلہ سند سے روایت
کی ہے کہ اسد اللہ الغالب رضی نے اللہ تعالیٰ سے ان اعمال صالحہ کی مانند
اعمال صالحہ طلب کیے اور اس قسم کی صلاح و بہتری جو خلفاء راشدین کو عطا
فرمائی تھی اور سائل کے سوال پر کہ وہ کون ہیں تو آپ نے ابوبکر (صدیق
رضی اللہ عنہ) اور عمر (فاروق رضی اللہ عنہ) کی منقبت اور مدح وثنا بیان

اور بتلایا کہ میری مراد خلفاء راشدین سے وہ حضرات تھے تو یہ بات عجائب روزگار سے ہے کہ یہ بات وہ امیر المؤمنین فرمائیں جو ہمیشہ اس کے خلاف ارشاد فرماتے رہے ہیں یعنی اپنی مظلومی اور ان کے ظلم وستم کا کھلم کھلا شکوہ کرتے رہے ہیں۔

(د) چنانچہ ثقہ راویوں کا بیان ہے کہ جناب نے بارگاہ ایزدی میں شکوہ شکایت کرتے ہوئے کہا یا اللہ میں تیری بارگاہ میں قریش کی شکایت کرتا ہوں۔

(ب) آپ نے فرمایا جب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا ہے میں برابر مظلوم رہا ہوں۔

(ج) زید بن علی بن الحسین رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا لوگوں نے ابوبکر کی بیعت کر لی حالانکہ جس طرح مجھے اپنی قمیص میں تصرف کا حق ہے اس سے زیادہ مجھے خلافت کا حق حاصل تھا لیکن بوجوہ میں نے اپنا غصہ پیا اور اپنے امر کا انتظار کیا۔

اس بیان سے ناظرین پر یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو گئی ہو گی کہ یہ روایت بطریق اہل السنت مروی ہیں اور وہ بھی بنا بر قواعد روایت و درایت موضوع و مجعول ہے۔ (رسالہ تنزیہ الامامیہ ص ۷۶، ۷۷، ۷۸)

الجواب وھو الملھم للصدق والصواب۔ تحفہ حسینیہ

جواب اول: علامہ ڈھکو صاحب نے حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ کے پیش کردہ دلائل جن کا تعلق نہج البلاغہ یا شرح ابن میثم وغیرہ سے تھا انکے جوابات تو سرے سے دیئے ہی نہیں اور اپنی ساری توانائیاں زیادہ تر ان تینوں کتابوں کے حوالہ جات کے جوابات پر صرف کی ہیں۔ ناسخ التواریخ، کشف الغمہ اور شافی و تلخیص الشافی، جن کا لب لباب یہ ہے کہ یہ اہل السنت کی روایات۔

ہیں اور اس میں دھوکہ کیا گیا ہے جعلسازی کی گئی ہے وغیرہ وغیرہ حالانکہ کشف الغمہ کے مؤلف نے واضح کر دیا کہ میں وہی روایات ذکر کروں گا جو فریقین کے نزدیک مسلم ہوں گی اور اہل السنت کی کتابوں کا حوالہ اس لیے دوں گا تاکہ کتاب زیادہ قابل قبول ہو سکے اور جب ہمارا فریق مخالف بھی ایک حقیقت کو تسلیم کرتا ہو تو اس کی حقانیت مزید واضح اور مستحکم ہو جائے گی اور صاحب ناسخ التواریخ نے بھی تصریح کی ہے کہ میں فریقین کی متفق علیہ روایات ذکر کروں گا اور جو روایات ہمارے مسلک کے خلاف ہوں گی میں ان کی نشاندہی بھی کروں گا اور شیعی نقطہ نظر بھی وہاں پر واضح کروں گا

لیکن ڈھکو صاحب نے لاعلمی میں یا دھوکہ دینے کے لیے وہاں بھی بار بار یہی رٹ لگائی ہے کہ یہ روایات سنی کتب سے لی گئی ہیں اور وہاں ماخذ کی نشاندہی کر دی گئی ہے وغیرہ وغیرہ۔ لیکن یہ نہ سوچا کہ آخر ان روایات کے ذکر کرنے کا مقصد کیا تھا اور خود مصنفین نے بھی اس کی کوئی وجہ بیان کی ہے یا نہیں؟ اور جب مؤلف و مصنف شیعہ ہے تو اہل السنت کی کتابوں سے روایات درج کرنے کا جواز کیا ہے؟ اور ان سے مؤلف کون سا مقصد کرنا چاہتا ہے۔؟

وہی شور و شغب اور واویلا و فریاد یہاں بھی ہے کہ یہاں پر اہل السنت کی روایات کو رد کرنے کے لیے نقل کیا گیا ہے اور پیر صاحب نے جہاں قاضی القضاۃ عبدالجبار کی کتاب المغنی کی عبارت درج کی گئی تھی وہاں سے حوالہ جات درج کر دیے ہیں۔ اور اس طرح گویا اپنی روایات کو شیعہ کے خلاف پیش کر دیا ہے جو نہ الزام و جدل قرار دیا جا سکتا ہے اور نہ تحقیق و برہان لیکن حقیقت حال اس سے مختلف ہے اور ڈھکو صاحب نے صرف جان چھڑانے کے لیے بہانہ سازی اور حیلہ گری سے کام لیا ہے۔ قاضی عبدالجبار نے جو روایات ذکر کی تھیں وہ اس حیثیت سے نہیں کہ محض اہل السنت اس کے قائل ہیں بلکہ اس حیثیت سے کہ فرق اسلامیہ (جن میں شیعہ کے مختلف گروہ بھی

شامل ہیں انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور اہل بیت کرام کے فضائل کے ساتھ ساتھ ان محسنین اسلام اور مقتدایان انام کے فضائل و کمالات بھی بیان کئے ہیں لہٰذا ان کو نظر انداز کر کے کوئی نظریہ قائم کرنے اور عقیدہ اپنانے کی بجائے ان کو سامنے رکھ کر نصب العین کا تعین ضروری ہے۔ اگر یہ روایات صرف اور صرف اہل السنت کی طرف سے مروی ہوتیں تو صاحب شافی کی طرف سے شیعی روایات درج کر کے جواب دینا انتہائی لغو اور بیہودہ حرکت ہو کر رہ جائے گا خود ڈھکو صاحب نے شافی سے علم المرتضیٰ کی نقل کردہ تین روایات ذکر کی ہیں تو اہل السنت کی روایات کا جواب شیعی روایات سے دینا بھی اصول مناظرہ کے سراسر خلاف ہے۔ کیونکہ برہانی مقدمات اور واقعی دلائل کے علاوہ صرف وہ حوالہ جات پیش کئے جا سکتے ہیں جو عند الخصم مسلم ہوں اور شیعی روایات نہ اہل السنت کے خلاف بطور الزام اور جدل پیش ہو سکتی ہیں اور نہ تحقیقی اور برہانی قیاس کے طور پر، جس سے صاف ظاہر ہے کہ خود علم المرتضیٰ کو ان روایات کا شیعی کتب میں موجود ہونا تسلیم ہے اور ان کے معنی و مفہوم پر مشتمل روایات کا شیعی کتب میں مذکور ہونا۔

علاوہ ازیں ہم انشاء اللہ ہر روایت کے متعلق صریح الفاظ یا اس کا معنی و مفہوم شیعی کتب کے حوالے سے بھی بیان کریں گے اور ظاہر ہے کہ اعتبار معانی و مفاہیم کا ہوتا ہے نہ کہ صرف الفاظ و حروف کا، قرآن مجید میں ایک ہی واقعہ میں پیغمبران کرام اور ان کے مخالفین کے درمیان ہونے والی گفتگو کو مختلف پیرایوں میں بیان کیا گیا ہے جہاں الفاظ و حروف کے تفاوت کے باوجود معنی و مفہوم کا اتحاد برقرار ہے لہٰذا واضح ہو گیا کہ اصول مناظرہ کے تحت مدمقابل اور خصم صرف الفاظ دکھلانے کا مطالبہ نہیں کر سکتا بلکہ صرف اور صرف اس معنی و مفہوم کے اثبات کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ اس لئے ڈھکو صاحب کو یہ دکھلانا چاہیئے تھا کہ ایسی کوئی روایت ہماری کتب میں موجود نہیں جو اس معنی و مفہوم پر دلالت کرے یوں تو ڈھکو صاحب

بھی رسالہ مذہب شیعہ کی عبارت نقل کر کے اس کا جواب دیتے ہیں۔ تو کوئی شخص مذہب شیعہ کے حوالہ سے روایت پیش کرے تو کیا یہ کہنا کافی ہو گا کہ یہ کتاب تو پیر صاحب سیالوی سنی کی لکھی ہوئی ہے اس کا حوالہ کیسے دیا جا سکتا ہے اور اگر کوئی شخص یہ جواب دیتا ہے تو اس کا واضح مطلب یہ ہو گا کہ وہ صرف جان چھڑانے کی کوشش کر رہا ہے اور تحقیقی جواب سے عاجز اور قاصر ہے اور ڈھکو صاحب کا عجز بھی واضح ہے کہ یہاں یہی مضمون اور مفہوم نہج البلاغہ وغیرہ کی عبارات سے پیش کیا گیا تو جناب نے سرے سے ان کا جواب ہی نہیں دیا اور یوں خاموشی سے گزر گئے گویا ان حوالہ جات کا ذکر ہی نہیں تھا۔

روایات خیریت و فضیلت کی صحت کا اعتراف

علامہ ڈھکو صاحب نے شافی اور تلخیص شافی کا پوری طرح مطالعہ کیئے بغیر واویلا اور شور مچانا شروع کر دیا کہ یہ روایات اہل السنت کی ہیں اگر ان کو اپنی کتابوں کے مطالعہ کی توفیق ہوتی تو انہیں یہ تسلیم کیے بغیر چارہ نہ رہتا کہ از روئے درایت بھی ان کی صحت اور درستگی تسلیم کرنی ضروری ہے اور از روئے روایت بھی

(۱) ـــــــ صاحب شافی علم الہدی صاحب نے کہا۔

روی عون بن ابی جحیفۃ قال سمعت علیا رضی اللہ عنہ اذا حدثتکم عن رسول اللہ فلان اخر من السماء فتخطفنی الطیر احب الی من ان اقول قال رسول اللہ ولم یقل واذا حدثتکم عن نفسی فانی محارب مکائد ان اللہ تقضی علی لسان نبیکم ان الحرب خدعۃ الا ان خیر ھذہ الأمۃ بعد نبیھا ابوبکر و عمر ولو شئت لسمیت الثالث (شافی ص۱۷۱ وکذا تلخیص للشافی ص۴۳۰)

عون بن ابی جحیفہ سے مروی ہے کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ

کو فرماتے ہوئے سنا جب میں تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث نقل کروں تو میں البتہ آسمان سے گر پڑوں تو وہ مجھے اس سے زیادہ محبوب ہے کہ میں آپ کی نہ فرمائی ہوئی بات کے متعلق کہوں کہ آپ نے یوں فرمایا اور جب میں تمہیں اپنے طور پر کوئی بات کہوں تو حرب و قتال میں مصروف ہوں اور کید و مکر اور مخفی تدابیر سے کام لینے والا ہوں بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر یہ قول جاری فرمایا بے شک جنگ دھوکہ ہے (اور اس میں خداع اور مکر جائز ہے) غور سے سنو بے شک اس امت سے افضل اور بہتر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابوبکر اور عمر ہیں اور اگر میں چاہوں تو تیسری شخصیت کا نام بھی گنوا دوں۔

اس روایت کو صاحب شافی اور تلخیص دونوں نے ذکر کیا اور اپنے اسناد کے ساتھ اور اس کی صحت کو بھی تسلیم کیا بلکہ اس کو بطور حجت اور دلیل پیش کیا ہے اور غیر ثابت اور غیر محقق بلکہ موضوع اور من گھڑت روایت سے حجت اور دلیل پیش کرنے کا کوئی مقصد نہیں ہو سکتا جس سے صاف ظاہر کہ یہ روایت عندالشیعہ بالکل صحیح ہے اور موثوق بہ

شیعہ کی فریب کاری:

لیکن شیعہ صاحبان اس سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ آپ نے الفاظ یہ ضرور کہے لیکن آپ ان کے معانی و مفاہیم کے قائل اور معتقد نہیں تھے بلکہ آپ نے بطور مکر اور کید اور خداع کے ان کو استعمال کیا اور اپنے لشکریوں کو مطمئن کرنے کے لیے۔ کیونکہ ان کی عظیم اکثریت ابوبکر و عمر کی امامت بلکہ افضلیت کی قائل تھی تو کہیں وہ بدظن ہو کر ساتھ چھوڑ نہ دیں لہٰذا ان کو اپنا ہمنوا بنائے رکھنے

کے لیے ایسے الفاظ زبان پر لاتے تھے۔ اور خطبات میں خلفاء سابقین کی مدح و ثناء فرما دیتے تھے۔ اور ان کو ساری امت سے افضل قرار دے دیتے تھے۔

وهذا الكلام يدل على انه على سبيل التعريض (الى) ومعلوم أن جمهور اصحابه وجلهم كانوا ممن يعتقد امامة من تقدم عليه وفيهم من يفضلهم على جميع الامة (شافي ص۱۶۶، تلخيص ص۳)

یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ کلام اس بات کی دلیل ہے کہ آپ نے بطور تعریض کے یہ کلمات زبان پر جاری فرمائے نہ کہ حقیقی معنی مراد ہونے کی حیثیت میں اور یہ حقیقت ہر ایک کو معلوم ہے کہ آپ کے ساتھیوں کی عظیم اکثریت ان لوگوں کی تھی جو پہلے خلفاء کی خلافت اور امامت کے معتقد تھے اور ان میں ایسے لوگ بھی تھے جو انہیں ساری امت پر فضیلت دیتے تھے۔

وقيل ان معاوية بث الرجال فى الشام يخبرون عنه عليه السلام بأنه يتبرأ من المتقدمين عليه وإنه شرك فى دم عثمان لينفر الناس عنه ويصرف وجوه اكثر اصحابه عن نصرته فلا ينكر ان يكون قال ذلك اطفاء لهذه النائرة (تلخيص الشافي ص۳۰ ج۲ وشافي ص۱۷۶)

اور تحقیق یہ کہا گیا ہے کہ معاویہ (رضی اللہ عنہ) نے شام میں ایسے لوگوں کو پھیلا دیا تھا جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے لوگوں کو یہ خبر دیتے تھے کہ یہ متقدمین خلفاء سے براءت کا اظہار کرتے ہیں۔ اور یہ حضرت عثمان کے خون میں شریک ہیں تاکہ لوگوں کو آپ سے متنفر اور بیزار کریں اور آپ کے ساتھیوں کی اکثریت کو آپ کی امداد و نصرت سے باز رکھیں لہٰذا اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ آپ نے ایسے کلمات زبان پر جاری فرمائے ہوں تاکہ اس آگ کو بجھا سکیں۔

الحاصل یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہوگئی کہ اس قسم کی روایات کا انکار نہیں کیا جاسکتا کیونکہ امیر معاویہؓ لوگوں کو یہ باور کرانا چاہتے تھے کہ یہ خلفاء سابقین کی عظمت و رفعت کے قائل نہیں بلکہ ان سے برات کے قائل ہیں اور آپ پراپیگنڈے اور افواہ کو بے اثر کرنے کے لیے اور اس فتنہ کی آگ کو بجھانے کے لیے اس طرح کے ارشاد فرماتے تھے اس لیے ان کا انکار نہیں کیا جاسکتا تو جب ڈھکو صاحب کے اسلاف تسلیم کر رہے ہیں کہ ایسے کلمات مدح و ثنا اور عظمت و رفعت خلفاء کے خطبے حضرت امیرالمؤمنین دیا کرتے تھے تو پھر شور و غل اور واویلا کی کیا گنجائش ہوسکتی ہے

اہل السنت اور اہل تشیع میں فرق :

اس مضمون کی روایات اصول روایت اور درایت دونوں لحاظ سے صحیح اور درست ثابت ہوگئیں مگر فرق صرف یہ رہ گیا کہ اہل السنت کے نزدیک جو کچھ آپ زبان سے فرماتے تھے وہی آپ کا عقیدہ و نظریہ بھی تھا اور آپ کا دل اور زبان اس معاملہ میں باہم متفق اور متحد تھے لیکن شیعہ حضرات کا عقیدہ یہ ہے کہ صرف رعایا اور لشکریوں کو بے وقوف بنانے کے لیے اور امیر معاویہؓ کے افشاء راز سے گھبرا کر اور لشکریوں کے چھوڑ جانے کے ڈر اور خوف و اندیشہ کی وجہ سے محض زبانی زبانی اس طرح کے خطبے دیا کرتے تھے اور دل سے ان کے معتقد و معترف نہیں تھے گویا امیر معاویہؓ سچ کہتے تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ جھوٹ بولتے تھے العیاذ باللہ

قارئین کرام صحیح حقیقت کے طلوع ہونے کے بعد ڈھکو صاحب کے ٹمٹماتے چراغ کذب کے جلنے کا کوئی اخلاقی، عقلی اور شرعی جواز رہ جاتا ہے۔

حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز کا تبصرہ

شافی پر اپنے قلمی حاشیہ میں حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ نے فرمایا۔

عد هذا الكلام من المكائد (الی) ابعد من الدراية لأن الاعلان على المنبر بانی اکید فی کل ما اقول لا یتأتی عن جاهل فضلا عن باب مدينة العلم كرم الله وجهه لأن بهذا الإعلان على المنبر يرتفع الأمان عن قوله كائنا ما كان ولا يعتمد على ما قاله احد على ان الكائد قد ضاع كيده بمثل هذا الاعلان لان الكيد لا يكون الا باخفاء امره وابراز خلافه فمن اعلن بانی اکید فی کل ما احدث فكيف يعتمد على قوله وكيف يفوز بكيده لاسيما اذا كان اميرا او اعلن على المنبر (الی) والله ان سيدنا عليا كرم الله وجهه الشريف ابرأ الناس مما يقول الظالمون۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے کلام کو مکائد سے شمار کرنا نقلی دلائل کے خلاف ہونے کے علاوہ) درایت اور عقل کے بھی خلاف ہے کیونکہ آپ کا منبر شریف پر بیٹھ کر اعلان کرنا کہ میں جو کچھ اپنی طرف سے کہتا ہوں تو اس میں کید اور مکر سے کام لیتا ہوں کسی جاہل ترین آدمی سے بھی متوقع نہیں ہو سکتا چہ جائیکہ باب مدینۃ العلم سے کیونکہ منبر پر ایسے اعلان کرنے سے آپ کے اقوال پر سے اعتماد اٹھ جائے گا خواہ جیسے اقوال بھی ہوں (دوسروں کی مدح وثنا میں ہوں یا اپنی تعریف و توصیف میں یا مخالفین کی مذمت میں) اور اس طرح کوئی بھی آپ کے ارشادات کے ظاہری معنی پر اعتماد نہیں کر سکتا۔

علاوہ ازیں جب کید اور مکر کرنے والا خود ہی کہہ دے کہ میرا کلام کید اور مکر پر مبنی ہے تو کید اور مکر ہی ختم ہو کر رہ گیا کیونکہ کید اور مکر کا دارومدار اس پر ہے کہ مراد کو مخفی رکھا جائے اور خلافِ مقصود کو ظاہر کیا جائے اور جب برسر منبر امیر وقت اپنے عساکر اور رعایا کے سامنے کہہ دے۔ میرا ذاتی کلام جو بھی ہوگا میں اس میں مکر اور خداع سے کام

سے رہا ہوں گا، اس کا ظاہری معنی مراد نہیں ہوگا تو اس کے کلام کو ظاہری معنی پر محمول کون کرے گا اور اس کلام کا فائدہ کیا ہوگا اور اس میں کس کو مغالطہ کا شکار کیا جا سکے گا لہٰذا حضرت علی رضی اللہ عنہ ظالموں کے ایسے اقوال سے بہت ہی دور اور منزہ و مبرا ہیں۔

اقول: مقصد آپ کا یہ تھا کہ کس طرح امیر معاویہ نے میرے دل کی بات اور اصلی عقیدہ کو جو ظاہر کر دیا ہے اس پر پردہ ڈالا جا سکے اور اس پردہ داری کی کوشش کرتے ہوئے خود ہی پردہ دری کر دی اور اپنا اصلی عقیدہ ظاہر کر دیا کہ میں ان کی تعریف محض دکھلاوے کے لیے کرتا ہوں اور مغالطہ دینے کے لیے، تو اس پردہ داری نے الٹا آپ کے راز کو فاش کر دیا اور امیر معاویہ کے پرچار کو صحیح اور درست ثابت کر دیا اور کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ جیسی معدن علم و حکمت اور مرقع دانش و بینش ہستی کے متعلق یہ گمان کیا جا سکتا ہے کہ وہ ایسی نامناسب اور ناموزوں حرکت کریں۔

عجیبہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دیگر اکابر اہل بیت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بالعموم اور شیخین رضی اللہ عنہما کی بالخصوص تعریف و توصیف فرمادیں تو شیعہ صاحبان کہتے ہیں دھوکہ اور مغالطہ دینے کے لیے ہے تاکہ لشکر ساتھ نہ چھوڑ دے۔ کیا ایسے حریصے خالص دنیادار اور دنیا کا طالب مردار خور کر سکتا ہے یا دین اور شریعت مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی ترویج و اشاعت کے لیے سر دھڑ کی بازی لگانے والے جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا "لایخافون لومۃ لائم" کہ وہ اشاعت دین اور اس کی تنفیذ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے خوفزدہ نہیں ہوتے اور کلمہ حق کہنے اور اس کو نافذ کرنے میں ذرہ بھر ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے جن کی شان ہے "تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر کہ تم نیکی کا حکم کرتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو مگر شیعہ صاحبان کہتے ہیں نہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے لشکریوں کو غلط عقائد و نظریات پر برقرار رکھا بلکہ انہیں مغالطہ دیتے ہوئے ان کی مرضی کے مطابق خطبات دیتے رہے اور فضائل شیخین بیان کرتے رہے تو کیا ان دوست نما دشمنوں نے

حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کو ان صفات کمال سے عاری اور محروم نہیں ثابت کر دکھلایا اور ان کو عام امتی کی صفات سے خالی ثابت کر دیا چہ جائیکہ ان کو امامت اور قیادت کی اہلیت کا مالک ثابت کریں گویا بقول ان کے آپ کا مطمح نظر صرف اور صرف یہ تھا کہ حکومت میرے قبضے میں رہے خواہ میری رعیت اور لشکری جہنم واصل کیوں نہ ہوں۔

ہوئے تم دوست جس کے دشمن اس کا آسمان کیوں ہو

مقام حیرت :- اگر کسی کے حق میں ائمہ کرام فرما دیں وہ کذاب و دجال ہے۔ اور یہود و مجوس سے بدتر ہے اور مشرک و کافر ہے تو شیعہ صاحبان کہتے ہیں نہیں وہ کامل مؤمن اور مخلص شیعہ ہے اور آپ نے صرف اس کی جان بچانے کے لیے اور دشمنان شیعہ سے اس کو تحفظ دینے کے لیے یہ کلمات مذمت اور الفاظ تحقیر و تذلیل استعمال کیے ہیں اور اگر کسی کی تعریف فرما دیں تو کہتے ہیں یہ ان کا عقیدہ نہیں صرف لوگوں کو سنانے اور اپنے ساتھ شامل رکھنے اور ہمنوا بنانے کے لیے بظاہر ایسے تعریفی کلمات کہہ دیے ہیں تو اس صورت میں کیا ائمہ کرام کی مذمت کا یا مدح و ثنا کا کوئی اعتبار ہو سکتا ہے اور ان کی کوئی بات قابل قبول ہو سکتی ہے؟ کیا ہادیان ملت اور مقتدایان انام اور معدنہائے رشد و ہدایت کا یہی حال ہوا کرتا ہے یہی وہ الزام تراشیاں اور بہتان بازیاں نہیں جن کو امام حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے جوتے کی نوک سے ٹھکرا دیا اور اپنے خون سے کربلا کے ریگزار پر وہ انمٹ نقوش تحریر کئے جو رہتی دنیا تک ان کی حق گوئی و بیباکی کے شاھد صادق رہیں گے اور ان کے روباہی صفات اور رذیلہ اخلاق سے مبرا و منزہ ہونے کی دلیل ناطق اقبال مرحوم نے کیا خوب فرمایا ہے۔

حدیث بیخبراں ہے کہ بازمانہ بساز
زمانہ با تو نسازد تو بازمانہ ستیز

لہٰذا ہم تو ائمہ اہل بیت اور علی الخصوص حضرت ابو الائمہ شیر خدا رضی اللہ عنہ

کو اس بے خبرانہ حدیث پر عمل پیرا تسلیم نہیں کرتے نہ ہمارا ضمیر اس کی اجازت دیتا ہے اور اگر کسی بے ضمیر کا ضمیر اس امر کی اجازت دیتا ہے تو وہ جانے اور اس کا کام۔

الغرض ہم بہ بانگ دہل کہہ سکتے ہیں اور کہتے ہیں اور کہتے رہیں گے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے جو مذہب اور عقیدہ ظاہر فرمایا اور جس پر علانیہ عمل پیرا رہے اور جس کا برملا اعلان اور اظہار فرماتے رہے وہ یہی اہل السنت والا مذہب تھا نہ کہ اہل تشیع والا اور ہم ظاہر کو ہی جان سکتے ہیں دلوں کی حالت کو صرف علیم بذات الصدور ہی جانتا ہے اور شریعت کا دارومدار ہی ظاہر پر ہے لہٰذا اہل السنت کا مذہب بھی برحق ہے اور جو کچھ شافی اور تلخیص سے حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ نے مدح و ثنائے شیخین کی نقل فرمائی اس کا ثابت اور محقق ہونا بھی واضح ہو گیا۔ والحمد للہ علی وضوح الحق۔

مدح شیخین رضی اللہ عنہما بزبان معدن ولایت رضی اللہ عنہ

اسی مضمون کی روایت یحییٰ بن حمزہ زیدی شیعہ کی کتاب الصواق المحامہ فی مباحث الامام سے معروض خدمت ہے۔

عن سوید بن غفلة انه قال مررت بقوم ینتقصون ابا بکر وعمر (رضی الله عنهما) فاخبرت علیا وقلت لولا انهم یرون انك تضمر ما اعلنوا ما اجترؤا علی ذلك منهم عبد الله بن سبا وکان اول من أظهر ذلك فقال علی اعوذ بالله رحمهما الله ثم نهض وأخذ بیدی وأدخلنی المسجد فصعد المنبر ثم قبض علی لحیته وهی بیضاء فجعلت دموعه یتحادر علی لحیته وجعل ینظر البقاع حتی اجتمع الناس ثم خطب فقال ما بال اقوام یذکرون اخوی رسول الله صلی الله علیه وسلم ووزیریه وصاحبیه وسیدی قریش وأبوی المسلمین

وأنا بری مما یذکرون وعلیه معاقب صحبا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
بالجد والوفاء والجد فی امر اللہ یامران وینھیان ویعاقبان لایری
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کرایھما رأیا ولا یحب کحبھما حبا لما یری
من عزمھما فی امر اللہ فقبض وھو عنھما راض والمسلمون راضون فما
تجاوزا فی امرھما وسیرتھما رأی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وامرہ
فی حیاتہ وبعد مماتہ فقبضا علی ذلک رحمھما اللہ والذی فلق الحبۃ
وبرأ النسمۃ لا یحبھما الا مؤمن فاضل ولا یبغضھما الا شقی مارق و
حبھما قربۃ وبغضھما مروق. الی آخر الحدیث (بحوالہ تحفہ اثنا عشریہ ص۹۹)

سوید بن غفلہ سے مروی ہے کہ میرا گزر ایسی قوم پر ہوا جو ابوبکر و عمر
رضی اللہ عنہما کی تنقیص شان اور تحقیر کر رہے تھے میں نے اس کی
اطلاع حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دی اور ساتھ ہی یہ بھی عرض کیا کہ
اگر ان کا عقیدہ یہ نہ ہوتا کہ حضرت علی کا اصلی اور قلبی عقیدہ بھی یہی ہے
جس کو وہ ظاہر کر رہے ہیں تو وہ اس طرح کی جرأت اور جسارت
نہ کرتے اور ان میں عبداللہ بن سبا بھی تھا اور وہی پہلا شخص تھا جس
نے اس امر کا اعلان اور اظہار کیا تھا تو حضرت علیؓ نے فرمایا میں اس
عقیدہ سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ابوبکر و عمرؓ پر رحم فرمائے
پھر آپ اٹھے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے مسجد میں لے چلے منبر پر تشریف
فرما ہوئے۔ پھر اپنی ڈاڑھی مبارک کو اپنے ہاتھ سے پکڑا اور
وہ سفید تھی اور اسی دوران آپ کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی
لگ گئی اور وہ ڈاڑھی مبارک پر گرنے لگے اور آپ ادھر ادھر
زمین پر اپنی نگاہوں کو پھیر رہے تھے حتیٰ کہ لوگ جمع ہو گئے۔ تو
آپ نے خطبہ دیا اور فرمایا ان لوگوں کا کیا حال ہے جو رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کے دو بھائیوں۔ آپ کے دو وزیروں، ساتھیوں

قریش کے سرداروں اور اہل اسلام کے ابوین یعنی باپوں کو برائی کے ساتھ یاد کرتے ہیں میں اس سے بری ہوں جس کا وہ ذکر کرتے ہیں اور میں اس حرکت پر سزا دوں گا ان دونوں حضرات نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حق صحبت پوری محنت کوشش اور وفاداری کے ساتھ ادا کیا اور اللہ تعالیٰ کے امر میں جدوجہد کا حق ادا کیا، وہ امر و نہی فرماتے قضا اور حدود و تعزیرات قائم کرتے تھے۔ رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی رائے کی طرح کسی کی رائے کو اہمیت نہیں دیتے تھے اور نہ کسی محبوب اور پیاری شخصیت کو ان کی مانند محبوب رکھتے تھے بسبب اس عزم اور پختگی کے جو ان میں اللہ تعالیٰ کے امر کے متعلق ملاحظہ فرماتے تھے۔ چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو آپ ان دونوں سے راضی تھے اور اہل اسلام بھی راضی تھے تو انہوں نے اپنے امور میں اور سیرت و کردار میں نہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے اور نظریہ سے تجاوز کیا اور نہ ہی آپ کے امر سے آپ کی حیات میں اور نہ آپ کے وصال کے بعد اور اسی حالت پر انکا وصال ہوا۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں پر رحمت فرمائے۔

مجھے اس ذات اقدس کی قسم جس نے دانہ کو پھاڑا اور پودے کو اگایا اور نفس انسانی کو تخلیق فرمایا۔ ان دونوں سے محبت نہیں رکھتا مگر مؤمن کامل اور ان سے بغض نہیں رکھتا مگر ازلی بدبخت اور دین سے دور ہونے والا۔ ان کی محبت اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ ہے اور ان کا بغض دین سے اعراض اور خروج کا موجب ہے۔

اس روایت نے جو زیدی شیعہ کے حوالہ سے منقول ہے ان حضرات کی عظمت شان کو اور ان کے حق میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عقیدہ و نظریہ کو مہر نیمروز کی طرح واضح کر دیا اور یہ حقیقت بھی کھل گئی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس پالیسی

اور زمانہ سازی سے بالکل بری تھے۔ یہ صرف عبداللہ بن سبا کی سازش اور اس کے دجل اور مکر و فریب کا کرشمہ ہے اور اس کے چیلے چانٹوں کا ورنہ حضرات ائمہ۔ اس قسم کے الزامات سے بالکل مبرا و منزہ ہیں اور نہ ہی ایسے امور ان کے شایان شان ہیں۔

اور شافی و تلخیص شافی سے نقل کردہ ان روایات کی تائید و تصدیق حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد سے بھی ہوتی ہے کہ آپ نے شیخین رضی اللہ عنہما کے حق میں فرمایا۔ لعمری ان مکانھما فی الاسلام لعظیم وان المصاب بہما لجرح فی الاسلام شدید (شرح ابن میثم جلد ۴ ص ۳۶۲)۔

(شرح ابن میثم جلد نمبر ۴ ص ۳۶۲) مجھے اپنے خالق حیات و زیست کی قسم۔ ان دونوں حضرات کا مرتبہ و مقام اسلام میں بہت عظیم ہے اور ان کا وصال اسلام کے لیے شدید اور گہرا اور نہ مندمل ہونے والا زخم ہے، اور امیر معاویہ کے اس نظریہ کی کہ اہل اسلام میں سب سے افضل ابوبکر ہیں اور پھر عمر، تصدیق کرتے ہوئے فرمایا۔ وکان افضلھم فی الاسلام کما زعمت وانصحھم للہ ولرسولہ الخلیفۃ الصدیق وخلیفۃ الخلیفۃ الفاروق (شرح ابن میثم جلد ۴ ص ۳۶۲)

(شرح ابن میثم جلد نمبر ۴ ص ۳۶۲) کہ اسلام میں سب سے افضل ابوبکر ہیں جیسے کہ تو نے کہا اور سب سے زیادہ مخلص اللہ تعالیٰ کے لیے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خلیفہ صدیق ہیں اور پھر ان کے خلیفہ عمر۔ پھر انہیں دعا دیتے ہوئے فرمایا۔ یرحمھما اللہ وجزاھما باحسن ما عملا۔ اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے اور انہیں ان کے اچھے اعمال کی جزائے خیر عطا فرمائے ۔ پھر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس دعوے اور اس تفضیل کے متعلق تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ سب کچھ مسلم جو تو نے ذکر کیا۔ مگر تیرا میرے سامنے ان امور کو ذکر کرنے کا کیا جواز ہے۔ تجھے صدیق سے کیا نسبت۔ انہوں نے تو ہمارے حق کی تصدیق کی اور اسے ثابت کیا اور ہمارے دشمنوں کے باطل کو باطل اور نیست و نابود کیا

اور تجھے فاروق سے کیا نسبت، فاروق نے تو ہمارے دشمنوں اور ہمارے درمیان تفریق کی۔

وما انت والصدیق فالصدیق من صدق بحقنا وابطل باطل عدونا وما انت والفاروق، فالفاروق من فرق بیننا وبین اعدائنا۔ (ص: ۳۶۲۔ ج ۴)

جب کہ آپ نے متعلق ارشاد فرمایا: لعمری ما کنت الا رجلاً من المھاجرین اوردت کما اوردوا وصدرت کما صدروا وما کان اللہ لیجمعھم علی ضلال ولا یضربھم بعمی (جلد ۴ ص ۳۵۵) شرح ابن میثم مجھے اپنی زندگانی کی قسم میں تو مہاجرین میں سے ایک عام فرد تھا۔ جہاں وہ داخل ہوئے میں بھی داخل ہوا اور جہاں سے وہ لوٹے میں بھی لوٹا اور اللہ تعالیٰ کے یہ شایان شان نہیں کہ ان کو گمراہی پر متفق کرے اور نہ یہ کہ انہیں حق وصداقت کے مشاہدہ سے بے بہرہ اور اندھا کرے اس کے بعد بھی کوئی شک وشبہ رہ سکتا ہے کہ آپ کا حضرات شیخین کے حق میں نظریہ عقیدہ کیا تھا جب کہ ان کے مقام کو عظیم اور ان کے وصال کو اسلام کے لیے ناقابل تلافی نقصان قرار دیتے ہیں اور اپنے آپ کو مہاجرین میں سے ایک عام فرد قرار دیتے ہیں جو ان کے ساتھ موافق ومرافق ہے لہٰذا شافی اور تلخیص الشافی کی ان روایات کے متعلق دعویٰ کرنا کہ یہ محض اہل السنت کی روایات ہیں بالکل غلط ہے اور حقائق سے آنکھیں بند کرنے کے مترادف اور جواب سے عجز اور بے بسی کا عملی اظہار۔

مذہب شیعہ ازشیخ الاسلام قدس سرہ العزیز

جناب ابو سفیان کی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بیعت کی پیشکش اور آپ کا جواب

وروی جعفر بن محمد عن ابیہ عن جدہ علیھم السلام قال لما استخلف ابو بکر جاء ابو سفیان فاستاذن علی علی علیہ السلام قال ابسط یدک ابایعک فواللہ لاملانھا علی ابی فصیل خیلاً ورجلاً

فانزوی عنه علیه السلام وقال ویحك ابا سفیان هذه من دواهیك وقد اجتمع الناس علی ابی بکر مازلت تبغی الاسلام عوجا فی الجاهلیة و الاسلام و واللہ ما ضر الاسلام ذالک شیئا (کتاب الشافی جلد ۲ ص ۱۸ مطبوعہ نجف اشرف)

امام جعفر صادق اپنے والد سے روایت فرماتے ہیں اور وہ اپنے والد سے روایت فرماتے ہیں اور وہ اپنے والد (امام زین العابدین رض) سے روایت فرماتے ہیں کہ جب (حضرت) ابوبکر (صدیق رض) خلیفہ بنے تو ابوسفیان نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضری کی اجازت چاہی (اور حاضر ہو کر) عرض کہ آپ ہاتھ بڑھائیں میں آپ سے بیعت کرتا ہوں، خدا کی قسم اس علاقہ کو سواروں اور پیدلوں سے بھر دوں گا (اگر حضور خوف کی وجہ سے خلافت کا اعلان نہیں فرما رہے اور تقیہ خاموش ہیں) یہ سن کر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اس سے روگردانی فرمائی اور فرمایا کہ ابوسفیان تیرے لیے سخت افسوس ہے یہ خیالات تیری تباہ کاریوں کی دلیل ہیں، حالانکہ ابوبکر (صدیق رض) کی خلافت پر صحابہ کا متفقہ اور اجماعی فیصلہ ہو چکا ہے تو تو ہمیشہ کفر اور اسلام کی حالت میں فتنہ اور کجروی ہی تلاش کرتا رہا ہے۔ خدا کی قسم (صدیق اکبر) ابوبکر کی خلافت کسی طرح بھی اسلام کے لیے غیر مفید نہیں ہو سکتی اور تو تو ہمیشہ فتنہ بازی رہا ہے۔

لیجیئے جناب یہ حدیث بھی امام عن امام غرضیکہ اس حدیث کی سند بھی تمامتر ائمہ معصومین صادقین پر مشتمل ہے، ہاں یہ ضرور ہے کہ ان کے ساتھ دوسرا شاہد موجود نہیں ورنہ شیعوں کے محقق طوسی اس پر ایمان لا چکے ہوتے کاش شیعوں کا پیشوا اس بات پر ایمان رکھتا کہ ائمہ ہدی کے ارشاد سے زیادہ اور کوئی چیز قابل یقین اور لائق اعتبار نہیں ہو سکتی اور ان کے ارشاد پر یقین کرنے کے لیے کسی دوسری شہادت کی ضرورت نہیں ہوتی۔

آیا بیعت خلافت کی پیشکش ابوسفیان کی طرف سے صرف اہل السنت کی روایت ہے؟

علامہ ڈھکو صاحب نے یہاں بھی ساری شاعری صرف اس نکتہ پر صرف کر دی ہے کہ یہ روایت بھی قاضی عبدالجبار نے مغنی میں نقل کی اور صاحب شافی نے تو اس کا جواب دیا ہے لہٰذا یہ اہل تشیع کی روایت کس طرح بن گئی اور اسے ان کے خلاف پیش کرنے کا کیا مطلب ہے اور اپنی عبارت کو بے حیائی اور بے شرمی کا مرقع بنا دیا ہے اور کیوں نہ ہو ؎

اذا یئس الانسان طال لسانہ کسنور مغلوب یصول علی الکلب

جب انسان مایوس ہو جاتا ہے تو زبان درازی پر اتر آتا ہے جیسے بلی عاجز آئے تو کتے پر حملہ آور ہو جاتی ہے۔

(۱) ـــــ کوئی اس بھلے مانس سے پوچھے کہ قاضی عبدالجبار جو روایت مغنی میں نقل کر دے وہ شیعہ کتب میں موجود نہیں ہو سکتی اور نہ وہ شیعی روایت ہو سکتی ہے، جب حقیقت یہ ہے کہ روایت متعدد شیعی کتب میں موجود ہے اور نہج البلاغۃ جیسی کتاب میں تو پھر اس شور و شر اور واویلا کا مطلب کیا۔ (ملاحظہ ہو نہج البلاغۃ مع شرح ابن میثم جلد اول ص ۲۷۶)

لما قبض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وخاطبہ العباس وابوسفیان بن حرب ان یبایعا لہ بالخلافۃ: ایھا الناس شقوا امواج الفتن بسفن النجاۃ وعرجوا عن طریق المنافرۃ وضعوا تیجان المفاخرۃ الخ

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اور جناب ابوسفیان نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیعت خلافت کے لیے ہاتھ بڑھانے کو کہا تو آپ نے فرمایا اے لوگو فتنوں کی موجوں کو نجات کی کشتیوں کے ساتھ

پھاڑ دو اور عبور کر دو اور منافرت کا راستہ چھوڑ دو اور نسبی و قبائلی فخر و ناز کے تاج سروں سے اتار پھینکو۔ اور اس خطبہ کی شرح میں ابن میثم اور ابن ابی الحدید نے یہی تفصیلات بیان کی ہیں جو اس روایت میں موجود ہیں جو شافی میں منقول ہے۔ لہٰذا اس روایت کو صرف یہ کہ کر ٹال دینا کہ قاضی عبد الجبار نے نقل کی ہے اور مغنی میں مرقوم ہے بالکل عجز اور بے بسی کی منہ بولتی تصویر ہے۔

(۲) ——— یہ کہہ کر اس روایت کی اہمیت کم کرنا کہ یہ صرف ابوسفیان کا خیال تھا اور وہ دشمن اسلام تھا اور وہ دارالخلافہ میں لڑائی کروانا چاہتا تھا نہ اس کو ابوبکر سے دشمنی تھی اور نہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دوستی بلکہ وہ تو اسلام کی جڑیں کھوکھلی کرنا چاہتا تھا۔ تو آپ نے دشمن اسلام کی بہت بڑی سازش کو ناکام کر کے اسلام کو تباہی سے بچالیا یہ بھی واقعات وحقائق کے سراسر خلاف ہے کیونکہ اس مشورہ میں حضرت عباس بھی شامل تھے اور حضرت زبیر بھی اور دیگر مہاجرین کی ایک جماعت بھی جیسے کہ ابن ابی الحدید نے ذکر کیا ہے۔ لما قبض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واشتغل علی علیہ السلام بغسلہ ودفنہ وبویع ابوبکر خلا الزبیر وابو سفیان وجماعۃ من المہاجرین بعلی وعباس رضی اللہ عنہما لاجالۃ الرأی وتکلموا بکلام یقتضی الاستنہاض والتہییج الخ (جلد اول ص ۲۱۸) جب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ کے غسل۔ اور دفن میں مصروف ہو گئے اور ابوبکر (صدیق رضی اللہ عنہ) کی بیعت۔ خلافت کرلی گئی تو حضرت زبیر اور ابوسفیان اور مہاجرین کی ایک جماعت نے حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما سے خلوت میں کلام کیا صلاح ومشورہ کے لیے اور ایسا کلام کیا جو ابوبکر کی خلافت اور بیعت کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے اور ہلچل مچا دینے کا موجب تھا اور خود نہج البلاغہ سے صراحۃً ثابت کہ حضرت عباس نے بھی یہی قول کیا لیکن

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سب کو منافرت کی راہ پر چلنے سے منع کیا اور نجات کی کشتیوں کے ذریعے ان فتنوں کی امواج کو پھاڑنے اور عبور کرنے کا مشورہ دیا اور اپنی خلافت کو قبل از وقت کچا پھل توڑنے اور دوسروں کی زمین میں کھیتی کرنے کے مترادف قرار دیا جس سے صاف ظاہر و واضح ہے کہ آپ مطلقاً حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے خلاف کوئی بھی اقدام کرنے کے مشورہ کو ناقابل قبول اور ناقابل عمل قرار دیتے تھے نہ محض اس لیے کہ مشورہ دینے والا ابوسفیان ہے اور اس کا اصلی مقصد میری محبت نہیں بلکہ اسلام کو ختم کرنا ہے (العیاذ باللہ) کیونکہ مشورہ دینے میں تو بڑے بڑے اکابر اہل بیت اور صحابہ شامل تھے۔

(۳) ——— علاوہ ازیں وہ کون سا محفوظ و مصئون اسلام تھا جس کو ابوسفیان کی سازش ناکام کر کے حضرت علی رضی اللہ نے بچا لیا جب کہ تمہارا مذہب ہی یہ ہے "ارتد الناس الا ثلاثۃ" تین اشخاص کے علاوہ سبھی مرتد ہو گئے تو آپ نے نعوذ باللہ ارتداد کا تحفظ کیا اور مرتدین کا یا اسلام کا اور اہل اسلام کا! سچ کہیے کونسی بات تمہاری سچی ہے۔

(۴) ——— نیز جناب کا نظریہ یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ عظیم اکثریت ان لوگوں کی تھی جو شیخین کی خلافت کو برحق جانتے تھے بلکہ ان کو افضل امت تسلیم کرتے تھے لہٰذا آپ ان کی دلجوئی کے لیے اور ان کو ہمنوا بنائے رکھنے کے لیے شیخین کی مدح و ثناء اور تعریف و توصیف فرما دیتے تھے اور اصلی اسلام اور حقیقی دین جاری نہیں فرماتے تھے۔ تو ہم پوچھ سکتے ہیں کہ حصول خلافت کے لیے اور مخالفین کے ساتھ جوابی اقدام اور کاروائی کے لیے اگر اس وقت یہ سیاست اور حکمت عملی اپنائی جا سکتی تھی تو اس وقت اس سے مانع کیا تھا آپ ان کی امداد حاصل کر کے اس خلافت غاصبانہ کو ختم کر دیتے اور پھر ان کے ساتھ

نمٹ لیتے اگر وہ طرز عمل درست تھا جو دوران خلافت اپنایا گیا تو وہ اس وقت درست کیوں نہیں تھا اور اگر اس وقت یہ چال اور حربہ اور خداع و مکر (نعوذ باللہ بزعم شیعہ) درست نہیں تھا تو بعد میں کیوں درست ہو گیا۔ ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین

(۵) ـــــ قابل غور امر یہ ہے کہ جو خلافت نہیں دیتے وہ بھی مجرم اور جو ہر طرح کا تعاون کریں اور سواروں اور پیادوں کے ساتھ مدینہ منورہ کی وادیوں کو بھر دینے کی پیشکش کریں وہ بھی مجرم تو یہ بلا فصل خلافت کسی کو جرم سے پاک رہنے بھی دیتی ہے یا سبھی کو مجرم اور گنہگار اور ظالم و غاصب ثابت کرنے کے لیے ہی اس کو فرض تسلیم کیا گیا ہے۔

حقیقت حال:۔ یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو ان حضرات کی اتباع و اطاعت اور ان کی متابعت و موافقت کا پابند کر دیا تھا اور آپ ان کی خلافت کو برحق سمجھتے تھے اس لیے آپ نے ایسی کسی تحریک کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا بلکہ سختی سے ایسے لوگوں کو منع کر دیا جیسے کہ فرمایا۔ اذا المیثاق فی عنقی لغیری کما سیأتی۔

ترجمہ صحیح ہے یا غلط:۔ ڈھکو صاحب نے حضرت شیخ الاسلام کے ترجمہ کو بھی ہدف تنقید بنایا اور کہا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ارشاد "ما زلت تبغی الاسلام عوجا فی الجاھلیۃ والاسلام واللہ ما ضر الاسلام ذلک شیئا" کا مقصد یہ ہے کہ تو کفر و اسلام کی حالت میں کجروی اور فتنہ سامانی کرتا رہا ہے مگر تیری ان کارستانیوں نے اسلام کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا بلکہ وہ برابر پھیلتا رہا اور پھیلتا رہے گا۔ مگر مؤلف نے آخری جملے "ما ضر ذلک الاسلام شیئا" کا ترجمہ کیا ہے؟ ابوبکر کی خلافت اسلام کے لیے غیر مفید بھی نہیں جو کہ سراسر غلط ہے اور جان بوجھ کر کیا گیا ہے تو محض ضلالت ہے اور نادانستہ کیا گیا ہے تو جہالت ہے (رسالہ تنزیہہ ص ۸۲)

علامہ صاحب اس سے بے خبر تو نہیں ہوسکتے کہ کبھی تحت اللفظ ترجمہ کیا جاتا ہے اور کبھی مقصد قائل بیان کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پہلے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ پر اہل اسلام کا اجماع و اتفاق بیان کیا اور اس کی مخالفت کو فتنہ سامانی قرار دیا اور بعد ازاں ابوسفیان کی عادت اور معمول بیان کیا کہ تو اسلام لانے سے قبل اور اسلام لانے کے بعد بھی اسلام کو نقصان پہنچانے کے درپے رہا ہے تو منجملہ اسلام کو نقصان پہنچانے کے مواقع سے صدیق اکبر کی خلافت کا موقعہ بھی ہے لہٰذا اس کے خلاف کارروائی اسلام کو نقصان پہنچانے کے مترادف ہے اور اگر خود ابوبکر کی خلافت ہی اسلام کو نقصان پہنچانے کا موجب ہوتی تو اس کے خلاف کارروائی تو اسلام کو بچانے کے لیے ہوتی نہ کہ اس کو نقصان پہنچانے کے لیے جس سے بالکل آفتاب نیمروز کی طرح واضح ہوگیا کہ ابوبکر صدیق کی خلافت نے اسلام کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا اور اس کے خلاف اقدام اسلام کو نقصان پہنچانے کا موجب ہوگا لہٰذا حضرت شیخ الاسلام نے اس جملہ مرتضویہ کے مغز اور مقصد کو بیان فرمایا تھا مگر بے مغز اور محروم فطنت و ذہانت اس کو سمجھنے سے قاصر رہے اور اپنی ذلالت و جہالت کو اگل بیٹھے

الغرض حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ارشاد سے واضح ہوگیا کہ خلافت صدیقی کا دور اسلام کا سنہری دور ہے اور اس کی مخالفت اسلام کی مخالفت ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اس کی نہ خود مخالفت کرسکتے ہیں اور نہ کسی کو اس کی مخالفت کی اجازت دے سکتے ہیں خواہ کوئی بھی ہو۔

والحمد للہ علی ذلک۔

اب مدعیان محبت و تولی بتلائیں کہ جس حکومت کا تحفظ اور نگہبانی فرمانے والے خود حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہوں اس کو غاصبانہ و ظالمانہ کیسے کہا جا سکتا ہے اور نعوذ باللہ حضرت امیر اس کی حفاظت و صیانت کر کے کیا خود بھی اس جرم میں شریک اور حصہ دار نہیں بن گئے؟

علامہ ڈھکو کا دماغی چکر! ڈھکو صاحب حضرت شیخ الاسلام کی غلطی نکالتے نکالتے

ایسے چکرائے کہ اتنا ہوش بھی نہ رہا کہ تلخیص الشافی کس کی تصنیف ہے چنانچہ فرماتے ہیں یہ روایت کتاب مذکور کے اسی صفحہ سے نقل کی گئی ہے جس سے سابقہ دو جعلی روایتیں نقل کی گئی ہیں، سید علم الہدی نے کتاب الشافی کے ص ۲۳۰ ھ، ص ۲۳۱ ھ پر اس کا مکمل جواب باصواب پیش کیا ہے (رسالہ تنزیہ الامیہ ص ۸۱) حالانکہ یہ عبارت اور یہ صفحات تلخیص الشافی کے ہیں نہ کہ شافی کے جب کہ شافی ص ۲۹۵ پر ختم ہو جاتی ہے اور اس کے بعد تلخیص الشافی کے دو جز ہیں جن سے پہلا جز ص ۳۸۶ پر ختم ہوتا ہے اور یہ عبارت تلخیص کے دوسرے جز کی ہے اور وہ ابو جعفر محمد بن حسن بن علی طوسی کی تصنیف ہے نہ کہ سید مرتضیٰ علم الہدی کی۔ مقام حیرت ہے کہ جب اس مذہب کے مجتہد کو اپنے مذہب کی کتاب کے مصنف کا بھی علم نہیں ہے تو اس کی شان اجتہاد کا عالم کیا ہوگا دوسروں کی غلطیاں نکالنے کا ہی ہر وقت خیال رہتا ہے مگر اپنے دماغ بلکہ نصیب کے چکر سے بالکل بے خبر ہیں۔

لو نظر الناس الی عیبہم

ما عاب الناس بالناس

اگر اپنی حالت کا علم ہو جاتا تو اکابرین امت کو نشانہ کیوں کر بنایا جاتا

نہ تھی حال کی جب ہمیں اپنے خبر ~~~ ؎

رہے دیکھتے اوروں کے عیب و ہنر

پڑی اپنی برائیوں پر جو نظر

تو نگاہ میں کوئی برا نہ رہا

شیخ الطائفہ ابو جعفر طوسی کا جواب یہ ڈھکو صاحب نے تلخیص الشافی کے ص ۲۳۰ ھ و ص ۲۳۱ ھ پر مذکور جس جواب باصواب کا حوالہ دیا ہے مختصراً اس کا تذکرہ اور اس میں موجود وجوہ سقم اور ضعف کی طرف بھی اشارہ کرتا چلوں طوسی صاحب نے کہا: فهو خبر متی صح لم یکن فیه دلالة علی اکثر من تهمة امیر المؤمنین لابی سفیان (الی) ولا حجة فیه علی امامة ابی بکر

ولا تفضیلہ الخ یعنی یہ ایسی روایت اور خبر ہے کہ اگر صحیح ہو بھی تو اس سے اس سے زیادہ کچھ بھی معلوم نہیں ہو سکتا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نزدیک ابوسفیان اس رائے کے اظہار میں متہم تھا اور اس میں نہ ابوبکر کی امامت پر کوئی دلالت ہے اور نہ ان کی فضیلت پر کیونکہ آپ نے مخالفت سے صرف اس لیے گریز کیا کہ کہیں ایسا نقصان لازم نہ آئے جس کی تلافی ممکن نہ ہو۔ لیکن اس سے یہ کہنے کا کسی کے لیے جواز پیدا نہیں ہو جاتا کہ اگر متولی الامراس کا حقدار نہ ہوتا تو آپ اس کے خلاف فوج کشی سے گریز کیوں کرتے اور ابوسفیان کی بیعت لینے سے گریز کیوں کرتے کیونکہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ مصلحت کا تقاضا یہی تھا اور اس کے تحت مخالفت سے دور رہنا واجب ولازم تھا اور اگر ترک نزاع واختلاف کو اس کی دلیل بنالیا جائے کہ متولی امر مستحق ہے تو پھر ظالم بنو امیہ کو بھی مستحق خلافت ماننا پڑے گا۔ اسی طرح حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو امیر معاویہ کی مخالفت کا اگر کوئی مشورہ دیتا بھی تو آپ اس کو قبول نہ کرتے بلکہ نہ کیا اور مصالحت پر برقرار رہے اور منکرین مصالحت کو فرمایا کہ دین اور رائے اسی کے متقاضی ہیں جو کچھ میں نے کیا ہے یہ ہے محصل اس جواب باصواب کا جو طوسی صاحب نے نو ساڑھے نو سطر میں ذکر کیا ہے جس میں سے کچھ ص ۴۲۰ پر ہے اور کچھ ص ۴۲۱ پر

طوسی صاحب کے جواب کے وجوہ اختلال

اقول: اس جواب میں چند امور قابل توجہ ہیں۔ اول یہ کہ طوسی صاحب نے وہ واویلا اور شور نہیں مچایا بلکہ روایت درست ہونے کی صورت میں اس کا محمل بیان کیا ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ ان کے نزدیک یہ روایت محض اہل السنت کی نہیں ورنہ وہ بھی ڈھکو صاحب کی طرح آسمان سر پر اٹھا لیتے اور شور وشر کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع کر دیتے

دوم طوسی صاحب نے بھی صرف اس روایت کے الفاظ کو سامنے رکھ کر

گلو خلاصی کی سعی ناکام فرمائی ہے حالانکہ دوسری اس مضمون کی روایات میں دوسرے حضرات حضرات کی شرکت بھی اس صلاح و مشورہ میں ثابت ہے اور اس منافرت اور عصبیت سے آپ کا انہیں منع فرمانا بھی ثابت ہے لہذا جواب کو صرف ان الفاظ تک محدود رکھنا اور گلو خلاصی کی سعی کرنا محققین کی شان سے بعید ہے۔

سوم نمبر (و) یہ دعوی کہ اس سے نہ ابوبکر کی امامت ثابت ہوتی ہے اور نہ ہی فضیلت ثابت ہوتی ہے سراسر سینہ زوری اور تحکم ہے اور اس باب میں وارد دوسری روایات سے صرف نظر کرکے یہ قول کیا گیا ہے جن میں تصریح موجود ہے کہ ہمیں تیرے سواروں اور پیادوں کی ضرورت نہیں ہے اگر ہم ابوبکر کو اس کا اہل نہ دیکھتے تو کبھی ان کو امامت و خلافت کے منصب پر فائز نہ ہونے دیتے ملاحظہ ہو شرح حدیدی جلد نمبر ۲ ص ۴۵ اور حضرت علی رضی اللہ کا یہ فرمانا کہ میرا اس وقت بیعت لینا پھل پکنے سے قبل توڑنے کے مترادف ہے اور دوسرے کی زمین میں کھیتی باڑی کرنے کے حکم میں ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ ابھی دوسرے حضرات کا وقت ہے اور جب وقت ہی ان کا ہے تو پھر ان کا استحقاق اور اہل ہونا خود ہی ثابت ہو گیا۔

(ب) ——— جب اس روایت میں حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ نے حضرت صدیق پر صحابہ کرام کا اجماع و اتفاق تسلیم کر لیا تو اہلیت و استحقاق خود بخود واضح ہو گیا کیونکہ آپ کا اپنا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ صحابہ کو ضلالت پر جمع نہیں فرماتا اور نہ ان کو مشاہدہ حق سے محروم رکھتا اس کے شایان شان ہے لہذا فضیلت بھی ثابت ہو گئی اور امامت و خلافت بھی۔

(ج) ——— آپ نے ابوسفیان کی سابقہ کاروائی اور معمول کا حوالہ دیکر کہا کہ تو روز اول سے اسلام کے خلاف سازش کرتا رہا ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ اب بھی یہ اسلام کے خلاف سازش ہے، جس سے اسلام کا قائم اور باقی ہونا اور محفوظ و مصئون ہونا ثابت ہو گیا حالانکہ شیعی نقطہ نظر

سے تو اسلام کی جگہ ارتداد نے لے لی تھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فرمان کے مطابق اسلام باقی ہے تو امامت و خلافت کی تنقیص اور اس کا مدار ایمان و اسلام ہونے کا دعویٰ ختم ہو گیا اور اس کے ساتھ ہی حضرت صدیق کی خلافت و امامت کا ثبوت واضح ہو گیا۔

(د) ــــــ ظالم بنو امیہ کا یہاں حوالہ دینا اور اس معاملہ کو ان کی حکومت و بادشاہت پر قیاس کرنا ہی بنیادی غلطی ہے کیونکہ مہاجرین و انصار کے اجتماع کو حضرت امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ نے دلیل حقانیت قرار دیا ہے اور اسی کو اللہ تعالیٰ کا فیصلہ بھی جیسے کہ نہج البلاغہ میں ہے۔ إنما الشورى للمهاجرين والأنصار فان اجتمعوا على رجل وسموه اماما كان ذلك لله رضى (الى) قاتلوه على اتباعه غير سبيل المؤمنين وولاه الله ما تولى۔ شوریٰ اور انتخاب کا حق صرف مہاجرین و انصار کے لیے ہے وہ کسی پر متفق ہو کر اسے امام اور خلیفہ نامزد کریں تو وہی اللہ تعالیٰ کی رضا بھی ہے لہٰذا اگر کوئی اس کی مخالفت کرے اور باز نہ آئے تو اس کے ساتھ مؤمنین کی راہ سے ہٹنے کی وجہ سے جنگ کرو اور اللہ تعالیٰ اس کو ادھر پھیرے گا جدھر کو وہ پھرا۔ اس لیے خود اہل السنت نے خلافت راشدہ اور ملوکیت کے درمیان فرق کیا ہے مسلسل تیس سال تک خلافت راشدہ کا دور تسلیم کیا ہے اور اس کے بعد ملک و سلطنت جو کبھی رحمت اور کبھی زحمت بنتا رہا لہٰذا اس دور خلافت کو ظالم بنو امیہ کے دور پر قیاس کرنا خود علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو جھٹلانے کے مترادف ہے۔

(ھ) ــــــ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو کوئی ہزار مرتبہ مشورہ دیتا کہ مصالحت ختم کر دو تو آپ ختم نہ کرتے اور نہ ہی ختم کی یہ بالکل بجا ہے لیکن تسلیم و تفویض کا اہل بھا تو سوچیں اگر وہ دین اسلام سے برگشتہ تھے اور اور اسلام کے خلاف اصول و قواعد اور قوانین و آئین کے نافذ اور جاری

کرنے والے تو یقیناً آپ نے اسلام اور اہل اسلام پر زیادتی کی ہے اور آپ اس کے جواب دہ ہوں گے۔ العیاذ باللہ۔

طوسی صاحب کے اس جواب کا مطلب یہ ہوا کہ آپ نے نااہل شخص کو حکومت اسلام دے کر حقوق اہل اسلام میں خلل اندازی کی ہے۔ العیاذ باللہ تعالیٰ جو سراسر لغو و باطل ہے۔ تو اس تفویض سے امیر معاویہ کی فی نفسہ فضیلت اور اہلیت و استحقاق مسلم ہے ہاں البتہ امام حسنؓ پر فضیلت لازم نہیں آتی اور نہ ہی ہم اس کے قائل ہیں ہاں خلافت معاویہؓ اگر ابتداء اہل حل و عقد مہاجرین و انصار کے اجماع سے ثابت ہوتی اور شورائی انداز میں تو پھر کلی یا جزوی فضیلت کا تسلیم کرنا ضروری تھا ورنہ ان کا اجماع محل تنقید و اعتراض بن جاتا۔

الغرض آپ نے ملاحظہ فرمالیا کہ طوسی صاحب کا جواب صواب سے کوسوں دور ہے اور محض گلو خلاصی کی سعی ناتمام اور تحقیق و تدقیق سے بالکل بیگانہ اور بے تعلق!

مذہب شیعہ:

حضرت علیؓ کے لیے قابل رشک اعمال نامہ

وروی جعفر بن محمد عن ابیه عن جابر بن عبد اللہ لما غسل عمر وکفن دخل علی علیه السلام فقال صلی اللہ علیه ما علی الارض احد احب الیّ ان القی اللہ بصحیفته من هذا المسجی بین اظهرکم۔

امام جعفر صادق امام محمد باقر سے روایت فرماتے ہیں کہ جب (امیر المومنین) عمر شہید ہوئے اور ان کو کفن پہنایا گیا تو حضرت علی المرتضیٰؓ تشریف لائے اور فرمایا اس پر اللہ تعالیٰ کی صلوٰۃ (رحمتیں و برکتیں) ہوں تمام روئے زمین پر میرے نزدیک کوئی چیز اس سے زیادہ پسندیدہ تر نہیں کہ میں اللہ سے ملوں اور میرا

اعمال نامہ بھی اس کفن پوش کے اعمال نامہ کی طرح ہو جو اس وقت تمہارے سامنے موجود ہے۔

سبحان اللہ! مولا مرتضیٰ تو ان کے اعمال نامہ کے ساتھ رشک فرما رہے ہیں اور مدعیان تولّی ان کو غاصب اور ظالم کہہ رہے ہیں اب سوال یہ ہے کہ کس کی سنیں اور کس کی نہ سنیں؛ مولا مشکل کشا کو سچا مانیں یا ان مدعیان محبّت و تولی کو! اس سے زیادہ بھی کوئی تعجب انگیز صورت پیدا ہو سکتی ہے۔ کہ کتابیں بھی۔ اہل تشیع کی نہایت معتبر اور روایات بھی شروع سے آخر تک ائمہ صادقین۔ طاہرین معصومین کی، ان کتابوں کی کتابت اور طباعت بھی تہران یا نجف اشرف میں مشہور غالی شیعوں کی زیر نگرانی اور پھر روایات پر اہل تشیع ایمان نہ لائیں تو کہنا پڑتا ہے کہ "فبأی حدیث بعدہ یؤمنون" یہ بھی یاد رکھیے کہ سید مرتضیٰ مصنف کتاب شافی کے متعلق ملا مجلسی نے اپنی کتاب حق الیقین ص ۱۵۰ مطبوعہ ایران میں لکھا ہے کہ از اکابر علمائے امامیہ است (یعنی شیعوں کے بہت بڑے علماء میں سے ہے) اور ابو جعفر طوسی کے متعلق بھی تمام مجتہدین شیعہ امام الطائفہ لکھتے ہیں اس کی اپنی کتابیں بھی اس کے غالی شیعہ ہونے کی تصدیق کرتی ہیں۔

تنزیہہ الامیہ۔

(۱) بارہا گفتہ ام و بار دگر می گویم۔ یہ خانہ ساز روایت اسی سابقہ زنجیر کی کڑی ہے یعنی سید مرحوم نے ص ۲۸ پر اس کو اہل السنت کے استدلال کے ضمن میں ذکر کیا ہے اور پھر ص ۱۳۳ پر اس کا کافی و شافی جواب دیا ہے

(۲) اس میں درایتی سقم یہ ہے کہ رشک وہ کرتا ہے جس میں کوئی علمی یا عملی کمزوری ہو اور رشک کرنا اس پر ہے جس میں ایسی برتری موجود ہو مگر یہاں ہر لحاظ سے معاملہ برعکس ہے لہذا ایسا جامع الصفات کامل انسان عمر صاحب کے کس ایمانی، علمی یا عملی کارنامے پر رشک کر سکتا ہے۔ ان

کے ایمان پر جو خود خلیفہ بیان فرماتے ہیں اسے خلیفہ خدا کی قسم میں منافقین سے ہوں یا ان کے یقین پر جن کی کمزوری کا یہ عالم ہے کہ رسول خدا کی نبوت و رسالت پر شک کرتے ہوئے نظر آتے ہیں یا ان کے علم و فضل پر جو خود کہتے ہیں۔ کہ بوڑھی عورتیں بھی مجھ سے زیادہ احکام شریعت جانتی ہیں یا ان کی زندگی پر جس کا اکثر و بیشتر حصہ کفر و شرک کی وادیوں میں چکر کاٹتے گزرا ان حالات میں کوئی دشمن عقل و ایمان ہی باور کر سکتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عمر صاحب کے اعمال نامہ کے ساتھ رشک کیا۔ ورنہ کوئی صاحب عقل و انصاف تو اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ تا بہ تصدیق چہ رسد؟

(۳) حقیقت یہ ہے کہ عمر صاحب کے اعمال نامہ میں کسی بھی آدمی کے لیے کوئی قابل رشک کارنامہ نہیں ہے چہ جائیکہ حضرت امیر علیہ السلام رشک کریں الخ ص ۸۴، ۸۵، ۸۶ -

تحفہ حسینیہ:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قابل رشک اعمال نامہ اور اس کی روایتی و درایتی درستگی اور صحت کا بیان؛

جواب اول: ڈھکو صاحب نے سب سے پہلا جواب حسب سابق۔ شور و شر اور واویلا کے ساتھ دیا کہ یہ اہل السنت کی روایت ہے مغنی میں مرقوم ہے۔ قاضی عبد الجبار نے اس کو نقل کیا ہے اور سید مرتضیٰ نے تو اس کا کافی و شافی جواب دیا ہے وغیرہ وغیرہ گویا قاضی عبد الجبار کوئی آیت بھی ذکر کر دے تو ڈھکو صاحب کا جواب یہی ہوگا یہ سنی آیت ہے اس کو قاضی نے مغنی میں ذکر کیا ہے اور سید مرتضیٰ نے تو اس کا جواب دیا ہے آخر اس احمقانہ حرکت کا بھی کوئی جواز ہے تم کہو ہماری کسی کتاب میں یہ روایت اور اس کا معنی و مفہوم مذکور نہیں ہے پھر تو کوئی بات ہوئی محض اس لیے کہ اس کو فلاں نے ذکر کیا ہے

اور فلاں نے اس کا جواب دیا ہے اس سے یہ کب لازم آتا ہے کہ دوسری کسی مذہبی کتاب میں موجود نہیں ہے۔ اگر جناب کو نہیں ملی تو ہم ہی یہ احسان کر دیتے ہیں اور آپ کو اپنی کتابوں کا مطالعہ کرا دیتے ہیں جس سے آپ کو تو نہیں لیکن ارباب عقل و دانش اور اصحاب دیانت و امانت کو تسلی ہو جائے گی کہ یہ روایت واقعی اہل تشیع نے بھی نقل کی ہے، ملاحظہ ہو (معانی الاخبار ص ۱۱۷ مصنفہ ابو جعفر محمد بن علی بن الحسن بن موسیٰ بن بابویہ القمی)

عن محمد بن سنان عن مفضل بن عمر قال سألت اباعبدالله علیه السلام عن معنی قول امیرالمؤمنین اذا نظر الی الثانی وھو مسجی بثوبه ما احد احب الی ان القی الله بصحیفته من ھذا المسجی فقال عنی بھا الصحیفة التی کتبت فی الکعبة۔

محمد بن سنان نے مفضل بن عمر سے روایت کی ہے کہ میں نے امام ابو عبداللہ جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا حضرت امیر المؤمنین کے اس قول کے معنی کے متعلق جو آپ نے اس وقت کیا جب کہ ثانی یعنی عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ شہادت کے بعد کفن میں لپیٹ دئے گئے تھے کہ کوئی بھی مجھے زیادہ محبوب نہیں اس سے کہ میں اس کے صحیفہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کر دوں بنسبت اس شخص کے جو کفن میں لپٹا ہوا ہے تو آپ نے فرمایا اس سے آپ کی مراد وہ صحیفہ ہے جو کعبہ میں لکھا گیا تھا۔

فائدہ :۔ اس روایت سے یہ حقیقت تو روز روشن کی طرح واضح ہو گئی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ کلمات اپنی زبان مبارک سے ادا کیے تھے یہ کتاب بھی خالص شیعہ کی ہے اور راوی بھی سبھی شیعہ ہیں اور امام جعفر صادق سے امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ کے اس فرمان کا معنی پوچھا جا رہا ہے اگر فرمان ہوتا ہی نہ تو معنی پوچھنے کا مطلب کیا ہو سکتا تھا۔ نیز امام موصوف فرما دیتے کہ یہ

فرمان ہی آپ کا نہیں ہے بلکہ بقول شیعہ آپ نے اس کی تفسیر بیان فرمائی۔ امید ہے اب تو صاحب شرم وحیاء لوگ یہ نہیں کہیں گے کہ یہ روایت شیعہ کی نہیں ہے

(۲) ابن ابی الحدید شیعی معتزلی نے شرح نہج البلاغہ میں یہی روایت نقل کی ہے ترجمہ پہلے گزر چکا ہے الفاظ ذکر کرنے پر اکتفا کروں گا۔

وقد جاء فی روایة ان علیاً علیه السلام جاء حتی وقف علیه فقال: ما احد احب الی ان القی الله بصحیفته من هذا المسجی

(جلد ۱۲ صفحہ ۱۹۳) اب یہ بھی واضح ہو گیا کہ صرف سنی نہیں بلکہ معتزلہ اور تفضیلی شیعہ بھی اور امامیہ اثنا عشریہ بھی اس روایت کے قائل ہیں۔

(۳) سید مرتضی علم الہدی نے کتاب الشافی کے ص ۷۷ اپر اسی روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا۔

ان فی متقدمی اصحابنا من قال انما تمنّی آن یلقی الله بصحیفته لیخاصمه بما فیها ویحاکمه بما تضمنته۔ یعنی ہمارے بعض متقدمین اصحاب نے کہا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے (حضرت) عمر جیسے صحیفہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہونے کی آرزو اس لیے کی تاکہ جو کچھ اس میں ہے اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے روبرو ان سے مخاصمت کریں اور جس کو وہ صحیفہ متضمن ہے اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور محاکمہ اور فیصلہ طلب کریں۔ اس قول میں سید مرتضی نے متقدمین اصحاب کے نزدیک اس روایت کا حضرت امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ سے منقول ہونا تسلیم کر لیا لہٰذا روایت کا درست ہونا اور واقعی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہونا مسلم ہو گیا۔

شیعی تاویل کا بطلان: اب رہا ابن بابویہ قمی اور سید مرتضی اور متقدمین شیعہ کا یہ قول کہ اس سے مراد وہ صحیفہ ہے جو کعبہ میں لکھا گیا کہ حضرت علی کو خلیفہ نہیں بننے دیں گے یا صحیفہ اعمال ہی مراد ہے لیکن اس لیے اس کے۔

ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہونے کی تمنا کی تاکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کے ذریعے خصومت اور فیصلہ کے لیے عرض کر سکیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر صحیفہ۔ کعبے والا یا صحیفہ اعمال حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں ہوا تو پھر اللہ تعالیٰ کے حضور اس کے متعلق فیصلہ کا مطالبہ کر سکیں گے اور جو کچھ اس میں ہے اس کے متعلق حکم اور قضا کا مطالبہ کر سکیں گے ورنہ نہیں نعوذ باللہ من ذلک گویا جس کو ایسے صحائف نہ ملیں تو ان کا کیس عدالت خداوندی میں پیش ہی نہیں ہو سکے گا اس طرح وہ سب مظلوم محروم عدل و انصاف رہیں گے جن کے پاس دستاویزی ثبوت نہیں ہو گا۔

بریں عقل و دانش بباید گریست

شیعہ برادری کی نادریل دیکھ کر مجھے یقین ہو گیا ہے کہ

خداجب دین لیتا ہے حماقت آہی جاتی ہے

اللہ تعالیٰ علیم و خبیر کے حضور عدل و انصاف کے حصول کے لیے مظلومین کو ان تکلفات کی قطعاً ضرورت نہیں ہے سب کچھ اس کے ہاں معلوم بھی ہے۔ اور مکتوب و مرقوم بھی اور ہر شخص کے اعمال کی ایسی دستاویز موجود ہوگی کہ وہ دیکھ کر پکار اٹھے گا۔ "مالھذا الکتاب لا یغادر صغیرۃ ولا کبیرۃ الا احصاھا"

(۲) علی تقدیر التسلیم اس کا ثبوت کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی یہ تمنا اور آرزو پوری ہو گئی صحیفہ آپ کو مل گیا بلکہ یقیناً آپ کو دستیاب نہیں ہوا تھا تو آپ قیامت کے دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خلاف کوئی اقدام نہیں کر سکیں گے۔ کیونکہ شیعی عقلا کے نزدیک اس کا دارومدار اسی صحیفہ کے دستیاب ہونے پر تھا اور وہ مہیا نہ ہو سکا۔

(۳) حضرت علی رضی اللہ عنہ علانیہ طور پر ان حضرات کے خلاف کوئی کلمہ اپنے دور خلافت میں بھی نہیں کہہ سکتے تھے چہ جائیکہ اس دور میں لہٰذا ظاہر یہی ہے کہ آپ نے عام حاضرین کو تاثر یہی دیا کہ میں ان کے کارہائے نمایاں اسلامی خدمات اور دین حنیف کی ترویج اور ترقی سے اس قدر متاثر ہوا

ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے حضور یہ آرزو پیش کر رہا ہوں کہ مجھے بھی اس قسم کے اعمال کی توفیق عطا فرمائے رہا یہ کہ آپ کے دل میں اس کے برعکس کچھ اور معنی تھا تو یہ دھوکہ اور فریب ذلیل اور گھٹیا انسانوں کا پیشہ اور طریقہ ہوا کرتا ہے اللہ تعالیٰ کے شیر ایسی بزدلانہ اور روباہی حرکات سے منزہ و مبرا ہوتے ہیں علی الخصوص امام حسین شہید کربلا کے ابا جان جیسے اسد اللہ الغالب رضی اللہ عنہ

(۴) ـــــــ اگر خواہ مخواہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس اعمال نامہ کے حصول کی کوشش کرنی تھی جو اللہ تعالیٰ کے ہاں حضرت عمر فاروق کے ساتھ مخاصمت اور مخالفت میں دستاویزی ثبوت کے طور پر درکار تھا تو پھر لوگوں کے سامنے اس طرح کہنے کی ضرورت نہیں تھی اور نہ انہیں غلط تاثر دینے کی بلکہ یہ کوشش اور تمنا و آرزو تو گھر میں بیٹھ کر بھی ہو سکتی تھی اور لوگوں کو اس مغالطہ اور غلط فہمی سے بھی بچایا جا سکتا تھا کہ ان کے نیک اعمال اور اعلیٰ کارناموں کی وجہ سے ایسی ہستیاں ان کے ساتھ رشک کر رہی ہیں۔

تفسیر امام کے راویوں کا حال:۔

اب ذرا امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے منقول اس روایت کے راویوں کا جائزہ لیتے ہیں کہ وہ کس قسم کے لوگ ہیں تاکہ اس تفسیر کا مبنی بر تحریف ہونا واضح ہو جائے۔

مفضل بن عمر کا حال:۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد کا معنی امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے پوچھ کر جس نے بیان کیا ہے ذرا اس ذات شریف کا تعارف بھی کراتا ہوں تاکہ حقیقت حال واضح ہو جائے یہ لغویات ائمہ کرام کی طرف منسوب کیے گئے ہیں اور پناہ بخدا کہ وہ اس قسم کی بے سروپا اور غیر معقول باتیں کریں

(۱) حماد بن عثمان سے مروی ہے کہ میں نے حضرت امام ابو عبداللہ

کو فرماتے ہوئے سنا کہ آپ مفضل بن عمر کو فرما رہے تھے۔
یا کافر یا مشرك مالك ولابنى یعنی اسماعیل بن جعفر اے کافر اے مشرک۔ تجھے میرے بیٹے اسماعیل سے کیا تعلق ہے اور کون سی غرض ہے ؟ (تو اس کو کیوں تباہ و برباد کر رہا ہے)

(۲) ——— اسماعیل بن جابر سے مروی ہے کہ امام ابو عبداللہ علیہ السلام نے فرمایا کہ مفضل بن عمر کے پاس جا اور اسے کہہ، یا کافر یا مشرک ماترید الی ابنی تریدان تقتلہ اے کافر اے مشرک تو میرے بیٹے کی طرف کیا ارادہ رکھتا ہے کیا تو اس کو قتل کرنے کا ارادہ رکھتا ہے؟

(۳) ——— ابو عمرو الکشی نے یحییٰ بن عبدالحمید الحمانی کی کتاب جو امامت امیر المؤمنین کے اثبات میں لکھی گئی ہے سے نقل کیا ہے کہ یحییٰ نے شریک سے کہا، ان اقوا ما یزعمون ان جعفر بن محمد ضعیف الحدیث الخ یعنی بہت سے لوگ کہتے ہیں کہ جعفر بن محمد ضعیف احادیث بیان کرتے ہیں اور اس فن میں قابل اعتماد نہیں ہیں تو انہوں نے کہا حقیقت حال اس سے مختلف ہے دراصل بعض جاہل اور جھوٹے لوگ اپنی دنیاوی اغراض اور حرص و لالچ کے تحت آپ کے اردگرد جمع ہو گئے اور انہوں نے آمد و رفت شروع کر دی اور لوگوں سے کہتے ہیں امام جعفر صادق نے فرمایا۔ ویحدثون باحادیث کلھا منکرات کذب موضوعۃ حالانکہ جتنی روایات بیان کرتے وہ سب منکر ہوتیں اور موضوع و من گھڑت اور سراسر جھوٹ اور بہتان جب عوام نے ان روایات کو سنا تو ان کو تسلیم کر کے ہلاک ہو گئے اور بعض نے ان کا انکار کر دیا۔ اور وہ لوگ ہیں مفضل بن عمر بنان، عمرو النبطی وغیرہ۔ ذکروا ان جعفراً حدثھم ان معرفۃ الامام تکفی من الصلاۃ والصوم الخ یہ روایت بھی امام جعفر صادق سے نقل کر ڈالی کہ امام کی معرفت نماز اور روزہ سے کافی ہے یعنی اس معرفت کے حصول کے بعد نماز و روزہ کی

ضرورت نہیں رہتی اور یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بادلوں میں ہیں اور ہوا کے ساتھ اڑتے ہیں۔ (مزید تفصیلات کے لیے رجال الکشی ص ۲۷۰ تا ص ۲۷۸ ملاحظہ فرمائیں)

محمد بن سنان راوی کا حال: فضل بن شاذان کہتا ہے: لا استحل ان اروی احادیث محمد بن سنان میں اس کی احادیث کو روایت کرنا حلال نہیں سمجھتا اور بعض کتب میں اس کے متعلق فضل بن شاذان نے تصریح کی ہے ان من الکاذبین المشھورین ابن سنان، یعنی محمد بن سنان مشہور دروغگو لوگوں میں سے ہے۔ (مزید تفصیلات رجال الکشی کے ص ۳۳۲، ص ۳۲۴، ص ۴۲۷، ص ۴۸۶ پر ملاحظہ فرمادیں)

یہ صرف دو راویوں کا حال ہے جو نذر قارئین ہے جس سے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ یہ لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ارشادات میں تحریف کرنے والے ہیں اور دجال و کذاب اور کافر و مشرک لہٰذا ایسے لوگ جب مذہب شیعہ کے بانی مبانی ہیں اور شریعت مدار اور حجۃ الاسلام تو پھر اس مذہب میں خیر اور بھلائی کا پہلو کس طرح ڈھونڈنے سے مل سکتا ہے۔

۵ قیاس کن ز گلستان من بہار مرا

جب تحریف معنوی روز روشن کی طرح عیاں ہو گئی اور محرفین کی حالت واضح ہو گئی تو اب ارباب انصاف و دیانت اور اصحاب عقل و فہم کے لیے اس روایت کو اپنے ظاہری معنی و مفہوم پر محمول کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے اور یہ ماننا لازم ہے کہ امیر المومنین عمر فاروق کا اعمال نامہ وہ عظیم تر اعمال نامہ ہے۔ جس کے ساتھ حضرت ابو الائمہ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی رشک فرماتے تھے اور اس قسم کے اعمال نامہ کے لیے دل و جان سے آرزو مند اور بارگاہ خداوندی میں اس کے لیے دست بدعا رہتے تھے۔ والحمد للہ علی وضوح الحق

روایت کی حقیقت اور اصل معنی تحریف معنوی کے بیان کے بعد اب اس کا حقیقی معنی ملاحظہ فرما دیں۔ ابن ابی الحدید نے حضرت عبداللہ بن عباس

اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم سے نقل کیا ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ابولولو مجوسی نے خنجر کا وار کر کے شدید زخمی کر دیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: "ویلم عمران اللہ لم یغفر لہ" عمر کی امی کی ہلاکت ہے اگر اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے بخشش اور مغفرت نہ فرمائی تو عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: فقلت واللہ انی لارجوان لاتراھا الامقدار ماقال اللہ تعالی: ان منکم الاواردھا" ان کنت ماعلمنا لامیر المؤمنین وسید المسلمین، تقضی بالکتاب وتقسم بالسوی میں البتہ امید رکھتا ہوں کہ تم نہ دیکھو گے آگ مگر صرف اتنا قدر جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی بھی نہیں مگر اس میں وارد ہونے والا ہے یعنی پل سے گزرتے ہوئے بیشک تم ہمارے علم کے مطابق البتہ مؤمنین کے امیر تھے۔ اور اہل اسلام کے سردار تم کتاب اللہ کے ساتھ فیصلے کرتے تھے اور تقسیم اموال میں مساوات سے کام لیتے رہے

فرماتے ہیں۔ حضرت عمر بن خطاب کو میری یہ بات بھلی معلوم ہوئی آپ اٹھکر بیٹھ گئے اور کہا، اتشھد لی یابن عباس کیا تم میرے لیے اس کی شہادت دیتے ہو، تو میں نے کمزوری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس شہادت میں ذرا ہچکچاہٹ محسوس کی فضرب علی بین کتفی وقال اشھد: تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے میرے دونوں کندھوں کے درمیان تھپکی دی اور کہا گواہی دے، اور ایک روایت میں ہے کہ میں نے عرض کیا: لم تجزع یا امیر المؤمنین فواللہ لقد کان اسلامك عزا و امارتك فتحا و لقد ملأت الارض عدلا. تم پریشانی کا اظہار کیوں کر رہے ہو خدا کی قسم بے شک تمہارا اسلام لانا موجب عزت اور غلبہ تھا اور تمہاری امارت وخلافت سراسر فتح تھی اور یقیناً آپ نے زمین کو عدل کے ساتھ بھر دیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اے ابن عباس کیا تم اس امر کی شہادت دیتے ہو تو آپ نے شہادت دینے کو پسند نہ کیا (کیونکہ اللہ تعالیٰ پر ایک حکم اور فیصلہ دینے کے مترادف تھی) اور

اس میں توقف کیا "فقال له علی علیه السلام قل نعم ۔ انا معك فقال نعم" تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہو ہاں میں شہادت دیتا ہوں اور میں بھی اس شہادت میں تیرے ساتھ ہوں ۔ (شرح حدیدی جلد نمبر ۱۲ ص ۱۹۲) اور اسی موقعہ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور یہ الفاظ زبان اقدس پر جاری فرمائے : ما احد احب الی ان القی اللہ بصحیفتہ من ھذا المسجی ۱۹۲ اس سیاق و سباق سے اس صحیفہ کا معنی و مفہوم اور اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضری کی تمنا و آرزو کا مطلب و مقصد واضح ہو گیا اور ساری سبائی سازش اور یہود و مجوس کی تحریف لغو و باطل ہو کر رہ گئی کیونکہ وہ تمنا و آرزو گھر بیٹھ کر بھی کی جا سکتی تھی لوگوں کے سامنے اور اس سیاق و سباق میں اس قدر تمنا و آرزو کا کیا جواز ہو سکتا تھا ۔ اور خواہ مخواہ عام اہل اسلام میں ان کی عظمت اور رفعت و برتری کے عقیدہ کی بنیاد فراہم کرنے کی کیا ضرورت تھی ۔

شیعی درایت کی حقیقت :- اب ذرا ڈھکو صاحب سے لے کر طوسی اور مرتضیٰ شیعی وغیرہ اسلاف کی درایت کی حقیقت سے پردہ اٹھایا جاتا ہے اور اس کی لغویت اور بطلان واضح کیا جاتا ہے سب سے پہلی وجہ تو یہ بیان کی گئی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جیسے جامع الکمالات اور صاحب مفاخر و مناقب کو اس تمنا و آرزو کی ضرورت کیا ہو سکتی ہے؟ جب کہ رشک وہ کرتا ہے جس میں علمی یا عملی کمزوری ہو اور اس پر کرتا ہے جس میں علمی یا عملی برتری ہو اور یہاں معاملہ برعکس ہے لہذا رشک کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی ۔

الجواب : اولاً - رشک کرنے کے لیے صرف ذاتی علم اور عمل میں کمزوری کی ضرورت نہیں ہے بلکہ دوسرے پہلو بھی ہو سکتے ہیں مثلاً فتوحات کثیرہ اور اشاعت اسلام و ترویج دین اور اقامت معدلت اور لوگوں کو راہ استقامت پر چلانا جس طرح کہ آپ نے فرمایا : ولیھم وال فاقام واستقام حتی وضع الدین بجرانہ ابوبکر کے بعد ایسی شخصیت اہل اسلام کی والی اور امیر بنی جو خود بھی راہ راست پر تھے اور لوگوں کو بھی راہ راست پہ گامزن کیا حتیٰ کہ دین نے راحت و سکون محسوس

کیا، اور یہ حقیقت کسی جاہل سے جاہل شخص پر بھی مخفی نہیں ہے کہ متعدی نیکی کا فائدہ اور اجر وثواب غیر متعدی نیکی کی نسبت زیادہ ہوتا ہے۔ مثلاً بہت بڑا عالم ہو مگر پڑھائے نہ اور اس کے مقابل تھوڑا علم رکھنے والا ہو مگر شب و روز اس علم کو پڑھائے یا عابد ہے جو رات دن عبادت میں مصروف و مشغول ہے لیکن دوسروں سے واسطہ نہیں رکھتا اور اس کے مقابل دوسرا شخص فرائض و واجبات اور سنن مؤکدہ ہی ادا کرتا ہے لیکن دوسروں کو بھی ان امور کی ادائیگی پر آمادہ کرتا ہے تو لازمی بات ہے کہ اس کا اجر و ثواب دوسرے شخص سے زیادہ ہے، الغرض رشک کرنے کا اس میں انحصار نہیں ہے۔ کہ ایک میں علمی و عملی کمزوری موجود ہو اور دوسرے میں فوقیت و برتری بلکہ علم و عمل میں کمال کے باوجود افادہ و افاضہ خلق اور ترویج و اشاعت دین میں امتیاز بھی قابل رشک ہو سکتا ہے، علی الخصوص حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شیعی عقیدہ کے مطابق علم ماکان وما یکون حاصل تھا اور اہل السنت بھی آپ کو حقائق سے آگاہ اور نور ولایت سے عواقب امور کو دیکھنے والا یقین کرتے ہیں تو آپ کے علم میں ہو گا کہ میرا دور خلافت تو باہمی اختلاف و انتشار اور کشت و خون کی نذر ہو جائے گا اور اشاعت دین اور فتوحات کا سلسلہ اس طرح برقرار نہیں رہ سکے گا تو آپ کا ان کے ساتھ رشک کرنا اور زیادہ موزوں و مناسب ہو جائے گا۔

(۲) ایک ہے واقعہ میں علم و عمل کے اندر افضل و برتر ہونا اور ایک ہے اس برتری اور افضلیت کا اعتقاد بھی رکھنا، اگر شیعہ صاحبان کے قول کے مطابق علم و عمل میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سب سے افضل و اعلیٰ بھی ہوں مگر یہ کہاں سے لازم آتا ہے کہ آپ اپنے آپ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ یا دیگر صحابہ کرام سے افضل و برتر سمجھیں بھی سہی، آپ کا ارشاد گرامی نقل کیا جا چکا ہے کہ آپ نے فرمایا۔ لعمری ماکنت الا رجلاً من المهاجرین الخ بخدا میں تو مہاجرین میں سے ایک عام مہاجر تھا۔ جہاں وہ داخل ہوئے میں بھی داخل ہوا جہاں سے وہ لوٹے میں بھی لوٹا (شرح ابن ابی میثم ص ۴۵۵ ج ۴) اور

حقیقت بھی یہی ہے کہ باردار شاخ ہمیشہ جھکتی ہے اور بے ثمر بلند رہتی ہے۔
لہذا از رہ تواضع و انکساری بھی تو رشک کیا جاسکتا ہے۔

ع تواضع زگردن فرازاں نکواست۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے امت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں داخل اور شامل ہونے کی تمنا فرمائی حالانکہ ہر نبی تمام تر امم سے افضل و برتر ہوتا ہے لیکن مقصد تواضع تھا، تو فرمایئے شیعہ صاحبان کے نزدیک، از روئے عقل اس رشک کو محال اور ناممکن سمجھنے کی وجہ کیا ہو سکتی ہے؟ ماسوائے تحکم اور سینہ زوری کے یا اظہار بغض و عداوت کے۔

(۳) حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ارشادات سے جو نہج البلاغہ، ابن اثیم اور دیگر کتب امامیہ میں مذکور ہیں ان سے واضح ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان دونوں بزرگواروں کے متعلق اور بالخصوص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق کس قدر فضیلت اور فوقیت کے قائل تھے۔ کہیں فرمایا بخدا ان کا مرتبہ اسلام میں بہت بلند ہے اور ان کا وصال اسلام کے لیے گہرا زخم ہے کہیں حضرت فاروق کو اہل اسلام کے لیے مرجع اور ملجا و ماوی قرار دیا۔ کہیں تسبیح کے دانوں کے ربط و ضبط برقرار رکھنے والے دھاگے کی مانند اہل اسلام کے باہمی ربط و ضبط کا آپ کو ضامن قرار دیا۔ کہیں اسلام کے لیے آپ کو قطب مدار قرار دیا جو اسلام کی چکی کی گردش اور منفعت و افادہ کا ضامن ہے۔ کہیں ان کو کجی دور کرنے والا بیماریوں کا علاج کرنے والا۔ ہر خیر اور بھلائی کو پانے والا اور شر و فساد سے دامن بچا کر نکل جانے والا قرار دیا وغیر ذلک جب کہ ان کے لیے بطور وزیر و مشیر معاونت بھی فرماتے رہے اور ان کے وصال پر بنا ئی ہوئی مشاورتی کمیٹی میں بھی شامل ہو کر ان کی اطاعت کا حق ادا کرتے رہے تو اس کے بعد اس فاروق اعظم کی افضلیت اور برتری میں اور خداداد فضل و کمال میں

کون دشمن دین دعقل شک کر سکتا ہے ؟ اور کس منہ سے وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تعلق اور نسبت کا دعویٰ کر سکتا ہے جب کہ وہ ان کے اقوال اور نظریات کو جھٹلانے والا ہے اور ان کے ممدوحین اور معظمین و مکرمین کی گستاخی اور بے ادبی کرنے والا ہے۔ نعوذ باللہ من ھذا الشقاء۔

جواب الثانی: (۱) ڈھکو صاحب نے کہا وہ رشک کس چیز پر کریں گے۔ ان کے ایمان پر جو قسم اٹھا کر کہتے ہیں اے حذیفہ میں منافقین میں سے ہوں ڈھکو صاحب نے گویا ذخیرۂ احادیث میں سے صرف یہی ایک روایت دیکھی ہے، دوسری کوئی روایت ان کی عظمت ایمانی اور صدیق اکبر کے بعد ساری امت پر راجح اور وزنی ہونے کی انہیں ملی ہی نہیں۔ ڈھکو صاحب! آپ کے اپنے اعتراف اور اس کی اصلیت کو معلوم کئے بغیر اس بدباطنی کے اظہار کو چھوڑ دو۔ یہ دیکھو کر سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت امیر المومنین اور ائمہ کرام نے انکے متعلق کیا فرمایا ہے اگر آپ حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق قرآن مجید میں لکھا ہوا دیکھ لو "ربنا ظلمنا انفسنا" اے رب ہمارے ہم نے اپنے نفوس اور جانوں پر ظلم کیا ہے تو ان کی خلافت اور نبوت کا انکار کر دو گے اور تقویٰ و پرہیزگاری کی نفی کر دو گے حضرت یونس علیہ السلام کے متعلق قرآن مجید میں "انی کنت من الظالمین" دیکھ لو گے تو ان کی خداداد رفعت و عظمت اور نبوت کا انکار کر دو گے؟ یہ سب تواضع اور انکساری کا اظہار ہے اور عرفان کے بلند ترین مراتب جب کھلتے ہیں تو نچلے مراتب کو اہمیت حاصل نہیں رہتی اس لیے ہر سطح کا کامل سے کامل فرد بھی "اھدنا الصراط المستقیم" کی التجا کرتا ہے کیونکہ اس کی نظر میں وہ مرتبہ عالی ہی ہدایت ہوتا ہے اور نچلے مرتبہ کو وہ اہمیت نہیں دیتا لہٰذا عارف کامل جس ہدایت کو ہدایت نہیں سمجھ رہا اور بلند تر مقام ہدایت پر نظر رکھ کر اس کا طلب گار ہے اس کی اس نچلے درجہ کی ہدایت اگر ہمیں نصیب ہو جائے تو ہم اپنے آپ کو مومن اکمل سمجھنے لگ جائیں مگر یہ اسرار بھنگ اور چرس میں مست اور نشہ کے رسیا

لوگوں کے غیظ دماغ میں کب راہ پا سکتے ہیں

(ب) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس یقین پر حضرت علی رضی اللہ عنہ رشک کریں گے جن کی کمزوری کا یہ عالم ہے کہ رسول خدا کی نبوت و رسالت پر شک کرتے ہوئے نظر آتے ہیں؟ یہ بھی ڈھکو صاحب نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اپنا قول نقل کیا ہے نہ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا جس سے ڈھکو صاحب کی حماقت اور سخافت عقل ظاہر اور واضح ہے کیونکہ کاملین اور اکملین کے کمال عرفان کا تقاضا ہی یہی ہے کہ وہ بلند مراتب ایمانی کے مقابل نچلے مرتبہ کو کوئی اہمیت نہ دیں، علاوہ ازیں قلوب صافیہ کو معمولی سی تبدیلی بھی بہت زیادہ محسوس ہوتی ہے جیسے دودھ میں تنکا یا شیشہ پر سانس پڑ جائے تو فوراً اس کا اثر محسوس ہوتا ہے لیکن زنگ آلود لوہے پر سانس کا اثر نمایاں نہیں ہوتا اور نہ کالے گڑ کے شربت میں معمولی تنکا کا وجود محسوس اور نمایاں ہوتا ہے لہٰذا یہ قول اسی قلبی صفائی اور شفافیت کا آئینہ دار ہے اور آپ کی اس تنگ ودو میں جو آپ نے صلح حدیبیہ کے موقع پر کی تھی صرف اور صرف اشداء علی الکفار کے شان کا ظہور تھا لیکن شدت اور غیظ و غضب کے اظہار میں آپ نے جو سعی اور جد و جہد فرمائی محض اس لحاظ سے اس کو شک سے تعبیر فرما دیا کہ محض کفار و مشرکین کے خلاف غیظ و غضب ملحوظ نہیں رہنا چاہیے تھا بلکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داری اور منصب خلافت و نیابت کے تحت بھر بیب رہنا چاہیے تھا۔ اور تسلیم و رضا کے اعلیٰ مقام پر استقامت اور استمرار کا مظاہرہ کرنا چاہیے تھا۔ ڈھکو صاحب کہیں قرآن مجید میں عصی آدم فغوی دیکھ کر یہ فتویٰ نہ لگا دینا کہ وہ خود ہدایت پر نہیں تھے دوسروں کے ہادی کیسے بن سکتے تھے اور ہدایت یافتہ لوگوں کے لیے قابل رشک کب ہو سکتے تھے کیونکہ دوسری آیت بھی ملحوظ رکھنی ضروری ہے "فنسی ولم نجد لہ عزماً" وہ بھول گئے اور ان کا عزم و ارادہ عصیان اور نافرمانی کا نہیں تھا۔ معلوم ہوا اللہ تعالیٰ کے فرمان کے باوجود ظاہری معنی کا عقیدہ رکھنا کفر ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ جن کے

فضل وکمال، اور ایمانی وعرفانی بلندیوں کی گواہی اللہ تعالیٰ دے "فان آمنوا بمثل ما آمنتم به فقد اهتدوا" تم جیسا ایمان لائیں تو ہدایت یافتہ ہیں ورنہ نہیں اور ان کے ایمان کو ان کے لیے قابل تقلید نمونہ کے طور پر پیش فرمائے "آمنوا کما آمن الناس" اس طرح ایمان لاؤ جس طرح یہ لوگ ایمان لائے ہیں اور احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دفاتر ان شہادات سے پر ہوں اور حضرات ائمہ کے ارشادات بکثرت موجود ہوں جن کے جواب دینے کی شیعہ کے اخلاف واسلاف میں ہمت وجرأت ہی نہ ہو تو ایک اپنے ذاتی قول کو جو ازرہ تواضع وانکساری سرزد ہوا اس کو کس طرح دلیل بنایا جا سکتا ہے۔ الیس منکم رجل رشید!

(ج) ——— ڈھکو صاحب کا ارشاد ہے کہ حضرت علی ان کے علم کے ساتھ رشک کریں گے جو خود کہتے ہیں کہ مجھ سے مدینہ منورہ کی بوڑھی عورتیں احکام شرع کی زیادہ سے زیادہ واقف ہیں، مگر یہ بھی ان کا ذاتی قول ہے جو سراسر تواضع اور انکساری پر مبنی ہے اور ان عورتوں کی حوصلہ افزائی اور دلجوئی پر جو خلیفہ وقت کو عین موقع پر اپنی رائے سے مطلع کرنے کا حوصلہ اور برملا اپنی معلومات کا اظہار کرنے کی ہمت رکھتی تھیں۔

ڈھکو صاحب ان بوڑھی عورتوں کا علم اپنی جگہ مسلم اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اعتراف بھی مسلم مگر آپ اپنے فارسیوں سے یا رومیوں سے بھی یہ قول ثابت کر دیں کہ ان میں علم اور تدبیر نہیں ہے اور حکمت ودانش نہیں ہے جب کافر بھی یہ نہ کہہ سکیں بلکہ انہیں اس عظیم ہستی کی عظمتوں کا اعتراف کرنا پڑے تو تم اپنے آقا عبداللہ بن سبا اور ابلیس کو خوش کرنے کے لیے ان کافروں سے بڑھ کر کیوں زور لگا رہے ہو۔ قرآن مجید میں پیغمبران کرام کا یہ اعتراف موجود ہے اور ڈنکے کی چوٹ پر ہے "لا علم لنا" ہمیں بالکل علم نہیں ہے۔ نکرہ تحت النفی ہے جو عموم نفی کا افادہ کرتا ہے تو بیان بھی کہو گے کہ بوڑھی شیعہ عورتوں کے برابر بھی انبیاء کو علم نہیں تھا، نعوذ باللہ من ذالک۔ پرکھ ہے۔

سے خداجیب دین لیتا ہے حماقت آہی جاتی ہے۔

(د) ڈھکو صاحب فرماتے ہیں کہ کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ جناب عمر کی زندگی پر رشک کریں گے جس کا اکثر دبیشتر حصہ کفر و شرک کی وادیوں میں بھٹکتے گزر گیا۔ ڈھکو صاحب یہ قاعدہ آپ نے کس یہودی سے سیکھا ہے کہ جس کی ساری زندگی ایمان کی حالت پر گزرے وہ دوسروں سے افضل ہوا کرتا ہے۔ آپ کو پیدا ہوتے ہی مومن ہونے کا دعویٰ ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بھائی حضرت عقیل اور آپ کے اور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ فتح مکہ کے موقعہ پر اسلام لائے تو کیا خیال ہے کہ تم ان سے افضل ہو گئے یا ان کے برابر؟ نعوذ باللہ من ذلک۔

علاوہ ازیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلان نبوت کے بعد جو لوگ کسی وقت بھی حلقہ غلامی میں داخل ہوئے ان کے سابقہ عقائد اور اعمال کالعدم ہو گئے یا ان پر مواخذہ باقی ہے جب وہ اعمال قابل مؤاخذہ نہیں اور نہ اس شرک اور کفر پر ان کے لیے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کسی قسم کا عقاب ہے تو آخر شیعہ صاحبان کو اس مؤاخذہ اور تنقید کا حق کس نے دیا ہے اور اس کو مقام لعن و تشنیع میں ذکر کرنے کا؟ ماننے پر آئیں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جھٹلانے والے اور عذاب خداوند تعالیٰ کا نشانہ بننے والے مرتدین کو دوبارہ زندہ ہونے اور توبہ کرنے پر نبی تسلیم کرلیں اور نہ ماننے پر آئیں تو رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کا ایمان ہی اس لیے تسلیم نہ کریں کہ وہ نبوت کے چھٹے سال مشرف باسلام ہوئے یعنی صرف سترہ اٹھارہ سال شرف صحبت حاصل رہا لہٰذا اس کا کیا اعتبار ہے، تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ علامہ کشی نے حضرت سلمان فارسی کی طرف منسوب روایت نقل کی ہے۔ والسبعین الذین اتهموا موسی علی قتل هارون فاخذتهم الرجفة من بغيهم ثم بعثهم الله انبياء مرسلين۔ (رجال الکشی ص۲۶)۔ جن ستر آدمیوں نے موسیٰ علیہ السلام کو حضرت ہارون علیہ السلام کے قتل کے ساتھ متہم کیا تھا اور ان کی

بغاوت اور سرکشی کی وجہ سے ان کو زلزلہ نے اپنی لپیٹ میں لے لیا پھر انہیں زندہ کیا اس حال میں کہ ان میں سے بعض انبیاء مرسلین تھے۔ اور بعض انبیاء تو تھے مگر رسل نہیں تھے تو اس کے بعد کیوں نہ کہوں کہ ایسے لوگ یہودی ہیں اور عبداللہ بن سبا کے دام تزویر میں گرفتار۔ ان کا اسلام اور اہل اسلام بلکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل بیت کرام سے قطعاً کوئی تعلق نہیں ہے اور صرف از روئے نفاق کلمہ پڑھ کر اسلام کے ساتھ بدترین دشمنی کا مظاہرہ کیا گیا ہے، اپنے مرتدین کو نبی مرسل بنا کر دکھلاتے ہیں اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے مخلص غلاموں اور قریبی رشتہ داروں کے ایمان کے بھی قائل نہیں جن کے ایمان و اخلاص کے گواہ اللہ تعالیٰ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ائمہ کرام علیہم الرضوان ہیں۔

اور یہی حکمت ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس رشک کی تاکہ اہل اسلام یہودی سازش سے بچ سکیں اور انہیں پتہ ہو کہ جن ہستیوں کے نامہ اعمال کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ جیسی ہستی رشک کرے ان کے متعلق کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش کیا ہو سکتی ہے؟ اور آپ کا فرض منصبی تھا کہ آپ اہل اسلام کی ہدایت کا اہتمام فرماتے اور آپ نے اس کو باحسن طریق ادا فرمایا۔

جواب الثالث: ڈھکو صاحب نے شیطان مجسم بن کر اپنے غیظ وغضب اور بغض باطن کا اظہار اس رنگ میں کیا ہے کہ حضرت امیر المؤمنین کا عمر صاحب کے نامہ اعمال سے رشک کرنا تو دور کی بات ہے کسی آدمی کے لیے بھی اس اعمال نامہ کے ساتھ رشک کا کوئی پہلو موجود نہیں ہے۔ اس میں آدمی کا ذکر کر کے اور مؤمن کی تخصیص کو بھی ختم کر کے جس بے باکی اور بے حیائی کا مظاہرہ کیا گیا ہے اس سے شیطان کو بھی شرم آ رہی ہو گی کیونکہ وہ ان کے مخالف تو ضرور تھا مگر اعتراف حقیقت میں کبھی بخل نہیں کیا اور "الا عبادك منهم المخلصين" کہہ کر ان مقدس ہستیوں کے سامنے اپنا اعتراف عجز کر لیا۔ مگر میرا یہ چیلا اتنا حد سے تجاوز کر گیا ہے کہ کسی کو بھی معاف نہیں کیا اور وہ خود بھی اللہ تعالیٰ اور ملائکہ اور اہل ایمان کے ساتھ اس پر لعنت بھیجنے میں ضرور شریک ہو گا۔

ڈھکو صاحب کیوں نہ اس محسن اسلام کے ساتھ اس غیظ و غضب کا اظہار کرتے انہوں نے سرزمین ایران فتح کر کے آگ کے پجاریوں کی آگ ختم کرائی اور زنار اتروائے یہود و نصاریٰ کے علاقے فتح کر کے صلیبوں اور بتوں کی پرستش ختم کرائی اور لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا اعلان کرایا اور خدائے واحد کے سامنے لوگوں کو سربسجود کیا اور ان کی بہنوں بیٹیوں اور ماؤں نانیوں اور دادیوں کو منہ کر دانے سے روک دیا وغیر ذلک تو ایسا شخص ان یہود و مجوس کے لیے کس طرح داد و تحسین کا حقدار ہو سکتا ہے۔ اور اس کا اعمال نامہ ایسے انسانی نما درندوں اور جانوروں کے لیے کیونکر قابل رشک ہو سکتا ہے؟ اگر اس کے اعمال نامہ سے رشک کریں گے تو ملائکہ یا ملائکہ سیرت اکابرین اسلام ہی کریں گے۔

والحمد للہ علی وضوح الحق وبطلان الباطل واندفاع وساوس الوسواس الخناس۔

مذہب شیعہ　　　از حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز

خطبہ حضرت عبداللہ بن عباس در حق

خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم

قال ابن عباس رضی اللہ عنھما فی ابی بکر (الصدیق) رحم اللہ ابابکر کان واللہ للفقراء رحیما وللقرآن تالیا وعن المنکر ناھیا وبدینہ عارفا ومن اللہ خائفا وعن المنھیات زاجرا وبالمعروف آمرا وباللیل قائما وبالنھار صائما فاق أصحابہ ورعا وکفافا وسادھم زھدا وعفافا فغضب اللہ علی من ینقصہ ویطعن علیہ (ناسخ التواریخ جلد ۵ کتاب نمبر ۲ صفحہ ۱۴۴)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت ابوبکر (صدیق رضی اللہ عنہ) کی شان میں فرمایا۔ اللہ تعالیٰ رحمت فرمائے ابوبکر (صدیق) پر کہ اللہ کی قسم وہ فقیروں کے لیے رحیم تھے اور قرآن کریم کی تلاوت ہمیشہ کرنے والے تھے۔ بری باتوں سے منع کرنے والے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے دین کے عالم تھے۔ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے تھے۔ اور ناکردنی اعمال سے ہٹانے والے تھے۔ اچھی باتوں کا حکم دینے والے تھے رات کو خدا کی بندگی کرنے والے تھے اور دن کو روزہ رکھنے والے تھے۔ تمام صحابہ پر پرہیزگاری اور تقویٰ میں فوقیت حاصل کر چکے تھے۔ دنیا سے بے رغبتی اور پاکدامنی میں سب سے زیادہ تھے پس جو شخص ان کی شان میں تنقیص کرے یا ان پر طعن کرے تو ان کی شان میں تنقیص کرنے والے پر خدا کا غضب ہو

شان فاروقی میں بھی ایک تصریح ملاحظہ ہو (ناسخ التواریخ کتاب نمبر ۲ صفحہ ۱۴۴)

رحم اللہ ابا حفص کان واللہ حلیف الاسلام ومادی الأیتام ومنتہی الاحسان ومحل الایمان وکھف الضعفاء ومعقل الحنفاء وقام بحق اللہ صابرا محتسبا حتی اوضح الدین وفتح البلاد وآمن العباد اعقب اللہ من ینقصہ اللعنۃ الی یوم القیامۃ۔

اللہ تعالیٰ رحمتیں فرمائے ابوحفص عمر رضی اللہ عنہ پر خدا کی قسم کہ وہ اسلام کے سچے ہمدرد تھے۔ یتیموں کے آسرا تھے۔ احسان کے اعلیٰ مرتبہ پر متمکن تھے۔ ایمان کا مرکز تھے ضعیفوں کے جائے پناہ تھے، متقی اور پرہیز گاروں کے ملجا وماویٰ تھے۔ اللہ تعالیٰ کے حقوق کی حفاظت فرمائی، جس میں تکلیفوں اور مصیبتوں پر صبر کرنے والے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی چاہنے والے تھے، یہاں تک کہ دین کو روشن کیا اور ملکوں کو فتح کیا۔ اور اللہ تعالیٰ کے بندوں کو خوف سے بچا کر امن میں رکھا۔ جو شخص بھی ان کی شان کو گھٹائے وہ قیامت تک اللہ تعالیٰ کی لعنت کا مستحق ہے۔

اسی طرح شان ذی النورین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق ملاحظہ فرمائیں۔

رحم اللہ عثمان کان واللہ اکرم الحفدۃ وافضل البررۃ ھجادا بالاسحار کثیر الدموع عند ذکر النار نھاضا عند کل مکرمۃ سباقا الی کل منجیۃ حبیبا وفیا صاحب جیش العسرۃ وحمو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ فاعقب اللہ من یلعنہ لعنۃ اللاعنین۔

(ناسخ التواریخ جلد ۵ کتاب ۲ صفحہ ۱۴۴)

اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ہوں عثمان رضی اللہ عنہ پر اللہ کی قسم وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شریف ترین داماد تھے۔ اور مقدس لوگوں سے افضل تھے۔ بہت تہجد پڑھنے (نماز) والے تھے۔ نار جہنم کو یاد کرتے وقت بہت رونے والے تھے۔ ہر بہترین کام میں ہر نجات دینے والے پہلو کی طرف سب سے زیادہ سبقت کرنے والے تھے۔

غزوۂ تبوک میں اسلامی لشکر کی اعانت کرنے والے تھے غزوہ تبوک میں اسلامی لشکر کی اعانت کرنے والوں کے سردار تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی رشتہ دار تھے جو ان کی شان میں لعنت کرتا ہے اس پر اللہ کی لعنت ہے اور ان لوگوں کی لعنت ہے جو لعنت کرنے والے ہیں۔

تنزیہہ الامامیہ از محمد حسین ڈھکو صاحب

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب اس روایت سے بچند وجہ تمسک کرنا درست نہیں ہے۔

اولاً ناسخ التواریخ میں یہ روایت مسعودی کی مروج الذہب سے لی گئی ہے اور مسعودی اہل السنت کا جلیل القدر عالم بلکہ فاضل امام ہے۔

ثانیاً عقلائی قاعدہ ہے کہ کسی شخص کا کلام اس وقت اس کے عقیدہ کا ترجمان ہو سکتا ہے جب کوئی قرینہ اس کے خلاف عقیدہ ہونے پر قائم نہ ہو اور یہاں قرینہ موجود ہے جو اس کلام کے خلاف اعتقاد ہونے پر دلالت کرتا ہے اور وہ یہ ہے کہ انہوں نے یہ کلمات مدح و ثناء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے حق میں دربار معاویہ کے اندر کہے اور اگر وہاں وہ حقیقی نظریہ بیان کرتے جو اپنے استاد گرامی حضرت علی اور دیگر خاندان نبوت کے افراد کاملہ سے حاصل کیا تھا تو جان سے ہاتھ دھونے پڑتے اور جب جان کا خطرہ ہو تو تقیہ جائز ہوتا ہے۔ لہذا یہ سب از روئے تقیہ کہا گیا ہے اس لیے اس کا اعتبار نہیں۔

ثالثاً حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب یہ کلام ان کے مسلمہ نظریات کے خلاف ہے جیسے کہ ان کے گرانقدر مکالمہ سے روز روشن کی طرح واضح ہے جو انہوں نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے کئے

جیسے کہ طبری، محاضرات راغب میں مرقوم ہے اور شبلی نے ان کی تفصیل نقل کی ہے

رابعاً قطع نظر سابقہ وجوہ کے اگر واقعہ میں یہ اقوال حضرت عبداللہ بن عباس کے بھی ہوں تو کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ مذہب شیعہ میں سند اور حجت صرف نبی ہے یا امام معصوم اور جس کا قول ان کے قول وفعل کے خلاف ہو اس کو پرکاہ کے برابر بھی اہمیت حاصل نہیں ہوتی۔ (تنزیہ الامامیہ ص ۱۱۰ تا ۱۱۵)

تحفہ حسینیہ ازابوالحسنات محمد اشرف السیالوی:

الجواب بتوفیق رب الأرباب

جواب الأول (۱) علامہ ڈھکو صاحب نے حسب عادت پہلا جواب یہ دیا کہ یہ روایت اہل السنت کی ہے لہذا ہمارے خلاف اس کو بطور حجت پیش نہیں کیا جاسکتا لیکن ہم نے اس سے قبل صاحب ناسخ التواریخ کی زبانی ثابت کردیا ہے کہ اس نے متفق علیہ روایت نقل کرنے کا التزام کر رکھا ہے اور اگر کہیں ایسی روایت آجائے جو عقیدہ شیعہ کے خلاف ہو تو وہ اپنے مذہب کا تحفظ کرنے کی پوری پوری کوشش کرتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ ڈھکو صاحب نے اپنی مذہبی کتابوں کا پوری طرح مطالعہ نہیں کیا اور یا پھر تقیہ سے کام لیتے ہوئے غلط بیانی اور جھوٹ کو بروئے کار لائے ہیں۔

(ب) اس روایت کے اہل السنت کی کتابوں سے ہونے کی دلیل یہ دی ہے کہ روایت مسعودی کی مروج الذہب سے لی گئی ہے اور وہ علامہ اور امام فاضل اہل السنت کا ہے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دھلوی نے اس مکاری کا پردہ چاک کرتے ہوئے تحفہ اثنا عشریہ میں فرمایا۔

کید بست وسوم آنکہ شخصے از علماء زیدیہ و بعضے فرق شیعہ غیر امامیہ

اثنا عشریہ نام برند و اول در حال او مبالغہ نمایند (تا) مثل زمخشری صاحب کشاف کہ تفضیلی و معتزلی است و اخطب خوارزم کہ زیدی غالی است و ابن قتیبہ صاحب معارف کہ رافضی مقرری است و ابن ابی الحدید شارح نہج البلاغہ کہ تشیع را با اعتزال جمع کردہ و ہشام کلبی مفسر کہ رافضی مقرری است و مسعودی صاحب مروج الذہب و ابو الفرج اصفہانی صاحب کتاب الاغانی و علی ہذا القیاس امثال انہارا ایں فرقہ در اعداد اہل السنت داخل کنند و معقولات و منقولات ایشاں الزام اہل السنت خواہند۔

تینتیسواں[۳۳] داؤں مکر اہل تشیع کا یہ ہے کہ اثنا عشریہ فرقہ کے علاوہ اپنے فرقوں میں سے کسی فرقہ زیدیہ وغیرہ کے عالم کا نام لیں گے پہلے پہل اس کے حق میں مبالغہ کریں گے کہ یہ بڑا متعصب سنی ہے بلکہ بعض اس کو سخت ترین ناصبی بھی کہہ جائیں گے پھر اس سے ایسی روایت نقل کر دیں گے جس سے مذہب اثنا عشری کی تائید ہوتی ہوگی اور مذہب اہل السنت کا ابطال تاکہ اس روایت اور نقل کو دیکھنے اور سننے والا غلط فہمی میں مبتلا ہو جائے اور گمان کر لے کہ اس قدر متعصب سنی ہو کر بغیر تحقیق صحت کے وہ ایسی روایات کیونکر نقل کر سکتا ہے۔ اور پھر ان پر سکوت اور خاموشی کیونکر اختیار کرتا ہے جیسے کہ زمخشری صاحب کشاف جو تفضیلی شیعہ ہے اور معتزلی بھی اور اخطب خوارزم جو زیدی غالی ہے اور ابن قتیبہ صاحب معارف رافضی مقرری ہے اور ابن ابی الحدید شارح نہج البلاغہ کہ جس نے تشیع اور اعتزال کو یکجا کیا ہوا ہے۔ اسی طرح ہشام کلبی مفسر وہ بھی غالی رافضی ہے اور مسعودی صاحب مروج الذہب اور ابو الفرج اصفہانی صاحب کتاب الاغانی و علی ھذا القیاس اس قسم کے شیعہ علماء کو یہ گروہ پہلے پہل اہل السنت کے علماء میں شمار کر دیتا ہے اور پھر ان کے اقوال اور ان کی منقول روایات سے اہل السنت کو الزام دینے کی کوشش

کرتے ہیں۔

الغرض مسعودی صاحب اور انکی مروج الذہب اہل السنت کے نزدیک تشیعہ مؤلف کی شیعی مذہب کی کتاب ہے اس لیے اس کو اہل السنت کے کھاتے میں ڈالنا سراسر دھوکہ بازی اور بدترین مکاری دعیاری ہے نیز قاضی طباطبائی شیعی نے بھی اس کے شیعی عالم ہونے کی تصریح کی ہے

جواب الثانی علامہ موصوف نے فرمایا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ خطبات چونکہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دربار میں سرزد ہوئے لہذا خوف جاں کی وجہ سے اپنے ضمیر کے برعکس کہنے پر مجبور تھے اور عقلائی قاعدہ کے تحت کہ جب قرینہ قائم ہو کلام کا ظاہری معنی مراد متکلم نہیں ہوسکتا لہذا ان کے ان خطبات کا بھی ظاہری معنی و مفہوم حضرت ابن عباس کی مراد و مقصود نہ تھا بس ویسے ہی زبان سے کہہ دیے لیکن دریافت طلب امر یہ ہے کہ۔

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو اس دربار میں کون گرفتار کرکے لے گیا تھا جب ایسے خطرات وہاں پر تھے تو ادھر منہ کرنے کا حوصلہ ہی انہیں کیونکر ہوا۔

(۲) آپ نے ایک طرف عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو اتنا بہادر ثابت کر دیا کہ حضرت امیر المؤمنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کے دور خلافت میں روبرو مکالمہ کرتے ہوئے ان کے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر ظلم اور جبر کرنے کا الزام عائد کیا اور ان کے رعب و جلال اور سطوت و جبروت کو ذرا بھی خاطر میں نہ لائے جن کے بلا دسے پر امیر شام کا پسینہ چھوٹ جاتا تھا اور جو خالد بن الولید جیسی شخصیت کو حمص کی گورنری سے معزول کر کے انہیں کی دستار ان کے گلے میں ڈال کر لوگوں کے سامنے کھڑا کر کے جواب طلبی کرتے ہیں کہ یہ اموال داشتہ کہاں سے آئے اور فلاں جگہ اتنا خرچ کیوں کیا وغیرہ وغیرہ (شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید جلد اول ص-۱۸۰) آخر اس تضاد کا بھی جواب کبھی سوچا۔؟

(۳) پھر حضرت عبداللہ بن عباس رضی حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ کے شاگرد خاص تھے تو انہیں معلوم نہیں تھا کہ استاد گرامی کی تعلیم تو یہ ہے۔

اَنَّ الاٰمر بالمعروف والنھی عن المنکر لا یقربان من اجل ولا ینقصان من رزق وافضل من ذٰلک کلہ کلمۃ حق عند سلطان جائر"

کہ امر معروف اور نہی منکر نہ موت کے منہ میں دھکیلتے ہیں اور نہ رزق۔ اور روزی سے محروم کرتے ہیں اور سب سے افضل صورت امر معروف اور نہی منکر کی یہ ہے کہ جور پیشہ سلطان کے سامنے کلمہ حق اور آوازہ عدل بلند کیا جائے۔

(نہج البلاغۃ مع شرح حدیدی ص ۳۰۶/۱۹)

حضرت زید بن زین العابدین رضی اللہ عنہما نے حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی خاطر جان کی بازی لگا دی تو حضرت ابن عباس کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خاطر یہ قربانی دینا کیوں مشکل معلوم ہوا۔ بلکہ حقیقت یہی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے بغیر کسی ہچکچاہٹ کے اپنا موقف حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سامنے بیان فرمایا اور مناظرانہ انداز میں اپنی صداقت و حقانیت واضح کی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سچائی اور صداقت بھی لیکن ڈھکو صاحب کا خیال یہی ہوگا کہ کون اتنی بڑی کتاب منگوائے گا پھر اس کے دیکھنے کا تکلف کرے گا۔ اور تقیہ میں اجر و ثواب بھی ملے گا۔ اور زحمت جواب سے بھی کسی حد تک خلاصی مل جائے گی لہٰذا ہم خرما و ہم ثواب کرنے میں ہی عافیت ہے آیئے اصل حقیقت کے چہرہ سے نقاب الٹ کر دیکھیں۔ اور علامہ موصوف کی اپنے اسلاف کی تقلید و تاسی میں فریب کاری کا مشاہدہ فرمادیں۔

ڈھکو صاحب کی فریب کاری:

ناسخ التواریخ جلد پنجم از کتاب دوم کے ص ۱۳۹ پر مؤرخ نے عنوان قائم کیا ہے "وفد عبداللہ بن عباس بر معاویہ" رضی اللہ عنہم۔ اور اس کے تحت اپنے مسلک کی

کتاب الخصال سے روایت نقل کی ہے جس کو عبدالملک بن مروان کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ بنو ہاشم کے چند افراد بمع ابن عباس رضی اللہ عنہما کے موجود تھے۔ جن کو امیر معاویہؓ نے خطاب کرتے ہوئے کہا: بما تفخرون علینا الیس الاب والام واحد والدار والمولد واحد" تم ہم پر کس وجہ سے فخر ظاہر کرتے ہو کیا ہمارے ماں باپ ایک نہیں ہیں اور منشاؤ مولد ایک نہیں ہیں۔ جس کے جواب میں حضرت ابن عباس بولے اور وجوہ مفاخر بیان کیے اور یہ سلسلہ گفتگو دو صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ پھر عمرو بن العاص نے مداخلت کی اور آپ نے بڑے سخت لب و لہجہ میں ان سے کلام کیا۔ اس کے بعد ص ۴۲ پر فاضل مجلسی کا کلام مجالس شیخ مفید سے نقل کرتے ہوئے لکھا کہ امیر معاویہؓ نے آپ سے کہا: انکم تریدون ان تحرزوا الامامۃ کما اختصصتم بالنبوۃ واللہ لا یجتمعان ابداً "تم چاہتے ہو کہ نبوت کے اختصاص کے بعد خلافت بھی اپنے ہی خاندان میں جمع کر لو لیکن بخدا اس طرح نہیں ہو سکتا" جس کا جواب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے دیا جو تقریباً دو صفحوں پر پھیلا ہے ہے جس میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو یہاں تک کہا کہ تیری امارت کی وجہ سے لوگوں پر عذاب اور تکلیف ظاہر ہے اور تیرے بعد تیرے لڑکے اور تیری جدی برادری کی سلطنت بریح عقیم سے بھی زیادہ لوگوں کے لیے موجب ہلاکت ہوگی پھر اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کے ذریعے تم سے انتقام لے گا اور انجام کار مملکت و سلطنت متقین کے ہاتھوں میں ہوگی۔

اس کے بعد خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے حق میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے کہنے پر آپ نے اپنے خیالات کا اظہار فرمایا۔ آخر اتنی دھاندلی بھی کوئی روا رکھ سکتا ہے کہ ان عبارات سے قبل پورے پانچ صفحات پر انتہائی سخت لب و لہجہ میں گفتگو ہو اور براہ راست امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر تنقید، وہاں جان کا خطرہ لاحق نہ ہوا اور صرف خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی تعریف میں جان کا خطرہ لاحق ہو گیا اور تقیہ کی ڈھال استعمال کرنی پڑی۔

سراپا تعجب و حیرت :- سراسر تعجب اور حیرت کی بات یہ ہے کہ چوتھے نمبر
حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہی مطالبہ پر آپ نے امیر المؤمنین علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ
کی شان اور عظمت پر خطبہ دیا اور اس کے آغاز میں فرمایا رضی اللہ عن ابی الحسن
کان واللہ علم الھدی وکھف التقی ومحل الحجیٰ وبحر الندی اور آخر میں فرمایا لم تر عینی
مثلہ ولن تری فعلی من یبغضہ لعنۃ اللہ والعباد
الی یوم القیامۃ ۔ یعنی اللہ تعالیٰ حضرت ابوالحسن سے راضی ہو
بخدا وہ ہدایت کے علم تھے اور تقویٰ کے ملجا و ماویٰ اور محل عقل و دانش اور جود و سخا
کے سمندر، نہ میری آنکھ نے ان جیسا دیکھا اور نہ کبھی دیکھے گی پس ان کے ساتھ بغض
رکھنے والے پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو اور اس کے تمام بندوں کی تا قیام قیامت، جس
پر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے صرف ان الفاظ میں تبصرہ کیا " یا بن عباس در حق
پسر عم خود فزونی جستی و فراواں گفتی اکنوں از پدر خود عباس بگوئی" اے ابن عباس تم نے
اپنے چچازاد بھائی کے حق میں مبالغہ آمیزی اور فراوانی کے ساتھ کہنے اور ان کے مقام
کو زیادہ بڑھانے کی کوشش کی ہے اچھا اب اپنے والد کے متعلق کچھ بیان کیجئے۔
الغرض اس سیاق و سباق کو دیکھنے اور مطالعہ کرنے پھر سمجھنے کے بعد کوئی
شخص بھی بقائمی ہوش و حواس اور بقاء ایمان و انصاف یہ کہنے کی جرأت نہیں کر
سکتا کہ حضرت عبداللہ بن عباس نے جو کچھ کہا وہ جان بچانے کی خاطر تقیہ کرتے
ہوئے کہا ہے۔

علاوہ ازیں یہی مضمون آپ سے اس وقت بھی مروی و منقول ہے جب کہ آپ
کو طائف کی طرف منتقل ہونا پڑا جب کہ حضرت عبداللہ بن زبیر سے آپ کو اختلاف
ہوا۔ اور اہل طائف آپ کے پاس حاضر ہوئے تو آپ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء اور
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجنے کے بعد خلفاء راشدین کا ذکر کرتے اور
فرماتے : ذھبوا فلم یدعوا امثالھم ولا اشباھم ولا من یدانیھم
ولکن بقی اقوام یطلبون الدنیا بعمل الآخرۃ۔ (شرح حدیدی بحوالہ المدائنی جلد ۱ ص ۱۲۵)

وہ خلفاء نبوی دنیا سے تشریف لے گئے اور اپنے بعد نہ اپنی مثال چھوڑی نہ کوئی اپنے مشابہ بلکہ کوئی ایسا بھی نہیں جو ان کے اخلاق اعمال اور سیرت و کردار کے قریب بھی ہو چہ جائیکہ ان جیسا ہو لیکن اب صرف ایسے لوگ رہ گئے ہیں جو اعمال آخرت کے بدلے دنیا کو طلب کرتے ہیں۔

آپ کو طائف میں تو کوئی خطرہ اور خوف درپیش نہیں تھا جس سے بالکل واضح ہے کہ وہ صرف اور صرف اپنے ضمیر کی آواز اور اپنا پسندیدہ نظریہ اہل اسلام کو بتلانا چاہتے تھے اور آپ نے اس اعلان حق میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی تھی۔ نہ اس میں تقیہ کا ذرہ بھر شائبہ تھا اور نہ ہی جان کا کوئی خطرہ تھا۔

(۴) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ چونکہ ان حضرات کے قریبی رشتہ دار تھے اس لیے وہاں جاتے بھی رہتے تھے اور بے تکلفی میں بات چیت بھی کرتے رہتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دور میں جب کہ مخالفت عروج پر تھی حضرت عقیل رضی اللہ عنہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور بہت ہی عزت و کرامت وہاں پر دیکھی لیکن جب انہوں نے اپنے برتاؤ کے متعلق خطبہ دینے کو کہا تو کس قدر کھل کر حضرت علی کی عظمت بیان فرمائی اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا ان کی نسبت کم مرتبت ہونا واضح اور ظاہر کیا جیسے کہ ابن ابی الحدید نے اس کو اپنے تشیع اور اعتزالی پس منظر میں بڑے غلیظ انداز میں بیان کیا ہے۔ الغرض وہاں نہ کوئی جان کا خطرہ تھا اور نہ ہی کوئی جبر و اکراہ تھا للذا عقلائی قرینہ تو اس مدح سرائی اور قصیدہ خوانی کو حضرت ابن عباس کے عقیدہ کے برعکس سمجھنے پر دلالت کرتا نہیں ویسے مزاج تشیع کو یہ حقیقت ناقابل برداشت محسوس ہو تو اس کا کیا علاج ہے۔ بلکہ امام حسن رضی اللہ عنہ اپنی خلافت کے دوران فرماتے ہیں میرے والد گرامی فرماتے تھے۔

لاتکرھوا امارۃ معاویۃ فانکم لو فارقتموہ لرائیتم الرؤس تندر عن الکواھل کالحنظل، امیر معاویہ کی امارت کو ناپسند نہ کرو۔ اگر

تم ان سے جدا ہوئے (ادران کی وفات ہو گئی) تو تم سروں کو کندھوں سے اس طرح جدا ہوتے دیکھو گے جس طرح کہ حنظل کو بیل سے جدا کیا جاتا ہے۔ (شرح ابن ابی الحدید جلد نمبر ۴ ص ۲۶ بحوالہ ابوالحسن المدائنی) اگر نگاہ حسن بلکہ نگاہ مرتضیٰ رضی اللہ عنہما میں وہ خلافت و امارت اتنی ہی جابرانہ ہوتی تو آپ یہ ارشاد کیوں فرماتے اور پھر امام حسن رضی اللہ عنہ اپنی خلافت ان کے حوالے ہی کیوں فرماتے اور مصالحت کیوں کرتے لہٰذا جان کے خطرے والا بہانہ لغو و باطل ہے۔

جواب الثالث :۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنے مکالمات میں اپنا حقیقی عقیدہ ظاہر کر دیا ہے لہٰذا اسی کا اعتبار ہے نہ کہ اس کا جو دربار معاویہ میں کہا گیا اس مقام پر علامہ صاحب نے الفاروق شبلی النعمانی کے حوالے سے دو مکالمے نقل کیے گئے ہیں۔

پہلا مکالمہ حضرت عمرؓ : کیوں عبداللہ بن عباس ! علیؓ ہمارے ساتھ کیوں شریک نہیں ہوتے ؟

عبداللہ عباسؓ : میں نہیں جانتا۔

حضرت عمرؓ : تمہارے باپ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے چچے اور تم آپ کے چچیرے بھائی ہو، پھر تمہاری قوم تمہاری طرف دار کیوں نہ ہوئی ؟

حضرت ابن عباس : میں نہیں جانتا۔

حضرت عمرؓ : وہ نبوت اور خلافت کا ایک ہی خاندان میں جمع ہونا پسند نہیں کرتے تھے۔ شاید تم یہ کہو گے کہ حضرت ابوبکر نے تمہیں خلافت سے محروم کر دیا لیکن خدا کی قسم یہ بات نہیں ہے ابوبکر نے وہی کیا جس سے زیادہ مناسب کوئی بات نہیں ہو سکتی۔ اگر وہ تم کو خلافت دینا بھی چاہتے تو ایسا کرنا تمہارے حق میں مفید نہ ہوتا۔

اس پورے مکالمے کو غور سے پڑھو بار بار پڑھو اور بتاؤ حضرت عبداللہ بن عباسؓ

کے کسی لفظ سے یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ آپ حضرت صدیق اور حضرت فاروق کی خلافت کو غاصبانہ اور ظالمانہ سمجھتے تھے۔ اس مکالمہ میں سرے سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی طرف سے ایسا لفظ ہی موجود نہیں ہے۔ اگر ایک شخص مجتہد العصر اور حجۃ الاسلام ہونے کا دعویدار ہو کر ایسے دلائل دینے لگے اور مدعا کو اس قسم کے مکالمات سے ثابت کرنا چاہے تو اس سے زیادہ اندھیر نگری کیا ہو سکتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے شبلی صاحب کی اردو عبارت میں بھی علامہ صاحب کو غور و فکر کی توفیق نصیب نہیں ہوئی۔

دوسرا مکالمہ: ڈھکو صاحب فرماتے ہیں، دوسرا مکالمہ اس سے زیادہ مفصل ہے کچھ باتیں وہی ہیں اور کچھ نئی ہیں اور وہ یہ ہیں۔

حضرت عمر رض: کیوں عبداللہ بن عباس تمہاری نسبت میں بعض باتیں سنا کرتا تھا لیکن میں نے اس خیال سے ان کی تحقیق نہیں کی کہ تمہاری عزت میری نگاہوں میں کم نہ ہو جائے۔

عبداللہ بن عباس: وہ کیا باتیں ہیں؟

حضرت عمر رض: میں نے سنا ہے کہ تم کہتے ہو ہمارے خاندان سے خلافت حسداً و ظلماً چھین لی گئی ہے۔

حضرت ابن عباس: ظلم کی نسبت تو میں کچھ نہیں کہتا کیونکہ یہ بات کسی پر مخفی نہیں ہے لیکن حسداً تو اس کا تعجب کیا ہے ابلیس نے آدم علیہ السلام پر حسد کیا اور ہم لوگ آدم ہی کی اولاد ہیں پھر محسود ہوں تو کیا تعجب ہے۔

حضرت عمر رض: افسوس بنو ہاشم کے دل سے پرانے رنج اور کینے نہ جائیں گے

حضرت ابن عباس: ایسی بات نہ کہیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہاشمی تھے۔

---

(۱) ــــــ اس مکالمہ میں حسد اور ظلم کے الفاظ موجود ہیں لیکن سوال یہ ہے

کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اس مکالمہ میں حاسد اور ظالم کس کو کہا ہے؟ علامہ ڈھکو صاحب کا درج کردہ پہلا مکالمہ ہی اس کی وضاحت کر دیتا ہے کہ ہماری قوم نے یہ نہ چاہا کہ ان کو نبوت کی فضیلت کے ساتھ ساتھ خلافت کی فضیلت بھی مل جائے اور خلافت و امامت تو انہیں کے شوریٰ اور انتخاب سے ہی ملنی تھی لیکن انہوں نے اس خیال پر کہ اگر ایک ہی گھرانے میں نبوت اور خلافت جمع ہو گئی تو وہ دوسروں کو حقیر سمجھیں گے اور کوئی اہمیت ہی نہیں دیں گے۔ لہذا انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف داری نہ کی اور حضرت ابوبکر صدیق کو خلیفہ بنا دیا۔ لہذا اگر نسبت حسد یا ظلم کی ہو سکتی ہے تو قوم قریش کی طرف نہ کہ حضرت عمر اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہما کی طرف اور اگر کینے اور رنج وغیرہ جیسے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا تھے بھی تو دوسرے حضرات کے ساتھ جن کے افراد خاندان حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں قتل ہوئے یا جن کے ہاتھوں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے قریبی شہید ہوئے یا دور اسلام سے قبل جو باہمی نزاع اور اختلاف ہوا کرتا تھا حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ پرانے رنج اور کینے کون سے ہو سکتے تھے۔

(۲) ان دونوں مکالموں سے صاف ظاہر ہے کہ خلافت و امامت کا حصول قوم کی معاونت و موافقت پر مبنی تھا نہ کہ یہ امر منصوص من اللہ تھا۔ لہذا ڈھکو صاحب کے ان مکالموں سے بھی ان کا مذہب باطل ہو کر رہ جاتا ہے۔ کہ قوم چاہتی تو ان کو خلیفہ بنا سکتی تھی لیکن انہوں نے اپنی مصلحتوں کے تحت ایسا نہ چاہا لہذا حضرت امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کو خلافت نہ مل سکی۔

(۳) حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس مکالمہ میں کوئی تخصیص نہیں بلکہ بنو ہاشم کے گھرانہ کی بات ہے تو اس سے بھی اہل تشیع کا مدعا پورا نہیں ہو سکتا کیونکہ ثبوت اعم ثبوت اخص کو مستلزم نہیں ہوا کرتا اور جب خلافت بنو عباس کو مل بھی گئی۔ تو انہوں نے اولاد علی رضی اللہ عنہم کو واپس نہیں کی تھی جس سے معلوم ہوتا ہے

کہ وہ اپنا حق ہی سمجھتے تھے۔

(۴) جب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیعت کا معاملہ آیا یا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیعت کا تو بنو عبدالمطلب اور بنو ہاشم میں سے کسی نے حضرت علی کا ساتھ دیا؟ اور بیعت میں توقف بھی فرمایا اور اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر بنو عبدالمطلب اور بنو ہاشم بھی اس حسد اور ظلم میں شریک ماننے ضروری ہیں، نیز حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مقرب خاص تھے اور مشیر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے درمیان صلح وصفائی کرانے والے اگر خلافت ظالمانہ اور غاصبانہ سمجھتے تھے تو ان سے معاونت کیوں فرماتے تھے۔ مزید تفصیل بیعت صدیق کے ضمن میں ذکر کی جائے گی۔

(۵) نیز یہ مکالمات بھی محض تاریخی روایت اور حکایت ہیں اور عقائد کے معاملہ میں اخبار آحاد صحاح اربعہ کے بھی بقول ڈھکو صاحب کارآمد ثابت نہیں ہو سکتے۔ (ملاحظہ ہو اصول الشرائع ص ۲۰) تو ان تاریخی حکایات سے کیونکر عقائد کا اثبات ممکن ہے نہ اسلام میں ایک عقیدہ کو رکن بنانے اور نہ ہی کسی شخص کا عقیدۂ اسلام ثابت کرنا ایسی حکایات وروایات تاریخیہ سے ممکن ہے کیونکہ ان میں ہر قسم کے رطب ویابس ہوتے ہیں۔

لہٰذا یہ ساری تطویل لاطائل ہے اور ڈھکو صاحب نے صرف ڈوبتے کو تنکے کا سہارا والا طریقہ اختیار کیا ہے۔ ڈھکو صاحب کے ہی بیان کردہ قاعدہ وقانون کے مطابق حضرت عبداللہ بن عباس بلکہ ان کے والد گرامی اور بھائی صاحبان کا زندگی بھر کا طرز عمل اور ارشادات جو کتب اہل السنت میں علی الخصوص صحاح میں موجود ہیں وہ اس حقیقت کی بین برہان ہیں کہ آپ دل وجان سے ان حضرات کی خلافت حقہ کے قائل تھے اور معترف جیسے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلافت ملنے پر اس کے قائل اور معترف ہوئے اور ان کا پورا پورا ساتھ دیا لہٰذا اہل السنت کی طرف ابن عباس

ان کے کسی ایسے عقیدہ کی حکایت و روایت کو منسوب کرنا سراسر افتراء اور بہتان ہے اور واقعہ و حقیقت کے بھی سراسر خلاف ہے۔

جواب الرابع ۔ ڈھکو صاحب نے اپنے جوابات کی کمزوریاں اور وجوہ ضعف محسوس کرتے ہوئے دل کی اصل بات اگل ہی ڈالی کہ چلو ابن عباس کا یہ عقیدہ ہو تو مذہب شیعہ کو اس سے کیا فرق پڑتا ہے ہم تو صرف نبی کے فرمان یا امام وقت کے فرمان کو حجت سمجھتے ہیں اور دوسرے کسی شخص کے قول کو پرکاہ کی اہمیت نہیں دیتے لیکن ڈھکو صاحب مشکل یہ بن جائے گی کہ علی مرتضیٰ کے چچا زاد بھائی تلمیذ خاص، وزیر خاص، مشیر خاص، مفسر صحابہ اور آپ کی طرف سے نامزد مناظر اور فیصل اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے منظور نظر جن کو فقہ دین اور تفسیر قرآن کے علوم دعاء مصطفیٰ اور نگاہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے نصیب ہوئے اگر وہ خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے حق میں اس قدر مدح و ثناء پر مشتمل خطبات دیں اور ان کی تنقیص کرنے والوں پر لعنت بھیجیں تو اس کا عمومی تاثر اور ردعمل کیا ہوگا۔ اگر گھر والے ہی خلافت بلافصل اور وصیت و نامزدگی کا انکار کریں اور بقول شیعہ خلافت غصب کرنے والوں سے کسی ناراضگی کا اظہار نہ کریں بلکہ ناراضگی کا اظہار کرنے والوں پر لعنت بھیجیں تو دوسرے لوگ یہی کہیں گے جب گھر والے اس خلافت کو کوئی اہمیت نہیں دیتے اور بلا فصل کی بکر کے قائل نہیں اور اس کے خلاف کرنے والوں کے دین و ایمان میں ان کو کوئی نقص نظر نہیں آتا تو پھر یہ افسانہ ہی ہے اور اس کو حقیقت اور واقعہ سے کوئی واسطہ و تعلق نہیں ہے۔ اس لیے اسے محض یہ کہہ کر ٹھکرایا نہیں جا سکتا کہ ہمیں ابن عباس کے قول کی کیا پرواہ؟ اگر ڈھکو صاحب جیسا پندرھویں صدی کا عالم خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے متعلق ایسا خطبہ دے تو ہلچل مچ جائے اور شیعہ مذہب میں شدید زلزلہ محسوس ہو لیکن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس قدر غیر اہم اور بے اعتبار سمجھے جائیں۔ اس سے بڑھ کر مقام حیرت اور محل تعجب کیا ہو سکتا ہے؟

رہ گیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان یا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ارشاد

اور ادعاء نص والا معاملہ تو وہ چودہ سو سال سے شیعہ صاحبان کے ذمے ہے مگر آج تک اس کو ثابت کرنے کی ہمت کسی میں نہیں ہوئی۔ مفصل بحث بیعت اور خلافت کی مبحث میں ذکر کی جائے گی۔ فانتظر۔

مذہب شیعہ از حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز

منقبت عثمان رضی اللہ عنہ

کافی کتاب الروضہ مطبوعہ لکھنؤ کے ص ۹۹ وص ۲۴۶ اور ص ۱۵۱ پر ائمہ کرام سے بہ روایت موجود ہے کہ بیعت الرضوان کے موقعہ پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک دست مقدس کو امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ کا ہاتھ قرار دیا اور دوسرے دست مقدس کو اسکے اوپر رکھکر فرمایا کہ یہ عثمان کا ہاتھ ہے جو تمہارے ساتھ ہی ساتھ بیعت کے شرف سے مشرف ہو رہا ہے (اقول) اور صحابہ کرام علیہم الرضوان نے جب حضرت عثمان کے مکہ مکرمہ پہنچنے پر خبر بھیجے ہیں کہ وہ تو بیت اللہ کے طواف کا شرف حاصل کر لیں گے لیکن ہم یہیں پر روک دیئے گئے ہیں تو آپ نے فرمایا یہ نہیں ہو سکتا کہ عثمان ہمارے بغیر طواف کر لیں چنانچہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ واپس حدیبیہ میں تشریف لائے تو سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا۔ آیا تم نے طواف کیا ہے تو انہوں نے عرض کیا نہیں یا رسول اللہ میں کس طرح طواف کر لیتا جب رسول خدا نے طواف نہیں کیا اصل عربی عبارت بھی مطالعہ فرمالیں ہو بایعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المسلمین وضرب باحدی یدیہ علی الاخری لعثمان دقال المسلمون طوبی لعثمان قد طاف بالبیت وسعی بین الصفا والمروۃ واحل فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما کان لیفعل فلما جاء عثمان قال لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اطفت بالبیت فقال ما کنت لاطوف بالبیت و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یطف (کتاب الروضہ للکافی صد ۳۲۶ مطبوعہ تہران) اور اسی مضمون کو علامہ باذل شیعی نے فارسی اشعار میں اسی طرح ادا کیا ہے۔

بگوشید آنگہ بدل مہر خون
بعثمان چنیں گفت آں سر نگوں

کہ گر میل داری تو طوف حرم
بکن ما لفنت نیست کس زیں حشم

ولیکن محال است ایں پیگزاف
کہ آید محمد برائے طواف

چوں بشنید عثمان از وایں سخن
چنیں داد پاسخ بہ آں اہرمن

کہ طوف حرم بے رسول خدا
نباشد بر پیر دانش روا۔

(کتاب حملہ حیدری تالیف مرزا محمد رفیع التخلص باذل ص ۱۱۹)

سبحان اللہ یہ منزلت اور یگانگت، یہ اتحاد اور یہ رتبہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا۔

اور پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہونے کے مدعی ان کی شان میں بکواس کریں یہ شرف اور بھی کسی کو نصیب ہوا؟ جو اس ہستی مقدس کے حصہ میں آیا کہ جس ہاتھ کو اللہ تعالیٰ نے اپنا ہاتھ قرار دیا ید اللہ فوق ایدیھم اس کو آپ نے عثمان کا ہاتھ قرار دیا اور جن بیعت کرنے والوں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمایا کہ جو لوگ تمہارے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیعت کر رہے ہیں وہ صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ بیعت کر رہے ہیں۔ ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بھی ان میں شامل فرما کر اس اعزاز و اکرام کے ساتھ نوازا اور جن بیعت کرنے والوں کے متعلق ارشاد فرمایا کہ میں ان سے راضی ہو چکا ہوں اور میں نے ان کے دلوں کی کیفیت معلوم کر لی ہے "لقد رضی اللہ عن المؤمنین اذ یبایعونک تحت الشجرۃ فعلم ما فی قلوبھم" نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان کی طرف سے بیعت لے کر اس فضیلت میں ان کو بھی داخل فرما لیا، نیز ان کے متعلق اپنے طور پر اس اعتماد اور اطمینان کا اظہار فرما دیا کہ عثمان کی محبت و عقیدت سے یہ بعید ہے کہ وہ ہمارے بغیر بیت اللہ کا طواف کرے یا صفا و مروہ میں سعی کرے اور احرام کھول دے۔ اس سے بڑھ کر سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعتماد اور اطمینان کا ثبوت کیا ہوگا۔ اور حضرت عثمان کا اس اعتماد پر پورا اترنے کا مزید کیا ثبوت درکار ہوگا اور عشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو نمونہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پیش کیا ہے اس قسم کا بے مثال

نمونہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ خدائے بزرگ و برتر کا عظیم گھر سامنے ہے اور قریش کی طرف سے طواف اور سعی کی مکمل آزادی بھی ہے لیکن وہ کہہ رہے ہیں میرا رسول طواف کرے گا تو میں بھی کروں گا۔ اور میرا رسول سعی کرے گا تو میں بھی کروں گا میرا رسول احرام کھولے گا تو میں بھی کھولوں گا ہمیں تو کعبہ سے تعلق اور پیار ہے یا سعی صفا و مروہ سے دلچسپی تو ان کے طفیل انہیں کا شوق اور عشق اس سعی و طواف میں ہمارا امام ہے۔ لہٰذا انکے بغیر یہ عظیم عبادات ادا نہیں ہو سکتیں اور نہ اکیلے یہ سعادتیں حاصل ہو سکتی ہیں۔ (محمد اشرف سیالوی)

ائمہ ہدیٰ کی ان تصریحات کا انکار صرف اس صورت میں کارگر ہو سکتا ہے کہ اہل تشیع کے ذاکرین مذہب شیعہ کی تمام ترکتابوں کو ضبط کرا دیں اور ان کی کلی یا جزوی اشاعت قانوناً جرم قرار دے دیں! بتائیے اس کے بغیر بھی کوئی چارہ ہے یا روایات کا انکار کوئی معنی رکھتا ہے۔

محترم بھائیو! میں خدا کو حاضر ناظر یقین کرتے ہوئے مذہبی تعصب کو درکنار رکھ کر محض حق پسندی اور انصاف سے عرض کرتا ہوں کہ ائمہ طاہرین کی اس قدر واضح اور غیر مبہم تصریحات سے انکار کرنا اور ان کی بعید از عقل وقیاس تاویلیں کرنا۔ ان کے اصل مفہوم اور معنی سے انحراف کر کے عقل سلیم اور صحیح نظر و فکر کے خلاف توجیہیں کرنا صرف اس شخص سے ممکن ہے جو دل سے ان کے ساتھ رائی کے برابر بھی الفت نہیں رکھتا اور اس کے دل میں ان مقربین بارگاہ صمدیت کی ذرہ بھر وقعت نہیں۔ صرف دعویٰ یا محرم کے چند دنوں میں ہنگامہ آرائی۔ ائمہ صادقین کے صریح ارشادات کی خلاف ورزی کا تدارک نہیں کر سکتی اور ان ائمہ ہدیٰ کے واضح ترا حکامات اور ان کے حلفیہ بیانات اور قسمیہ تصریحات کو خلاف واقعہ اور جھوٹ یقین کرنے والا ان کا محب اور مؤمن نہیں ہو سکتا۔ کافی کتاب الروضہ مطبوعہ لکھنؤ ص ۹۹ و مطبوعہ تہران ص ۲۰۹ بھی ملاحظہ فرماتے جائیے۔

ینادی مناد فی اول النهار الا ان فلان بن فلان وشیعته هم الفائزون وینادی آخر النهار الا ان عثمان وشیعته هم الفائزون ۔ یعنی

سچ لو ایک ندا دینے والا نداء دیتا ہے کہ ہوشیار ہو کر اور خبردار ہو کر سنو کہ فلاں بن فلاں اور ان کا گروہ ہی فائز المرام ہیں اور شام کے قریب ایک نداء دینے والا ندا دیتا ہے کہ ہوش سے اور خبردار ہو کر سنو کہ عثمان اور ان کا گروہ ہی فائز المرام ہیں۔ (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اور ان کے متبعین کے فائز المرام ہونے کی تصریح کے ساتھ جس دوسری شخصیت اور ان کے متبعین کے فائز المرام ہونے کا اعلان کیا جاتا ہے فلاں بن فلاں کے ساتھ تو دیکھنا یہ ہے کہ اس فلاں سے کون مراد ہیں تو اہل تشیع کی عادت یہ ہے کہ امیر المؤمنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا نام نامی اگر ناچار لکھنا پڑ جائے تو فلاں لکھ کر سبکدوش ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ ان کے سایہ سے بھی اس اس طرح بھاگتے ہیں کہ دوسرا راستہ اختیار کرتے ہوئے فلاں کہہ دیتے ہیں اہل تشیع نے اپنی کتابوں میں کئی جگہ یہ طرز اختیار کی ہے مثلاً کتاب نہج البلاغہ خطبہ نمبر ۲۱۹ مطبوعہ ایران میں : لله بلاد فلان فلقد قوم الأود الخ حضرت امام الائمہ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے اس خطبہ کی شرح میں صاحب بھجۃ الحدائق، ابن ابی الحدید اور صاحب منہاج البراعۃ اور لاہیجی اور ابن میثم تصریح کرتے ہیں کہ "فلاں" سے مراد عمر ہیں البتہ ابن میثم ابوبکر (الصدیق رضی اللہ عنہ) کے متعلق بھی کہتے ہیں۔ اور الدرۃ النجفیہ میں ہے کہ ابوبکر صدیق مراد ہیں۔

(نوٹ) ڈھکو صاحب ان دونوں روایات کا جواب ہضم کر گئے اور عملی طور پر گویا اپنے عجز اور بے مائیگی کا اعتراف کر لیا اور اپنی جماعت کی وکالت میں ناکامی کا اقرار کر لیا۔

تحفہ حسینیہ :

الغرض صبح کو یا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ان کے متبعین کے متعلق یہ اعلان کیا جاتا ہے۔ اور یا حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اور ان کے تبعین کے متعلق اور پچھلے پہر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے تبعین کے متعلق کہ وہ فائز المرام ہیں اور یہی اعلان قرآن مجید نے بھی ان کے متعلق فرمایا ہے قال اللہ تعالیٰ : والسابقون الاولون من المهاجرين والانصار والذين اتبعوهم باحسان رضي

اللہ عنہم ورضوا عنہ واعد لہم جنات تجری تحتہا الانہار خالدین فیہا ابدا ذلک الفوز العظیم ، یعنی اسلام کی طرف سبقت سے جانے والے مہاجرین اور انصار اور جو اچھے طریقہ پر ان کے پیروکار ہوئے اللہ تعالیٰ ان سے راضی اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی اور ان کے لیے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ جن میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہوں گے اور وہ بہت بڑی فوز وفلاح اور کامیابی ہے لہٰذا اس روایت کا وہی معنی معتبر ہوگا۔ جو اس آیت کریمہ کے مطابق ہوگا اور اس کا خلاف باطل ومردود ہوگا کیونکہ وہ قرآن مجید اور نقل اکبر کے خلاف ہوگا۔

ھذا والحمد للہ۔

غزوہ تبوک کی تجہیز پر حضرت عثمان کیلئے بشارات

القصہ چوں پیغمبر لختے تحریض جہاد سخن کردہ در مردم مدینہ جنبش پدید گشت لاجرم عثمان بن عفان کہ ایں وقت دو دیست شتر و دویست اوقیہ سیم از بہر تجارت، شام لیسانر کردہ بود بتمامت بحضرت رسول آورد و برائے تجہیز لشکر پیش داشت، پیغمبر فرمود: لا یضر عثمان ما عمل بعد ھذا و بروایتے سیصد شتر باساز و برگ و ہزار مثقال زر سرخ حاضر کرد و پیغمبر فرمود، اللہم ارض عن عثمان فانی عنہ راض و نیز گفتہ اند از سی ہزار تن لشکر کہ سفر تبوک کردند بہرہ را عثمان تجہیز نمود و علماء عامہ از بہر او چنیں حدیث کنند کہ پیغمبر فرمود: من جھز جیش العسرۃ فلہ الجنۃ فجھزھا عثمان "

(ناسخ التواریخ جلد اول کتاب دوم ص۲۲۴)

رسالت عسرت یعنی غزوہ تبوک کے موقعہ پر) جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد کی طرف ترغیب پر مشتمل گفتگو فرمائی اور ساکنین مدینہ مہاجرین وانصار میں جوش وخروش پیدا ہو گیا تو عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ) جنہوں نے دو سو اونٹ اور دو سو اوقیہ چاندی (آٹھ ہزار درہم) شام کی تجارت کیلئے تیار کر رکھے تھے ان کے

تمام لا کر بارگاہ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم میں لشکر کی تیاری کے لیے پیش کر دیئے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عثمان اس کے بعد جو بھی کرے اس کا ضرر و نقصان اس کو لاحق نہیں ہوگا۔ یعنی اللہ تعالیٰ اس سے مواخذہ اور باز پرس نہیں فرمائیگا۔

اور ایک روایت میں ہے کہ تین سو اونٹ بمع ساز و سامان اور ایک ہزار دینار زر خالص کا حاضر کیا اور پیغمبر علیہ السلام نے ان کو دعا دیتے ہوئے کہا اے اللہ عثمان سے راضی ہو جا کیونکہ میں (تیرا محبوب و مطلوب ہوں جس کی رضا از رہ کرم تو چاہتا ہے اور میں) ان سے راضی ہو چکا ہوں۔ نیز علماء نے کہا ہے کہ تبوک کی طرف سفر کرنے والے تیس ہزار افراد پر مشتمل لشکر میں سے دو تہائی کی تیاری کا انتظام و اہتمام انہوں نے کیا تھا۔ اور علماء عامہ (اہل السنت والجماعت) نے ان کے لیے اس طرح حدیث نقل کی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم نے فرمایا جو شخص جیش عسرت یعنی لشکر تبوک (جو کہ شدت اور سختی کی حالت میں ہے اور فقر و فاقہ سے دوچار ہے) اس کو تیار کرے گا اور ان کے لیے ضروری ساز و سامان بہم پہنچائے گا تو اس کے لیے جنت ہے۔ تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس پورے لشکر کے لیے ضروری ساز و سامان مہیا فرمایا۔

تنبیہ علماء عامہ کی روایت کو علیحدہ ذکر کر کے صاحب ناسخ نے واضح کر دیا کہ پہلی روایت میں علماء شیعہ بھی اہل السنت کے ساتھ متفق ہیں اور اس میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے یہ بشارت بھی ہے کہ ان سے مؤاخذہ اور باز پرس نہیں ہوگی اور یہ دعا بھی ہے کہ اے اللہ ان سے راضی ہو جا اور وہ محبوب جس کے دل کا ارادہ بدلے۔ تو اللہ تعالیٰ عین نماز میں قبلہ بدلا دے اور اپنی قضاء و قدر کو تبدیل فرما دے ان کی صریح دعا کیونکر رائیگاں جا سکتی ہے اور پھر ان سے اپنے راضی ہونے کی تصریح بھی ہے جس کو رضاء الٰہی کے حصول کی علت اور سبب موجب کے طور پر ذکر کیا ہے کہ میں تیرا محبوب۔ ہوں اور تو از راہ کرم میری رضا کا طالب ہے لہٰذا جب میں ان سے راضی ہو چکا تو اس لطف عمیم اور کرم قدیم کا تقاضا یہ ہے کہ تو ان سے بھی لامحالہ راضی ہو لہٰذا یقینی طور پر ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہو گئی اور یہی قرآن مجید کا اعلان

ہے "رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ" اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہوئے۔ نیز خصوصی طور پر غزوہ تبوک اور جیش عسرت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا

"لقد تاب اللہ علی النبی والمھاجرین والانصار الذین اتبعوہ فی ساعۃ العسرۃ (الی) ثم تاب علیھم انہ بھم رءوف رحیم"

البتہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے نظر رحمت فرمائی اپنے نبی علیہ السلام پر اور مہاجرین و انصار پر جنہوں نے مشکل گھڑی میں ان کی اتباع کی اور ساتھ دیا تھا) اس نے پھر ان پر نظر رحمت اور نگاہ لطف فرمائی بیشک وہ ان کے لیے بہت ہی رأفت اور رحمت فرمانے والا ہے۔ جب محض جنگ کے لیے جانے والوں کا عزو شرف اور اعزاز و اکرام یہ ہے تو جو عملی طور پر بھی اس جنگ میں شامل تھے اور اس عظیم لشکر کی تیاری کے لیے اس قدر عظیم قربانی دینے والے ہیں ان کے اجر جمیل اور جزائے جلیل کا کیا اندازہ ہو سکتا ہے اور ان پر اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم اور رأفت و رحمت کی کیا حد و نہایت ہو سکتی ہے والحمد للہ۔

چاہ رومہ کے خرید کر وقف کرنے اور مسجد نبویؐ میں توسیع پر بشارت

جب عبداللہ بن سبا یہودی کے لیکچروں اور تقاریر سے متاثر کوفی، بصری اور مصری حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا محاصرہ کئے ہوئے تھے اور بعض صحابہ کرام بھی بعض مصلحتوں کے تحت وہاں موجود تھے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے سر اکو دیوار سے سر مبارک ان کی طرف بلند کیا اور دریافت فرمایا کہ اس مجمع میں سعد بن ابی وقاص اور زبیر بن العوام ہیں انہوں نے کہا ہم حاضر ہیں کہیے آپ کیا کہنا چاہتے ہیں تو آپ نے فرمایا۔

سوگند میدہم شمارا بخدائے کہ جز او تعالیٰ خدائے نیست شنیدید کہ یک روز نزدیک مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم رفتم و گفتم آں مربد کہ فلاں دادی بخر بدم فرمود بمسجد در افزائی تا ثواب آں از بہر تو ذخیرہ بود من چناں کردم گفتند چنیں بود گفت اے خدا گواہ باش۔ آنگاہ گفت شمارا بخدا سوگند میدہم کہ شنیدید کہ روز مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم

گفت خداوند آنکس را بیامرزد کہ چاہ رومہ را بخرد من بخریدم فرمود آنچاہ را سبیل کن سبیل کردم تا مسلمانان را باشد گفتند چنیں بود گفت اے خدا گواہ باش ربی آخرہ

ناسخ التواریخ جلد دوم کتاب دوم ص ۵۲۳

میں تمہیں اس خداوند تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں کہ جس کے علاوہ کوئی خدا نہیں ہے کیا تم نے سنا کہ ایک دن مصطفےٰ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور میں نے عرض کیا کہ وہ قطعہ زمین جو کہ کھلیانوں کے لیے استعمال کیا جاتا تھا میں نے آپ کے فرمان کے مطابق اس کو خرید لیا ہے تو آپ نے فرمایا کہ اس کو وقف کر دو اور میری مسجد میں شامل کر کے اس میں توسیع کا اہتمام کر دو تاکہ اس کا ثواب تمہارے لیے ذخیرہ ہو اور دائم و باقی ہو چنانچہ میں نے اسی طرح کیا انہوں نے تصدیق کرتے ہوئے کہا واقعی اسی طرح ہوا تھا، تو آپ نے عرض کیا اے بار الٰہ گواہ رہنا۔

پھر فرمایا میں تمہیں قسم دے کر دریافت کرتا ہوں کہ آیا تمہیں معلوم ہے کہ ایک دن پیارے مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ اس شخص کے لیے مغفرت اور بخشش فرمائے گا جو چاہ رومہ کو خرید کرے میں نے اسے خرید لیا تو آپ نے فرمایا کہ اس کنوئیں کو اہل اسلام کے لیے وقف کر دے تو میں نے حسب الارشاد اس کو اہل اسلام کے لیے وقف کر دیا۔ تو ان صحابہ نے تائید و تصدیق کرتے ہوئے فرمایا ہاں ایسے ہی تھا تو آپ نے کہا اے اللہ گواہ ہو جا۔

ان دونوں مصدقہ اور مسلمہ روایتوں اور حدیثوں سے بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مغفرت و بخشش کا اعلان اور ان کے صدقات جاریہ اور ثواب دائم و مستمر کی واضح شہادت ملتی ہے اور سابق الی الخیرات ہونے کی اور مقام غور اور محل فکر ہے کہ جو اسلام اور حب اہل بیت کو کمائی کا ذریعہ بنائیں اور لاکھوں روپے کا ٹھیکہ نہ ملے تو اہل بیت کا نام لینا بھی گوارا نہ کریں وہ تو پکے مومن ہوں اور ان کا ایمان و اسلام شک و شبہ سے بالاتر ہو مگر جو اسلام اور اہل اسلام کے لیے اور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے تعمیل ارشاد اور امتثال حکم میں اس قدر عظیم مالی قربانیاں پیش کریں اور اپنے

خون پسینہ کی کمائی سے اسلام کے شجرہ مبارکہ کو پروان چڑھائیں ان کا ایمان و اسلام بھی مشکوک ہو اور حب خداوند تعالیٰ اور حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی۔ العیاذ باللہ

حضرت امام حسنؓ کا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی محافظت کرنا

لیکن یاد رہے اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ فرمانیاں رائیگاں جانے والی نہیں ہیں جیسے کہ کلام مجید نے ان کے اخلاص اور وفاشعاری کی گواہی دی ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان سے راضی ہونے کا اعلان فرمایا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی عزت افزائی کے طور پر فرمایا کہ ابوبکر میری آنکھ ہے عمر میرے کان ہے اور عثمان میرا دل ہے اور امام زین العابدین رضی اللہ عنہ نے ان تینوں کا شکوہ کرنے والوں کو نہ صرف اپنے در اقدس سے دھتکار دیا بلکہ اہل اسلام کے کل تین گروہوں سے بھی ان کے خارج ہونے کا اعلان فرمایا۔ اور ان کی اسی عظمت و رفعت اور اہل اسلام پر احسان و انعام کی قدردانی کرتے ہوئے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے بلوائیوں کے خلاف اپنے لخت جگر، حضرت زہراء کے نور نظر اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے نواسے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دروازے پر پہرے دار بنا رکھا تھا۔ ملاحظہ ہو ناسخ التواریخ جلد دوم کتاب دوم ص ۵۲۶

پس قوم آتش بیاوردند و بر درختین زدند و پاک بسوختند و بر درون آمده در دیگر را آتش زدند حسن بن علی علیہما السلام و محمد بن طلحہ و عبداللہ بن الزبیر نزد عثمان بودند، عثمان با حسن بن علی گفت ایں وقت در ہائے سرائے را قوم برائے کار بزرگ بسوزانند و پدر تو علی بن ابی طالب ایں ہنگام در حق تو اندیشناک است ترا سوگند میدہم کہ بنزد او شوی پس حسن علیہ السلام از نزد او بیرون شد۔

بلوائی قوم نے آگ لا کر پہلے دروازے کو لگائی اور اسے مکمل طور پر جلا دیا اور اندر آ کر دوسرے دروازے کو بھی آگ لگا دی حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما، حضرت محمد بن مسلمہ اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم اس وقت حضرت عثمان رضی اللہ کے پاس موجود تھے، حضرت عثمان نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اس وقت

میں اس قوم نے سرا کے دروازوں کو کسی بڑے مقصد اور بری نیت کے تحت جلا دیا ہے اور تمہارے والد گرامی علی بن ابی طالب اس وقت تمہارے حق میں بہت اندیشہ ناک ہوں گے لہذا میں تمہیں قسم اور اللہ تعالیٰ کے نام کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ آپ ان کے پاس تشریف لے جائیں تب حضرت حسن رضی اللہ عنہ وہاں سے اٹھے۔

بلوائیوں کیخلاف جنگ کیلئے حضرت علی المرتضیٰؓ کا حضرت عثمانؓ سے اذن طلب کرنا

خود امیر المومنین علی مرتضےٰ رضی اللہ عنہ کے نزدیک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی قدر و منزلت یہ تھی کہ جب حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ مشورہ دیا کہ تمہاری موجودگی میں اگر حضرت عثمان شہید ہو گئے تو لا محالہ تمہارا دامن بھی ان کے خون سے آلودہ سمجھا جائے گا اس لیے تقاضائے مصلحت یہ ہے کہ آپ مدینہ منورہ سے ینبع کی طرف چلے جائیں تو آپ نے فرمایا اس بلوا اور ہنگامہ آرائی میں میرا قطعاً کوئی دخل نہیں ہے اور میں ان کے پاس آدمی بھیجتا ہوں اور اگر وہ چاہیں اور اذن دیں تو ان کی امداد و اعانت میں کسی کوتاہی کو روا نہیں رکھوں گا۔

پس امام حسن علیہ السلام را گفت اے فرزند نزدیک عثمان شو و بگو پدر من تو نگر انست و چناں مکشوف می افتد کہ ایں قوم قصد قتل تو دارند اگر خواہی ترا مدد دہیم و ایں قوم را از سرائے تو دور داریم حسن بنزدیک عثمان آمد و کلمات علی را ابلاغ کرد (تا پس (عثمان) با امام حسن عرض کرد کہ نمیخواہم کہ رنجہ شوی و با ایں قوم رزم دہی و قطرہ خونے چناں خواہم ایں روزہ کہ دارم در خدمت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم بکشایم لاجرم حضرت حسن علیہ السلام مراجعت کرد۔ ناسخ التواریخ جلد دوم کتاب دوم ص۵۲۵

پس حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ اے میرے لخت جگر حضرت عثمان کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ میرے والد گرامی آپ کی طرف دیکھ رہے ہیں اور تمہارے اذن کے منتظر ہیں، اس طرح معلوم ہوتا ہے کہ یہ بلوائی لوگ تمہارے قتل کے درپے ہیں اگر آپ چاہیں تو آپ کو مدد و تعاون فراہم کریں اور انہیں آپ کے دولت سرائے

سے دور رکھیں حضرت حسن رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کلمات و ارشادات انہیں پہنچائے تو انہوں نے آپ سے عرض کیا کہ میں نہیں چاہتا کہ تمہیں رنج و تکلیف پہنچے اور ان لوگوں کے ساتھ جنگ کر کے اور غلبہ و فتحمندی کی کوشش کروں میں چاہتا ہوں کہ جو روزہ میں نے رکھا ہے (شہید ہو کر) سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پہنچوں اور آپ کی بارگاہ میں ہی اس کو افطار کروں یہ جواب سن کر حضرت حسن رضی اللہ عنہ مجبوراً واپس ہوئے

لشکریان مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا قاتلان عثمان رضی اللہ عنہ سے انتقام کا مطالبہ اور آپ کا جواب

قد قال له قوم من الصحابة لو عاقبت قوماً ممن اجلب علىٰ عثمان فقال عليه السلام يا اخوتاه: انى لست اجهل ما تعلمون ولكن كيف لى بالقوة والقوم المجلبون علىٰ حد شوكتهم يملكو ننا ولا نملكهم وهاهم هولاء قد ثارت معهم عبدانكم والتفت اليهم اعرابكم وهم خلالكم يسومونكم ما شاء وا وهل ترون موضعاً لقدرة علىٰ شيئ تريدونه؛ وان هذا الامر امر جاهلية وان لهٰولاء القوم مادة، ان الناس من هذا الامر اذا حرك علىٰ امور، فرقة ترىٰ ما ترون وفرقة ترىٰ ما لا ترون وفرقة لا ترىٰ هذا ولا ذاك، فاصبر واحتى يهدأ الناس وتقع القلوب مواقعها وتوخذ الحقوق مسمحة فاهدأوا عنى وانظروا ماذا يا تيكم به امرى؟

(نہج البلاغہ مصری جلد اول ص ۳۹)

(و نہج البلاغہ مع ابن میثم جلد ثالث ص ۳۲۱)

ترجمہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کی ایک جماعت نے آپ سے عرض کیا کہ کاش آپ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف بلوا کرنے والوں اور ان کو شہید کرنے والوں کو سزا دیتے اور عقاب و انتقام کا نشانہ

بنا تے تو آپ نے فرمایا اے میرے بھائیو! میں اس سے بے خبر نہیں ہوں جو تمہارے علم میں ہے۔ لیکن ابھی میرے پاس اسقدر قوت و طاقت نہیں ہے اور ان کے خلاف کاروائی کرنے والی قوم اپنی پوری قوت پر ہے وہ ہم پر حکم چلانے کی قوت رکھتے ہیں اور ہم ان پر حکمرانی کی قوت و طاقت نہیں رکھتے اور اس پر بھی نظر رکھو کہ تمہارے غلام اور اوباش سبھی ان کے ساتھ ہیں اور اعراب بھی انہیں سے ربط و تعلق قائم کیے ہوئے ہیں اور وہ تمہارے درمیان موجود ہیں اور تمہیں جس امر کی چاہیں تکلیف اور مشقت دے سکتے ہیں لیکن کیا تم بھی اپنے اندر کسی ایسی چیز کی قدرت محسوس کرتے ہوئے جس کے کر گزرنے کا تم ارادہ رکھتے ہو۔ اور بے شک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف کیا جانے والا یہ اقدام جاہلیت کے امور سے ہے اور ان لوگوں کے لیے مزید مدد و اعانت کی صورتیں موجود و متحقق ہیں۔

اگر اس معاملہ کو چھیڑا جائے تو اس میں تین قسم کے نظریات کے لوگ موجود ہیں، ایک جماعت وہ ہے جس کا نظریہ وہی ہے جو تمہارا نظریہ ہے دوسرا گروہ وہ ہے جو ایسا نظریہ رکھتا ہے جو تم سے مختلف ہے اور تیسرا گروہ وہ ہے جو کہ توقف اور تردد کی حالت میں ہے نہ اس نظریہ کا حامل ہے جو تمہارا ہے اور نہ ہی دوسرے فریق کے نظریہ سے متفق ہے۔ لہٰذا صبر و تحمل سے کام لو یہاں تک کہ لوگ پرسکون ہو جائیں اور قلوب و اذہان اپنی سابقہ حالت پر آ جائیں (اور ہیجانی کیفیات زائل ہو جائیں) اور حقوق بآسانی حاصل کئے جا سکیں لہٰذا میری طرف سے مطمئن رہو اور دیکھو کہ میری طرف سے کیا فیصلہ تمہارے سامنے آتا ہے الخ

علامہ ابن میثم بحرانی نے اس کی شرح میں کہا: واعلم ان هذا الكلام اعتذار منه عليه السلام فى تاخير القصاص عن قتلة عثمان وقوله ... الخ۔

لست اجهل ماتعلمون" دليل على انه كان فی نفسه (الی) ان هذا الامر امر جاهلية يريد امر المجلبين على عثمان اذ لم يكن قتلهم اياه بمقتضى الشريعة اذ الصادر عنه من الاحداث لا يجب فيها قتل۔ الی۔ قوله فاهدء وا عنی وانظروا ما ذا ياتيكم به امری يدل على ترصده وانتظاره للفرصة من هذا الامر۔

یہ امر ذہن نشین رہے کہ اس کلام امیر اور خطبہ مرتضٰے رضی اللہ عنہ میں حضرت عثمانؓ کے قاتلوں سے قصاص اور انتقام لینے میں تاخیر والتوا کا عذر بیان کیا گیا ہے۔ اور آپ کے اس فرمان میں کہ میں اس سے بے خبر نہیں جو تمہارے علم میں ہے اس امر کی دلیل صریح ہے کہ آپ کے دل میں قصاص اور انتقام کا پختہ عزم تھا۔ اور آپ کا یہ فرمانا کہ یہ امر جاہلیت کا امر ہے تو اس سے آپ کی مراد یہ ہے کہ امیر عثمان کے خلاف کاروائی فعل جاہلیت ہے کیونکہ ان کا آپ کو قتل کرنا مقتضائے شرع کے مطابق نہیں تھا کیونکہ آپ سے سرزد ہونے والے افعال سے از روئے شرع استحقاق قتل ثابت نہیں ہوتا تھا اور آپ کا یہ فرمانا کہ میری طرف سے مطمئن رہو اور میرے فیصلہ کا انتظار کرو اس امر کی دلیل ہے کہ آپ انتقامی کاروائی اور قصاص کے لیے موقعہ کی انتظار میں تھے اور فرصت کی تاک میں تھے۔

حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد سے صاف ظاہر کہ آپ جس طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی زندگی میں ان کی امداد واعانت کے لیے ہر وقت آمادہ وتیار تھے ان کی شہادت کے بعد بھی حق نصرت واعانت اور انتقامی کاروائی میں کسی قسم کی کوتاہی کو روا نہیں سمجھتے تھے بلکہ صرف موزوں اور مناسب وقت کی انتظار میں تھے حالانکہ اگر آپ کے نزدیک حضرت امیر عثمان رضی اللہ عنہ ارتداد یا نفاق میں مبتلا تھے اور باغیوں نے شرعی تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے یہ کاروائی کی تھی اور انہوں نے کامل مومن ہونے کا مظاہرہ کیا تھا تو آپ کے ارادہ انتقام اور قصاص کے عزم کا کوئی جواز نہیں ہو سکتا تھا اور باغیوں کے اس اقدام کو جاہلیت کا تقاضا اور قبل از اسلام سرزد ہونے والی ناجائز حرکات جیسی حرکت قرار دینے کا کوئی جواز نہیں تھا لہٰذا صاف

ظاہر ہے آپ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مخلص مومن سمجھتے تھے اور مظلوم خلیفہ اور آپ کے مخالفین کو ظالم اور حد سے متجاوز اور مستحق عتاب و عقاب ۔

الغرض مناقب عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ جو شیعی کتب معتبرہ میں منقول ہیں ان سب کو جمع کریں تو بہت بڑا دفتر تیار ہو جائے لیکن منصف مزاج قارئین انہیں چند حوالہ جات سے ان کی عظمت خداداد کا اندازہ کر سکتے ہیں ۔

فضیلت شیخین بزبان امام ابو جعفر محمد تقی رضی اللہ عنہم

اسی ضمن میں امام علی رضا رضی اللہ عنہ کے فرزند ارجمند حضرت ابو جعفر محمد تقی رضی اللہ عنہ کا نظریہ حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق معلوم کرتے چلیں یہ روایت احتجاج طبرسی کی ہے اور اس نے صحیح اور متواتر اور مشہور روایات کو اپنی کتاب میں درج کرنے کا التزام کر رکھا ہے ۔

فقال ابو جعفر (محمد بن علی) لست بمنکر فضل ابی بکر و قال لست بمنکر فضل عمر و لکن ابا بکر افضل من عمر (انتہی بقدر الضرورۃ) یعنی امام ابو جعفر محمد بن علی رض نے فرمایا میں ابو بکر (صدیق رضی اللہ عنہ) کی فضیلت کا منکر نہیں اور نہ میں عمر بن الخطاب کی فضیلت کا منکر ہوں لیکن ابو بکر عمر سے افضل ہیں رضی اللہ عنہما ۔ لہٰذا دونوں کا دولو الفضل ہونا بھی ظاہر ہو گیا اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے افضل ہونا بھی ۔

اب ذرا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے معاونین نیز حضرت طلحہ، حضرت زبیر اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم کے متعلق بھی حضرت امام معدن ولایت رضی اللہ عنہ کے ارشادات ملاحظہ فرمالیں اور ان کے باہمی نزاع کی نوعیت کا بھی اندازہ فرمالیں کہ آیا ان میں کفر و اسلام کی جنگ تھی یا اسلام و ایمان میں اشتراک کے باوجود صرف غلط فہمی اور خطاء اجتہادی کی وجہ سے اختلاف و نزاع کی نوبت یہاں تک

پہنچی اور کوئی شخص جس رفعت اور بلندی مقام پر بھی فائز ہو بشری تقاضے کچھ نہ کچھ اس میں موجود ہوتے ہیں۔ حضرات انبیاء نوع بشر کے عظیم ترین افراد ہیں مگر دیکھئے سگے بھائی ہو کر حضرت ہارون اور حضرت موسیٰ علیہما السلام میں نزاع نے کیا صورت اختیار کرلی اور صحابہ کرام علیہم الرضوان تو انبیاء علیہم السلام کے مرتبہ کو پہنچ ہی نہیں سکتے۔ لہٰذا اس سے اس قسم کے افعال کا صدور بعید از قیاس نہیں ہو سکتا۔ بہرکیف اختلاف و نزاع کے باوجود حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ان کے متعلق قولی اور عملی ردعمل اور طریقہ کار ملاحظہ فرمادیں۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے متعلق ارشاد مرتضوی

(۱) فخرجوا یجرون حرمة رسول الله صلى الله عليه وسلم كما تجر الامة عند شرائها متوجهين بها الى البصرة فحبسا نساء هما في بيوتهما وابرزا حبيس رسول الله صلى الله عليه وسلم لهما ولغيرهما الخ

وہ لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و حرمت (حضرت عائشہ صدیقہ رض) کو اپنے ہمراہ کھینچتے ہوئے بصرہ کی طرف نکلے جیسے کہ لونڈی کو خریداری کے وقت کھینچا جاتا ہے پس اپنی عورتوں کو تو ان دونوں (حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما) نے اپنے گھروں میں بٹھایا ہوا ہے اور رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم کی مستورہ و مخدرہ کو اپنے اور لوگوں کے سامنے ظاہر کر رکھا ہے۔ (نہج البلاغہ مصری جلد اول ص ۳۴۸)

(۲) حضرت صدیقہ کے ساتھ اپنی شکر رنجی کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا

لها بعد حرمتها الاولى والحساب على الله نہج البلاغہ جلد اول ص ۳۴۸) اب بھی اس کے لیے میرے دل میں وہی سابقہ عزت و حرمت اور قدر و منزلت ہے اور قلبی معاملات کا حساب لینے والا اللہ تعالیٰ ہے)

(۳) وقد روی ان الناس اجتمعوا الی امیر المؤمنین یوم البصرۃ فقالوا یا امیر المؤمنین اقسم بیننا غنائمهم قال ایکم یاخذ ام المؤمنین فی سهمه (کتاب علل الشرائع ص ۶۳) وکذا فی قرب الاسناد لابی العباس قمی من اصحاب الامام الحسن العسکری۔

تحقیق روایت کیا گیا ہے کہ بصرہ کے دن فتحیاب ہونے کے بعد حضرت علیؓ کے لشکری آپ کی خدمت میں اکٹھے ہو کر عرض کرنے لگے اے امیر المؤمنین ان اہل بصرہ کے اموال غنیمت ہمارے درمیان تقسیم فرما دو تو آپ نے فرمایا تم میں سے کون ام المؤمنین عائشہ کو اپنے حصہ میں لیتا ہے اور یہی مضمون ابو العباس قمی نے قرب الاسناد میں ذکر کیا ہے اور وہ امام حسن عسکری کے اصحاب سے ہے۔

عربی عبارت ملاحظہ ہو۔ فقال له قائلون یا علی اقسم الفیئ بیننا والسبی قال فلما اکثروا قال ایکم یاخذ ام المؤمنین فی سهمه فسکتوا۔

تو یہ تھا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف سے ان کی عزت و قدر اور حرمت و کرامت اور ام المؤمنین ہونے کا اظہار و اعلان باوجود اس اقدام کے! ام المؤمنین اور احترام مرتضیٰ۔ اب ذرا ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کی طرف سے صورت حال کا مشاہدہ کیجیے۔ (علل الشرائع ص ۸۵)

قالت: قضی القضاء وجفت الاقلام واللہ لو کانت لی من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عشرون ذکرا کلهم مثل عبد الرحمن بن الحارث بن هشام فثکلتهم بموت وقتل کان ایسر علی من خروجی علی علیؑ ومسرای الذی سریت فالی اللہ اشکو لا الی غیرہ۔ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کی قضا وارد ہو چکی اور قلمیں اس کو لکھ کر خشک ہو گئی تھیں بخدا اگر میرے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے بیس فرزند عبد الرحمٰن بن حارث ابن ہشام جیسے ہوتے پھر میں یکے بعد دیگرے ان کی موت یا شہادت کے غم میں مبتلا ہوتی تو وہ غم والم میرے لیے برداشت کرنا اس سے سہل اور آسان تھا جو میرے علی المرتضیٰ

کے خلاف خروج کرنے اور اس راہ پر چلنے سے لاحق ہوا بس میں اللہ تعالیٰ کی طرف اس امر کی شکایت کرتی ہوں نہ کسی دوسرے شخص کی طرف (اور اللہ تعالیٰ سے اس پر معذرت خواہ ہوں)

اس کے علاوہ بھی بہت سے کلمات اسی مضمون کے مروی ہیں جس سے صاف ظاہر ہے کہ اختلاف و نزاع کا وقوع مسلم مگر اس کے باوجود باہمی احترام اور اکرام برقرار تھا اور برقرار رہا لہٰذا ہم کس مونہہ سے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ کی شان میں تقصیر و تفریط کر سکتے ہیں یا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شان رفیع ہیں ایک طرف سب مؤمنین کی ماں اور دوسری طرف معدن ولایت اور سرچشمہ روحانیت۔ اگر حضرت علی کی جلالت مرتبت حضرت صدیقہ کی شان میں گستاخی پر آمادہ کرے تو قول باری تعالیٰ "ولا تقل لهما اف ولا تنهرهما" کو سامنے رکھو یعنی ماں باپ کو نہ اُف کہو اور نہ جھڑکو بلکہ ان کے ساتھ نرم لہجہ میں بات کرو اگر اپنی ماں کے متعلق حکم یہ ہے تو سب مؤمنین بلکہ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور دیگر ائمہ کرام اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کی روحانی ماں کا درجہ کیا ہوگا۔

اگر اعتراض ہی کرنا ہو تو جس طرح حضرت صدیقہ پر کیا جا سکتا ہے کوئی خارجی حضرت علی کے حق میں بھی تو کہہ سکتا ہے کہ جن کے خلاف اف کرنا اور اونچی بات کرنا درست نہیں ان کے خلاف تلوار اٹھانا کیوں کر جائز ہو سکتا ہے بلکہ جس طرح حضرت ہارون و حضرت موسیٰ علیہما السلام کے معاملہ میں سوائے زبان بند رکھنے کے اور ادب و احترام سے کام لینے کے کوئی چارہ نہیں یہاں بھی اسی طرز عمل کو اپنانا لازمی ہے (حضرت طلحہ حضرت زبیر اور حضرت معاویہؓ اور اہل شام کے متعلق فرمان مرتضیٰؓ)

وكان بدء امرنا انا التقينا والقوم من اهل الشام والظاهر ان ربنا واحد ونبينا واحد ودعوتنا فى الاسلام واحدة ولا نستزيدهم فى الايمان بالله والتصديق برسوله ولا يستزيدوننا والامر واحد الاما اختلفنا فيه من دم عثمان ونحن منه براء۔ الخ

(نہج البلاغہ مع شرح حدیدی جلد جزء ۱ص ۱۸۱، نہج البلاغہ مصری جلد دوم ص ۱۵۱)

ہمارے امر کا آغاز یہ تھا کہ ہم اور اہل شام میں سے ایک قوم باہم میدان کارزار میں لڑائی کے لیے اترے اور یقیناً ہمارا رب ایک ہے نبی ہمارے ایک ہیں اور دعوت ہم دونوں فریق کی ایک ہے یعنی دعوت اسلام اور شہادتین، نہ ہم ان پر ایمان باللہ اور تصدیق بالرسول میں زائد ہونے اور افضل ہونے کے دعوے دار ہیں۔ اور نہ وہ ہم پر اور معاملہ بالکل ایک ہے ماسوا اس کے جس میں ہمارے اندر اختلاف پیدا ہوا یعنی خون عثمان رضی اللہ عنہ اور ہم اس سے بری ہیں۔ الخ۔

اس فرمان مرتضوی سے کس صراحت اور وضاحت کے ساتھ ثابت ہوگیا کہ ہم آپس میں رشتہ اسلام وایمان کے لحاظ سے بھائی ہیں اور ہم میں سے نہ کوئی فریق دوسرے پر ایمان وتصدیق میں فوقیت جتلا سکتا ہے اور نہ دوسرے کو نیچا دکھلا سکتا ہے۔ جھگڑا صرف خون عثمان رضی اللہ عنہ کی وجہ سے پیدا ہوا ہے نہ کہ دینی امور اور ارکان اسلام وایمان میں جس میں حضرت علیؓ یقیناً حق پر ہیں اور آپ کے ساتھ نزاع کرنے والے مغالطہ کا شکار لیکن اس ایک معاملہ میں ان کی غلطی کو ان کے ایمان واسلام کے کالعدم ہو جانے کا سبب قرار نہیں دے سکتے۔ آخر اللہ تعالیٰ کے قوانین اور آئین کو بالکل نظر انداز کرنے کا کیا جواز ہے۔ اس نے من یعمل مثقال ذرۃ خیرًا یرہ بھی فرمایا ہے اور ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ بھی للذا ہر نیکی کا بدلہ ملنا ضروری ہے از روئے وعدہ باری تعالیٰ۔ اور ہر غلطی پر سزا ملنی ضروری نہیں اگرچہ شمار میں آئے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ہی فرمان ہے۔

" ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ ویغفر مادون ذلک لمن یشاء"

اللہ تعالیٰ شرک اور کفر کو معاف نہیں کرے گا اور اس کے علاوہ جس کو چاہے گا دوسرے گناہ بخش دے گا

قال تعالیٰ: فالذین ھاجروا واخرجوا من دیارھم واوذوا فی سبیلی وقاتلوا وقتلوا لاکفرن عنھم سیئاتھم ولادخلنھم جنات تجری من تحتھا الانھار ثوابا من عند اللہ واللہ عندہ حسن الثواب۔ (سورہ آل عمران)

پس جن لوگوں نے ہجرت کی اور گھروں سے نکالے گئے اور میری راہ میں تکلیف دیئے گئے اور راہ خدا میں جہاد کیا اور قتل کئے گئے ہیں ضرور ان کے گناہ دور کردوں گا اور ضرور ان کو جنات میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں جاری ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ثواب کے طور پر اور اللہ تعالیٰ کے ہاں ہی اچھا ثواب ہے۔

نیز ارشاد خداوند تعالیٰ ہے۔

"لایستوی منکم من انفق من قبل الفتح وقاتل اولئک اعظم درجۃ من الذین انفقوا من بعد وقاتلوا وکلا وعد اللہ الحسنیٰ"

تم میں سے وہ لوگ جنہوں نے فتح مکہ سے قبل اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کیا اور جہاد و قتال کیا وہ فتح مکہ کے بعد اسلام لانے والوں اور جہاد کرنے والوں کے برابر نہیں بلکہ پہلے راہ خدا میں خرچ کرنے والے اور جہاد کرنے والے ان سے درجات کے لحاظ سے عظیم تر ہیں جنہوں نے بعد میں راہ خدا میں مال خرچ کیا اور جہاد و قتال کیا اور ہر ایک فریق کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے جنت کا وعدہ کیا ہے۔

اور دنیا میں اگر باہمی رنجش اور تکدر پایا بھی گیا تو اللہ تعالیٰ دونوں فریق میں صلح و صفائی کرا کے دونوں کو جنت میں داخل فرما دے گا کما قال تعالیٰ: ونزعنا ما فی صدورھم من غل اخوانا علی سرر متقابلین اور ہم نے سلب کر لیا وہ کینہ اور غیظ و غضب جو ان کے دلوں میں تھا۔ درانحالیکہ وہ بھائی بھائی بن کر ایک

دوسرے کے سامنے جنتی تختوں اور مسانید پر بیٹھے ہوں گے۔ الغرض ثقل اکبر اور ثقل اصغر کے بیانات میں اتفاق واتحاد کے بعد امیر معاویہ اور دیگر صحابہ کرام مہاجرین و انصار علیہم الرضوان جو ان کے معاون تھے ان کے ایمان پر حملہ کی اور ان کو منافق بلکہ کافر قرار دینے کی نعوذ باللہ کوئی وجہ نہیں ہو سکتی اور علی الخصوص امام حسن رضی اللہ عنہ کی مصالحت امیر معاویہؓ کے مومن مخلص ہونے کی سند اور ضمانت ہے ورنہ خود امام حسن مجتبیٰ کی حیثیت ایمانی واسلامی مورد طعن وتشنیع بن جائے گی کہ آپ نے امور امت اور معاملات دین اور احکام اسلام کے نفاذ کو غیر مسلم کے ہاتھ میں دے دیا نعوذ باللہ من ذلک نیز حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا امام حسن رضی اللہ عنہ کے وصال کے بعد امیر معاویہ کے ساتھ مصالحت ومسالمت کو برقرار رکھنا اور حرب وقتال سے گریز فرمانا بھی ان کے ایمان واخلاص کی واضح دلیل ہے اور ان کی وفات کے بعد یزید کے خلاف آپ کا اقدام باپ بیٹے میں فرق اور امتیاز کی بین برہان ہے۔

بلکہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے دوسرے خطبات سے بھی یہی حقیقت واضح اور آشکارا ہے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ایک خط کا جواب دیتے ہوئے فرمایا: امابعد فانا کنا نحن وانتم علی ما ذکرت من الالفة والجماعة ففرق بیننا وبینکم امس انا آمنا وکفرتم والیوم انا استقمنا وفتنتم۔ (نہج البلاغۃ مصری جلد ثانی ص ۱۶۲) امابعد پس بیشک ہم اور تم جیسے تو نے ذکر کیا باہمی الفت اور اجتماع واتفاق کی حالت میں تھے لیکن پہلے ہمارے اور تمہارے درمیان اس امر نے تفریق ڈالی کہ ہم اسلام لائے اور تم کفر پر برقرار رہے اور تمہارے اسلام لانے کے بعد اس امر نے تفریق پیدا کر دی ہے کہ ہم اسلام پر پوری طرح ثابت قدم ہیں اور تم ثابت قدم نہیں رہے بلکہ فتنہ میں مبتلا ہو گئے ہو۔ اور یہی مضمون دوسرے خطبہ میں ان الفاظ کے ساتھ ادا کیا گیا ہے جو آپ نے اہل بصرہ کے خلاف قتال کی تیاری کرتے

وقت دیا۔

ومالی ولقریش واللہ لقد قاتلتھم کافرین ولا قاتلنھم مفتونین وانی لصاحبھم بالامس کما انا صاحبھم الیوم واللہ ما تنقم منا قریش الا ان اللہ اختارنا علیھم فادخلناھم فی حیزنا۔

(نہج البلاغۃ مع شرح حدیدی جلد ثانی ص ۱۸۵) مجھے قریش سے اور انہیں مجھ سے کیا کام بخدا میں نے ان کے ساتھ قتال کیا جب کہ وہ کافر تھے اور میں ضرور ان سے قتال کروں گا جب کہ وہ فتنہ میں پڑ گئے ہیں یقیناً میں ہی کل ان کا صاحب قتال تھا۔ جیسے آج کے دن بخدا قریش ہم سے ناپسند نہیں کرتے مگر اس امر کو کہ اللہ تعالی نے ہمیں ان پر ترجیح دی لیکن ہم نے ان کو اپنی جماعت اور قبیلہ میں شمار کیا۔

ان دونوں جگہوں پر مفتون کو کافر کے مقابل ذکر کیا گیا جس سے صاف ظاہر کہ آپ کے ساتھ حرب وقتال کرنے والے کافر نہیں خون عثمان رضی اللہ عنہ کے معاملہ میں غلط فہمی کا شکار ہیں اور مفتون ہیں۔ اسی لیے ابن ابی الحدید معتزلی شیعی نے اس مقام پر کہا۔ وھذا الکلام یؤکد قول اصحابنا، ان اصحاب الصفین والجمل لیسوا بکفار خلافا للامامیۃ فانھم یزعمون انھم کفار۔ (شرح حدیدی جلد ثانی ص ۱۸۷) یہ کلام ہمارے اصحاب بغدادیوں کے قول کی تاکید کرتا ہے کہ اصحاب صفین اور جمل کفار نہیں ہیں۔ بخلاف شیعہ امامیہ کے وہ گمان کرتے ہیں کہ وہ کفار ہیں۔

فرمان نبوی حربک حربی کا صحیح مفہوم: رہا یہ سوال کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے علی "حربک حربی وسلمک سلمی" تیرے ساتھ جنگ میرے ساتھ جنگ ہے اور تیرے ساتھ صلح میرے ساتھ صلح ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ کلام تشبیہ بلیغ کے قبیل سے ہے مثلاً کہا جاتا ہے زیدٌ الاسدٌ زید شیر ہے لیکن یہ مقصد نہیں کہ زید اور شیر میں عینیت اور اتحاد ہے بلکہ یہ مقصد ہے کہ زید شیر کی مانند ہے۔ بعض وجوہ سے یہاں بھی یہی مقصد ہے کہ تیرے ساتھ جنگ یا مسالمت اور مصالحت میرے ساتھ جنگ اور مصالحت کی مانند ہے بعض وجوہ میں یعنی میں حق پر ہوں

اور میرا مخالف غلطی پر ہوگا اسی طرح تم حق پر ہو گے اور تمہارے مخالف غلطی پر ہوں گے اور تمام وجوہ میں مشارکت اور برابری لازم نہیں آتی کہ میرے ساتھ جنگ کرنے والا کافر ہے لہٰذا تمہارے ساتھ جنگ کرنے والا بھی کافر ہے کیونکہ امتی اپنے نبی کے ساتھ تو حرب وقتال نہیں کر سکتا لیکن امتیوں میں باہم نزاع وقتال ہو سکتا ہے کما قال تعالیٰ "وان طائفتان من المؤمنین اقتتلوا فاصلحوا بین اخویکم فان بغت احداھما علی الاخری فقاتلوا التی تبغی حتی تفیئ الی امر اللہ" اگر مومنین کے دو گروہ آپس میں جنگ و جدال اور حرب وقتال پر اتر آئیں تو ان دونوں بھائی فریقوں میں مصالحت کراؤ اگر ایک گروہ دوسرے کے خلاف بغاوت کرے تو باغی فریق کے خلاف جنگ کرو تاآنکہ وہ اللہ تعالیٰ کے امر کی طرف لوٹے اس کی مزید توضیح درکار ہو تو ایک حوالہ ضمیمہ مقبول کا سنتے چلیں شاید مقبول خاطر ہو اور حقیقت حال منکشف ہو جائے حضرت ابن عباس سے منقول ہے کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فرمایا جس نے تمہارے شیعہ کی اہانت کی اس نے تمہاری اہانت کی اور جس نے تمہاری اہانت کی اس نے میری اہانت کی اور جس نے میری اہانت کی اسے اللہ تعالیٰ آتش دوزخ میں داخل کرے گا۔

تمہارے شیعہ ہمارے خمیر کی بچی ہوئی مٹی سے پیدا کیے گئے ہیں پس جو ان کو دوست رکھے گا وہ ہمارا دوست ہوگا۔ اور جو انہیں غضب ناک کرے گا وہ ہمیں غضب ناک کرے گا اور جو ان سے دشمنی کرے گا وہ ہمارا دشمن ہے۔ جو ان سے دلی محبت رکھے گا وہ ہمارا دلی دوست ہے (ضمیمہ مقبول ص ۲۸۲ و ص ۲۸۲) تو بتلائیے کیا ہر شیعہ سے جنگ بھی کفر ہے اور یہ سبھی حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ محبت وعداوت میں ہم پلہ ہیں اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو اسی طرح مقام نبوت اور مقام خلافت وامامت میں بھی فرق کرنا ضروری ہے اور خود حضرت امیر کرم اللہ وجہہ نے فرق واضح طور پر کیا ہے جیسے کہ سابقہ عبارات اور ارشادات مرتضوی اس پر شاہد ہیں

بشرطیکہ چشم بینا، بلکہ دل بینا اللہ تعالیٰ نصیب فرمائے۔

لمحہ فکریہ: جب ان حضرات کے متعلق حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نظریہ اور طرز عمل واضح ہو گیا جن کے ساتھ عملاً لڑائیاں اور جنگیں ہوئیں تو جن کے ساتھ لڑائی اور جنگ تک نوبت ہی نہیں آئی ان کے متعلق سب وشتم اور گالی گلوچ اور کافر ومنافق کے فتووں کا کیا جواز ہو سکتا ہے علی الخصوص جب کہ آپ سے ان کے محامد ومدائح ثابت ہیں اور ایسے قطعی اور ناقابل تردید وانکار حوالوں کے ساتھ کہ ڈھکو صاحب نے ان کے جواب میں چپ سادھنے میں ہی عافیت سمجھی اور علی الخصوص قرآن مجید اور ثقل اکبر کی شہادتوں کے بعد کسی چون وچرا کی کیا گنجائش ہو سکتی ہے۔

حضرت زبیر بن العوام اور حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہما کا رجوع:

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے آغاز کار میں حضرت امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ کے خلاف نقض عہد کیا لیکن میدان کارزار میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی یاد دہانی پر انہیں فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یاد آ گیا اور وہ یہ تھا کہ اے زبیر آج تم علی کے ساتھ بہت پیار کر رہے ہو تو آپ نے عرض کیا۔ وما لی لا احبہ وھو اخی وابن خالی ہیں کیوں نہ ان سے محبت کروں حالانکہ وہ میرے بھائی ہیں اور میرے ماموں کے لڑکے تو آپ نے فرمایا: اما انک ستحاربہ وانت ظالم لہ۔ غور سے سنو تم ان کے ساتھ جنگ کرو گے جب کہ تم زیادتی اور تجاوز کرنے والے ہو گے تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا اذکرتنی علی حدیثا انسانیہ الدھر۔ علی تم نے مجھے وہ بات یاد دلائی جو مرور ایام نے مجھے بھلا دی تھی۔ چنانچہ آپ میدان کارزار سے واپس ہوئے اور وادی سباع میں ابن جرموز نے آپ کو دھوکے سے شہید کر دیا اور جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آپ کا سر لے کر گیا اور بروایت بعض صرف تلوار پیش کی تو آپ نے فرمایا۔ واللہ ما کان ابن الصفیۃ جبانا ولا لئیما ولکن الحین ومصارع السوء الخ

بخدا ابن صفیہ نہ بزدل تھا اور نہ گھٹیا صفات کا حامل لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے۔
مقرر وقت اور مقرر جگہ کا فیصلہ ہے (جس کے تحت ابن جرموز جیسا آدمی ان کو۔
قتل اور شہید کرنے پر قادر ہو گیا) پھر ابن جرموز کو فرمایا تلوار مجھے دے، جب اس
نے تلوار پیش کی تو فرمایا: سیف طالما جلی بہ الکرب عن وجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
یہ وہ تلوار ہے جس نے بہت دفعہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ اقدس اور ذات
مقدسہ پر سے کرب و شدائد کو دور کیا ہے۔ جب ابن جرموز نے انعام کا مطالبہ
کیا تو آپ نے فرمایا: "اما انی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول:
بشر قاتل ابن صفیة بالنار" غور سے سن میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے
ہوئے سنا کہ ابن صفیہ یعنی زبیر بن العوام کے قاتل کو نار جہنم کی بشارت دے اور
وہ خائب و خاسر ہو کر لوٹا اور بالآخر خوارج کے ساتھ مل کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے
لشکریوں کے ہاتھوں قتل ہوا (شرح حدیدی ص ۲۳۴ تا ۲۳۶) جلد اول
اور حضرت طلحہ کے متعلق ابن ابی الحدید شیعی معتزلی کہتا ہے کہ امامیہ اثنا عشریہ کی
روایت کے برعکس صورت حال یہ ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ حرب بصرہ
میں کامیاب ہو گئے۔ اور آپ نے مقتولین میں گھوم پھر کر ہر ایک کو مخاطب ٹھہرایا
تو حضرت طلحہ کو خطاب کرتے ہوئے کہا: اعز علی ابا محمد ان اراك معفرا
تحت نجوم السماء وفی بطن ھذا الوادی ابعد جھادك فی اللہ
و ذبك عن رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)
اے ابو محمد تم مجھ پر اس سے زیادہ ہی معزز اور مکرم تھے کہ میں تمہیں آسمان
کے ستاروں کے نیچے اور اس وادی میں خاک پر لوٹتے ہوئے دیکھتا کیا اللہ تعالیٰ
کے لیے جہاد کے بعد اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے دفاع اور اپنی
جان اور اپنے جسم کو آپ کے لیے سپر اور ڈھال بنانے کے بعد بھی ہم نے آپ
کو اس حال میں دیکھنا تھا) تو اسی دوران ایک آدمی دوڑتا ہوا حاضر خدمت ہوا
اور عرض کیا اے امیر المؤمنین میں شہادت دیتا ہوں کہ میرا ان پر گزر ہوا جب کہ

وہ تیر لگنے سے زخمی ہو کر گر چکے تھے تو مجھے بلایا اور دریافت کیا تو کس گروہ سے تعلق رکھتا ہے تو میں نے کہا امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ کی جماعت سے تو آپ نے کہا "امدد یدك لا بایع لامیر المؤمنین فمددت الیه یدی فبایعنی لك فقال علی علیه السلام ابی الله ان یدخل طلحة الجنة الا و بیعتی فی عنقه۔" (شرح حدیدی جلد اول ص ۲۴۸ و ص ۲۴۹) اپنا ہاتھ بڑھاؤ تاکہ میں تیرے ہاتھ پر امیر المؤمنین علی کے لیے بیعت کروں چنانچہ انہوں نے میرے ہاتھ پر بیعت کی تو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے انکار کیا کہ طلحہ جنت میں داخل ہوں مگر اس حال میں کہ میری بیعت ان کی گردن میں ہو اور وہ اس کے پابند ہوں حضرت زبیر کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا حواری اور مددگار فرمایا اور حضرت طلحہ کے متعلق جنگ احد میں عظیم قربانیاں دینے کی وجہ سے فرمایا "اوجب طلحة" طلحہ نے اپنے لیے جنت واجب کرلی ہے۔ الغرض ان کا خروج بھی اہل السنت کے نزدیک خطا ہے اور غلطی اور امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ خلیفہ برحق لیکن خدائے عادل کی بارگاہ میں ان کی سابقہ خدمات کو بہرحال نظر انداز نہیں کیا جائے گا علی الخصوص جب کہ بدری صحابہ کے متعلق اعملوا ما شئتم فقد غفرت لکم کا مژدہ اور بشارت موجود ہے۔ کہ تم جو کرو اللہ تعالیٰ تم سے مؤاخذہ نہیں فرمائے گا اور جب کہ یہ نص قرآن کے تحت دو مؤمن فریقوں میں جنگ تھی جس کو کفر و اسلام کی جنگ قرار نہیں دیا جا سکتا تو اس وجہ سے ان حضرات کے ایمان پر حملہ کرنا اور ان کو نعوذ باللہ منافق یا کافر قرار دینا قطعاً غلط ہے اور اپنی عاقبت برباد کرنے کے مترادف۔

قبل ازیں عرض کیا جا چکا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام میں نوبت ہاتھا پائی اور باہم دست و گریبان ہونے تک پہنچی حالانکہ نبی تھے۔ تو اگر صحابہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں نزاع و اختلاف پایا جائے تو اس کو بھی بشری تقاضوں پر محمول کیا جائے گا اور صحابیت کے شرف کے پیش نظر زبان طعن و تشنیع دراز

نہیں کی جائے گی، پچھلے عنوان میں مندرج آیات اور دیگر حوالہ جات میں اچھی طرح
غور دخوض کرنے سے بحمد اللہ یہ حقیقت منکشف ہو جائے گی والحمد للہ اولاً و آخراً۔

مذہب شیعہ حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز

"حضرت علی رضی اللہ عنہ کا عمل و کردار اور خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم"

حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ارشادات اور وہ بھی ائمہ معصومین کی اسنادات
کے ساتھ جن کا نمونہ آپ دیکھ چکے اب ہم آپ کو شیر خدا رضی اللہ عنہ کا طرز عمل بھی پیش
کرتے ہیں (ناسخ التواریخ جلد نمبر ۲ ص ۴۳ مطبوعہ ایران)

پس از ہفتاد شب با ابوبکر بیعت کرد در روایتی پس از شش ماہ با ابوبکر بیعت کرد
یعنی ستر دنوں کے بعد حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے (حضرت) ابوبکر (صدیق رضی اللہ عنہ)
کے ساتھ بیعت کی اور دوسری روایت کے مطابق چھ ماہ کے بعد۔

ہاں جی ضروری اگر چھ سال کے بعد بیعت کرتے اس کو بیعت ہی کہا جاتا۔
رہے اس تاخیر کے اسباب تو اس واقعہ کو تیرہ سو ستر بستھ سال ہو گئے ہیں جو راوی
دو ماہ دس دن سے کھینچ کر چھ ماہ تک لے جا سکتا ہے وہ ایک آدھ دن سے
دو ماہ تک بھی لے جا سکتا ہے، دوسرا چھ ماہ کے عرصہ میں جس نے کربلا کا سامان
مہیا نہیں کیا اور آخر پورے غور و خوض کے بعد بیعت ہی کو اختیار فرمایا تو بہر حال
انہیں کی رائے عالی صائب تھی۔

تیسرا کتاب شافی علم الہدیٰ جو غالی ترین شیعہ کی تصنیف ہے اور کتاب
تلخیص الشافی جو شیعوں کے محقق طوسی کی تصنیف ہے جن کا حوالہ گزر چکا ان میں
صاف صاف روایت موجود ہے جس کو امام جعفر صادق امام محمد باقر سے اور وہ
امام زین العابدین رضی اللہ عنہم سے نقل فرماتے ہیں کہ جب ابوبکر صدیق خلیفہ ہوئے

تو ابو سفیان نے ان کی خلافت کو ناپسند کر کے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کرنے انتہائی کوشش کی جس پر شیر خدا رضی اللہ عنہ نے اس کو وہ ڈانٹ پلائی کہ تا قیامت عبرت رہے گی اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کو سراہا اور برحق تسلیم فرمایا۔

اس واقعہ سے تقیۃً یا جبراً بیعت کا سوال بھی اڑ جاتا ہے جب اس قدر فوج مہیا تھی تو پھر خوف کاہے کا تھا؟ جبراً بیعت کا فائدہ ہی کیا تھا۔ جب جبراً دوٹ کی پرچی حاصل نہیں کی جا سکتی تو دعدۂ اطاعت اور عہد وفا جبراً حاصل کرنا کیا معنی رکھتا ہے اور پھر تقیۃً اور جبراً بیعت کرنا بھی انوکھی منطق کا نتیجہ ہے

بھائی تقیہ کا تو معنی ہی یہ ہے کہ ظاہر میں طرف دار اور دل سے بیزار تو پھر مجبور ہونا اور نقل کفر کفر نباشد گھسیٹنے کی نوبت آنا (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) گلے میں رسہ ڈلوا کر گھسیٹنے کی حالت میں مسجد میں جانا بھی عجیب رضا مندی اور طرف داری کا اظہار ہے۔ دراصل اہل تشیع بیعت نہ کرنے اور ناخوشنودی کے جتنے احتمالات ہو سکتے ہیں بیک وقت پیش کر کے محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام میں باہمی اختلاف ثابت کرتے وقت عقل سے بھی تقیہ کر جاتے ہیں اور یہی ایک تقیہ ہی تمام تر شیعہ مذہب کے درد دل کی دوا ہے (رسالہ مذہب شیعہ ص ۴)

تنزیہ الامامیہ علامہ محمد حسین ڈھکو صاحب

پیر صاحب نے ادھر ادھر ہاتھ پیر مار کر یہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے کہ جناب امیر علیہ السلام نے ابو بکر کی بیعت کر لی تھی (معاذ اللہ) اس موضوع پر تفصیل گفتگو تو وہاں کریں گے جہاں بیعت کے موضوع پر بحث آئے گی یہاں سر دست ناسخ کی اس عبارت پر تبصرہ کیا جاتا ہے سو واضح ہو کہ پیر صاحب سیالوی نے اپنی عادت کے مطابق خیانت سے کام لیا اور اس کو قطع و برید کر کے پیش کیا صاحب ناسخ نے ثابت کیا ہے کہ حضرت امیر دربار میں تشریف لے گئے اپنی خلافت کے دلائل پیش کیے اور قبول نہ ہونے پر بغیر بیعت کئے واپس ہوئے دبیعت

ناکردہ باز لبراب شد) یہ ہے صاحب ناسخ کی ذاتی تحقیق جسے انہوں نے دوسرے شیعہ اہل علم کی طرح بلاکم وکاست پیش کر دیا اس کے بعد وہ عبارت موجود ہے جس کا ٹکڑا مؤلف نے پیش کیا جس کا آغاز یوں ہے گویند چوں فاطمہ سلام اللہ علیہا وداع جہاں گفت پس از ہفتاد شب الخ اور گویند یعنی لوگ کہتے ہیں اس امر کی دلیل ہے کہ یہ دوسروں کا نظریہ ہے اور وہ ہیں جمہور اہل السنت (ملخص ص ۱۱۵، ۱۱۶)

اس کے بعد علامہ ڈھکو صاحب نے ایک اہل قلم کو سنی ظاہر کر کے اس کی زبانی حضرت امیر کا پہلے بیعت سے کنارہ کش رہنا اور بعد میں حالات کے جبر سے بیعت کرنا ذکر کیا ہے۔ اور اس سنی قلمکار کی اصل عبارت میں لفظ یہ درج کئے ہیں " انہوں نے اس ظلم کے خلاف اللہ تعالیٰ سے فریاد کی اور بیعت سے کنارہ کش رہے گو بعد میں ایسے واقعات پیش آئے کہ انہیں بھی بیعت کرنا پڑی الخ ص ۱۱۶

تحفہ حسینیہ   از محمد اشرف السیالوی غفرلہ:

شیعی مجتہد کی فریب کاریاں اور بیعت مرتضوی کا اثبات

(۱) علامہ ڈھکو صاحب کے جواب کا خلاصہ یہ ہوا کہ علماء شیعہ بمع صاحب ناسخ التواریخ بیعت مرتضوی کے قائل نہیں اور یہ صرف اہل السنت کا مسلک ہے جس کو از راہ خیانت شیعوں کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے۔

(۲) ہم اس کی حقیقت موضوع بیعت کے تحت بیان کریں گے۔

(۳) مشہور سنی اہل قلم ابوالنصر عمر نے اس کو جبر و اکراہ اور تقاضائے حالات کے تحت کی جانے والی بیعت قرار دیا۔

اقول اگر ابوالنصر عمر خلافت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو ظلم اور زیادتی کہہ کر بھی سنی

ہے تو پھر جہاں میں شیعہ ہے ہی کوئی نہ صرف اہل السنت ہی اہل السنت ہیں، ڈھکو صاحب کا یہ بہت ہی بڑا دھوکہ اور فریب ہے اور ایسے شیعہ اور بدقماش اہل قلم کو سنی لکھ کر عوام اہل اسلام کی نظروں میں دھول جھونکنے والی بات ہے اور بددیانتی کی بدترین مثال

رہا ڈھکو صاحب کا بلند بانگ اعلان کہ موضوع بیعت میں اس حقیقت پر سے نقاب اٹھا جائے گا ہم نے رسالہ تنزیہہ الامامیہ کے سب اوراق الٹے پلٹے پر ہمیں کہیں اس موضوع پر ڈھکو صاحب کے قلم فریب رقم کا کوئی نقش بے ثبات ایسا نظر نہیں آیا جس میں اس موضوع پر کوئی ہلکا سا تبصرہ بھی کیا گیا ہو لہٰذا۔

ع ہے یہ وہ لفظ کہ شرمندہ معنی نہ ہوا۔

اب ہم حضرت امیر المومنین علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ابوبکر صدیق بلکہ تینوں۔ خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے ساتھ بیعت کرنے کے دلائل اور شواہد پیش کرتے ہیں۔ تاکہ مذہب اہل تشیع ان کی کتب سے ہی واضح ہو جائے۔ اور ڈھکو صاحب کا یہ بے بنیاد دعویٰ اور بلا برہان اعلان ھباءً منثوراً ہو جائے۔

سب سے پہلے ناسخ التواریخ کے متعلق جو دعویٰ ڈھکو صاحب نے کیا ہے کہ وہ علماء شیعہ کے ساتھ متفق ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت نہیں کی اس کی حقیقت پیش خدمت ہے مجتہد صاحب نے ایک جملہ لکھ کر "بیعت ناکردہ باز بسرا ے شد" یہ نتیجہ اخذ کر لیا کہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بیعت کی نفی ہو گئی حالانکہ یہ طرز استدلال قواعد و ضوابط اور واقعات و حقائق کے سراسر خلاف ہے اور درایت و بصیرت کے بھی خلاف۔

ڈھکو صاحب کا دعویٰ از روئے نقل و عقل خلاف واقعہ ہے۔

اما نقلاً : چنانچہ صاحب، ناسخ التواریخ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت

اور بیعت کی بحث کو ص ۷ تا ص ۸ ۷ شیعہ اور سنی ہر دو فریق کی روایات کے مطابق بیان کیا ہے۔ اور انہوں نے مستقل عنوان قائم کرکے شیعہ مسلک کو بیان کیا ہے (ملاحظہ ہو ص ۴۴) جہاں عنوان یہ قائم کیا ہے

"طلب کردن علی علیہ السلام را بمسجد برائے بیعت ابوبکر بروایت مردم شیعی"

یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مسجد نبوی میں بیعت ابوبکر کے لیے طلب کرنا شیعہ لوگوں کی روایت کے مطابق اور ص ۴۵ پر یوں عنوان قائم کیا ہے۔ "بردن علی علیہ السلام را بمسجد پیغمبر برائے بیعت با ابوبکر موافق روایت شیعی" یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مسجد نبوی میں پہنچانا بیعت ابوبکر کے لیے شیعی روایت کے مطابق اور ص ۴۶ پر یوں عنوان قائم کیا ہے "احتجاج علی واصحاب او بعد از بیعت با ابوبکر وعمر" حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کا بیعت کرنے کے بعد ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے ساتھ مباحثہ ومناظرہ، کیا اب بھی کوئی شخص دین و دیانت اور ایمان و امانت کے ہوتے ہوئے یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ صاحب ناسخ التواریخ نے صرف سنیوں کا مذہب و مسلک بیان کیا ہے۔

اما عقلا و درایۃ : دعویٰ تو یہ ہے کہ بالکل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیعت نہیں کی اور دلیل میں ایک وقت دلائل احقیت پیش کرکے بغیر بیعت کئے واپس جانے کا ذکر کیا گیا ہے کیا میں علامہ صاحب سے دریافت کر سکتا ہوں کہ وجوہ احتجاج و استدلال یعنی قیاس استقراء اور تمثیل میں سے یہ کونسا قسم ہے۔ ایک وقت میں بیعت نہ کرنا گویا جزئی ہے اور بالکل بیعت نہ کرنا کلی حکم ہے تو ایک جزئی کے ذریعے حکم کلی ثابت کرنا نہ قیاس ہے اور نہ استقراء و تمثیل کلی سے جزئی کا حکم ثابت کرنے کو قیاس کہتے ہیں جس طرح ہر انسان حیوان ہے لہٰذا زید حیوان ہے اور اکثر جزئیات کا حال معلوم کرکے حکم کلی لگا دینے کو استقراء کہتے ہیں جس طرح کل حیوان یحرك فکه الاسفل عند المضغ ہر حیوان چباتے وقت نچلا جبڑا ہلاتا ہے حالانکہ حکم لگانے والے نے جمیع جزئیات کا احاطہ نہیں کیا،

لہٰذا یہ حکم ظنی ہوگا اور غلطی کا محتمل جیسے مگر چھ میں اس کے برعکس قول کیا گیا ہے۔ اور یہ جزئی کے ذریعے جزئی کا حکم ثابت کرنا جیسے شراب حرام ہے بوجہ نشہ آور ہونے کے لہٰذا افیون بھی حرام ہے اس کو تمثیل کہتے ہیں اور یہ استدلال بھی موجب ظن ہوا کرتا ہے۔ الغرض ڈھکو صاحب کا استدلال عند العقلاء معتبر وجوہ استدلال میں سے کوئی وجہ بھی نہیں بن سکتا۔

علاوہ ازیں اس کی پیش کردہ عبارت ستر دن بعد بیعت یا چھ ماہ بعد بیعت کرنے کے منافی بھی نہیں ہوسکتی۔ ایک وقت میں بیعت نہ فرمائی دوسرے وقت میں فرمالی لہٰذا کوئی تخالف اور تعارض لازم نہیں آسکتا تو ڈھکو صاحب کا یہ جواب صرف مجنونانہ حرکت ہے۔

بیعت ابی بکر کا ثبوت

اب پیش خدمت ہیں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے بیعت فرمانے کے حوالہ جات، سب سے پہلے ناسخ التواریخ کے انہیں صفحات سے حوالہ جات ملاحظہ ہوں۔

(۱) فقال له ابو بكر بايع فقال له علىؑ فان انا لم ابايع قال اضرب الذى فيه عيناك فرفع رأسه الى السماء ثم قال اللهم اشهد ثم مد يده فبايعه ص ۶۳۔

تو انہیں (حضرت) ابوبکر (رضی اللہ عنہ) نے کہا بیعت کرو تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا اگر میں بیعت نہ کروں تو کیا ہوگا تو انہوں نے کہا ہم آپ کا سر قلم کردیں گے تو آپ نے اپنا سر اقدس آسمان کی طرف اٹھایا اور عرض کیا اے اللہ گواہ ہوجا پھر ہاتھ بڑھایا اور ابوبکر صدیق سے بیعت کی۔

وکذا فی تلخیص الشافی ص ۳۹۸

(۲) فقال صلی اللہ علیہ وسلم ان وجدت علیہم اعوانا فجاھدھم ونابذھم وان انت لم تجد اعوانا فبایع واحقن دمک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر ان کے خلاف معاون و مددگار میسر ہوں تو ان سے جہاد کرنا اور ان کی خلافت کو پھینک دینا اور اگر معاونین و مددگار دستیاب نہ ہوں تو بیعت کر لینا اور اپنی جان بچانا" اور اس حقیقت کا انکار کون کر سکتا ہے بلکہ خود شیعہ کے اقرار و اعتراف کے مطابق "تو دانی اے خدا کہ برائے من کس ہمدست نشد" کوئی آپ کا معاون و مددگار نہیں تھا لہذا حکم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق بیعت ضروری ٹھہری اور واقعی آپ نے بیعت فرمائی، کذا فی احتجاج الطبری ص ۹۰ مطبوعہ مشہد

(۳) بروایتے آں ہنگام عباس بن عبدالمطلب را آگاہی دادند کہ اینک علی در زیر شمشیر عمر نشستہ است عباس شتاب کناں دوراں دواں برسید وہمی فریاد برداشت کہ با پسر برادرم رفق و مدارا کنید بر من است کہ او بیعت کند وچوں درآمد دست علی را بگرفت وبکشید و بدست ابی بکر مسح داد پس علی را رھا دادند ص ۶۳

ایک روایت میں اس طرح وارد ہے کہ اس وقت حضرت عباس بن عبدالمطلب کو لوگوں نے اطلاع دی کہ یہ علی ہیں جو عمر بن الخطاب کی تلوار کے نیچے بیٹھے ہوئے ہیں حضرت عباس جلدی جلدی دوڑے دوڑے اور زور زور سے پکارتے ہوئے آرہے تھے کہ میرے بھتیجے کے ساتھ نرمی اور رواداری سے کام لینا میں اس کی طرف سے بیعت کا ضامن ہوں اور جب آئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے چھو دیا پس انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو چھوڑ دیا۔

(۴) صاحب ناسخ التواریخ نے ص ۷۰ پر بیعت کے اقرار اور اس کے

جبر و اکراہ کے ساتھ ہونے کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا قصۂ بیعت امیر المؤمنین علی علیہ السلام با ابو بکر بروایت مردم شیعی نیز مرقوم افتاد و علماء اثنا عشریہ بر صدق دعویٰ خود از روات و روایات اہل السنت حجت کنند از جملہ تحریق در سرائے فاطمہ وزدن عمر در را بہ پہلوئے فاطمہ وسقط محسن وکشیدن علی علیہ السلام را ملبباً۔ بسحد بیشتر از علماء سنت را استوار نمی افتد شگفت آنست کہ ابن ابی الحدید در ذیل قصۂ سقیفۂ بنی ساعدہ میگوید مردم شیعی در تقریر ایں روایات و تحریق. باب وسقط محسن متفرد اند ص ۶۷

امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیعت کا قصہ شیعی علماء اور روات کے مطابق بھی ذکر ہو چکا اور علماء اثنا عشریہ اپنے دعویٰ کی صداقت پر اہل السنت کے راویوں اور ان کی روایات سے استدلال پیش کرتے ہیں منجملہ جن کے حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کے مکان کا دروازہ جلانا اور دروازہ کا ان کے پہلو پر گرانا اور حضرت محسن کا ساقط ہو جانا اور حضرت علی علیہ السلام کے گلے میں کپڑا ڈال کر مسجد کی طرف گھسیٹنا علماء اہل السنت کے نزدیک درست نہیں ہے اور تعجب کی بات یہ ہے کہ ابن ابی الحدید نے سقیفہ بنو ساعدہ کے قضیہ کو بیان کرتے ہوئے کہا کہ شیعہ لوگ جبر و اکراہ وغیرہ اور حضرت محسن کے اسقاط اور دروازہ کے جلانے کی روایات کے ساتھ منفرد ہیں کوئی سنی ان کے ساتھ شریک نہیں ہے۔

دنوٹ ۱ اور صاحب ناسخ التواریخ نے بھی نقل کیا ہے کہ ابن ابی الحدید نے۔

ابو جعفر نقیب بصرہ رئیس فرقہ اثنا عشریہ کے حوالہ سے لکھا کہ میں نے کہا کیا میں تمہاری طرف سے یہ روایت بیان کروں کہ حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کے ساتھ اس طرح تشدد ہوا اور آپ کا حمل ساقط ہو گیا تو اس نے کہا لا تروہ عنی ولا تروعنی بطلانہ فانی متوقف فی ھذا الموضع لتعارض الاخبار عندی نہ میری طرف سے اس امر کے صحیح ہونے کی روایت کرنا اور نہ ہی اس کے بطلان کی کیونکہ میں اس مقام میں توقف اور تردد کا شکار ہوں۔ کیونکہ اس مقام پر مروی روایات باہم متعارض ہیں

جب خود رؤسا، علماء شیعہ کو تردد اور توقف ہے تو اس کو اہل السنت کے سر تھوپنے کا جواز کیا ہو سکتا ہے اور ان روایات کے ذریعے ان ائمہ ہدیٰ اور خلفاء راشدین کی ذوات قدسیہ کو مورد طعن و تشنیع بنانے کی وجہ کیا ہو سکتی ہے؟ البتہ صاحب ناسخ التواریخ نے "بردن علی علیہ السلام را بمسجد بعنبر برائے بیعت ابوبکر موافق روایت شیعی" کا عنوان قائم کر کے ص ۷۵ دروازہ جلانے کی دھمکی کا ان الفاظ میں تذکرہ کیا ہے "فالجأھا قنفذ الی عضادۃ بیتھا و دخلھا فکسر ضلعا من جنبھا فالقت جنینا فالقت جنینا من بطنھا) نعوذ باللہ منہا

لمحۂ فکریہ! (۱) علامہ ڈھکو صاحب تو کہتے تھے کہ بیعت ہوئی ہی نہیں اور صاحب ناسخ التواریخ اس کا قائل ہی نہیں مگر ناظرین کرام نے دیکھ لیا کہ یہ صاحب نہ صرف بیعت کا قائل ہے بلکہ ایسے بھونڈے انداز اور ذلیل طرز بیان کے ساتھ کہ کوئی غیرت مند انسان ان حالات میں زندہ رہنا گوارا ہی نہیں کر سکتا چہ جائیکہ جا کر پھر بیعت کرے اور گھر واپس آ کر آرام سے بیٹھ جائے اور شیر خدا بھی کہلائے اور فاتح خیبر بھی اور اعلان بھی یہ فرمائیں المنیۃ ولا الدنیۃ (نہج البلاغۃ) کہ موت اختیار کی جا سکتی ہے لیکن ذلت اور حقارت برداشت نہیں کی جا سکتی الغرض ڈھکو صاحب کے حق میں ہم آیت ملاحم پڑھنے کا حق پوری طرح محفوظ رکھتے ہیں۔

(۲) نیز شیر خدا رضی اللہ عنہ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر عملدرآمد نہ کرنے والے اور خلاف فرمان کا ارتکاب کرنے کا مورد طعن بھی ثابت کر دیا کیونکہ آپ کا تو ارشاد یہ تھا اگر معاون و مددگار نہ ملیں تو بیعت کر لینا لیکن آپ نے بیعت نہ کر کے حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کی سخت توہین کرائی اور ان کی ہتک حرمت کا موجب بنے

(۳) علاوہ ازیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی لخت جگر کی توہین ہوتی دیکھ کر چپ چاپ رہنا اور اس کا بدلہ نہ لینا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کون۔

سی عقیدت اور محبت کی دلیل ہے اگر یہ واقعات درست ہیں
تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ نے عزت مصطفوی اور
عزت زہرا رضی اللہ عنہا کو بھی کوئی اہمیت نہ دی۔

(۴) پھر تقیہ کس لیے ایجاد کیا گیا تھا جیسے کہ حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز
نے فرمایا کہ تقیہ کرنا ہوتا تو نوبت اس صورت حال تک نہ پہنچتی اور اگر ان حالات
میں بھی تقیہ نہیں کیا تو اس کا جواز بھی ختم ہو گیا چہ جائیکہ اس کا عین ایمان ہونا یا نوے
فیصد دین کا اس میں منحصر ہونا لہٰذا یہ دعوی سراسر لغو و باطل ٹھہرا

رجال کشی اور بیعت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ (ص ۱۲ احوال سلمان الفارسی رضی اللہ عنہ)

(۵) هولاء الذين دارت عليهم الرحی وابوا ان يبايعوا لابی بکر المقداد
وابوذر وسلمان الفارسی)
حتی جاؤوا باميرالمؤمنين مكرها فبايع‌ (یہ وہ تین حضرات تھے مقداد، ابوذر اور
سلمان الفارسی جن پر اسلام کی چکی گردش کر رہی تھی اور دوسرے نعوذ باللہ مرتد ہو چکے
تھے) اور انہوں نے ابوبکر (صدیق رضی اللہ عنہ) کے ساتھ بیعت کرنے سے انکار
کر دیا تھا حتی کہ امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مجبور کر کے لائے تو انہوں
نے بیعت کر لی (اور ان تینوں نے بھی)

احتجاج طبرسی اور بیعت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ (ص ۴۸ مطبوعہ مشہد)

(۶) ثم تناول يد ابی بکر فبايعه ۔ پھر آپ نے ابوبکر صدیق کا ہاتھ پکڑا،
اور ان کے ساتھ بیعت کی۔

(۷) ما من الامة احد بايع مكرها غير علی واربعتنا یعنی امت رسول خدا صلی اللہ
علیہ وسلم میں سے کسی نے بھی مجبور ہو کر بیعت نہیں کی تھی ماسوائے حضرت علی رضی اللہ عنہ
کے اور ہم چار کے (ص ۴۵)

(نوٹ) اس روایت سے واضح ہو گیا کہ تمام بنو ہاشم اور بنو عبد المطلب نے بطیب خاطر
رغبت بیعت کر لی تھی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بیعت کرنے کا انتظار نہیں۔

کیا تھا بلکہ بقول شیعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی انتہائی منت سماجت کے باوجود اور
ان کو ہمنوا بنانے کی آخری حد تک سعی و کوشش اور جد و جہد کے باوجود انہوں نے
آپ کا ذرہ بھر تعاون نہ کیا۔ ذرا عبارت ملاحظہ و مشاہدہ کر کے خود فیصلہ کرو کہ ان
محبوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو محبت کے رنگ میں کس طرح غیر اہم اور ناقابل
التفات اور خلافت و امامت کے لیے غیر موزوں ثابت کر دکھلایا ہے کہ اپنے
انتہائی قریبی رشتہ دار بھی آپ کو خاطر میں نہیں لاتے تھے۔

فلما توفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اشتغلت بغسلہ وتکفینہ
(الی) ثم اخذت بید فاطمۃ وابنی الحسن والحسین فدرت علی اھل
بدر واھل السابقۃ فناشدتھم حقی ودعوتھم الی نصرتی فما
اجابنی الا اربعۃ رھط سلمان وعمار وابو ذر والمقداد ولقد راودت
فی ذلک بقیۃ اھل بیتی فابوا علی الا السکوت (احتجاج طبرسی ص ۲۸)

(جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا تو میں آپ کے غسل اور
کفن و دفن میں مشغول رہا۔ پھر میں نے قسم کھائی کہ چادر اس وقت تک
نہیں اوڑھوں گا جب تک قرآن جمع نہ کر لوں چنانچہ اس کو جمع کر چکا تو
میں نے حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کا ہاتھ پکڑا اور اپنے دونوں
صاحبزادوں حسن و حسین کا اور اہل بدر اور سابقین اسلام کے گھروں پر
گیا۔ انہیں اپنے حق کا واسطہ دیا اور اپنی مدد کی طرف بلایا لیکن میری
دعوت کو سوائے چار کے کسی نے قبول نہ کیا یعنی ابو ذر سلمان فارسی
عمار بن یاسر اور مقداد رضی اللہ عنہم اور البتہ تحقیق میں نے اس معاملہ میں
اپنے بقیہ اہل بیت کو اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کی لیکن سب نے
صرف سکوت اور خاموشی پر اکتفا کیا اور میرے مطالبہ کو بالکل نظر انداز
کیا اور درخور اعتنا و التفات ہی نہ سمجھا)

خلافت کے لیے اس قدر سر توڑ کوشش اور حضرت زہرا کی عزت و حرمت کو

کو بھی داؤ پر لگا دینے کے باوجود کوئی ووٹ نہ ملے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ
نعوذ باللہ مہاجرین وانصار تو درکنار خود اہل بیت اور بنو ہاشم و بنو عبد المطلب میں بھی
آپ کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا تھا اور ناقابل توجہ اور التفات سمجھا گیا تھا حقیقت یہ ہے
کہ اہل تشیع کی یہ دوستی اور محبت دراصل بدترین دشمنی ہے اور ایسی دشمنی کہ جس کے
بعد آپ کے کسی دشمن کو دشمنی کرنے کی ضرورت بھی نہیں رہ جاتی۔

ہوئے تم دوست جس کے دشمن اس کا آسمان کیوں ہو۔

کتاب الروضۃ للکافی اور بیعت مرتضیٰ رضی اللہ عنہ۔ (ص ۱۳۹)

(۹) بایع مکرھا حیث لم یجد اعوانا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مجبور ہو کر بیعت
کی کیونکہ آپ کو معاون و مددگار میسر نہیں تھے مفصل روایت مذہب شیعہ میں حضرت
شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز کے قلم سے آ رہی ہے۔

تنزیہ الانبیاء مؤلفہ سید مرتضیٰ علم الھدیٰ اور بیعت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

(۱۰) فاما البیعۃ فان ارید بھا العرض والتسلیم فلم یبایع امیر المؤمنین
علیہ السلام القوم بھذا التفسیر علیٰ وجہ من الوجوہ ومن ادعی
ذلک کانت علیہ الدلالۃ فانہ لا یجدھا وان ارید بالبیعۃ الصفقۃ
واظھار الرضا فذالک مما وقع عنہ الخ (تنزیہ الانبیاء ص ۱۳۸)

لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حضرت ابوبکر صدیق کے ساتھ بیعت جس کا اہل سنت
والجماعت نے دعویٰ کیا ہے، تو اس بیعت سے اگر ان کی مراد ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ
کی تسلیم و رضا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بایں معنیٰ ان کے ساتھ بالکل بیعت نہیں
کی اور جس کا یہ دعویٰ ہے اس پر دلیل پیش کرنا لازم ہے اور کوئی دلیل اس دعویٰ
پر نہیں پائے گا اور اگر اس بیعت سے مراد ہے ہاتھ میں ہاتھ دینا اور تسلیم و رضا کا
اظہار کرنا تو یہ بیعت واقعی آپ کی طرف پائی گئی ہے۔

جب شیعہ کا یہ عظیم مناظر اور متکلم اور ممتاز اصولی اس بیعت ظاہرہ کو تسلیم کر رہا ہے
تو پھر علامہ ڈھکو صاحب کے لیے اس بیعت سے انکار کیا گنجائش ہو سکتی ہے؟ رہ گیا دل

کا معاملہ تو وہ اللہ علیم و خبیر جانتا ہے شریعت مطہرہ کا دارومدار ظاہر پر ہے نیز اگر ظاہری بیعت کارآمد اور سودمند نہ ہوتی تو حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما اس پر اصرار کیوں کرتے اور بقول شیعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس سے انکار کیوں کرتے ۔ جب ان کا انکار ختم ہو گیا اور انکا اصرار پورا ہو گیا تو اس بیعت کی احادیث اور حجیت واضح ہو گئی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے اسی ظاہری بیعت والے عذر کو مسترد کرتے ہوئے اسی کو حقیقی بیعت قرار دیا اور دل و جان سے صادر ہونے والا عہد اور پیمان ۔

"بیعت مرتضوی کا ثبوت بروایات متواترہ"

الغرض ان کے علاوہ بہت سی روایات اس مضمون کی وارد ہیں جو متواتر معنوی کے قبیل سے ہیں جن میں بیعت کا اقرار تو کیا گیا ہے ۔ لیکن شیر خدا رضی اللہ عنہ کو مجبور ردو بے بس اور گلے میں رسی ڈلوائے یا تلواروں کے سائے میں بیعت کرتے دکھایا گیا ہے ۔ ابو جعفر طوسی صاحب نے تلخیص میں اس کے تواتر کا اقرار کیا ہے عبارت ملاحظہ ہو ۔

معنیٰ کل خبر مما ذکرناہ وان کان وارداً عن طریق الاحاد فان معناہ الذی تضمنہ متواتر بہ والمعول علی المعنی دون اللفظ ومن استقری الاخبار وجد معنی اکراھہ علیہ السلام علی البیعۃ و انہ دخل فیہا مستدفعاً للشر وخوفا من تفرق کلمۃ المسلمین الخ

(ان روایات کے اخبار آحاد ہونے والے توہم کے جواب میں)

ہم کہتے ہیں کہ اگرچہ الفاظ کے لحاظ سے ہر ایک خبر واحد ہے مگر معنی کے لحاظ سے متواتر ہیں اور اعتماد و اعتبار معنی کا ہوتا ہے نہ کہ الفاظ کا اور جو شخص بھی اس ضمن میں وارد روایات کا تتبع کرے تو آپ کے بیعت پر مجبور ہونے کی حقیقت اس پر واضح ہو جائے گی اور یہ کہ آپ شر و فساد کو دور کرنے کے لیے اور اہل اسلام کی وحدت کو پراگندگی سے بچانے کے لیے بیعت کرنے والوں میں شامل ہوئے۔

الغرض ثبوت بیعت تو متواتر طریقہ سے ہو گیا جس کا انکار دوپہر کے سورج کے انکار کے مترادف ہے رہا جبر و اکراہ اور مجبوری و بے بسی کا معاملہ تو اس کا عقلی اور نقلی وجوہ سے رد شیخ الاسلام کے سابقہ کلام میں بھی موجود ہے اور آگے بھی متعدد مقامات پر اس پر رد و قدح کا بیان آ رہا ہے جس میں بنظر انصاف غور کرنے سے جبر و اکراہ کا افسانہ بیخ و بن سے اکھڑ جاتا ہے اور اس جال کا بیت عنکبوت سے بھی کمزور تر ہونا واضح ہو جاتا ہے۔

"حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیعت مرتضیٰ رضی اللہ عنہ"

چونکہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے آپ کو خلافت کے لیے نامزد فرمایا اور آپ کے لیے وثیقہ خلافت لکھ کر اس پر بیعت لی تھی للذا کسی کی خلاف ورزی اور انکار بیعت کا سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لیے یہ بیعت عند الکل مسلم اور متفق علیہ ہے چنانچہ ناسخ التواریخ میں مرقوم ہے کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر بن الخطاب کو نصیحت و وصیت فرمانے کے بعد حاضرین اور موجودین سے کہا: اے مردمان! عمر بن الخطاب را بامامت شما گماشتم آیا بداں راضی شدید یا کسی را استکبارے و استنکارے است گفتند آنچہ فرمان کنی سر از اطاعت تو برنتابیم۔

(ص ۲۱۵ جلد دوم از کتاب دوم)

اے لوگو! میں نے عمر بن الخطاب کو تمہاری امامت کے لیے منتخب اور نامزد کیا ہے کیا تم اس پر راضی ہو گئے ہو یا کسی کو اس پر انکار ہے اور اس سے اعراض تو سب نے یک زبان ہو کر کہا جو حکم دو ہم آپ کی اطاعت سے سر نہیں پھیر سکتے اور ابن ابی الحدید نے اس مقام پر یہی مضمون نقل کیا ہے کہ جب عہد خلافت اور وثیقہ امامت کی کتابت ہو گئی تو آپ نے حکم دیا کہ اس کو لوگوں کے سامنے پڑھا جائے اور انہیں آگاہ کیا جائے چنانچہ کہتے ہیں ثم اتم العھد وامران یقرء علی الناس فقرء علیھم (جلد اول ص ۱۶۵)

علاوہ ازیں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے منتخب ارکان شوریٰ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا شامل ہونا اس حقیقت کا روشن برہان ہے کہ جب شوریٰ میں شمولیت اختیار کر رہے ہیں اور اس کے فیصلہ کو تسلیم کرنے پر تیار ہیں تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خلافت پر آپ کو کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ شوریٰ میں شامل ہو کر آپ نے عملی طور پر ثابت کر دیا کہ میں خلافت و امامت کے لیے نامزد نہیں تھا اور جو فیصلہ شوریٰ کرے گی مجھے اس کا انکار نہیں ہوگا اور نہ اس سے انحراف۔ تو اس سے حضرت عمر بن الخطاب کے حکم کا پابند ہونا اور ان کی خلافت کا قائل اور معترف ہونا اظہر من الشمس ہو گیا۔ مزید تفصیل آئندہ صفحات میں درج کی جائے گی۔

"حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیعت مرتضیٰ رضی اللہ عنہ"

جب شوریٰ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خلافت و امامت کے لیے نامزد کر دیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جو کچھ فرمایا وہ نہج البلاغہ سے پیش خدمت ہے۔

لقد علمتم انی احق بھا من غیری وواللہ لاسلمن ما سلمت امور المسلمین ولم یکن فیھا جور الا علی خاصۃ التماسًا لاجر ذلک وفضلہ وزھدًا فیما تنافستموہ من زخرفہ وزبرجہ۔

(نہج البلاغہ جلد اول ص ۱۲۶) یقیناً تمہیں معلوم ہے کہ میں خلافت کی بیعت لینے کا زیادہ

حقدار ہوں اور بندا میں ہر حال میں عثمان بن عفان کے لیے امر خلافت کو تسلیم کروں گا جب تک امور مسلمین سلامتی کے ساتھ انجام پذیر ہوتے رہے اور کسی پر ظلم اور زیادتی نہ ہوئی ماسوائے میرے میں اپنے اوپر اگر زیادتی ہوئی بھی تو اس کو اجر و ثواب حاصل کرنے کے لیے اور درجہ فضیلت کے حصول کی خاطر برداشت کروں گا اور اس امر خلافت سے زہد اور بے رغبتی ظاہر کرنے کے لیے جس کی آرائش و زیبائش میں تم نے میلان اور رغبت ظاہر کی ہے۔ فرداً فرداً خلفاء ثلاثہ کی بیعت کے دلائل و شواہد کے بعد اب ایک جامع خطبہ ملاحظہ فرمائیں۔

جامع خطبہ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا اور خلفاء ثلاثہ کی بیعت کا ثبوت،

یہ خطبہ آپ نے مصر کے ہاتھ سے نکل جانے اور آپ کے عامل و گورنر محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہما کے شہید ہونے کے بعد دیا جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح و ثناء اور رفعت و مرتبت کو بیان فرمایا پھر اہل اسلام کے امر خلافت میں نزاع و اختلاف کو اور اپنے بیعت سے ابتداء میں الگ رہنے اور اپنے آپ کو اس امر کا زیادہ مستحق سمجھنے کا تذکرہ کرنے کے بعد فرمایا۔

فلبثت بذلك ماشاء الله حتى رايت راجعة من الناس رجعت عن الاسلام يدعون الى محق دين الله وملة محمد صلى الله عليه وسلم فخشيت ان لم انصر الاسلام واهله ان ارى فيه ثلما او هدما يكون المصاب بهما على اعظم من فوات ولاية اموركم التى انما هى متاع ايام قلائل ثم يزول ما كان منها كما يزول السراب وكما يتقشع السحاب فمشيت الى ابى بكر فبايعته ونهضت فى تلك الاحداث حتى زاغ الباطل وزهق وكانت كلمة الله هى العليا ولو كره الكافرون ۔

فتولى ابوبكر تلك الامور فيسر وسدد وقارب واقتصد وصحبته مناصحا واطعته فيما اطاع الله فيه جاهدا وما طمعت ان

لو حدث به حادث وانا حی ان یرد الی الامر الذی نازعته فیه طمع مستیقن ولا یئست منه یأس من لا یرجوه ولولا خاصة ما کان بینه وبین عمر ظننت انه لا ید فعها عنی فلما احتضر بعث الی عمر فولاه فسمعنا واطعنا وناصحنا وتولی عمر الامر فکان مرضی السیرة میمون النقیبة، حتی اذا احتضر فقلت فی نفسی لن یعد لها عنی، لیس ید افعها عنی فجعلنی سادس ستة (الی) فاجمعوا اجماعا واحدا افصرفوا الولایة الی عثمان مهارجاء ان ینالوها وبتد اولوها اذ یئسوا ان ینالو بھا من قبلی ثم قالوا اھلم فبایع والا جاھد ناک فبایعت مستکرھا وصبرت محتسبا الخ (شرح حدیدی جلد ۴ صفحہ ۹۴، ۹۵، ۹۶)

پس میں اس حال میں رہا (یعنی خلوت نشین اور عزلت گزین رہا) جب تک کہ اللہ تعالیٰ نے چاہا پھر میں نے دیکھا کہ لوگوں کی خاص تعداد اسلام سے روگردانی کرنے لگی ہے اور وہ دوسروں کو اسلام کے مٹانے کی دعوت دیتے ہیں اور ملت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو نیست ونابود کرنے کی کوشش میں ہیں تو میں نے یہ خطرہ محسوس کیا کہ اگر اس وقت میں اسلام اور اہل اسلام کی مدد نہ کروں تو اس کے مضبوط قلعہ میں دراڑیں پڑ جائیں گی درہم برہم ہو کر رہ جائے گا جس کی وجہ سے مجھ پر مصیبت اور پریشانی اس سے زیادہ ہو گی جو کہ امور مسلمین کی ولایت اور خلافت کے ہاتھ سے نکلنے کی وجہ سے لاحق ہوئی جو کہ صرف چند دنوں کی متاع ہے اور پھر اسی طرح زائل ہو جانے والی ہے جس طرح سراب زائل ہوتا ہے یا بادل چھٹ جاتا ہے۔

تو میں ابو بکر (صدیق رضی اللہ عنہ) کی طرف چل کر گیا اور ان کے ہاتھ پر بیعت کی اور اسلام کے خلاف اٹھنے والے فتنوں اور

حادثات میں اہل اسلام کا ہاتھ بٹانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا اور اپنی پوری
قوت صرف کر دی حتی کہ باطل کا رخ پھر گیا اور وہ بھاگ گیا اور اللہ تعالی
کا کلمہ توحید اور علم شریعت بلند ہو گیا اگرچہ کفار اس کو پسند نہیں کرتے تھے
تو ابو بکر ان امور کے متولی و متصرف ہوئے انہوں نے لوگوں پر آسانی
اور سہولت کا اہتمام کیا اور ثابت قدمی اور مضبوطی سے کام لیا اور
حق کی مقاربت اور میانہ روی کو اختیار کیا اور میں نے ان کی پورے
خلوص اور ہمدردی کے ساتھ مصاحبت اور موافقت کی۔ اور
اللہ تعالی کی اطاعت پر مشتمل تمام امور میں ان کی فرمانبرداری میں پوری
قوت صرف کی اور میں نے کبھی یہ طمع نہ کیا کہ اگر ان کو حادثہ موت پیش
آئے اور میں اس دوران زندہ ہوں تو اس امر خلافت کو میری طرف
لوٹائیں جس میں میں نے ان کے ساتھ اختلاف کیا تھا۔ نہ اس طرح
کا حتمی طمع اور پختہ آرزو تھی۔ اور نہ ہی میں اس سے مکمل طور پر مایوس
تھا۔ جیسے بالکل اس کی امید ہی نہ ہو اور اگر عمر بن الخطاب اور ان
کے درمیان خصوصی تعلقات در وابط نہ ہوتے تو مجھے غالب گمان یہی
تھا کہ وہ مجھ کو خلافت سے دور بھی نہ رکھتے۔

چنانچہ جب ان کا وقت وفات قریب آگیا تو انہوں نے
عمر بن الخطاب کو بلایا اور امور خلافت کا والی بنا دیا تو ہم نے ابو بکر کے
وصیت نامہ اور وثیقہ خلافت کو قبول کیا۔ اس کی اطاعت کی اور خلوص و
ہمدردی میں کوئی کمی اور کوتاہی روا نہ رکھی پس عمر بن الخطاب متولی امور
خلافت بنے تو وہ پسندیدہ سیرت نکلے اور بابرکت خلافت اور ولایت
والے ثابت ہوئے (جنہوں نے سرحدات اسلام کو بہت وسیع
کر دیا اور قیصر و کسری کی سلطنتوں کو پامال کر دیا)
جب ان کا وقت وفات قریب آیا تو میں نے دل میں کہا

یہ ہرگز مجھ سے خلافت کو دوسری طرف نہیں پھیریں گے اور اس کو
ہرگز مجھ سے دور نہیں کریں گے لیکن انہوں نے اس کو شوریٰ پر چھوڑا
اور مجھے ان میں سے چھٹا فرد قرار دیا (تا) چنانچہ شوریٰ نے مکمل اتفاق کے
ساتھ اس کو عثمان کے حوالے کر دیا اس امید پر کہ وہ خود بھی اس کو پا لیں
گے اور یکے بعد دیگرے ان کو بھی خلافت کا شرف اور اعزاز حاصل
ہوتا رہے گا جب کہ میری طرف سے انہیں مایوسی تھی پھر انہوں نے
مجھ سے مطالبہ کیا کہ آؤ اور عثمان کے ساتھ بیعت کرو ورنہ ہم تمہارے
خلاف جہاد کریں گے تو میں نے بادل ناخواستہ بیعت کی اور اللہ تعالیٰ کی
طرف سے حصول ثواب کی امید پر صبر کیا۔ انتھی۔

اس طویل خطبہ سے حضرت ابوبکر، حضرت عمر، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے
ساتھ بیعت کرنا اور شیخین رضی اللہ عنہما کے ساتھ مکمل اخلاص اور ہمدردی کا اظہار اور
ان کی سیرت اور عملی زندگی پر مکمل اطمینان کا اظہار موجود ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے
ساتھ بیعت میں اللہ تعالیٰ سے حصول ثواب کی امید رکھنے کا ذکر ہے۔ جو قلبی ارادہ اور
نیت خالصہ کے بغیر ممکن نہیں لہٰذا اس میں طبیعت پر جبر کرنا تو ثابت ہوتا ہے لیکن کسی کا
اس شیر خدا کو مجبور و بے بس کر کے بیعت کرا لینا قطعاً ثابت نہیں ہوتا۔

الغرض تینوں حضرات کے ساتھ بیعت ثابت ہوگئی اور یہ خطبہ اگرچہ ہم نے ابن ابی
الحدید کی شرح سے نقل کیا ہے لیکن اس کے بیشتر حصے شریف مرتضیٰ نے نہج البلاغہ میں ذکر
کئے ہیں اور بالکل انہی الفاظ کے ساتھ ملاحظہ ہو نہج البلاغہ مصری جلد ثانی ص ۱۵۷، ۱۵۸ اور
شرح ابن میثم جلد پنجم ص ۲۰۱ اور اسی خطبہ کا آخری حصہ واللہ لو لقیتہم واحداً وہم طلاع الارض الخ
نہج البلاغہ میں ص ۱۰۴ و ص ۱۶۰ پر موجود ہے اور ابن میثم میں ص ۲۰۱، ۲۰۲ جلد پنجم پر موجود
ہے لیکن وہ اس آخر میں مکمل خطبہ نقل کرنے کی پابندی قبول نہیں کرتا کہ میں نے صرف فصاحت و
بلاغت کے اعلیٰ معیار پر پورے اترنے والے جملے نقل کرنے ہوتے ہیں اس لیے
خطبہ مکمل ذکر نہیں کرتا اور دوسرے شراح حضرات پورے خطبے نقل کرتے ہیں۔

لہٰذا ناچار انہیں کی زبانی اس کا اندراج کرنا پڑتا ہے اور خطبہ کی صحت عند المؤلف اس کے منتخب جملوں کی شناخت کے بعد بالکل بے غبار ہو جاتی ہے۔ علاوہ ازیں چونکہ ابن ابی الحدید تفضیلی شیعہ ہے بلکہ اصحاب صفین اور اصحاب جمل کے حق میں بالکل شیعوں والا عقیدہ رکھتا ہے سوائے حضرت صدیقہ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم کے اس لیے بھی اس کی نقل عند الشیعہ لازماً حجت ہے نیز یہ شرح اس نے ابن علقمی جیسے متعصب اور اہل السنت کے ساتھ غداری کرنے والے غالی شیعہ کی لکھوائی ہوئی ہے اور اسی کے اخراجات پر اس کی تالیف ہوئی ہے لہٰذا اس کے متعلق چون و چرا کی شیعہ صاحبان کو کوئی گنجائش نہیں ہو سکتی۔

یہی مضمون ناسخ التواریخ جلد سوم کتاب دوم ص ۲۹۷ تا ۲۹۹ پر موجود ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھ مبارک سے لکھ کر عمرو بن الحمق، حجر بن عدی، حارث اعور اور عبد اللہ بن سبا کے حوالے فرمایا، اس اجمال کی تفصیل صاحب ناسخ کی زبانی سماعت فرمادیں حدیث کردہ اند کہ عمرو بن الحمق و حجر بن عدی و حارث الاعور و عبد اللہ بن سبا بعد از شہادت محمد بن ابی بکر حزن آنحضرت بر شہادت او بر امیر المومنین آمدند و عرض کردند یا امیر المومنین درحق ابوبکر و عمر چہ فرمائی، امیر المومنین فرمود آیا از غلبۂ دشمن بر فتح مصر و قتل شیعیان من بدست اعداء شما را الم و فزعے رسیدہ باشد من مکتوبے از بہر شمار قوم دارم و شمارا ازآنچہ پرسش کردید آگاہی میدہم و از شما میخواہم کہ آں مکتوب را از بر کنید و بر شیعیان من قرات کنید و ازآنچہ حق مرا ضائع کردہ اند باز نمائید و اعوان و انصار من باشید و آں مکتوب را بدیشاں فرستاد۔

علماء حدیث نے یہ حدیث نقل کی ہے کہ حضرت محمد بن ابی بکر کی شہادت کے بعد اور حضرت امیر المومنین کے ان کی شہادت پر سخت غمگین اور رنجیدہ خاطر ہونے کے بعد عمرو بن الحمق، حجر بن عدی، حارث اعور اور عبد اللہ بن سبا آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا اے امیر المومنین ابوبکر اور عمر (رضی اللہ عنہ) کے متعلق آپ کا کیا ارشاد ہے؟ آپ نے فرمایا کہ مصر پر دشمن کے غلبہ اور فتحمندی کی وجہ سے

اور میرے طرف داروں کے اعداء و مخالفین کے ہاتھ قتل ہو جانے کی وجہ سے تمہیں
رنج والم اور فزع وجزع لاحق ہوا ہے۔ میں تمہارے لیے ایک خط تحریر کرتا ہوں اور
جو کچھ تم نے دریافت کیا ہے اس سے تمہیں آگاہ کرتا ہوں اور میں چاہتا ہوں کہ تم
اس مکتوب کو خود بھی یاد کرو اور میرے متعلقین پر اس کی قراءت کرو اور جنہوں نے
میرے حق کو ضائع کیا ہے ان کو واضح کرو اور میرے معاون و مددگار رہو پھر یہ
خط ان کی طرف بھیجا اور اس کے الفاظ اور مضمون بالکل وہی ہے جو شرح حدیدی
کے حوالے سے نقل ہو چکے ہیں اور اس پر تبصرہ بھی ہدیۂ ناظرین ہو چکا۔ دوبارہ اس
کا بنظر مطالعہ کریں اور اس عبارت کو ساتھ ملا کر یہودی اور سبائی ذہنیت اور
موقعہ سے فائدہ اٹھانے کی سعی مذموم کو ملاحظہ فرمادیں کہ جب حضرت امیر المومنین کو غمزدہ
دیکھا اور رنجیدہ خاطر پایا تو فوراً انہیں ان اسباب رنج والم کو حضرت ابوبکر اور حضرت عمر
کے کھاتے میں ڈالنے اور ان کے ذمہ لگانے کی طرف ترغیب دی اور مائل کیا یعنی اگر
روز اول سے خلافت آپ کو مل جاتی تو یہ صورت حال پیش نہ آتی لہذا ان تمام پریشانیوں
اور غموم و آلام کے باعث اور سبب موجب وہی ہیں مگر حضرت امیر کے مکتوب نے ان
کی سعی مذموم پر پانی پھیر دیا لیکن انہوں نے عوام کالانعام میں اپنی اس ذہنیت اور نظریہ
کو رائج کرنے میں کسی حد تک کامیابی حاصل کر لی اور معدودے چند لوگ ان کے
دام تزویر میں آگئے اور رفتہ رفتہ اس نظریہ فاسدہ پر حب اہل بیت کی ملمع کاری کر کے
ان سبا کے تلانذہ اور مسترشدین نے اس کو مزید ترقی دی اور ایک مستقل مذہب بنا ڈالا)

فائدہ جلیلہ ۔ اس خطبے اور دیگر کئی خطبات میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بیعت کے
متعلق یہ ایثار اور جذبہ مذکور ہے کہ اسلام دشمن قوتوں کے برے اور ناپاک عزائم خاک
میں ملانے کے لیے آپ نے ابوبکر صدیق کی بیعت کی اور اہل اسلام کا پورا پورا ساتھ
دیا جس سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ اگر آپ کو ان حضرات کے خلاف
کوئی شکایت تھی تو وہ برادرانہ شکر رنجی اور ارمان کی حد تک تھی نہ کہ ایمان و کفر اور
اخلاص و نفاق والا اختلاف پیدا ہو گیا تھا ورنہ پھر ان کے ساتھ بیعت کر کے اسلام کو

۔ترقی دینے اور کفر و باطل کو مغلوب کرنے کا مطلب کیا ہو سکتا تھا بلکہ خاکم بدہن منکرین زکواۃ اور دیگر مرتدین کی اعانت یا برسر اقتدار لوگوں کی اعانت برابر تھی ۔

علاوہ ازیں اس خطبہ سے یہ تو واضح ہو گیا کہ ارتداد کی لہر اٹھی تھی اور اسلام کے لیے خطرات پیدا ہو گئے تھے ۔لیکن جو جماعت اسلام کے تحفظ کے لیے سر بکف اور کفن بر دوش ہو کر میدان میں اتری وہ کونسی تھی وہ بھی مہر نیم روز کی طرح واضح ہو گیا اب قرآن مجید اور ثقل اکبر کی شہادت کو ثقل اصغر کی شہادت کے ساتھ ملا کر نتیجہ دیکھئے اور ایمان و امانت اور دین و دیانت کے تقاضا کو پورا کرتے ہوئے حقیقت کے اعتراف میں کسی بھی ہچکچاہٹ کا مظاہرہ نہ کیجئے اور اس جماعت خدا آگاہ اور حق نما اور باطل شکن کی عظمت خداداد کو سلام کیجئے ۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے ۔

”یاایها الذین آمنوا من یرتد منکم عن دینه فسوف یاتی الله بقوم یحبهم و یحبونه اذلة علی المؤمنین اعزة علی الکافرین یجاهدون فی سبیل الله ولا یخافون لومة لائم“

اے ایمان والو اگر تم میں سے کچھ لوگ مرتد ہوئے تو اللہ تعالیٰ ایسی قوم لائے گا جن سے وہ محبت کرتا ہے اور وہ اس سے محبت کرتے ہیں مومنین پر نرم اور مہربان ہیں اور کفار مشرکین پر عزیز و غالب ، اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والے اور اس راہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے ذرہ بھر اندیشہ اور خوف رکھنے والے نہیں ہیں ۔

کیا یہ صفات کاملہ اور اخلاق عالیہ اور امتیازی علامات اس جماعت مقدسہ کے نہیں جنہوں نے جھوٹے نبیوں کو صفحۂ ہستی سے مٹایا اور ان کی پھیلائی ہوئی گمراہیوں سے عالم عرب کے دامن کو صاف کیا اور منکرین زکواۃ کا قلع قمع کیا جب اس جماعت کی شان یہ ہے تو اس کے سربراہ کی عظمت کا انکار کون بدبخت کر سکتا ہے اور ان کو ان اعزازات اور کرامات سے محروم رکھنے کی کوشش کون سا شقی کر سکتا ہے ۔

"عقیدۂ مرتضویہ اور عقائد صحابہ کا توافق"

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے شوریٰ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی نامزد فرمایا اور آپ نے اس میں شمولیت اختیار فرمالی اگر مذہب اور عقیدہ میں اختلاف ہوتا اور ان حضرات کو آپ کے متعلق ذرا بھی اندیشہ مذہبی اختلاف کا ہوتا تو اس طرح کی نامزدگی کا کوئی امکان نہ تھا اور دوسرے حضرات کو بھی اس قسم کا گمان ہوتا تو پہلی دفعہ ہی آپ کے خلاف یہ حربہ استعمال کیا جاتا اور آپ کو نکال باہر کیا جاتا جس سے صاف ظاہر کہ آپ کا مذہب اور عقیدہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کے نزدیک وہی تھا جو ان کا اپنا تھا خدا جانے سبائی پارٹی کو کہاں سے یہ غیبی علوم ہاتھ لگ گئے اور آپ کا علیحدہ مذہب اور عقیدہ کس طرح معلوم کرلیا جو کم از کم برصغیر کی تاریخ میں چودھویں صدی سے قبل خود اولاد مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو بھی معلوم نہ ہوسکا۔ صرف اس صدی میں دولت اور امارت کے نشہ میں چور چند افراد اپنے اسلاف کے عقیدہ اور مذہب سے برگشتہ ہوکر اس دام تزویر میں پھنسے ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم ورنہ ان سے پہلے تیرہ صدیوں پر پھیلی ہوئی تاریخ اسلام اس حقیقت کا منہ بولتا ثبوت ہے کہ اہل السنت کی امامت و قیادت علی مرتضیٰ کی اولاد رضی اللہ عنہم اور اہل بیت نبوی کے لاڈلوں کے پاس ہی رہی وہی اس مذہب و مسلک کے بانی اور معمار تھے اور اس کو اوج ثریا تک پہنچانے والے۔ والحمد للہ علی ذلک۔

مذہب شیعہ از حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے خدام خاص کا تعامل اور

طرز عمل

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اخص الخواص خدام حضرات جن میں حضرت سلمان فارسی
حضرت عمار بن یاسر اور حضرت مقداد اور حضرت ابوذر کے ہی نام آتے ہیں ان میں
سے تین حضرات نے خلافت فاروقی میں مختلف مناصب اور عہدے سنبھالے اور
حروب و قتال میں حصہ لیتے رہے جس کا اعتراف محقق طوسی نے ان الفاظ میں کیا ہے
تولی سلمان لعمر المدائن وکذلک تولی عمار رحمۃ اللہ علیہ الکوفۃ و نعقد
المقداد فی بعوث القوم۔ (ص ۴۰۲ تلخیص شافی ، ملخص) حضرت
سلیمان فارسی رضی اللہ عنہ مدائن میں حضرت عمرؓ کے نائب اور گورنر رہے اور اسی طرح عمار بن
یاسر رضی اللہ عنہ کوفہ میں عامل اور نائب رہے اور حضرت مقداد جنگوں میں شامل رہے
جس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ حضرات آپ کی خلافت پر رضامند تھے اور انہوں
نے آپ کو اپنا امیر اور سب مؤمنین کا امیر و امام تسلیم کر لیا تھا تو اس کے جواب

میں طوسی صاحب نے معروف حربہ کا سہارا لیا اور اس کو بھی تقیہ کے سایہ میں حلال اور مباح قرار دے دیا۔ محمد اشرف "

کتاب الشافی مع التلخیص ص ۴۰۲ سطر نمبر ۱۳ کا بھی مطالعہ کرتے چلیں جہاں شیر خدا رضی اللہ عنہ کے خواص کی بیعت اور ان مناصب اور عہدوں پر فائز ہونے کی وجہ ان لفظوں میں بیان کی گئی ہے۔

فان قیل تولی سلمان لعمر المدائن فلولا انه کان راضیا بذلك والالم یتول ذلك قیل ذلك ایضا محمول علی التقیة وما اقتضی اظهار البیعة والرضا یقتضیه ولیس لهم ان یقولوا ای تقیة فی الولایات لانه غیر ممتنع ان یعرض علیه هذه الولایات لیمتحن بها ویغلب فی ظنه انه ان عدل عنها وآباها نسب الی الخلاف واعتقدت فیه العداوة ولم یأمن المکروه وهذه حال توجب علیه ان یتولی ما عرض علیه وکذلك الکلام فی تولی العمار الکوفة ونفوذ المقداد فی بعوث القوم الخ اگر کہا جائے کہ حضرت سلمان حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لیے مدائن کے نائب اور عامل رہے تو لامحالہ آپ اس خلافت وامامت پر راضی تھے ورنہ اس عہدے کے متولی نہ ہوتے تو جواب میں یوں کہا جائے گا کہ یہ بھی تقیہ پر محمول ہے اور جو امر بیعت خلافت کے اظہار اور اس پر رضامندی ظاہر کرنے کا موجب بنا وہی موجب اور مقتضی یہاں بھی موجود ہے اور ہمارے مخالف یہ نہیں کہہ سکتے کہ ولایت عہدیں اور مناصب پر فائز ہونے میں کون سا تقیہ ہو سکتا ہے کیونکہ از روئے عقل یہ بات ناممکن اور محال نہیں ہے کہ جناب فاروق ان پر یہ عہدے پیش کر کے امتحان لیں اور ان کا غالب گمان یہ ہو کہ اگر ان عہدوں سے عدول واعراض کریں اور ان کے قبول کرنے سے انکار کریں تو ان کو مخالف سمجھا جائے گا اور ان کے حق میں بغض وعداوت کا اعتقاد پیدا ہو جائے گا اور خلیفۃ المسلمین کی طرف سے مکروہ اور ناپسندیدہ ردعمل اور انتقامی کاروائی سے بے فکر نہ ہوں اور یہ ایسی حالت ہے جو ایسے عہدے قبول کرنے پر مجبور کرتی

ہے اور ایسے ہی حضرت عمار کے کوفہ میں نائب بننے اور حضرت مقداد کے قوم کی طرف سے جنگوں میں شامل ہو کر دشمنان اسلام کے خلاف کارروائی کرنے کا جواب دیا جائے گا اب ظاہر ہے کہ ان حضرات کا یہ اقدام حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ارشاد اور صلاح و مشورہ کے بغیر ممکن نہیں جس سے خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کا تعامل اور تعاون و توافق ان حضرات کے ساتھ واضح ہو گیا۔ اس عبارت نے چند حقائق واضح کر دئے اول یہ ہے کہ سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خلفاء راشدین کے زمانہ خلافت میں حتی المقدور ان کی اطاعت فرمانبرداری میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا اور کوئی ایسا فعل اور عمل ظاہر نہیں ہونے دیا جس سے مخالفت معلوم ہو سکے اور کوئی ایسا کلام نہیں فرمایا جس سے ان کا آپس میں اختلاف معلوم ہو سکے دوسرا یہ کہ ان کی اطاعت اور فرمانبرداری کو ان حالات میں واجب یقین کرتے تھے۔ ملاحظہ ہو کتاب الشافی مع التلخیص مطبوعہ ایران ص ۲۹۸ جس پر مرقوم ہے کہ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اپنے ایک مخلص جاں نثار صحابی حضرت بریدہ کو حکم دیتے ہیں کہ تم ابوبکر صدیق کے ساتھ بیعت کرو: جاء بریدۃ حتی رکز رأیتہ فی وسط اسلم ثم قال لا ابایع الا ان یبایع علی بن ابی طالب فقال علی یا بریدۃ بیعاد خل فیہ الناس فان اجتماعھم احب الی من اختلافھم الیوم۔ حضرت بریدہ آئے اور اپنے قبیلہ اسلم کے وسط میں اپنا جھنڈا گاڑ دیا پھر کہا میں اس وقت تک بیعت نہیں کروں گا جب تک علی بن ابی طالب بیعت نہ کریں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے جاں نثار خادم کو حکم دیا کہ تم بیعت کرنے والے زمرہ میں شامل ہو جاؤ کیونکہ اجتماع بہ نسبت اختلاف کے مجھے بہت پسند ہے (اور اس روایت سے ذرا آگے دوسری روایت میں یہ تصریح موجود ہے ص ۲۹۸) کہ حضرت بریدہ کا قبیلہ بیعت صدیق سے انکاری تھا مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بریدہ کو بیعت کا حکم دے کر پورے قبیلہ کو حضرت ابوبکر کا حلقہ بگوش بنا دیا اور انہیں اختلاف و افتراق سے باز رکھا: عن موسی بن عبد اللہ بن الحسن قال ابت اسلم ان تبایع فقالوا ما کنا نبایع حتی یبایع بریدۃ لقول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لبریدۃ علی ولیکم من بعدی کہ قبیلہ اسلم نے

ابوبکر صدیق کی بیعت کرنے سے انکار کر دیا اور کہا جب تک بریدہ بیعت نہیں کریں گے
ہم بھی بیعت نہیں کریں گے کیونکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بریدہ کو فرمایا تھا علی میرے
بعد تمہارے ولی ہیں۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ صرف ایک حضرت بریدہ کا معاملہ
نہیں بلکہ قبیلہ کا معاملہ ہے اور وہ حضرت بریدہ کو اپنا قائد بنا کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی
طرف سے جہاد اور حرب وقتال کے لیے تیار ہیں لیکن آپ نے بیعت کا حکم دے کر نہ
صرف حضرت بریدہ بلکہ تمام قبیلہ کو حضرت ابوبکر کے تابع فرمان بنا دیا۔
اب اس تصریح کے ساتھ ذرا جبر واکراہ والی روایت کو ملا کر پڑھو اور اس کے بعد
اور نہیں تو شیعہ مذہب کا ماتم ہی کر لو۔

قیاس کن زگلستان من بہار مرا۔

تنبیہ اقول: زحمت نہ ہو تو ذرا احتجاج طبرسی کے حوالے سے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ
کے تقیہ اور مجبوری و بے بسی کے بہانے کا تار و پود ادھڑتا دیکھتے چلئے اور محققین شیعہ
اور ان کے ائمہ اسلام اور مؤلفین صحاح کا مکر و فریب اور ان کی دھوکہ بازی کا مشاہدہ
کرتے چلئے، احتجاج طبرسی مطبوعہ مشہد کے ص ۱۳۰ پر حضرت امیر عمر رضی اللہ عنہ کے تادیبی
خط کا جواب دیتے ہوئے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے لکھا:

واعلم انی لم اتوجه اسوسهم واقیم حدود الله فیهم الا
بارشاد دلیل عالم فنهجت بنهجه فیهم وسرت فیهم بسیرته
(الی) واعلم انك سید رکك عواقب ظلمك فی دنیاك وآخرتك
وسوف تسأل عما قدمت وعما اخرت والحمد لله۔

اس بات کا اچھی طرح یقین کر لیجئے کہ میں اہل مدائن کی سیاست و نگرانی
اور ان میں اقامت حدود اللہ کی طرف جو متوجہ ہوا ہوں (تو آپ کی خاطر
نہیں بلکہ) صرف اس ہستی کی وجہ سے اور ان کے حکم کے تحت جو دلیل
صحیح اور عالم ہیں اور میں ان میں انہیں کے طرز پر چلا ہوں اور انہیں کی
سیرت کے مطابق اور اس کا بھی یقین رکھئے کہ عنقریب تمہیں اپنے ظلم

کا نتیجہ اور انجام اپنی دنیوی زندگی میں اور آخرت میں پہنچ جائے گا اور ضرور بالفرد تم سے پہلے اور پچھلے کئے ہوئے امور کے متعلق سوال ہو جائے گا۔

اس جواب کو پڑھ کر کوئی بھی صاحب عقل یہ کہہ سکتا ہے کہ حضرت سلمان نے اپنے متعلق یا اپنے ہادی و رہنما اور دلیل و حجت کے متعلق کوئی پردہ اور خفا کی صورت چھوڑی ہے؟ کیا اس کو تقیہ کہا جاتا ہے کہ نائب ہو کر اپنے اصلی حاکم کو للکارے اور اس کو ظالم کہے اور عذاب دنیا و آخرت سے ڈرائے اگر طوسی صاحب سچے ہیں تو طبرسی صاحب جھوٹے ہیں اور طبرسی صاحب سچے ہیں تو طوسی صاحب نے جھوٹ بولنے کا ریکارڈ توڑ دیا ہے۔ محمد اشرف سیالوی غفرلہ

لیکن آئیے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا جو عمل محمد بن یعقوب کلینی نے بیان کیا ہے وہ بھی ملاحظہ کرتے چلیں تاکہ مرید و مرشد کے طرز عمل میں واضح تفاوت سامنے آسکے اور ان کے نہج اور سیرت پر چلنے کے دعویٰ کی حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہو جائے اور اس جگہ بھی تضاد آشکار ہو جائے (کتاب الروضہ ص ۱۲۹)

عن ابی جعفر علیہ السلام قال ان الناس لما صنعوا اذ بایعوا ابابکر لم یمنع امیر المؤمنین علیہ السلام ان یدعوا الی نفسہ الا نظراً للناس وتخوفا علیھم ان یرتدوا عن الاسلام فیعبدوا الاوثان ولا یشھدوا ان لا الہ الا اللہ وان محمدا رسول اللہ وکان الأحب الیہ ان یقرھم علی ما صنعوا من ان یرتدوا عن جمیع الاسلام وانما ھلک الذین رکبوا فامامن لم یصنع ذلک ودخل فیما دخل فیہ الناس علی غیر علم ولا عداوۃ لامیر المؤمنین علیہ السلام فان ذلک لا یکفرہ ولا یخرجہ من الاسلام فلذلک کتم علی علیہ السلام امرہ وبایع مکرھا حیث لم یجد اعوانا۔

حضرت امام جعفر صادق کے والد گرامی رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب کرتے ہوئے روایت کرتے ہیں کہ لوگوں نے جب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

کے ساتھ بیعت کرنی شروع کر لی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھ بیعت کرنے کے لیے لوگوں کو اس خوف سے نہ بلایا کہ لوگ پورے اسلام سے ہی مرتد نہ ہو جائیں اور بت پرستی نہ شروع کر دیں اور اللہ تعالیٰ کی توحید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی شہادت دینا ترک ہی نہ کر دیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو لوگوں کے مرید ہو جانے سے زیادہ پسندیہ بات تھی کہ لوگوں کو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بیعت پر برقرار رکھیں کیونکہ صدیق اکبر کی بیعت نہ تو لوگوں کو کافر بناتی تھی اور نہ ہی اسلام سے خارج کرتی تھی اس لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے امر کو چھپایا اور مجبور ہو کر بیعت کی جب کہ اپنا کوئی مددگار نہ بنایا۔

اہل عقل و ہوش تھوڑا سا غور اس بات پر بھی فرمالیں کہ جس بات کو شیر خدا جیسی عقلمند ہستی نے اور فہیم ترین شخصیت نے اس طرح چھپایا کہ اس زمانہ کے عقلمند اور مسلم ترین سیاستدان نہ سمجھ سکے اور شیر خدا رضی اللہ عنہ کو اپنے ہر معاملہ میں مشیر بنائے رکھا تو سینکڑوں برس کے بعد دور دراز ملک کے رہنے والوں نے شیر خدا رضی اللہ عنہ کی وہ قلبی کیفیت کیسے معلوم کر لی جو امام حسین رضی اللہ عنہ جیسے قریب ترین رشتہ دار کو اور لخت جگر کو معلوم نہ ہو سکی اور قریب ترین علم رکھنے والی ہستی کو معلوم نہ ہو سکی۔ پھر آپ نے تو اپنے امر کو پوشیدہ رکھا تو ان خواص اور نیاز مندوں کو آپ کے طریقہ کے برعکس اس کے اظہار کا اور تحریری ثبوت مخالفت کا فراہم کرنے کی جرات کیونکر ہوئی لہٰذا یا تو صاحب احتجاج نے حضرت سلمان پر جھوٹ باندھا اور یا پھر کلینی صاحب نے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر بہتان باندھا ہے۔

شیعوں کی کتاب کافی میں کئی جگہ شیر خدا رضی اللہ عنہ کا خلفاء راشدین کے ساتھ بیعت کرنے کا ذکر ہے اور اسی طرح کتاب الشافی مع التلخیص ص ۲۹۸ اور ص ۲۹۹ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیعت کو ثابت

کیا ہے بلکہ اس کے تواتر معنوی کا دعویٰ کیا ہے علی ہذا القیاس اسی کتاب کے ص ۲۵۴ و ص ۲۹۷ و ص ۳۹۹ و ص ۴۰۰ و ص ۴۰۷ وغیرہ ملاحظہ کریں، البتہ ان صفحات میں بعض روایات میں یہ تصریح ہے کہ شیر خدا رضی اللہ عنہ نے رضامندی اور خوشی کے ساتھ بیعت کی تاکہ لوگوں میں اتفاق قائم رہے اور بعض روایتوں میں یہ ہے کہ اس اندیشہ کے تحت بیعت کی کہ لوگ مرتد نہ ہو جائیں اور یہ بھی تصریح ہے کہ لوگوں کو بھی آپ کی بیعت کرنے کا حکم دیا کہ وہ بھی خلیفہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت کریں اور بعض روایات میں ہے کہ شیر خدا رضی اللہ عنہ نے ڈر کر بیعت فرمائی اور اصل مقصد کو ظاہر نہ ہونے دیا۔

بہر حال بیعت کا ثبوت اخبار متواترہ کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ نیت کے متعلق ٹول مٹول بعد کے ہیں۔ اور بعض روایات کافی میں تصریح ہے کہ آپ نے مجبور ہو کر بیعت کی اور معاذ اللہ العظیم گلے میں رسی ڈلوا کر کشاں کشاں وعدۂ اطاعت کے لیے بیعت کرنے کی خاطر شیر خدا تشریف لے گئے اور شیر خدا نے تقیہ کیا ہوا تھا یعنی ظاہر میں ان کے ساتھ تھے اور اندرونی طور پر بیعت نہیں کرنا چاہتے تھے۔

اہل تشیع کے فضلاء سے کوئی پوچھے کہ ظاہر اطرفداری اور جبر و اکراہ کی باہمی آمیزش و امتزاج اور ان کا باہمی ربط و تعلق تو سمجھاؤ، کہیں آپ اجتماع نقیضین کی مثال تو نہیں دے رہے یا قضیہ مانعۃ الجمع کو محقق الوجود تو نہیں بتا رہے ہیں؟ اس جبر و اکراہ اور تقیہ کا باہمی امتزاج اور آمیزش کی شان دیکھنی ہو تو ناسخ التواریخ جلد ص ۶۲ و ص ۹۹ ۴ اور کتاب حملہ حیدری مصنفہ علامہ باذل مطالعہ کریں۔ لیکن کافی و شافی اور ناسخ وغیرہ کتب کے مصنفین کے تخمینوں کے مقابل ذرا حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے اپنے بیانات اور علی اعلانات کو بھی پڑھیے کہ وہ شیر خدا اور اسد اللہ الغالب بے یار و مددگار ہو کر اور گلے میں رسی ڈلوا کر اور تلواروں کی چمک سے ڈر کر بیعت کرنے والے تھے یا نہ!

خوف اور تقیہ کے دعاوی کا بطلان خود

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اعلان سے

(۱) ——— انی واللہ لو لقیتھم واحدا وھم طلاع الارض کلھا ما بالیت ولا استوحشت الخ یعنی بخدا اگر میں اکیلا ان کے مقابل آجاؤں اور تمام روئے زمین کے لوگ میرے مقابلہ میں ہوں تو اللہ تعالیٰ کی قسم نہ میرے دل میں کوئی کھٹکا محسوس ہوگا اور نہ ہی مجھے کسی قسم کا خوف وہراس ہوگا (نہج البلاغہ مطبوعہ ایران خطبہ نمبر ۲۹۸)

آمنا وصدقنا! واقعی شان حیدری کا یہی تقاضا ہے اور ذرا یہ ارشادات بھی ملاحظہ کرتے چلیں۔

(۲) ——— واللہ لو تظاھرت العرب علی قتالی لما ولیت عنھا ولو امکنت الفرص من رقابھا لسارعت الیھا (نہج البلاغہ مصری جلد ثانی ص ۹۶) بخدا اگر تمام عرب میرے ساتھ حرب وقتال پر متفق ہو جائیں تو میں ان سے پیٹھ نہیں پھیروں گا اور جونہی ان کی گردنیں اڑانے کی فرصت ملی تو فوراً ان کو قتل کردوں گا

(۳) ——— موتات الدنیا اھون علی من موتات الآخرۃ فکانت معالجۃ القتال اھون علی من معالجۃ العقاب دنیا کی موتیں آخرت کی موتوں سے مجھ پر آسان ہیں اور حرب وقتال کا برداشت کرنا میرے لیے عذاب آخرت کے برداشت کرنے سے آسان ہے۔

(۴) ——— فو اللہ ما ابالی ادخلت الی الموت او دخل الموت علیّ بخدا مجھے اس کی قطعاً کوئی پرواہ نہیں ہے کہ میں موت کی طرف بڑھ رہا ہوں یا موت میری طرف بڑھ رہی ہے (ص ۱۲۲ جلد نمبر ۱)

(۵) ——— واللہ لعلی بن ابی طالب آنس بالموت من الطفل بثدی امہ، بخدا علی بن ابی طالب موت کے ساتھ اس سے بھی زیادہ

مانوس ہے جس قدر شیر خوار بچہ اپنی ماں کی چھاتی کے ساتھ (ص ۴۷)

(۶) ـــــ المنیۃ ولا الدنیۃ والتقلل ولا التذلل ۔ (نہج البلاغہ ص ۴۸)

موت برداشت ہو سکتی ہے مگر ذلت برداشت نہیں ہو سکتی اور قلت و فقر برداشت ہو سکتا ہے مگر حقارت و ذلت برداشت نہیں ہو سکتی ۔ کیا ان ارشادات اور حلفیہ بیانات کے بعد کسی مؤمن اور قدر مرتضوی کے جاننے والے کے لیے ان توہمات اور ظنون فاسدہ کی کوئی گنجائش ہو سکتی ہے ۔ اور اس کے ساتھ ہی یہ حقیقت پیش نظر رہے کہ جناب ابوسفیان ایک لشکر جرار کے ساتھ امداد پر آمادہ رہیں اور ایک اشارہ مرتضوی پر تمام علاقہ کو پیدلوں اور سواروں کے ساتھ پر کر دینے پر تلے ہوئے ہیں (جس کا حوالہ گزر چکا ہے یعنی کتاب الشافی سے) اور مزید احتجاج طبرسی کا حوالہ بھی مطالعہ کرتے چلیں ۔

وجاء ابو سفیان بن حرب وقال یا ابا الحسن لو شئت لاملانھا خیلا و رجالا یعنی المدینۃ (صفحہ ۲۰۸) اور ابوسفیان بن حرب نے عرض کیا اے ابوالحسن اگر چاہو تو میں مدینہ کو سواروں اور پیادوں سے بھر دوں تو فرمایئے اب بے یار و مددگار ہونا کیا معنی رکھتا ہے ۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ذاتی قوت و طاقت

علاوہ ازیں آپ کو یاروں اور مددگاروں کی ضرورت ہی کیا ہے؟ جب کہ شیر خدا رضی اللہ عنہ فقط بائیں ہاتھ سے تر تراز دشمن کے سر نوچ سکتے ہیں، تلوار اٹھانے کی بھی ضرورت پیش نہیں آتی ملاحظہ ہو کتاب علل الشرائع جلد ثانی ص ۱۶۲ انہ قادر علی ان یقتل خمسین الفا بشمالہ دون یمینہ، اور لطف یہ ہے کہ اس روایت کے راوی بمع دیگر گیارہ خصائص کی روایت کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ بتائے گئے ہیں کہ انہوں نے اپنی خلافت کے پہلے دن منبر پر جلوہ فرما ہوتے ہی یہ خصائص بیان۔

فرمانے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ موجود تھے آپ نے سن کر فرمایا "اعترفت بالحق قبل ان یشھد علیک" تم نے خود ہی حق کا اعتراف کرلیا قبل اس کے کہ تم پر شہادت قائم کی جاتی۔

گویا ایسی روایت ہوئی کہ خود حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی اس کے قائل اور حضرت عمر بن الخطاب بھی اس کے قائل و معترف اور تمام صحابہ و حاضرین کو بھی اس کا قائل اور معترف بنانے کے لیے برسر منبر اس کا اعلان کیا جارہا ہے اور کوئی اس کا انکار کرنے والا بھی نہیں ہے اور پھر رعب و دبدبہ اور جاہ و جلال یہ ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ دور سے دیکھ کر لرزہ براندام ہوجاتے ہیں ملاحظہ ہو کتاب المزاح و الجراح للراوندی ص ۲۱۲

روی سلمان ان علیا بلغه عن عمر عن ذکر شیعته فاستقبله (الی) ثم رمی علی بالقوس علی الارض فاذا ھی ثعبان کالبعیر فاغرافاہ وقد اقبل نحو عمر لیبتلعه فصاح عمر الله الله یا ابا الحسن لاعدت بعدھا فی شئ وجعل یتضرع الیه (الی) ثم قال رعب الثعبان فی قلبه الی ان یموت۔

حضرت سلمان فارسی روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو عمر بن الخطاب کے متعلق اطلاع ملی کہ انہوں نے آپ کے شیعہ کا ذکر برائی کے ساتھ کیا ہے تو آپ ان کو مدینہ شریف کے ایک باغ میں مل گئے اور اس واقعہ کے متعلق سرزنش کی جب عمر بن الخطاب (رضی اللہ عنہ) نے جواب میں درشتی کی تو آپ نے اپنے ہاتھ میں موجود قوس کو زمین پر پھینکا تو وہ اونٹ کے برابر اژدھا کی صورت میں ڈھل گئی اور اپنا پھن کھولے عمر بن الخطاب کی طرف متوجہ ہوئی تاکہ ان کو نگل جائے تو عمر چلائے اور عرض کیا اے ابوالحسن خدا سے ڈرو خدا سے ڈرو میں اس کے بعد آپ کے شیعہ کی گستاخی بالکل نہیں کروں گا اور منت و زاری شروع کی تو آپ نے اس کی پشت پر ہاتھ رکھا تو سابقہ حالت میں ہوگیا یعنی کمان بن گیا۔ پھر آپ کو معلوم ہوا کہ علاقہ مشرق سے مال عمر بن الخطاب کے پاس پہنچا ہے اور وہ اس کو تقسیم کرنے

کا ارادہ نہیں رکھتے تو سلمان فارسی کو بھیجا اور دھمکی دی کہ یہ مال فوری طور پر تقسیم کر دو ورنہ میں تمہیں رسوا کر دوں گا، القصہ وہ پیغام سن کر لرزہ براندام ہوئے اور تعمیل کا عہد کیا جب سلمان فارسی نے واپس آکر ان کا ردعمل بیان کیا تو آپ نے فرمایا میرے سانپ کا رعب تادم زیست اس کے دل سے نہیں جائے گا۔

فائدہ: سبحان اللہ! شیعہ کی گستاخی پر تو اس قدر کرامات اور معجزوں کا ظہور ہو اور گستاخی کے مرتکب کو ایسا مرعوب کیا جائے کہ موت سے قبل اس کے دل سے خوف دور ہی نہ ہو سکے اور حضرت زہراء کی بے حرمتی ہو پسلیاں ٹوٹیں اور حمل ساقط ہو۔ خلافت چلی جائے۔ قرآن بدل جائے۔ گلے میں رسی ڈال کر لوگ گھسیٹتے پھریں تو کوئی معجزہ اور کرامت ظاہر نہ ہو سکے تو معلوم ہوا کہ آپ کے نزدیک صرف شیعہ کی عزت کا تحفظ ضروری تھا۔ دوسرے کسی بھی شخص اور کسی بھی اہم اسلامی حکم کی کوئی قدر و قیمت اور اہمیت نہیں تھی۔ سبحانک ھذا بہتان عظیم (ابوالحسنات محمد اشرف سیالوی غفرلہ)

الغرض امیرالمومنین عمر بن الخطاب کے زمانہ خلافت میں جب کہ قیصر و کسریٰ اور دنیائے کفران کے نام سے لرز رہی تھی وہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے لرزہ براندام تھے تو خدا کے واسطے سوچو کہ ایسے شیر خدا رضی اللہ عنہ کو کس کا ڈر تھا۔

اہل تشیع کی ان معتبر کتابوں کی ڈرنے والی روایات کو اگر سچا مان لیا جائے تو یہ سمجھ میں آسکتا ہے کہ شیر خدا رضی اللہ عنہ خلفاء سابقین کی مخالفت کرنے میں خدا تعالیٰ سے ڈرتے تھے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد و پیمان کی خلاف ورزی سے ڈرتے تھے جس کے حوالے ناسخ التواریخ اور نہج البلاغہ وغیرہ کتب شیعہ سے پیش کئے جا چکے ہیں، اس کے علاوہ اسد اللہ الغالب کے دل مقدس میں اور اس امام الائمہ کے قلب اطہر میں غیر خدا کا خوف قطعاً نہیں آسکتا، علی الخصوص جب کہ ان کو اپنے وقت وصال کا بھی پتہ ہو اور اس کی کیفیت کا بھی علم ہو اور پھر موت و حیات کا معاملہ بھی اپنے اختیار میں ہو جیسے کہ اصول کافی میں مستقل ابواب قائم کر کے ان عقائد کو بیان کیا گیا ہے تو پھر ڈر کا مطلب کیا ہو سکتا ہے؟

انوکھا استدلال : ایک دفعہ شیعہ کے ایک علامہ صاحب نے شیر خدا کے ڈر جانے کی میرے سامنے دلیل یہ پیش کی کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم بھی تو دشمنوں سے ڈر گئے تھے اور ہجرت فرما ہو گئے تھے۔ میں نے عرض کیا اگر ڈر کی وجہ سے ہجرت فرمائی تھی تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ آپ کی ایسی دشمنی بھی ثابت کریں (معاذ اللہ) کہ جس کی وجہ سے اپنے بستر پر ان کو سونے کا حکم دیا ہے۔ میاں اس وقت جہاد فرض ہوا نہیں تھا اور سکون و اطمینان کے ساتھ عبادت الٰہی میں مشغول ہونے کا یہی ایک ذریعہ تھا یا ہجرت کا فلسفہ خدا جانے یا ہجرت کرنے والے جانیں، بہر حال اگر ڈر ہوتا تو اپنے چچا زاد بھائی کو اپنے ساتھ رکھتے جیسے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو لے چلے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تابع حکم الٰہی تھے جیسے کہ تفسیر امام حسن عسکری کی حدیث سے واضح ہے سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ شیر خدا قسم اٹھا کر فرماتے ہیں کہ میں نہیں ڈر سکتا اور یہ کہ بچہ اپنی ماں کے دودھ کو جس طرح پسند کرتا ہے میں موت کو اس سے بھی زیادہ پسند کرتا ہوں۔ پھر وہ شیری، وہ دلیری وہ کرامات اور وہ بے پناہ لشکر اور اس کے باوجود شیر خدا ان سے ڈرتے تھے تو پھر اس مقدس ہستی کو قوت پروردگار اور ہیبت الٰہی کہنے سے کیا حاصل ہے! اے برادرانِ وطن کچھ خدا سے بھی ڈرو اور اس قسم کے بے سروپا ٹوٹکے اور تخمینے شیر خدا کے حلفیہ بیانات کے بالمقابل صحیح نہ سمجھو!

سب سے بڑی بات تو شان حیدری کا لحاظ رکھنا ہے کہ وہ شیر خدا کسی خوف یا ڈر کی بنا پر بیعت کرنے والے تھے یا نہ! دوسرا امام حسینؑ کا اسی بیعت کے سوال میں سر دے دینا اور بیعت کے لیے ہاتھ نہ دینا نظر انداز نہیں کیا جا سکتا اور ان باپ بیٹے کے نظریات میں خلاف و تضاد تصور نہیں کیا جا سکتا۔ تیسرا شان حیدری کے برعکس اگر تقیۃً و مجبوراً بیعت کا انعقاد فرض بھی کر لیا جائے تو حسب ارشاد مرتضوی (نہج البلاغہ خطبہ نمبر۱۰ و ناسخ التواریخ جلد ۲ حصہ ۲ ص ۲۳ و ص ۴۸) پر جو آگے مذکور ہوگا۔ کہ زبیر یہ خیال کرتا ہے کہ اس نے صرف ہاتھ سے بیعت کی ہے اور دل سے

نہیں کی تو بیعت کرنے کا اس نے یقیناً اقرار کیا اور بیعت کرنے والے زمرہ میں داخل ہو گیا۔ الخ

چوتھا حضرت زبیرؓ نے جو بیعت کی تھی، جس کو حضرت علیؓ صحیح قرار دے رہے ہیں وہ بھی حسب تصریح ناسخ التواریخ جلد نمبر ۳ ص ۷ انتہائی جبر و اکراہ کی بناء پر تھی۔ دیکھو اصل عبارت ناسخ التواریخ :-

از پس او اشتر روئے با زبیر کرد، فقال قم یا زبیر واللہ لا ینازع احد الا ضربت قرطہ بھذا السیف، گفت اے زبیر برخیز و بیعت کن، سوگند با خدائے ہیچکس از در منازعت بیرون نشود الا آنکہ سرش برگیرم پس زبیر برخواست و بیعت کرد الخ

یعنی حضرت علیؓ کے خادم خاص اشتر نے حضرت زبیر کی طرف منہ کر کے کہا اٹھ اور بیعت کر، خدا کی قسم جو شخص بھی بیعت کرنے سے انکار کرے گا تو میں اس کا سر قلم کر کے رکھ دوں گا۔ پس زبیر اٹھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیعت کی۔ الخ

اب اس جبر و اکراہ کے ساتھ بھی بیعت صحیح بیعت کے حکم میں ہے تو حضرت علیؓ کا خلفائے راشدین کے ہاتھ پر بیعت کرنا اسی طرح صحیح بیعت ہی تسلیم کر لیا جائے تو کیا مضائقہ ہے۔

اہل بصیرت کے سامنے اس پر تبصرہ تحصیل حاصل ہو گا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ حضرت علیؓ کے بیعت کرنے سے لوگ (معاذ اللہ) مرتد ہو جاتے اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بیعت سے اگر لوگوں کو ہٹایا جائے تو مرتد ہو جائیں گے تو پھر حسب روایات ناسخ التواریخ و حملہ حیدری وغیرہ چھ ماہ تک یا (بروایت) دو ماہ تک توقف کیوں فرمایا اور جب ارتداد جیسے فتنے کو روکنا تھا تو (نقل کفر کفر نباشد) ریسمان اندازی اور کشاکشی کی تہمت کیوں لگائی گئی؟ اور جب (حسب روایت ناسخ التواریخ و شافی وغیرہ) ابو سفیان اور ان کے ساتھی ایک بے پناہ لشکر لے کر امداد کے لیے حاضر ہوئے تو مجبوری کے کیا معنی اور بے یار و مددگار ہونے کا کیا مطلب۔

مسلمان بھائیو! شیر خدا کی شان ہی جب ان مدعیان تولی کو معلوم نہیں تو اس

قسم کی بے سروپا روایات نہ گھڑتے تو کیا کرتے۔ شاید امام عالی مقام شہید کربلا سے زیادہ شیر خدا بیعت کرنے پر مجبور تھے۔ (نعوذ باللہ ان نکون من الجاھلین) یا یہ کہ میدان کربلا میں خانوادۂ نبوت کی شہادت اور گلستان نبوت اور چمنستان رسالت کا (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) نذر خزاں ہونا مجاہد کربلا کی بیعت کر لینے سے رو کا نہیں جا سکتا تھا اور معاندین اور شہید کنندگان سید شباب اہل الجنۃ اور حضور کے سارے۔ خاندان عالیشان کو شہید کرنے والوں نے مرتد اور اسلام سے خارج نہیں ہونا تھا۔ جن کو کفر اور ارتداد سے روکنا امام عالی مقام شہید کربلا کا اولین فریضہ تھا اور حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی سنت اقدس پر عمل کرنا اپنی جگہ پر ضروری تھا اور رہم خرما اور رہم ثواب فی حد ذاتہ ایک مصلحت موجود تھی۔

مذہب شیعہ

حضرت شیخین رضی اللہ عنہما کی مدح وثنا از امیر المومنین علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

ناسخ التواریخ جلد سوم از کتاب دوم ص ۲۱۵ پر مستورد کا یہ خطبہ منقول ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت وحمد کے بعد شیخین رضی اللہ عنہما کی عظمت وبرتری کے ساتھ خطبہ دیا اور وہ خوارج کا رئیس اور قائد تھا لیکن یہ اس کے ذاتی رائے قرار نہیں دی جا سکتی کیونکہ انہیں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ اگر اختلاف پیدا ہوا تو صرف تحکیم کے موقعہ پر اور اس کی وجہ سے ورنہ وہ آپ کی تعظیم وتکریم کرتے تھے اور آپ کے ہی تلامذہ اور مسترشدین تھے اور آپ کی خاطر ام المؤمنین کے ساتھ جنگ کرنے سے گریز کیا اور نہ بدری صحابہ اور حواری رسول حضرت زبیر اور سپر مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت طلحہ کے ساتھ جنگ کرنے میں تذبذب کا مظاہرہ کیا اور نہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سالے اور حضرت فاروق اعظم اور

حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے نائب اور عامل حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگ کرنے میں کسی شک و وہم کا شکار ہوئے لہٰذا جو کچھ کہا وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہی عقیدہ اور ان کی تعلیم و تربیت کا آئینہ بیان کیا، اسی لیے محقق طوسی نے تلخیص الشافی ص ۴۲۳ پر کہا: والمعروف من مذهبهم تعظيم امير المؤمنين عليه السلام وتفضيله والقول فيه باحسن الاقوال قبل التحكيم الخ کہ ان کا معروف و مشہور مذہب امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ کی تعظیم و تکریم ہے اور آپ کی افضلیت کا اعتراف اور ان کے حق میں احسن ترین قول و کلام کرنا قبل از تحکیم۔ اور آخر میں ہم خود حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف سے وہی مضمون اور تقریباً وہی الفاظ بھی پیش کریں گے، الغرض اس نے خطبہ دیتے ہوئے کہا:

فحمد الله واثنى عليه وصلى على محمد صلى الله عليه وسلم ثم قال اتانا بالعدل معلنا مقالته مبلغا عن ربه ناصحا الامته حتى قبضه الله تعالى مخيرا مختارا ثم قام الصديق فصدق عن نبيه وقاتل من ارتد عن دين ربه وذكر ان الله قرن الصلوة والزكوة فرأى تعطيل احداهما طعنا على الأخرى لا بل على جميع منازل الدين ثم قبضه الله اليه موفورا ثم بعده الفاروق ففرق بين الحق والباطل سويا بين الناس لا مؤثرا لاقاربه ولا محكما في دين ربه "

اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے بعد اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود شریف کے بعد کہا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہماری طرف تشریف لائے عدل و انصاف کے ساتھ ایسی حالت میں کہ اپنی شریعت کا اعلان فرمانے والے تھے اور اپنے پروردگار کی طرف سے تبلیغ رسالت و احکام شرع بیان فرمانے والے تھے اور امت کے لیے مخلص اور ہمدرد و غمخوار حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسی حالت میں وصال بخشا کہ آپ اس میں مختار اور با اختیار تھے پھر آپ کے بعد ابو بکر صدیق خلیفہ

بنے اور امور امت و ملت کے ساتھ قیام فرما ہوئے انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی اور اللہ تعالیٰ کے دین سے جو لوگ مرتد ہو گئے تھے ان کے خلاف جہاد کیا اور یہ اعلان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے نماز اور زکوٰۃ کو اکٹھا بیان کیا ہے لہٰذا ان کا عقیدہ یہ تھا کہ ان میں سے ایک کا انکار دوسرے کا بھی انکار ہے۔ نہیں نہیں ساری شریعت کا انکار ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو مکمل طور پر اپنے جوار رحمت میں جگہ دی اور وافر اجر و ثواب کے ساتھ اپنے پاس بلایا۔ پھر ان کے بعد فاروق اعظم رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو آپ نے حق و باطل کو الگ الگ کیا۔ لوگوں میں ایسی مساوات قائم فرمائی کہ اپنے اقرباء کو بھی کوئی ترجیح نہ دی اور نہ اللہ تعالیٰ کے دین میں اپنی طرف سے کسی قسم کا دخل دیا۔

آئیے اب یہی مضمون حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی زبانی سماعت فرماتے چلیں

و ذکرت ان اجتبی لہ من المسلمین اعوانا ایدھم بہ فکانوا فی منازلھم عندہ علی قدر فضائلھم فی الاسلام وکان افضلھم فی الاسلام کما زعمت وانصحھم للہ ولرسولہ الخلیفۃ الصدیق وخلیفۃ الخلیفۃ الفاروق ولعمری ان مکانھما فی الاسلام لعظیم وان المصاب بھما الجرح فی الاسلام شدید یرحمھما اللہ وجزاھما باحسن ما عملا (الی) وما انت والصدیق فالصدیق من صدق بحقنا وابطل باطل عدونا وما انت والفاروق فالفاروق من فرق بیننا و بین اعدائنا (شرح ابن میثم بحرانی جلد رابع ص ۳۶۲)

یعنی اے معاویہ تم بیان کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول علیہ السلام کے لیے معاون و مددگار مسلمانوں سے منتخب فرمائے جن کو آپ کے ساتھ تائید و تقویت بخشی تو وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اپنے

مرتبوں میں وہی قدر و منزلت رکھتے ہیں جس قدر کہ اسلام میں ان کے فضائل ہیں، واقعی تمام صحابہ سے اسلام میں افضل جیسے کہ تیرا زعم اور دعویٰ ہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سب سے زیادہ غمخوار اور ہمدرد خلیفہ صدیق تھے اور ان کے خلیفہ فاروق اور مجھے اپنی زندگانی کی قسم ان دونوں کا مرتبہ و مقام اسلام میں البتہ عظیم ہے اور ان کی وفات اسلام کے لیے گہرا زخم ہے اللہ تعالیٰ ان دونوں پر رحم فرمائے اور ان کو ان کے اچھے اعمال کی جزا عطا فرمائے لیکن تجھے صدیق سے کیا واسطہ صدیق تو وہ شخص ہے کہ اس نے ہمارے حق کی تصدیق کی اور ہمارے اعداء کے باطل اور ناحق کو باطل ٹھہرایا اور فاروق سے تجھے کیا واسطہ فاروق تو وہ مقدس ہستی ہے کہ اس نے ہمارے اور ہمارے دشمنوں کے درمیان تفریق کی۔

یہ وہ کلمات قدسی سمات ہیں جو اہل تشیع کے علامہ ابن میثم نے شرح نہج البلاغہ میں سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کئے ہیں جو آپ نے اپنے ایک طویل خط میں رقم فرمائے جو بصورت جواب امیر معاویہؓ کی طرف ارسال فرمایا اور جس کو جامع نہج البلاغہ نے بمقتضائے صداقت و دیانت قطع و برید کر کے اور تحریف و تبدیل کر کے نقل کیا، لیکن ابن میثم بحرانی نے اس کو نقل مطابق اصل تمامہ درج کیا اور اس میں جامع نہج البلاغہ (رضی) کی قطع و برید اور تقدیم و تاخیر کو واضح کیا جس نے قول باری تعالیٰ۔ "أفتؤمنون ببعض الكتاب وتكفرون ببعض" کے مطابق بعض کلمات مرتضویہ پر ایمان اور بعض کے ساتھ کفر و انکار اور جحود و استکبار کی یاد تازہ کر دی۔

الغرض حضرت علی مرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ اپنے خطبات میں حضرت صدیق اکبر اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی ان کلمات طیبات کے ساتھ تعریف فرمادیں اور ان کے لشکری اور ان سے تعلیم پانے والے ان کی اس طرح تعظیم و تکریم کریں

اور محبت و تولّی کے مدعیان ان کو ظالم اور غاصب کہیں بتاؤ کس کو سچا جانتے ہو۔ اور کون جھوٹا ہے؟ حضرت مولا علی تو راستبازوں کے امام ہیں لہٰذا صرف اور صرف وہی لوگ جھوٹے ہیں جو ان کے کلام فیض ترجمان کو جھٹلاتے ہیں۔

علامہ ڈھکو کی بے بسی

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ان کلمات قدسیہ اور شیخین رضی اللہ عنہما کی۔ اس مدح و ثنا کا علامہ ڈھکو صاحب نے قطعاً کوئی جواب نہیں دیا اور بالکل ڈکار تک بھی نہیں لیا جس سے صاف ظاہر ہے کہ اس نے عملی طور پر اپنے عجز اور بے بسی کا اعتراف کر لیا ہے۔ نہ خط کے ان مندرجات کو جھٹلا سکا ہے اور نہ ہی جواب میں خامہ فرسائی کی ہمت ہوئی ہے اس کو کہتے ہیں۔

جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے!

فائدہ عظیم:

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ جہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خطبات میں یا خطوط میں اصحاب ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے متعلق تعریفی کلمات موجود ہوتے ہیں وہاں شریف رضی جیسے جامع نہج البلاغہ کس طرح تحریف اور قطع و برید سے کام لیتے ہیں اور حضرت سیدنا المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی مرضی اور مراد کے برعکس آپ کا مضمون بنا دیتے ہیں جس سے صاف ظاہر ہے کہ اصحاب ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے متعلق کتب شیعہ میں جو اعتراض و تنقید اور جرح و تنقیص اور تظلم و فریاد مروی و منقول ہے وہ سب ایجاد بندہ کے قبیل سے ہے۔ اگر یہ لوگ آپ کے بیان فرمودہ مدائح و محامد اور اوصاف و کمالات اور محاسن و فضائل کو بھی من وعن نقل کرنے کی کوشش کرتے تو ہم سوچ سکتے تھے کہ واقعی حضرت امیرالمومنین کی طرف سے چونکہ دونوں طرح کی اقوال مروی و منقول ہیں لہٰذا اس تخالف و تعارض کو دور کرنے کی کوشش کریں لیکن رواۃ شیعہ اور ان کے مصنفین ہر قیمت پر اور ہر چہ بادا باد ایمان و امانت اور دین و دیانت کا دامن چھوڑ سکتے ہیں مگر حتی المقدور فضائل اور محاسن صحابہ اور ان کے خداداد امتیازی اوصاف و کمالات کو قلم زد کرکے رہتے ہیں تو یہ اجماع اور تواتر ائمہ کی روایات کا نہیں اور نہ اہل بیت کے ارشادات پر مبنی ہے بلکہ ان کی طرف از روئے افتراء و بہتان منسوب کردہ روایات پر مبنی ہے اور ظاہر ہے اس کا نہ اعتبار اور نہ اساس ہے ہمیں غرض ہم نے ثقلین کا مذہب و مسلک اور ان کا طرز و طریق دیکھنا ہے اور اسی کے مطابق ایمان و عقیدہ رکھنا ہے نہ کہ ہر راوی اور ہر دجال سے ایمان و عقیدہ حاصل کرنا ہے۔

عساکر تصویبہ مخالفت شیخین برداشت نہیں کرتے تھے

لمحہ فکریہ: حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے دور اقتدار و

اختیار اور زمانہ تصرف و تسلط میں تو ان کے خلاف علانیہ اس قسم کے خطبے دے نہیں سکتے تھے لہٰذا کوئی ایسی روایت اگر ملے گی تو مخصوص قسم کے لوگوں سے جو سینہ بسینہ اس قسم کی روایات کو چلانے کے درپے تھے، اگر علانیہ اور کھلم کھلا ان کے خلاف شکایت کر سکتے تھے اور اپنی مظلومیت کا اظہار کر سکتے تھے تو اپنے دور خلافت میں اور زمانہ امارت میں لیکن اس دور میں بھی عظیم اکثریت صرف ان لوگوں کی تھی جو اصحاب ثلاثہ اور بالخصوص شیخین رضی اللہ عنہما کے ایمان و اخلاص کے خلاف کوئی لفظ سننا گوارا نہیں کر سکتے تھے اور ان کے اطوار و اخلاق اور ان کے جاری کردہ احکام و رسوم کے خلاف کوئی کلمہ سن ہی نہیں سکتے تھے جیسے کہ خود علامہ ڈھکو صاحب اور ان کے طبیب روحانی و جسمانی امیر دین صاحب نے اعتراف کیا ہے ملاحظہ ہو رسالہ تنزیہہ الامامیہ ص ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸ جس کا خلاصہ مضمون یہ ہے کہ آپ نے فرمایا: "اب اگر میں ان لوگوں کو ان حکام کے پیدا کردہ بدعات کے ترک کا حکم دوں اور تمام سنن نبویہ کو اصلی طرز پر جاری کرنے کا حکم دوں تو میرے لشکر کے سب لوگ مجھ سے جدا ہو جائیں گے اور میں اکیلا رہ جاؤں گا، میں نے لوگوں کو کہا کہ رمضان المبارک میں تراویح پڑھنا بدعت ہے لہٰذا اس کو چھوڑ دیں تو میرے لشکر کے لوگ جو میرے ساتھ ہو کر جنگ کر رہے تھے پکار اٹھے اے مسلمانو! دیکھو حضرت عمر کی سنت تبدیل کی جا رہی ہے۔ اس سے مجھے یہ خوف پیدا ہوا کہ یہ میرے لشکر میں اشتعال اور بغاوت پیدا کرتے ہیں الخ۔

لہٰذا مقام حیرت ہے کہ جب تراویح جن کے چھوٹنے سے بدنی راحت اور آرام و سکون میسر آسکتا تھا۔ ان کا چھوڑنا صرف اس لیے ناگوار گزرا کہ حضرت عمر کی جاری کردہ سنت کو تبدیل کرنا غلط ہے اور ناقابل معافی اقدام جہاں عقیدت و محبت کا یہ حال ہو کہ زندہ اور صاحب زمان امام کا حکم مدتوں دنیا سے کوچ کر جانے والے امام کے خلاف ہو تو بغاوت پر آمادہ ہو جائیں اور ان کا ساتھ چھوڑنے پر تیار ہو جائیں تو اگر ان کے ایمان و اخلاص اور اخلاق و کردار پر اعتراض کیا جاتا اور

ان کی ذاتوں کو نشانہ بنایا جاتا تو وہ لشکری کس طرح برداشت کر سکتے تھے لہذا یہ سراسر عقل و فہم اور دانش و فراست اور حقائق و واقعات کے خلاف ہے کہ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ حضرات شیخین کے خلاف علانیہ اس طرح کے رد عمل کا اظہار کر سکیں اور پھر یار لوگوں کے مذہب تقیہ کے ایجاد کا آخر فائدہ ہی کیا ہو سکتا تھا اگر اس طرح حق گوئی سے کام لینا تھا اور دل کی بات ڈنکے کی چوٹ کہنی تھی!

لشکریوں کی دلجوئی اور شیخین کی تعریف

ہاں البتہ جو کچھ قرین قیاس ہے اور حالات جس کے متقاضی تھے وہ یہی ہے کہ آپ اپنے لشکریوں کی دلجوئی فرمادیں اور حضرات شیخین کے حق میں کلمات خیر کہیں تاکہ کسی قسم کی بدظنی ان لشکریوں کو نہ ہونے پائے اور یہی پہلو علم المرتضیٰ الشیعی نے کتاب الشافی میں اور طوسی نے تلخیص الشافی میں اختیار کیا ہے کہ جہاں یہ روایت ملتی ہے۔ " خیر ھٰذہ الامۃ بعد نبیھا ابوبکر و عمر" یعنی اس امت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل ابوبکر ہیں اور پھر عمر رضی اللہ عنہما تو اس کی وجہ یہی ہے کہ آپ کے لشکریوں کی عظیم اکثریت ان خلفاء کی امامت کی قائل تھی بلکہ ان میں وہ بھی موجود تھے جو ان کو ساری امت پر افضل مانتے تھے اور علی الخصوص۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو باور کرانا شروع کیا ہوا تھا کہ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ حضرات شیخین کی امامت کے منکر ہیں اور ان کو ظالم و غاصب سمجھتے ہیں اور حضرت عثمان کے شہید کرنے میں حصہ دار ہیں اس لیے بھی آپ کو اس پروپیگنڈے کے مذموم اور زہریلے اثرات کا ازالہ کرنے کے لیے حضرات شیخین کی امامت اور افضلیت، عظمت اور رفعت کا اعتراف کرنا پڑتا تھا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل سے اور قاتلوں سے بیزاری ظاہر کرنا پڑتی تھی اور ان کی امامت بھی برحق ماننی پڑتی تھی، مضمون و مفہوم ملاحظہ فرما چکے" اب اصل

عبارت بھی ملاحظہ فرمالیں تاکہ مزید اطمینان حاصل ہوجائے کتاب الشافی ص۲۷۱ و تلخیص الشافی ص۴۲۸ ۔

ومعلوم أن جمهور اصحابه وجلهم كانوا ممن يعتقد امامة من تقدم عليه وفيهم من يفضلهم على جميع الأمة وقد قيل ان معاوية بث الرجال فى الشام يخبرون عنه بأنه يتبرأ من المتقدمين وأنه شرك فى دم عثمان لينفر الناس عنه ويصرف وجوه اكثر اصحابه عن نصرته فلا ينكر أن يكون قال ذلك اطفاءً لهذه النائرة ومراده بالقول ما تقدم مما لا يخالف الحق ۔

البتہ ان دونوں شیعی اکابر کے نزدیک حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ "الحرب خدعۃ" کے مطابق اپنے لشکریوں کو اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس قسم کے خطبات اور خطوط سے دھوکہ دینا چاہتے تھے نہ کہ آپ کا حقیقی عقیدہ یہ تھا، بہرحال حقیقت حال تو حضرت امیر جانیں اور ان کا علیم و خبیر خدا جانے ہم نے یہ دکھلانا تھا کہ علانیہ جو کچھ فرمایا جاتا تھا وہ ان حضرات کی تعریف و توصیف، فضیلت و برتری اور مدارج و مراتب عالیہ کا بیان تو ہوسکتا تھا ان کی خلافت و امامت اور ان کے ایمان و اخلاص کے خلاف ایک جملہ بھی نہیں بولا جاسکتا تھا، لہٰذا جو کچھ آپ سے ظاہر اور باہر میں تواتر کے ساتھ ثابت ہوسکتا ہے وہ صرف اور صرف جمہور اصحاب اور عظیم اکثریت کے عقیدہ کے مطابق ہی ہوسکتا ہے اور جو کچھ اس کے برعکس اور منافی و معارض ہے وہ صدری روایات اور خاندانی نسخوں کے قبیل سے ہے اور تقیہ والی مرہم پٹی کے ضمن میں آتا ہے۔ لہٰذا اس کا قطعاً کوئی اعتبار نہیں ہوسکتا، علی الخصوص جبکہ ثقل اکبر و اعظم کتاب اللہ اور خدا تعالیٰ کا آخری پیغام پکار کر ان کی عظمت اور رفعت مراتب کا اعلان کر رہا ہو، ہذا والحمد للہ ۔

تنزیہہ الامامیہ ازعلامہ محمد حسین ڈھکو صاحب

فضائل صحابہ کرام اور بالخصوص فضائل خلفاء رضی اللہ عنہم میں وارد روایات واحادیث اور اقوال ائمہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا جواب دینے کے لیے علامہ ڈھکو صاحب نے اپنے طبیب خاص کے رسالہ اور طویل مقالہ کو نقل کرتے ہوئے یہ عنوان قائم کیا۔

"فصل اوّل بحق ثلاثہ، ائمہ اہل بیت علیہم السلام کے حقیقی اعتقادات"

اور کہا کہ اب ہم ان احادیث کتب شیعہ کی فہرست مع حوالہ جات بطور نمونہ تحریر کرتے ہیں جن میں حضرات ثلاثہ (رضی اللہ عنہم) پر جناب امیر علیہ السلام اور دیگر ائمہ اہل بیت کی ناراضگی اور ان سے نفرت اور بطلان خلافت ثلاثہ اور ان کا جور و ستم اور مخالفت شرع محمدی اور ان کی مذمت اور جناب علیؓ کے اپنے مذہب حق کی توضیح صریح الفاظ میں موجود ہے جن کے ساتھ مطابقت دیتے ہوئے مکتوبات وخطبات کے کلمات متنازعہ کے حقیقی معانی بہ آسانی سمجھ آ سکتے ہیں ص ۵۳،

اس کے بعد خطبۃ الوسیلہ کو بحوالہ روضہ کافی اور تفسیر صافی نقل کیا ہے نہج البلاغہ سے مختلف فقرات جمع کیے ہیں اور بالخصوص خطبہ شقشقیہ کا حوالہ دیا اور چند ایک دوسرے حوالے بھی ذکر کیے ہیں جو ص ۵۳ سے ص ۵۹ تک مرقوم ہیں۔ جس کے بعد بطور تفریع کہا "اس قدر متواتر اور صحیح اخبار کے خلاف اگر کوئی خبر واحد کہیں سے ملے تو اس کو شاذ مرجوح اور ساقط عن الاعتبار سمجھا جائے گا یا اس کا ایسا معنی مراد لیا جائے گا جو ان احادیث کے مطابق ہو۔

تحفہ حسینیہ ازابوالحسنات محمد اشرف السیالوی

ناظرین کرام پر یہ حقیقت تو مخفی نہیں ہو سکتی کہ جب روافض اور اہل تشیع

کے مذہب کا دارومدار ہی صحابہ کرام علیہم الرضوان کے ساتھ بالعموم اور خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ بالخصوص بغض وعناد اور نفرت وکدورت پہ ہے تو لامحالہ ان کی اپنی تصنیف کردہ کتابوں میں ایسی روایات لازماً مذکور ہونی چاہئیں ورنہ اس مذہب کی ایجاد اور تدریج و ترقی کی کوئی صورت ممکن ہی نہیں ہو سکتی تھی، اس لیے حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ نے یہ دعویٰ نہیں فرمایا تھا کہ کتب شیعہ میں صرف اور صرف صحابہ کرام کے محامد اور مدائح ہی مذکور ہیں بلکہ آپ نے صرف یہ فرمایا تھا کہ "تمام صحابہ مہاجرین والانصار رضوان اللہ علیہم اجمعین کے فضائل ومناقب میں آیات کلام اللہ اور احادیث صحاح اس کثرت کے ساتھ وارد ہیں کہ جن کو لکھا جائے تو ایک بہت بڑی ضخیم کتاب بن جائے گی اور اہل تشیع حضرات کی معتبر ترین تصانیف بھی اگر غور سے مطالعہ کی جائیں تو جھگڑا ختم ہو جاتا ہے اور تنزیہہ الامامیہ ص۲۵ پہ ڈھکو صاحب نے خود بھی یہی اقتباس نقل کیا ہے لہٰذا اس کے جواب میں اپنی متعدد روایات نقل کر دینا اور ان کو محض زبانی دعویٰ کر کے صحیح متواتر کہہ دینا کافی نہیں ہو سکتا کیونکہ ہم نے ائمہ کرام کی زبانی روایات کے صحیح اور معتبر ہونے کا معیار اور دارومدار شیعی کتب سے واضح کر دیا ہے کہ صرف اور صرف وہ روایات صحیح ہیں جو کلام اللہ کے موافق ہیں اور جماعت اہل اسلام اور سواد اعظم کے مطابق نہ کہ جو بہتر اسلامی فرقوں میں صرف غالی اور سبی شیعہ اور روافض کی خواہشات نفس کے مطابق ہوں اس لیے یہ جواب بالکل غلط ہے اور خلاف ضابطہ۔

نیز صحت روایت کے لیے اس کے مضمون اور متن کا قطعیات کے موافق ہونا ضروری ہوتا ہے۔ یا راویوں کا صادق اور صحیح الاعتقاد ہونا جب کہ مذکورہ روایات کلام مجید کے سراسر خلاف ہیں اور دیگر تمام فرق اسلامیہ کی متواترہ روایات کے خلاف اور ان کے راوی وہ ہیں جن کا نام لے لے کر ائمہ نے ملعون، کذاب، مشرک، کافر، یہود اور نصاریٰ سے بدتر اور مجوس وآتش پرستوں سے گئے گذرے وغیرہ وغیرہ قرار دے کر ان کی روایات سننے سے

اور ان پر اعتبار کرنے سے اجتناب اور احتراز کا حکم دیا جب کہ شیعی کتب رجال اور علی الخصوص رجال الکشی میں اس قسم کی مستقل پارٹی کی نشاندہی کی گئی ہے اور ہم نے متعدد جگہ پر ان فدوات خبیثہ کے متعلق مفصل حوالے نقل کیے ہیں لہٰذا ان کو صحیح کہنا حق و صداقت کے ساتھ استہزاء اور مذاق ہے اور متواتر کہنا حق کا منہ چڑانے کے مترادف ہے۔

الغرض ان روایات کی رو سے حضرت امیر رضی اللہ عنہ کی مظلومیت، اور خلافت و امامت کے بلا شرکت غیرے حق دار ہونے کے دعویٰ اور خلفاء ثلاثہ پر ظلم اور زیادتی وغیرہ کے الزامات سراسر بے بنیاد ہیں کیونکہ علامہ کشی کے اعتراف کے مطابق یہ سب امور عبداللہ بن سبا یہودی اینڈ کمپنی کے ایجاد کردہ نظریات ہیں اور اس کے ہمنوا یہودیوں مجوسیوں کی خفیہ سازشوں اور مکر و خداع کے ذریعے اہل اسلام میں آہستہ آہستہ اور طویل المیعاد منصوبے کے تحت پھیلائے جانے والے عقائد ہیں جیسے کہ دوسرے مقام پر اس حقیقت کو روز روشن کی طرح واضح کیا گیا ہے لہٰذا علامہ ڈھکو صاحب کا اختلاج قلب اور اضطراب صدر ان نسخوں سے دور نہیں ہو سکتا۔

اب ذرا خطبہ شقشقیہ اور خطبۃ الوسیلہ وغیرہ کے تواتر اور دعویٰ صحت کا حال تفصیلاً عرض کیے دیتا ہوں تاکہ اس اجمال کی تفصیل سامنے آجائے اور شیعی متواتر اور صحیح ترین روایات کی حقیقت بے غبار ہو جائے اس پس منظر میں دوسرے حوالوں کی حقیقت حال بھی کھل کر سامنے آجائے گی۔

"خطبہ شقشقیہ کے تواتر لفظی کا انکار خود شیعی علماء کی زبانی"

اس ضمن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب خطبہ شقشقیہ جس میں خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے متعلق سخت الفاظ استعمال کیے گئے ہیں اس کی حقیقت حال شیعی علماء کی زبانی معلوم کرنے کے بعد یہ امر واضح ہو جائے گا کہ یار لوگوں

نے اپنے الفاظ استعمال کر کے مفہوم و مضمون کو بالکل دوسرا رنگ دے دیا جس سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کلام میں تعارض اور تناقض والی صورت پیدا ہو گئی اور اس قسم کی عبارات کو شکوک و شبہات کی نظروں سے دیکھا جانے لگا۔

حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے متعلق اس خطبہ میں ہے۔

" أما والله لقد تقمصها فلان وانه ليعلم ان محلي منها محل القطب من الرحى (الى) فصبرت وفي العين قذى وفي الحلق شجا أرى تراثي نهباً حتى مضى الأول لسبيله فأدلى بها إلى فلان بعده (الى) فصبرت على طول المدة وشدة المحنة حتى إذا مضى لسبيله جعلها في جماعة زعم انى احدهم فيالله وللشورى۔ الخ

(نہج البلاغہ مصری جلد اول ص۔ اور ابن میثم جلد اول ص ۲۵)

یعنی قمیص خلافت کو ابوبکر نے زبردستی اپنے اوپر اوڑھ لیا حالانکہ وہ یقیناً جانتے تھے کہ میری اور خلافت کی وہ نسبت ہے جو چکی اور اس کے مدار اور میخ کی ہوتی ہے (تا) تو میں نے صبر کیا حالانکہ آنکھ میں تنکے کی طرح اور حلق میں ہڈی کی طرح وہ خلافت مجھے چبھتی تھی اور میں اپنی وراثت کو لٹتا ہوا دیکھتا تھا یہاں تک کہ اول یعنی ابوبکر کا انتقال ہوا تو اس نے اپنے بعد فلاں یعنی عمر بن الخطاب کے حوالے امر خلافت کو کر دیا (تا) تو میں نے طویل مدت پر صبر کیا اور شدت محنت پر یعنی ان کے ایام خلافت کی طوالت کی وجہ سے وہ دن صبر آزما ہو چکے تھے حتیٰ کہ جب وہ راہی ملک بقا ہوئے تو اس کے شوریٰ کے انعقاد پر۔

اس کے آگے کافی طویل خطبہ ہے جس کے متعلق اہل السنت کا موقف یہ ہے کہ یہ سرے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہی نہیں بلکہ رضی نے یا اس سے پہلے خلفاء ثلاثہ کے مخالفین نے اس کو وضع کیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کر دیا جب کہ بعض شیعی علماء اس کے متواتر ہونے کے

دعویدار ہیں لیکن علامہ ابن میثم بحرانی نے اپنے اس عہد کی قسم کھاتے ہوئے کہ بے جا تعصب سے کام نہیں لوں گا اور اعتراف حقیقت میں کسی بخل کا مظاہرہ نہیں کروں گا اور اس عہد کی تجدید کرتے ہوئے کہا۔ "وأنا مجدد لعهد الله علىّ أني لا احكم في هذا الكلام إلا بما اجزم به أو يغلب على ظني أنه من كلامه او هو مقصوده"۔ یعنی میں اس عہد کی تجدید کرتے ہوئے کہتا ہوں کہ میں اس کلام میں صرف وہی حکم کروں گا جس کا مجھے جزم اور یقین ہوگا یا ظن غالب کہ یہ آپ کا کلام ہے یا آپ کا مقصود یہ ہے، جزم یا ظن غالب حاصل ہوئے بغیر میں کوئی حکم اور فیصلہ صادر نہیں کروں گا۔

فاقول ان كل واحد من الفريقين المذكورين خارج عن العدل اما المدعون لتواتر هذه الالفاظ من الشيعة فانهم في طرف الافراط وأما المنكرون لوقوعها اصلاً فهم في طرف التفريط وأما ضعف كلام الأولين فلان المعتبرين من الشيعة لم يدعوا ذلك ولو كان كل واحد من هذه الالفاظ منقولا بتواتر لما اختص به بعض الشيعة دون بعض (شرح ابن میثم بحرانی جلد اول ص ۲۵۱)

تو میں کہتا ہوں کہ دونوں فریق حد اعتدال سے خارج ہیں لیکن شیعہ نے ان الفاظ کے متواتر ہونے کا دعویٰ کیا ہے تو وہ حد افراط میں ہیں اور تجاوز کا شکار اور جنہوں نے سرے سے اس قسم کی شکایت کا انکار کیا ہے تو وہ تفریط اور کوتاہی و تقصیر کی جانب میں ہیں، پہلے فریق یعنی شیعہ کے دعویٰ تواتر کی وجہ ضعف یہ ہے کہ قابل اعتبار و اعتماد علماء علماء شیعہ نے اس کے متعلق تواتر کا دعویٰ نہیں کیا اور اگر اس خطبہ کا ہر ہر لفظ متواتر طور پر منقول ہوتا تو اس کی نقل صرف بعض شیعہ کے ساتھ مخصوص نہ ہوتی بلکہ تمام علمائے شیعہ اسکو نقل کرتے آگے چل کر لکھتے ہیں کہ نفس اختلاف کا شیعہ اور سنی کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا اسی لیے شیعہ

میں سے بہت سے اس کے قائل ہیں کہ بالکل حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت ہی نہیں کی تھی اور بعض نے کہا " انه بايع بعد ستة اشهر کرھا۔" کہ آپ نے چھ ماہ کے بعد مجبور ہو کر بیعت کی اور ان کے مخالفین نے کہا کہ کچھ عرصہ تخلف اور ٹال مٹول کے بعد بیعت کی بہر حال دونوں طرف سے خلافت کی رغبت اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نہ ملنے پر آپ کی طرف سے شکوہ و شکایت مسلم امر ہے "۔ أما خصوصيات الشكايات بالفاظها المعينة تغير متواترة وإن كان بعضها اشهر من بعض" ص ۲۵۲۔

لیکن مخصوص شکایات اپنے مخصوص الفاظ کے ساتھ تو وہ تواتر کے ساتھ منقول نہیں اگرچہ بعض بنسبت دوسرے بعض کے زیادہ معروف ہیں۔

شیعی علماء کی زبانی جب یہ حقیقت کھل کر سامنے آ گئی کہ مخصوص شکایات بھی متواتر نہیں اور ان کے الفاظ مخصوصہ بھی متواتر نہیں ہیں تو ایسے خطبات کی وجہ سے خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی ذوات مقدسہ کو مورد الزام ٹھہرانے اور ان کے ایمان و اخلاص پر حملہ کرنے کی

کسی مؤمن کو کیونکر جرأت ہو سکتی ہے مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حضرت ہارون علیہ السلام کے متعلق یہ شکایت تو قطعی طور پر ثابت ہے کہ انہوں نے خلافت کا حق ادا نہیں کیا اور آپ نے اسی وجہ سے ان کے سر اقدس اور ڈاڑھی مبارک کے بال پکڑ کر گھسیٹنا بھی شروع کر دیا لیکن کوئی یہودی یہاں اپنے طور پر موسیٰ علیہ السلام کی ترجمانی کرتے ہوئے حضرت ہارون علیہ السلام کے ایمان و اخلاص پر اعتراض کر دے اور ان کی بچھڑا پرست یہودیوں اور سامری کے ساتھ موافقت اور سازباز والے الفاظ استعمال کر دے جیسے کہ موجودہ تورات میں کیا گیا ہے تو کیا اس کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نظریہ تسلیم کر لیا جائے گا ایک شخص کو بھائی سے شکوہ ہوتا ہے مگر اس کی تعبیر الگ ہوتی ہے اور دشمن سے بھی شکوہ ہوتا ہے لیکن اس کے ترجمان جملے اور الفاظ الگ ہوا کرتے ہیں اور اگر وہ

بھائیوں کی برادرانہ شکر رنجی کو ایک بھائی کا دشمن بیان کرے گا تو وہ دوسرے بھائی کی ترجمانی نہیں ہو گی بلکہ اس موقعہ و محل سے فائدہ اٹھاتے ہوئے صرف اپنے غیظ و غضب اور بغض و کینہ کا اظہار مقصود ہو گا، اس لیے شیعہ صاحبان نے جو رنگ دیا ہے وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقصد سے بالکل مختلف ہے اس کا اگر مزید اطمینان کرنا ہو تو اسی مضمون کے دوسرے خطبات جو دیگر کتب میں منقول ہیں ان کے الفاظ دیکھ لو جو ڈھکو صاحب اور ان کے طبیب نے ذکر کیے ہیں نیز کلمہ التقدیم میں علامہ بحرانی کی زبانی نقل کیا جا چکا ہے کہ اگر کوئی شخص سرے سے ایسے خطبات کا انکار کر دے اور ان اشراف امت کے متعلق عوام اہل اسلام کو ان کا باہمی اتحاد و اتفاق باور کرانا مقصود ہو اور عوام اہل اسلام کو بھی باہمی اختلاف و انتشار سے بچانا اور ان میں بھائی چارہ کی فضا پیدا کرنا تو یہ بڑا نیک اور مستحسن اقدام ہے، کاش کہ اس اہم اور نیک مقصد کی خاطر اس خطبہ کا اور دیگر اس مضمون کے خطبات کا انکار کر دیا جاتا اور ایسے خطبات کا انکار کرتے وقت یہ عظیم مقصد پیش نظر ہوتا۔ شرح ابن میثم جلد اول ص ۲۵۲

خطبۃ الوسیلہ اور اس کی موضوعیت کے قرائن اور شواہد

خطبہ الوسیلہ جس کو روضہ کافی میں نقل کیا گیا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔

لقد تقمصها دونی الاشقیان نازعانی فیما لیس لهما بحق وركباها ضلالة واعتقداها جهالة فَلَبِئْسَ ما علیه وردا۔ الخ

میرے سوا دو بدبختوں نے خلافت کا کرتہ پہن لیا اور انہوں نے ناحق میرے ساتھ جھگڑا کیا اور گمراہی سے خلافت پر سوار ہو گئے اور جہالت سے

اسے اپنی چیز سمجھ لیا پس دونوں نے برے فعل کا ارتکاب کیا الخ اس میں چند امور قابل غور اور مستحق توجہ ہیں۔

۱۔ نہج البلاغۃ کا خطبہ جس کے تواتر کا دعویٰ بعض شیعہ صاحبان نے کیا ہے اس میں اس قدر شدید الفاظ استعمال نہیں کیے گئے جتنے کہ اس خطبہ میں استعمال کیے ہیں لہٰذا خصوصیات الفاظ کے تواتر کا دعویٰ بالکل غلط ہے جیسے کہ علامہ ابن میثم بحرانی شیعی نے خود اعتراف کیا۔

۲۔ اس خطبہ کو بقول صاحب کافی جب امام ابو جعفر محمد باقر نے جابر بن یزید کے سامنے بیان کرنے کا ارادہ فرمایا تو اس کو حکم دیا کہ اپنے وطن جاکر صرف ہمارے شیعوں کو بتلانا " بلغ حيث انتهت بك راحلتك أي فاذا انتهت بك راحلتك إلى بلادك فبلغ شيعتنا (ص۱۸ مع حاشیہ)

لہٰذا اس اختفاء سے اس کے تواتر عموی کا فقدان واضح ہو گیا بلکہ یہ صدری نسخہ کے حکم میں ہو گیا اور مخفی اور سربستہ راز کے قبیل سے ہے۔

۳۔ یہ خطبہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے ساتویں دن بعد دیا گیا ہے "خطب الناس بالمدينة بعد سبعة أيام من وفاة رسول الله صلى الله عليه وسلم وذلك حين فرغ من جمع القرآن وتاليفه"

حالانکہ اس وقت صرف حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ تھے نہ کہ دونوں حضرات تو یہ کہنا کہ دونوں نے خلافت کا کرتہ پہن لیا غلط محض ہے اور خلافِ حقیقت جس سے اس کا من گھڑت ہونا صاف ظاہر ہے۔

۴۔ خطبہ شقشقیہ ان تینوں حضرات کی خلافت کے بعد ہے مگر اس میں یہ تشدید اور تغلیظ نہیں اور یہ خطبہ وصال نبوی کے ساتویں دن بعد ہے اور اس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ناکردہ گناہ شامل کر کے فتوے لگا دیے گئے ہیں جو سراسر بلا جواز ہیں اور خلاف عدل و انصاف۔

۵۔ اگر غیبی خبر کے طور پر معلوم ہو گیا کہ دونوں جبراً خلافت لے لیں گے تو

پھر بھی علم میں نقص و قصور لازم آئے گا کیونکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی اس میں شریک ہیں اور ان کی مدت خلافت ان دونوں کی مجموعی مدت خلافت کے قریب ہے۔ پھر ان کو نظر انداز کرنے کی اور فتووں کے ساتھ نہ نوازنے کی وجہ کیا ہو سکتی ہے؟

۶۔ اگر ان کی خلافت کا بوجھ شوریٰ قائم کرنے والے پر ہے لہذا حضرت عثمان درگزر کے قابل ہیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بوجھ بھی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے سر ہے جنہوں نے ان کی مرضی کے برعکس ان کو خلیفہ بنا دیا اور حکماً یہ ذمہ داری سنبھالنے پر مجبور کیا۔ ملاحظہ ہو۔

ناسخ التواریخ جلد دوم از کتاب دوم ص۲۱۵

دانستہ باش اے عمر کہ من از برائے تو عہد نامہ نگاشتہ ام و ترا نائب و خلیفہ خویش داشتہ ام کتاب عہد را فراگیر و با دل قوی بکار خویش بپرداز عمر گفت اے خلیفۂ رسول خدا مرا بخلافت حاجت نیست ابوبکر گفت خلافت را بتو حاجت است،، لہذا پھر حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو بھی قابل عفو سمجھنا چاہیئے تھا کیونکہ حضرت صدیق نے ان کو حکم دیا کہ اس بات کو اچھی طرح جان لو کہ میں نے تمہارے لیے عہد نامہ لکھا ہے اور تمہیں اپنا نائب اور خلیفہ نامزد کیا ہے۔ عہد نامہ لیجئے اور دل کو مضبوط کر کے اپنے فرائض خدمت کی ادائیگی میں مشغول ہو جائیے، آپ نے کہا مجھے خلافت کی ضرورت نہیں ہے تو حضرت صدیق نے کہا خلافت کو تمہاری ضرورت ہے۔

۷۔ ان حضرات نے حضرت امیر سے خلافت لی ہی نہیں بلکہ انصار حضرت سعد بن عبادہ کو خلیفہ بنا رہے تھے جس کے بعد کسی مہاجر اور قریشی کو خلافت ملنا ممکن ہی نہ تھا لہذا انہوں نے حسن تدبیر سے حضرت سعد بن عبادہ کو اس منصب سے ہٹا دیا اور اس کے اہل قبیلہ بھی اس کی طرفداری سے باز آ گئے اور حضرت ابو بکر صدیق کو خلیفہ بنا دیا جس کی برکت سے

حضرت علی رضی اللہ عنہ چوتھے نمبر پر خلیفہ بن گئے ورنہ تو اس کی امید بھی نہیں کی جا سکتی تھی، لہٰذا انہوں نے خلافت لی ہے تو انصار سے اگر وہ یہ قدم نہ اٹھاتے تو نہ یہ حضرات سقیفہ بنی ساعدہ میں جاتے اور نہ ہی فوری طور پر خلافت کا مسئلہ کھڑا ہونا لہٰذا اندریں صورت ان دونوں کو بھی درگزر اور عفو و معافات کے قابل سمجھتے ہوئے سارا بوجھ صرف انصار پر ڈالنا چاہیے تھا۔

ذرا انصاف کی نظر سے دیکھو۔ تو یہ حقیقت مہر نیم روز سے بھی زیادہ روشن اور واضح ہے کہ انصار کے شہر اور وطن میں بھی جب ان کے ہاتھ سے سیادت اور قیادت جا رہی تھی تو کم از کم جب وہ دنیا قربان کر رہے تھے تو دین کو تو ہاتھ سے نہ جانے دیتے کوئی اتنا کم عقل بھی ہو سکتا ہے کہ اپنی دنیا بھی خراب کرے اور آخرت کو بھی تباہ کرے۔ اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے متعلق بار بار خلیفہ بلافصل کے اعلان کئے ہوتے تھے تو انہوں نے فوراً حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے حق میں دستبرداری کا اعلان کیوں نہ کیا جس سے صاف ظاہر ہے کہ قطعاً ایسا کوئی اعلان نہیں کیا گیا تھا اور یہ سب یار لوگوں کے تیار کردہ افسانے ہیں اور سبائی سازش کے شاخسانے کیونکہ جب ابوبکرؓ کی زبانی حدیث نبوی "الائمۃ من قریش" سن کر انصار اپنے موقف سے دستبردار ہو گئے تھے تو خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان اقدس سے سنے ہوئے ارشادات کو کیونکر نظر انداز کر سکتے تھے؟ اور خلافت علی سے اعراض اور روگردانی کیونکر کر سکتے تھے۔

۸۔ یہ خلافت جبر و اکراہ پر مبنی نہیں تھی بلکہ مہاجرین و انصار کے انتخاب سے معرض وجود میں آئی خواہ ابتداء میں سارے شامل نہ سہی بہرحال انہیں کی عظیم اکثریت نے اس طریقہ خلافت کی بنیاد رکھی اس لیے ان دونوں حضرات کو اس قدر غیظ و غضب کا نشانہ بنایا جائے تو کیوں؟ اگر وہ امیدوار

مقابلے میں کھڑے ہوں اور سب لوگ اپنا نمائندہ ان میں ایک کو چن لیں اور دوسرے کو اپنا نمائندہ نہ بنائیں تو قصور کس کا ہوگا؟ جب کہ مہاجرین اور انصار کے فضائل حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی زبانی اور مستند حوالوں سے عرض کیے جا چکے ہیں بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے شایان شان ہی یہ نہیں ہے کہ سب کو گمراہی پر اکٹھا کرے۔ ملاحظہ ہو شرح ابن میثم کی عبارت جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خطبہ میں داخل تھی مگر شریف رضی صاحب کی شرافت نے اس کو نگاہ اہل اسلام سے ہمیشہ کے لیے اوجھل کرنے کی ٹھانی اور اس پہ قینچی چلا دی مگر الحق یعلو ولا یعلیٰ علیہ کے مصداق حق ظاہر ہو کر رہا اور ابن میثم نے قطع وبرید اور ترتیب میں گڑبڑ کی نشاندہی کرتے ہوئے اس عبارت کو اگل دیا۔

ولعمری ماکنت الا رجلا من المهاجرین اوردت کما وردوا و صدرت کما صدروا وما کان اللہ لیجمعهم علی ضلال ولا یضربهم بعمیً (صفحہ ۳۵۵ جلد رابع)

مجھے اپنی زندگی کی قسم میں نہیں تھا مگر مہاجرین میں سے ایک عام فرد، جہاں اور جیسے وہ وارد ہوئے میں بھی وارد ہوا اور جہاں سے اور جیسے وہ پھرے میں بھی پھرا اور اللہ تعالیٰ کے یہ شایان شان نہ تھا کہ وہ ان کو ضلالت اور گمراہی پر جمع کرتا اور نہ اس کو یہ زیبا تھا کہ وہ سب کو نابینا اور حق ناشناس بنا دیتا۔ جب صرف مہاجرین کا حکم یہ ہے تو مہاجرین اور انصار کے اجماع کا حکم اس کے خلاف کیونکر ہو سکتا ہے اور یہی مضمون قول باری تعالیٰ۔

"ویتبع غیر سبیل المؤمنین" الآیہ سے ظاہر اور حضرت امیر کے ارشاد۔

"قاتلوہ علی اتباعہ غیر سبیل المؤمنین" سے ظاہر کما سیاتی

۹۔ پھر اس خطبہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مہاجر بھی اور انصاری بھی کہا گیا ہے حالانکہ

قرآن مجید نے دونوں فریق میں ہمیشہ واضح امتیاز برقرار رکھا ہے، کبھی انصار کا مہاجرین پر عطف کر کے، کبھی مہاجرین کو "الذین اخرجوا من دیارھم واموالھم" سے تعبیر فرما کر اور انصار کو "والذین تبوءوا الدار والایمان من قبلھم یحبون من ھاجر الیھم" فرما کر لہٰذا خطبہ کی عبارت "وان مھاجر آل ابی قحافۃ خیر من المھاجری الانصاری الربانی ناموس ھاشم بن عبد مناف" واقعہ اور حقیقت کے خلاف ہے اور یار لوگوں کی اختراع ہے یعنی انہوں نے جھوٹا دعویٰ کیا کہ آل ابی قحافہ کا مہاجر ہاشم بن عبد مناف کی ناموس اور مہاجر و ربانی انصاری (علی) سے بہتر ہے۔

۱۰۔ علاوہ ازیں اس خطبہ میں یہ دعویٰ بھی کیا گیا ہے" ان اول شھادۃ الزور وقعت فی الاسلام شھادتھم ان صاحبھم مستخلف رسول اللہ فلما کان من امر سعد بن عبادۃ ما کان رجعوا عن ذلک" یعنی پہلی جھوٹی شہادت جو اسلام میں واقع ہوئی وہ ان کی یہ شہادت تھی کہ ان کا منتخب خلیفہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا بنایا ہوا خلیفہ ہے لیکن جب سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کا اختلاف سامنے آیا تو اس سے رجوع کر لیا اور کہا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو خلیفہ نامزد نہیں کیا تھا۔ حالانکہ یہ سراسر واقعات کے خلاف ہے، اگر سقیفہ بنی ساعدہ میں کوئی دلیل بطور حدیث کے پیش کی گئی تو وہ صرف اور صرف "الائمۃ من قریش" والی حدیث تھی کہ ائمہ قریش سے ہی ہو سکتے ہیں نہ کہ انصار سے اور اسی پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب یہ تبصرہ بھی نہج البلاغہ وغیرہ میں جا بجا موجود ہے کہ ثمرہ اور نتیجہ کا تو اعتبار کر لیا یعنی بالعموم قریشی ہونے کا اور اصل و شجرہ کو نظر انداز کر دیا یعنی بالخصوص اہل بیت اور قریش ہونے کا

لہٰذا یہ بھی سراسر خلاف حقیقت کلام ہے۔

الغرض ہر ایک نے ایک ہی مضمون کو اپنی اپنی خواہش نفس اور قلبی غیظ و غضب کے مطابق مختلف رنگ دے دیئے ہیں جیسے کہ اس مضمون کی کئی روایات اور عبارات ڈھکو صاحب نے اور اس کے پیشوا نے نقل کی ہے جو دوسرے ارشادات مرتضویہ کے بھی خلاف ہیں اور فرمودات باری تعالیٰ کے بھی خلاف ہیں اور قبل ازیں مفصل طور پر بیان کر چکا ہوں کہ وہی روایت قابل قبول ہو سکتی ہے جو کلام اللہ کے مطابق ہو اور اہل بیت کا بھی صرف اور صرف وہی مذہب سمجھا جائے گا جو قرآن مجید سے ثابت ہو۔

هذا والحمد لله وصلى الله على حبيبه محمد وآله وصحبه اجمعين

تنبیہ: اگر شیعہ کتب سے منقول تمام عبارات پر مفصل بحث کروں تو بہت طوالت ہو جائے گی اسی بحث سے آپ باقی عبارات کی سخافت اور موضوعیت کا بھی اندازہ کر سکتے ہیں یعنی ؎

شد پریشان خواب من از کثرت تعبیرها۔

حقیقت کچھ اور تھی مگر ان دشمنان صحابہ کی تعبیرات نے کچھ اور بنا دی، بلکہ،

كلام العدى ضرب من الهذيان۔

تنزیہ الامامیہ علامہ محمد حسین ڈھکو صاحب

"کتب سینہ سے مضمون بالا کی تائید" کا عنوان قائم کر کے علامہ ڈھکو صاحب کے طبیب خاص نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے یوں فرماتے دکھایا ہے

ولكنك استبددت علينا بالامر وكنا نحن نرى لنا حقا لقرابتنا من رسول الله۔

یعنی تم نے اپنی رائے سے بلا رضامندی ہم اہل بیت رسول کی خلافت و امارت پر تسلط حاصل کر لیا حالانکہ ہم بوجہ قرابت رسول کے اسے اپنا حق جانتے تھے۔

نیز مسلم جلد ثانی ص۹۱ پر حضرت عمر خود اعتقاد امیر بحق شیخین کی ترجمانی اس طرح کرتے ہیں کہ عمر صاحب جناب علی اور حضرت عباس کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر خلیفہ تھے تو آپ دونوں نے اپنے اعتقاد میں ان کو جھوٹا، گناہگار، دغاباز اور خیانتی سمجھ رکھا تھا اور جب میں خلیفہ ہوا ہوں تو بھی تم دونوں نے مجھے جھوٹا گناہگار، دغاباز اور خیانتی سمجھا ہوا ہے حضرت علی نے یہ سن کر انکار نہیں فرمایا۔ جب کہ سکوت دلیل رضا ہوا کرتا ہے تو اس طرح گویا حضرت امیر کا عقیدہ ان دونوں کے متعلق واضح ہو گیا، اس کے بعد ڈھکو صاحب نے مسعودی اور ابن ابی الحدید کو سنی ظاہر کر کے متعدد حوالے مروج الذہب للمسعودی اور شرح ابن ابی الحدید سے نقل کئے ہیں اور بعض عبارات تاریخی کتب کے حوالے سے نقل کر دی ہیں۔ اور یہ سلسلہ ص۲۰۶ تا ص۲۱۶ تک چلا گیا ہے جس کے آخر میں خلاصہ یوں بیان کیا۔

ان عبارات کتب سینہ سے ثابت ہوا کہ حضرت علی خلافت خلفاء ثلاثہ کو غاصبانہ اور ظالمانہ سمجھتے تھے اور آپ دعوئ خلافت ظاہر فرماتے رہے، اس حد تک آپ کو اپنے استحقاق کا یقین تھا کہ خوف اختلاف و ارتداد نہ ہوتا تو جنگ بھی کرتے اور خلافت ثلاثہ کو آپ ایک دردناک مصیبت تصور کرتے تھے جس پر صبر فرمایا۔

تحفہ حسینیہ **از ابوالحسنات محمد اشرف السیالوی غفرلہ**

مسلم شریف کی روایت اور علماء شیعہ کی مغالطہ آفرینی

علامہ ڈھکو صاحب اور ان کے معالج نے کتب سینہ سے اپنے غلط نظریات عقائد کی اور خلافت کے غصب وغیرہ کی تائید پیش کرتے ہوئے بزعم خویش مسلم شریف کی دو روائتیں پیش کی ہیں اور باہم ناچاکی اور سخت کلامی ثابت کرنا چاہی ہے لیکن سب سے پہلے۔

۱۔ ڈھکو صاحب کو اپنے ضابطہ کی روشنی میں یہ دیکھنا چاہیے تھا کہ آخر اہلسنت

کی کتابوں میں متواتر روایات کون سی ہیں باہم محبت واخلاص والی اور ایک دوسرے کی عزت افزائی اور تنظیم وتوقیر والی یا اس کے برعکس، آخر یہ کون سی دیانت علمی ہے اور کس قسم کی تحقیق اور شان اجتہاد ہے کہ اپنے سلے ایک پیمانہ اختیار کر لیا جائے اور دوسروں کے لیے دوسرا پیمانہ ۔

ہر چہ برائے خود پسندی برائے دیگراں ہم پسند

۲۔ خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے اس روایت میں یہ اعتراف ہے "لم ننفس خیراً ساقه الله الیك" جس خیر اور بھلائی کو اور عز و شرف کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے حوالے کیا ہے ہم اس کے متعلق آپ کے ساتھ حسد نہیں کرتے جس میں صاف صاف اعتراف ہے کہ تمہیں اللہ تعالیٰ نے ہی یہ منصب عطا کیا ہے اور ہمیں آپ کے ساتھ اس بارے میں حسد اور منافست نہیں ہے بلکہ اس کا دلی طور پر اعتراف ہے اور احترام بھی ۔

۳۔ اور اسی میں تصریح ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا" موعدك العشیة للبیعة" میری طرف سے آپ کے ساتھ کل بعد نماز ظہر بیعت کا وعدہ ہے اور اگلے دن آکر آپ نے بیعت کر لی اور آپ کے اس اقدام پر تمام مہاجرین وانصار نے داد وتحسین فرمائی اور حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہما دونوں کے بیان کردہ اعذار اور اسباب پر اطمینان کا اظہار کیا۔ مگر ان دو حقیقتوں کو ان دو شیعی مولفین نے بطور تقیہ نگل لیا۔

۴۔ ڈھکو صاحب نے استبداد کے لغوی معانی اور وہ بھی صلات کے اختلاف کے ساتھ بیان کر کے فریب کاری کی کوشش کی ہے مثلاً استبد برأیه اپنی رائے میں منفرد ہو کر گمراہ ہوا وغیرہ کیا ہے حالانکہ اس جگہ الفاظ ہی محتمل ہیں یعنی استبددتم بالامر ہے کہ تم نے خلافت میں ہمیں بطور مشیر بھی شامل

نہیں کیا اس قدر ہم تمہارے نزدیک غیر اہم اور نا قابل اعتبار و اعتماد تھے جو سراسر ایک برادر شکر رنجی ہے اور بے پرواہی برتنے کا گلہ ہے جو حقیقت حال واضح ہونے پر زائل ہو گیا جب کہ حضرت صدیق نے واضح کیا کہ ہم تو سقیفہ بنو ساعدہ میں اختلاف کی بنیاد ختم کرنے گئے تھے لیکن حالات نے یہ رخ اختیار کر لیا کہ فوری طور پر خلیفہ کا انتخاب کرنا ضروری ہو گیا ورنہ مرکز اسلام میں ہی افتراق و انتشار کی بنیاد قائم ہو جاتی اور اسلام کی جڑیں کھوکھلی ہو جائیں۔

رہا آپ کا فرمان "کنا نری أن لنا حقاً لقرابتنا من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" تو اس میں آپ کی نامزدگی کیسے ثابت ہو گئی اور پھر قرابت صرف آپ میں ہی تو نہیں تھی بلکہ تمام بنو ہاشم اور تو عبد مناف اس میں۔ شامل تھے تو کیا سب کو خلیفہ بنایا جاتا بلکہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ اس قرابت کے لحاظ سے زیادہ حقدار تھے کیونکہ چچازاد بھائیوں کا درجہ بہرحال چچوں اور اعمام کے بعد ہی ہوتا ہے کیونکہ اصول وراثت سے یہی ہے کہ اقرب الابعد کے لیے حاجب ہوتا ہے اس لیے چچے کے ہوتے ہوئے چچازاد بھائی محروم رہتا ہے اور اس دلیل کے پیش نظر بعض لوگوں نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو احق بالخلافۃ قرار بھی دیا ہے ملاحظہ ہو تلخیص الشافی از محقق طوسی ص ۳۹۸

حضرت عباسؓ کے اصل حقدار خلافت ہونے کا دعویٰ

المخالف لامامة امير المؤمنين بعد النبي صلى الله عليه وسلم بلا فصل طائفتان احدا هما يذهب إلى امامة العباس رحمة الله عليه والأخرى الى امامة أبي بكر فالقائلون بامامة العباس يتعلقون فى امامته بالميراث وباخبار يروونها لا تعلق لها بالامامة ص۳۹۸ .

یعنی امیرالمؤمنین علی رضی اللہ عنہ کے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلیفہ بلافصل ہونے میں اہل تشیع اور امامیہ کے ساتھ اختلاف رکھنے والے دو گروہ ہیں ایک گروہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی خلافت بلافصل کا قائل ہے اور دوسرا فریق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت بلافصل کا اور جو فریق حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی خلافت بلافصل کا قائل ہے وہ اس مسلک پر اولاً وراثت کو دلیل بناتے ہیں اور ثانیاً ان روایات کو جو انہوں نے نقل کی ہیں مگر ان کا اس موضوع اور مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں ہے

الغرض اگر وراثت علت خلافت ہے تو پھر پہلا حق حضرت عباس رضی اللہ کا بنتا ہے واذلیس فلیس، اگر ان کی خلافت بلافصل ثابت نہیں ہو سکتی تو پھر اس کا تقاضا صرف یہی ثابت ہوا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل قرابت کو اعتماد میں لے کر اور ان کے صلاح و مشورہ سے خلیفہ کا تقرر عمل میں آنا چاہیے تھا اور اس کا لحاظ کیوں نہیں کیا گیا جس کے متعلق حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی پوزیشن واضح کر دی اور باہم صلح و صفائی ہو گئی اور سب صحابہ کرام میں خوشی اور مسرت کی لہر دوڑ گئی۔

لہٰذا اس روایت سے قطعاً شیعہ صاحبان کی تائید فی الواقع نہیں ہوتی اور مالیخولیا کا علاج کوئی نہیں ہو سکتا۔

مسلم شریف کی روایت ۲ اور شیعہ حضرات کی فریب کاری

علامہ ڈھکو صاحب اور اس کے معالج صاحب نے مسلم شریف کی ایک اور روایت سے بھی استدلال کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ شیخین رضی اللہ عنہما کو آثم، عہد شکن اور خیانت پیشہ سمجھتے تھے کیونکہ جناب عمر نے ان کا یہ نظریہ بیان کیا اور انہوں نے انکار نہ فرمایا لہٰذا سکوت دلیل رضا ہو گیا اور اس طرح سنیوں کا شیعوں کے ساتھ خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم میں باہم اختلاف اور سوء ظن پر اتفاق

ثابت ہو گیا نعرہ حیدری یا علی۔

والجواب بالصواب بفضل اللہ الوھاب۔

۱۔ اس روایت کی رو سے سب سے پہلے جس نے یہ الفاظ استعمال کئے ہیں۔ وہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ ہیں اور جن کے حق میں کئے ہیں وہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہیں " فقال عباس اقض بینی و بین ھذا الکاذب الآثم الغادر الخائن "

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ تعالیٰ نے اس پر بھی سکوت اختیار فرمایا۔ کیا یہاں بھی سکوت دلیل رضا ہے؟ اور آپ کا اپنے متعلق بھی یہی عقیدہ تھا اور جو کچھ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کہہ رہے تھے کیا وہ صحیح تھا؟ یعنی حضرت علی کاذب آثم، عہد شکن اور خائن ہیں نعوذ باللہ

۲۔ اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خود ان دونوں حضرات کی طرف سے اپنے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ خیال ذکر کیا ہے تو ساتھ ہی حضرت صدیق کے متعلق یہ الفاظ بھی ذکر کئے ہیں۔ واللہ یعلم انہ لصادق بار راشد تابع للحق" اور اپنے متعلق بھی یہ کلمات ذکر فرمائے ہیں۔ واللہ یعلم انی لصادق بار راشد تابع للحق" کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے ابوبکر یا سچے، محسن، راہ راست پر گامزن اور حق کے پیروکار تھے اور اللہ جانتا ہے کہ میں بھی یقیناً سچا، نیکوکار، راستی پر قائم اور حق کا پیروکار ہوں اور اس پر بھی دونوں حضرات نے خاموشی اختیار فرمائی کیا یہاں بھی سکوت دلیل رضا ہے یا نہیں؟ ایک جگہ سکوت کو دلیل رضا قرار دینا اور دوسرے مقامات پر اس کو دلیل رضا نہ سمجھنا کہاں کا انصاف ہے اور کون سی دیانتداری ہے۔

۳۔ ایک طرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کا خیال بیان کیا اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ کا حضرت ابوبکر اور اپنے متعلق محسن، تابع للحق اور

راہ راست پر گامزن ہونے کے حق میں حتمی اور قطعی علم بیان کیا اور وہ دونوں حضرات خاموش رہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کی طرف غلط امر کی نسبت پر ضرور ٹوکنا چاہیے تھا جس سے صاف ظاہر ہے کہ ان دونوں حضرات کے نزدیک یہ حقیقت مسلم تھی کہ واقعی عنداللہ یہ ان اوصاف کمال کے مالک ہیں اور جب یہ تسلیم ہو گیا تو پھر پہلے کلمات کا جواب بھی اسی میں آ گیا لہٰذا از سر نو جواب دینے کی کیا ضرورت تھی اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق یہاں سکوت کا گمان ہی بذات خود غلط ہے تو اس پر متفرع نتیجہ کی بیہودگی میں کیا خفا ہو سکتا ہے۔

۴۔ یہ دونوں حضرات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس فدک کے انتظامی امور کی تولیت میں اپنے جھگڑے کا فیصلہ کرانے کے لیے تشریف لائے تھے اور حضرت عثمان، حضرت سعد، حضرت زبیر اور حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہم کو اپنا سفارشی بنا کر لائے تھے جس شخص کے متعلق یہ عقیدہ ہو اس کو فیصل بنانے کا کیا مطلب؟ اور ایسے عظیم اشخاص کی سفارشات کے ذریعے فیصلہ کرنے پر رد نہ دینے اور اصرار کرنے پر زور دینے کا کیا مطلب؟

حقیقت حال

۵۔ لہٰذا اس روایت سے ڈھکو صاحب اور ان کے معالج کی اندرونی بھڑکتی آگ کی تسکین نہیں ہو سکتی اور نہ وہ بجھ سکتی ہے "قل موتوا بغیظکم" البتہ حقیقت حال ہم واضح کئے دیتے ہیں کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جناب میں یہ سخت لفظ استعمال کئے گو آپ ان کے لیے مثل والد کے تھے مگر آپ کی جلالت شان اور عظمت قدر کی وجہ سے قطعاً مناسب نہیں تھے، اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت صدیق کو اور اپنے آپ کو بھی ساتھ ملا دیا اور کہا یہاں

تو جھگڑا صرف انتظام میں ہوا تو یہ الفاظ استعمال ہونے لگ گئے تو پھر ہمارے متعلق بھی یہی عقیدہ رکھتے ہو جنہوں نے حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کا دعویٰ کرتے ہوئے سرے سے تمہیں فدک دیا ہی نہیں اور جب ہمارے متعلق یہ الفاظ استعمال نہیں کرتے تو ادھر کیوں اس قدر برافروختہ ہو گئے ہو لیکن ان کی عمر رسیدگی اور قرب مصطفوی اور آپ کے لیے بقیۃ الآباء ہونے کے ناطے صرف انہیں کو مخاطب نہ ٹھہرایا بلکہ اپنے جس عزیز کے حق میں انہوں نے یہ الفاظ استعمال کیے تھے انہیں بھی ساتھ شامل کر دیا، الغرض اس سے مقصود حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عزت و عظمت کا تحفظ تھا اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ان سخت الفاظ کا احسن طریقہ پر رد اور ان پر انکار لیکن چشم بدبین ہنر کو عیب ہی دیکھتی ہے اگر فدک نہ دینا کذب، خیانت اور گناہ وغیرہ کا موجب تھا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا طرز عمل اپنے دور خلافت میں اس طرح کیوں رہا جو شیخین رضی اللہ عنہما کا تھا اور حضرت زہراء کی اولاد کو یہ حق نہ دیکر وہ بھی کیا انہیں عیوب سے متصف ہو گئے تھے؟

۲۔ قاضی عیاض اور علامہ مازری رحمہما اللہ نے فرمایا کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے استعمال کردہ یہ الفاظ نہ ان کے شایان شان ہیں اور نہ حضرت علی رضی اللہ عنہ میں قطعاً ان قبائح کے تحقق کا کوئی شائبہ ہے اور ضابطہ یہ ہے کہ اس قسم کی روایات جو حضرات صحابہ کے شایان شان نہ ہوں اور ان کی مناسب توجیہ اور تاویل بھی نہ ہو سکے تو وہاں راوی کو جھوٹا کہہ دینا آسان ہے بنسبت ان ہستیوں پر کسی بدگمانی کے جن کی طہارت دامن قرآن مجید اور احادیث صحاح کے ساتھ ثابت ہے " واذا انسد طرق تاویلھا نسبنا الکذب الی رواتھا۔" اور اس لیے امام بخاری نے اور دیگر محدثین نے ان الفاظ کو ذکر نہیں کیا " قال النووی نقلا عن المازری، وقد

حمل هذا المعنی بعض الناس علی ان ازال هذا اللفظ عن نسخته تورعاً عن اثبات مثل هذا و لعله حمل الوهم علی رواته۔ (شرح مسلم للنووی ص۹۰ جلد اول)

یعنی اس حقیقت نے بعض حضرات کو اس امر پر آمادہ کیا کہ انہوں نے اپنے نسخہ سے ان الفاظ کو حذف کر دیا اس سے پرہیز کرتے ہوئے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی طرف سے اس قسم کے کلمات ثابت کریں اور اس کو انہوں نے راویوں کا وہم قرار دیا اور یہی قاعدہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا ہے کہ ظن اور گمان کی بنا پر کسی ثقہ اور معتمد علیہ شخصیت کے خلاف فیصلہ دینا ظلم ہے اور کمینہ حرکت (نہج البلاغۃ مع شرح ابن میثم جلد نمبر ۵ ص ۳۵۲)

لیس من العدل القضاء علی الثقة بالظن ای من کان عندک ثقة معروفا بالامانة فحکمک علیه بالخیانة عن ظن خروج عن العدل وهو رذیلة الجور۔ هذا والحمد للہ۔

۷۔ علاوہ ازیں غصہ اور ناراضگی کی حالت میں بعض سخت الفاظ آدمی کے موںہہ سے نکل جاتے ہیں لیکن وہ عقیدہ نہیں ہوا کرتا۔ اس لیے اس وقت موںہہ سے نکلے ہوئے الفاظ کو سند اور دلیل نہیں بنایا جا سکتا کیونکہ زبانی تشدد کی بجائے نوبت دست درازی تک بھی آ سکتی ہے جیسے افضل الخلائق جماعت کے متعلق بار بار بیان کر چکا ہوں یعنی انبیاء علیہم السلام بھی بشری تقاضوں کے تحت نوبت یہاں تک پہنچ سکتی ہے جیسے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حضرت ہارون علیہ السلام کے ساتھ معاملہ قرآن نے بیان فرمایا لہٰذا اس قسم کے بیہودہ استدلال ڈھکو صاحب اور ان کے مرشد صاحب کو کوئی فائدہ نہیں دے سکتے اور یہ تنکے ان کو بحرِ غضب خداوند تعالیٰ میں غرق ہونے سے نہیں بچا سکتے۔ فبعداً للقوم الظالمین ۰

۸۔ ڈھکو صاحب کو اعتراف ہے کہ ہم اپنی صحاح اربعہ کی ہر روایت کو بھی صحیح نہیں سمجھتے۔ رسالہ تنزیہہ الامامیہ ص۱۰۳ حالانکہ ان کے اکابر نے اسماء رجال اور جرح و تعدیل کے حکم میں اور ان اصطلاحات اور قواعد و ضوابط کے ایجاد و اختراع میں علماء اہل السنت کی تقلید و پیروی کی ہے ملاحظہ ہو مقدمہ منہج الصادقین۔ تو اہل السنت کو کیوں اپنے ان قواعد و ضوابط کے مطابق ایسی روایات کے متعلق فیصلہ کا حق نہیں دیتے ہمارا مسلم قانون ہے کہ راوی سے صحابہ کی عزت و عظمت بہر حال مقدم ہے اور راوی کو جھوٹا کہنا سہل ہے بنسبت صحابی کو متہم ٹھہرانے کے۔

دیانت و امانت کا خون :

علامہ ڈھکو صاحب اور اس کے معالج خاص نے مسعودی صاحب مولف مروج الذہب کو اور ابن ابی الحدید کو سنی ثابت کر کے ان کی عبارات سے ہمیں الزام دینے کی کوشش کی ہے حالانکہ دونوں نہ سنی ہیں اور نہ ان کی تصنیفات اہل السنت کے نزدیک حجت بلکہ ابن ابی الحدید نے بار بار اپنے معتزلی اور تفضیلی شیعہ ہونے کا اعتراف کیا ہے اور اس کا عقیدہ اصحاب جمل اور اصحاب صفین کے متعلق بھی رافضیوں والا ہے جس کو اس نے لگی لپٹی رکھے بغیر بار بار صراحت سے بیان کیا ہے اور مسعودی کا حال حضرت شاہ عبدالعزیز نے تحفہ اثنا عشریہ میں مفصل بیان کر دیا ہے نیز قاضی محمد علی طبا طبائی شیعی نے انوار نعمانیہ کے حاشیہ میں تصریح کی ہے کہ مؤرخ کبیر مسعودی صاحب مروج الذھب علماء امامیہ میں سے ہے : وافقهم ایضا من الامامية على بن الحسين المسعودی المؤرخ الکبیر صاحب مروج الذهب (انوار نعمانیہ جلد اول ص۳۶۵)

لیکن بایں ہمہ خود ہی ان کو سنی فرض کر کے پھر ان کی عبارات کو اہل السنت کے خلاف بطور الزام پیش کرنا ایسی دھاندلی اور ڈھٹائی اور بے شرمی و بے حیائی ہے جس کی نظیر کسی یہودی اور دیگر غیر مسلم مصنف کے ہاں بھی ڈھونڈے سے

ز مل سکے گی سچ ہے سے

اذا لم تستح فاصنع ما شئت -

ابن ابی الحدید کے سنی شیعہ ہونے پر بہر حال ہم نے دوسری جگہ با حوالہ بحث کر دی ہے اور یہاں ہم شرح حدیدی سے منقول مکالمات پر بھی مفصل تبصرہ کر دیا ہے جس سے بالکل مہر نیمروز کی طرح واضح کر دیا ہے کہ یہ حضرت عمر اور حضرت ابن عباس والے مکالمات تشیع اور رفض کے مردہ جسم میں جان نہیں ڈال سکتے لہٰذا یہاں اس تطویل لا طائل سے احتراز کرتے ہوئے اسی قدر پر اکتفا کرتے ہیں۔

نیز علامہ ڈھکو صاحب اور اس کے معالج نے ان کے علاوہ تاریخ کامل اور طبری وغیرہ کے نام بھی اس ضمن میں گنوائے ہیں لیکن ڈھکو صاحب کو خود اعتراف ہے جیسے کہ انہوں نے ناسخ التواریخ کے حوالہ جات کے جواب میں کہا کہ تاریخی کتب میں ہر قسم کے رطب ویابس اور ضعیف وسقیم روایات ہوتے ہی ہیں تو پھر یہاں تاریخی روایات پیش کرنے کی خود کیوں جسارت کی ہے اور اپنا وہ نظریہ بتاں فراموش کر دیا ہے جس سے ان کی بدحواسی اور اضطرابی کیفیت ظاہر ہے۔

مدار استدلال

اصول اسلامیہ کے مطابق اصل دلیل قرآن مجید ہے پھر حدیث وسنت جو قرآن مجید کے مطابق ہو لیکن ناظرین کرام اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر چکے کہ دونوں شیعی عالم قطعاً قرآن مجید کی ایک آیت سے بھی اس ضمن میں استدلال پیش نہیں کر سکے اور نہ کوئی صحیح حدیث جب کہ ہم نے ان حضرات صحابہ کے اخلاص، للہیت، صداقت اور ایثار و قربانی اور آخروی فوز و فلاح پر واضح اور صریح صریح الدلالت متعدد آیات پیش کی ہیں اور پھر ان کے موافق اور مطابق شیعی کتب سے روایات پیش کی ہیں جو ائمہ کرام بلکہ خود رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان فرمودہ معیار صحت اور مدار صدق کے عین مطابق ہیں لیکن شیعی علماء نے محض ہیرا پھیری سے کام لیا ہے اور فریب کاری اور دھوکہ دہی سے،

جس کی علم و حکمت اور عدل و انصاف کی دنیا میں کوئی قدر و قیمت نہیں ہے
اور نہ ہی اہمیت و وقعت۔

کیا حضرت امیر خلافت کے ہمیشہ خواہشمند رہے

اور خلافت خلفاء کو مصیبت سمجھتے رہے تو اس کے جواب میں بیسوں حوالے کتب شیعہ سے علی الخصوص نہج البلاغۃ سے مبحث خلافت میں ذکر کیے جائیں گے جن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ حلفیہ بیان دیتے ہیں کہ مجھے خلافت میں قطعاً کوئی رغبت اور دلچسپی نہیں اور اگر اسے کسی دوسرے کے حوالے کو دو تو میں سب سے زیادہ اس کا اطاعت گزار رہوں گا اور میرا وزیر رہنا بنسبت امیر بننے کے تمہارے لیے مفید تر ہے اور آپ نے خلافت فاروقیہ کو خدا تعالیٰ کی موعود خلافت قرار دیا اور آپکے لشکر کو خدا تعالیٰ کا لشکر اور اس کی نصرت و فتحمندی کا اللہ تعالیٰ کو ضامن قرار دیا۔ اور کتب اہل السنت میں مذکور ایسی روایات شمار سے باہر ہیں لہذا یہاں بھی حکیم صاحب اور علامہ ڈھکو صاحب نے اپنی صحیح ترین کتب مذہب کا اور حضرت امیر رضی اللہ عنہ کا مذاق اڑایا ہے کیونکہ جب وہ حضرت عثمان کی شہادت کے بعد بھی خلیفہ بنائے جانے والے حضرات کی خلافت کو تسلیم کرتے اور ان کا سب سے زیادہ مطیع و تابعدار ہونے کا برملا اور علی الاعلان کر رہے ہیں تو خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم جن کی عظمت و رفعت تمام مہاجرین و انصار کے ہاں مسلم تھی وہاں بیزاری اور اظہار مصیبت کا کیا جواز ہو سکتا ہے؟ حالانکہ آپ عملی طور پر ان کے وزیر و مشیر رہے اور شریک کار بھی۔

تم الجزء الاول من التحفة الحسينية بحمد الله وحسن توفيقه وصلى الله على سيدنا ومولانا محمد الله وخلقه اجمعين وعلى آله واصحابه اجمعين واتباعهم باحسان الى يوم الدين۔

﴿اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَام﴾ (آل عمران:۱۹)

اسلامی عقائد و معمولات قرآن و حدیث کی روشنی میں

اسلامی عقائد و معمولات

مؤلف

ڈاکٹر جان گل خان

اھل السنہ پبلی کیشنز شاندار بیکری والی گلی منگلا روڈ دینہ جہلم

فون نمبر: 0321:7641096 Mob 0333-5833360

بہت جلد دلکش انداز میں چھپ کر منظر عام پر آرہا ہے

محرم الحرام سے ذوالحجہ تک مختلف موضوعات پر

(59) انسٹھ خطبات کا شاندار مجموعہ

خطبات ہاشمی

﴿مؤلف﴾

حضرت مولانا صاحبزادہ محمد عبدالرؤف ہاشمی

نقشبندی مجددی فاضل علوم اسلامیہ خطیب جہلم

ناشر

اھل السنہ پبلی کیشنز شاندار بیکری والی گلی منگلا روڈ دینہ جہلم

فون نمبر: 0321:7641096 Mob 0333-5833360